مدیر

محمد منظور نعمانی

ہماری مطبوعات ایک نظر میں

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ممالک غیر سے سالانہ
بحری ڈاک سے ۲ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ
ایک شمارہ کی قیمت ہندوستان میں 1/50

چندہ سالانہ
ہندوستان سے ۱۵/-
پاکستان سے ہندوستانی سکہ میں ۲۵/-
بنگلادیش سے " " ۱۶/-

جلد (۴۹) | بابت جنوری ۱۹۸۱ء مطابق صفر المظفر ۱۴۰۱ھ | شمارہ (۱)

اگر اس دائرہ میں سُرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب یہ ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغہ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اس کی اطلاع اگلے مہینے کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات: مبلغ پچیس روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں چالیس روپے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

[مولوی عتیق الرحمٰن سنبھلی سلمہ اللہ تعالیٰ پچھلے دنوں اپنے موجودہ مستقر لندن سے آئے ہوئے تھے۔ نومبر کے آخری ہفتہ میں ان کو واپس ہونا تھا، گزشتہ مہینے کے الفرقان کے شمارے کے لیے (جو پندرھویں صدی کا پہلا شمارہ تھا) "نگاہِ اولیں" لکھنے کا ان کا ارادہ تھا لیکن سفر کے سلسلہ کی مصروفیتوں میں یہاں نہیں لکھ سکے۔ ۲۶ر نومبر کو دلی سے لندن کے لیے ہوائی جہاز پر سوار ہوئے تو موقع مل گیا اور انھوں نے لکھ لیا۔ اور لندن پہنچکر ڈاک سے روانہ کردیا لیکن وہ ایسے وقت پہنچا کہ اس شمارے میں شامل نہیں ہو سکا۔ آج کی صحبت میں وہی نذرِ ناظرین کرام کیا جا رہا ہے]

پندرھویں صدی:۔

سنہ ہجری اسلامی نے سو سال کا سفر اور طے کر لیا۔ اب وہ پندرھویں صدی میں گامزن ہے اور چودھویں صدی کا ورق اُلٹ گیا۔

ان الفاظ یا ان جیسے الفاظ کو بولنے یا لکھنے سے یہ بات از خود ظاہر ہو رہی ہے کہ ہجری صدی کی یہ تبدیلی کوئی پہلی بار نہیں ہو رہی ہے بلکہ یہ واقعہ اب سے پہلے تیرہ مرتبہ اور ہو چکا ہے۔ کیا ان تیرہ میں سے ایک مرتبہ بھی یہ غلغلہ کبھی بلند ہوا کہ صدی بدل رہی ہے، اسلامی تاریخ نے ہجرت نبوی کے یادگار سفر سے سو سال آگے کا سفر اور طے کر لیا۔ اس لیے لوگ جشن منائیں اور جشن کے رسوم و آداب عمل میں لائیں؟

تیرہ صدیوں کی پوری تاریخ پر نظر ڈالئے۔ پہلی صدی جب تکمیل کو پہنچکر دوسری کے لیے

راہ کھول رہی تھی تو یہ وقت عالم اسلام کے لیے بیحد فرحت وسرور اور شکر ومسرت کا وقت تھا۔ خلافتِ راشدہ کی تابناک وایمان افروز یادوں پر ملوکانہ خلافت کے اطوار نے جو دل گرفتہ و رنجور کرنے والے سائے ڈال دیے تھے، عین پہلی صدی کے اختتام (۹۹ھ) میں اس تاریک مطلع پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت کی شکل میں، خلافت راشدہ کی تابانیاں پھر سے نمودار ہوئیں اور دوسری صدی ہجری کا آغاز ہوتے ہوتے دنیائے اسلام اس "آفتاب تازہ" کی تابانیوں سے ایک بار پھر جگمگا اٹھی ــــ یہ وقت تھا کہ لوگ جشن مناتے، فرحت وسرور کے مراسم ادا کرتے اور قومی پیمانے پر شکر ومسرت کی تقریبات بپا ہوتیں۔ مگر..... مگر ہماری تاریخ کی کوئی روایت نہیں بتاتی کہ ایسا ہوا ہو اور دوسری صدی کے اس شاندار اور انتہائی قابل شکر آغاز پر کچھ قومی تقریبات عمل میں آئی ہوں۔

کیا اُس دور کے لوگ ناشکرے تھے، استغفر اللہ! ہمیں اُن سے کیا نسبت؟ یہ تابعین کا دور تھا، بعض صحابہ بھی حیات تھے۔ ہم اندازہ بھی نہیں کرسکتے کہ یہ وقت اُن کے لیے بالعموم کتنا فرحت انگیز اور شکر خیز تھا اور کیسے کیسے سجدہائے شکر انھوں نے اپنی خلوتوں میں ادا کیے ہوں گے۔

اسی طرح صدی بہ صدی نظر ڈالتے چلے جائیے اکثر موقعے صدیوں کے آغاز و اختتام کے ایسے ملیں گے جب واقعی لوگوں کو حق تھا کہ مسرت و انبساط کے مظاہر اپنائیں اور دنیا کو جتائیں کہ اسلام ابدی ہے، سدا بہار ہے، اس کے گلشن میں خزاں کا عمل کبھی دائمی نہ ہوسکے گا، یہ وقتی اور آنی جانی ہے۔ اس کی اصل فطرت میں بہار ہے، نمو ہے اور یہ فطرت اسی طرح سدا ظہور کرتی رہے گی لیکن دوسری صدی کی طرح یہ تمام موقعے بھی ہمیں کسی جشن آرائی کے تذکرے سے خالی ملتے ہیں۔

پھر یہ کیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے پہلی دفعہ ایک نئی صدی شروع ہونے کا عمل اسلامی تاریخ میں ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی ـــــ کہ گویا کچھ ایسے عظیم کارنامے امت نے گزرنے والی (چودھویں) صدی میں انجام دیے ہیں جن کے نتیجے میں وہ اب شروع ہونے والی (پندرھویں) صدی کو اپنی اور اسلام کی صدی سمجھ لینے میں حق بجانب اور احساس فخر سے بے قابو ہے۔

کون نامراد و مسلمان ہوگا جو آرزو نہ کرے اور امید نہ رکھے کہ ہر آنے والا دن ہر آنے والا ماہ وسال اسلام کا، اس کی ملت کا دن اور ماہ وسال ہو۔ مگر ہم ہیں کہاں؟ یہ بھی تو دیکھنے کی

بات ہے۔ کون سے وہ کارنامے ہم سے ظہور میں آئے ہیں جن سے چودھویں صدی ہمیں دعائیں دیتی ہوئی گئی ہے اور پندرھویں کے متعلق ہم سر اونچا کر کے کہنے کے حقدار ہیں کہ جو کچھ کسر رہ گئی ہے وہ اس میں پوری کردی جائے گی؟

بے شک چودھویں صدی کے وسط تک ہم جس قعر مذلت میں گرفتار تھے، جس طرح غیروں کی غلامی کا قلادہ عام طور سے ہماری گردنوں میں پڑا ہوا تھا، اور غیروں سے مرعوبیت اور خود فراموشی کی جو کیفیت ہمارے اوپر مسلط تھی صدی کے آخری نصف سے یہ تمام باتیں ختم ہونا شروع ہوگئیں۔ ہمارے غلام ملک آزادی پاتے چلے گئے، ذلت کی بہت سی صورتیں ختم ہوگئیں، مرعوبیت سے گردن چھوٹنے لگی اور خود کو سمجھنے کا جوہر بھی از سر نو جلا پانے لگا۔ لیکن ذرا دیر کے لیے سنجیدہ تجزیہ سے کام لیا جائے تو نظر آئے گا کہ ہم جو غلامی سے آزادی کی فضا میں آئے تو یہ اُس عالمی لہر کا نتیجہ تھا جو (COLONIALISM) سامراج کی شکست وریخت سے پوری دنیا میں پیدا ہوئی۔ اسی نے ہماری خود شناسی کو جھنجھوڑ کر مرعوبیت سے نکالا اور ذلت پر عملاً راضی ہو جانے کی حالت دور کی۔ اسی ذیل میں ہمارے یہاں اسلامی نشاۃ ثانیہ کی تحریکیں اٹھیں اور مسلم عوام وخواص کی ایک بڑی تعداد کو اُنھوں نے اپنے گرد جمع کر لیا، اسلام کو ایک زندہ اور خود کفیل دین اور نظام زندگی کے طور پر پیش کرنے کا بہت سی جگہوں پر بہت بلند آہنگ کام ہوا۔ اور اسے تمام غیر اسلامی عناصر سے پاک کر کے مکمل طور سے ساری دنیا میں غالب کر دینے کی جدوجہد ہوتی نظر آنے لگی۔ مگر ساری دنیا تو کیا اسلامی دنیا پر بھی غالب کیا چیز ہوئی؟ وہی شخصی اور قومی نخوت وانانیت جو تمام نو آزاد ممالک میں آزادی کے ساتھ ساتھ بروئے کار آئی۔

فضا اسلام کا نام لینے کی بن گئی تھی اس لیے عام طور پر ارباب اقتدار نے نام اسلام ہی کا آگے رکھا۔ مگر عملاً اسلام کے ساتھ برائے نام واسطے سے لیکر صریح اسلام دشمنی تک اُن کا کردار بنی ہوئی پائی گئی۔ کہیں (بادشاہتوں میں) خاندانی اقتدار کو اصل مطمح نظر رکھ کر اسلام کے اس حصے کو اپنا شعار ٹھیرا لیا گیا جس کو خاندانی اقتدار کے لیے بے ضرر ہی نہیں بلکہ مددگار سمجھا گیا۔ کہیں صرف اسلامیت اور اسلام سے وفاداری کے ابلہ فریب اظہار ہی پر اکتفا کیا گیا، اور کہیں اسلام کے نام کے ساتھ وہ نظام زندگی اور طرز زندگی رائج کرنے کی دیوانہ وار کوشش کی گئی جس کو

اسلام سے بس ایک ضد کی نسبت تھی، دنیا میں پھیلے ہوئے ملحدانہ اور مادہ پرستانہ (بلکہ کافرانہ) افکار کو اسلام ہی کے نام سے اپنے ملکوں اور دوسرے اسلامی ملکوں میں ٹھونسنے کی مجنونانہ سعی ان لوگوں نے کی۔ یہ عموماً وہ تھے جو اپنے ملک کا نظام کہنہ اُلٹ کر انقلابی انداز میں برسر اقتدار آئے تھے ـــــ اور پھر حالات کی اس رفتار کے نتیجے میں یہ المناک صورت حال بھی دیکھنے میں آگئی کہ جو لوگ اسلام، صرف اسلام اور کامل اسلام کا علم لیکر چل رہے تھے ـــــ چاہے وہ کسی ملک کے بھی ہوں ـــــ وہ "ایں ہم غنیمت است" کے فلسفے کی پناہ لیتے ہوئے اسلامی دنیا کے اُن ارباب اقتدار کی گود میں بیٹھے ہوئے نظر آنے لگے جن کی رسمی یا جزوی "اسلامیت" سے وہ قطعاً راضی نہ تھے اور نہ اُن کے اسلامی فکر میں ان کے لیے کسی رعایت کی گنجائش تھی ـــــ یہ ہماری صورت حال ہے جس میں جانے والی صدی ہمیں چھوڑ کر گئی ہے۔

صدی کے بالکل آخری سرے پر ایک زبردست "اسلامی انقلاب" کا دھماکہ ایران میں ہوا۔ دنیا کے ہر خطہ کے "علمبرداران اسلامی انقلاب" کی مرجھائی ہوئی امیدیں اس سرے سے اُس سرے تک جاگ اُٹھیں، ایسا لگا جیسے اُن کی بے بسی پر قدرت کا ہاتھ براہ راست حرکت میں آ گیا، بے بسی کے دن رخصت ہوئے اور اسلامی انقلاب اور اسلامی نظام کا سورج پوری آب و تاب کے ساتھ باطل کے اندھیروں کو شکست دینے کے لیے آنکلا۔ مگر وائے محرومی کہ ابھی جانے والی صدی کے دن پورے نہیں ہو پائے تھے کہ اول تو اس "اسلامی انقلاب" نے خود ہی کچھ مایوسی سی پیدا کرنا شروع کر دی اور اس سے بڑھ کر یہ ہوا کہ اسلامی تحریکوں کے یہ علمبردار جن "غنیمت" قسم کے مسلم حکمرانوں سے وابستگی اختیار کیے ہوئے تھے وہ سب کے سب اس "اسلامی انقلاب" سے خوفزدہ ہونے کی وجہ سے عراق کی اُس بعثی حکومت کی پشت پر آکھڑے ہوئے جس نے ایران کے اس "اسلامی انقلاب" کو تہس نہس کرنے کے ارادے سے صدی کے بالکل آخری مہینے میں پوری طاقت سے ہلہ بول دیا تھا۔ اور اب تک اُس کا سلسلہ جاری ہے۔

اس طرح کی اور کئی قابل ذکر باتوں کو چھوڑتے ہوئے یہ ہے وہ صورت حال جس میں چھوڑ کر ہمیں چودھویں صدی رخصت ہوئی ہے اور پندرھویں صدی نے ہمیں جس میں پایا ہے۔ کیا حالات کا نقشہ ہمیں حق دیتا ہے کہ ہم نئی صدی کو اسلام کی اور مسلمانوں کی صدی

قرار دیتے ہوئے، ہم جشن طرب، افتخار کی تقریبات سجائیں۔ اور تیرہ صدیوں کی پچھلی تاریخ میں باوجود ایسے مواقع ہونے اور استحقاق کی واقعی بنیادیں موجود ہونے کے، جو کبھی نہیں ہوا اسے اس انداز سے کرنے کھڑے ہو جائیں جیسے فی الواقع ہمیں یہ کرنا ہی چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ صدی کی اس تبدیلی پر ہمیں اگر کچھ کرنا ہی چاہیے تو وہ بس یہ ہے کہ اپنے پچھلے اعمال نامہ کا جائزہ لیں۔ غلطیوں اور کمزوریوں پر اللہ سے استغفار کریں، اپنی آنکھوں سے مطلوبہ نتائج دیکھ لینے کی بے صبری میں شارٹ کٹ اور وقتی ضرورت کی خود فریبی میں جو کھلی بے راہ رویاں ہم سے ہوتی ہیں اُن سے آئندہ کے لیے تائب ہوں اور اسی طرح یہ بھی دیکھیں کہ دعوت اسلامی کی ہماری فکر میں ایسی کوئی غلطی تو نہ تھی جو سارے اخلاص، بڑی قربانیوں، اعلیٰ درجہ کی توانائیوں کے صرف اور ایک طویل سلسلۂ جد وجہد کے باوجود بعید غیر متوقع نتائج کا باعث بن گئی ہو ——— یہ کام ہے جس کے لیے جلسے منعقد ہوں۔ اجتماعات ہوں، سمپوزیم اور سیمینار ہوں۔ لیکن جشن، خوشی، اونچے اونچے خواب اور کسی کارکردگی کا تأثر مسلم دنیا کو دینے کی باتیں کوئی موقع اس کا نہیں۔ یہ محض خود فریبی ہوگی اور یا خدانخواستہ مسلم عوام کو حقیقت شناسی سے دور رکھنے کی کوشش۔

آخر میں بڑے رنج اور بڑی دل گرفتگی کے ساتھ یہ کہنا بھی ضروری نظر آتا ہے کہ پندرھویں صدی کی اس جشن آرائی کے پیچھے جہاں تک نظر کام کرتی ہے، صاف طور سے ہاتھ اسلامی دنیا کے اُن ارباب اقتدار کا نظر آرہا ہے جنھوں نے اسلام کا سرپرست بنا کر اپنے آپ کو پیش کیا اور پھر اس بات کا حق نہ ادا کر سکنے کی بنا پر مختلف اطراف سے ردعمل کے جھکڑ نے اُن کے تاج و تخت اور اچھی شہرت کو گھیرنا شروع کر دیا ——— ہماری نظر میں یہی لوگ اور ان سے کسی قسم کی احتیاج اور وابستگی کا تعلق رکھنے والے لوگ ہیں جنھوں نے عالمی پیمانے پر جشن کی آراستگی کا اہتمام کیا ہے تاکہ ان خطرہ میں پڑ جانے والے حکمرانوں کو اس اہتمام کی فیاضانہ سرپرستی کے روپ میں ایک دفعہ پھر اپنی ساکھ جمانے کا موقع مل جائے۔ لیکن سچ یہ ہے کہ ان باتوں سے اب کوئی فائدہ نہیں پہنچنا ہے۔

چودھویں صدی کے بارے میں ایک عامیانہ شہرت برابر رہی ہے کہ یہ شاید دنیا کی آخری

صدی ہوگی۔ اور غیر مسلموں کی تعبیر کے مطابق اسلام کی آخری صدی۔ بہت ہی قرین قیاس ہے کہ اس شہرت عام کو اور خیال خام کو خاص طور سے اس جشن آرائی کی کامیابی کا ضامن سمجھا گیا ہو۔ اور اگر تجسس کیا جائے تو عوام کی اس سے دلچسپی کے پیچھے یہ بات ضرور نکل آئے گی۔

ایک مدت کے بعد چودھویں صدی میں ایسے غیر معمولی مواقع اللہ تعالیٰ نے عالم اسلام کو عطا فرمائے کہ وہ پھر سے سچی اسلامیت اختیار کرتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کی بڑی ناقدری ہم نے کی اور اس کی سزا ملنا شروع ہوگئی ——— بات اب بھی ہاتھ سے نہیں گئی ہے، لیکن اس کے لیے پورے طور پر اسلام کو اپنانا ہوگا، رسمی اور نمائشی باتوں سے کچھ ہونے والا نہیں۔

محمد منظور نعمانی

معارف الحدیث (مسلسل)

کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ (۳)

اس دور میں نجات کا واحد راستہ اتباع محمدی ہے :-

عَنْ جَابِرٍ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِنُسْخَۃٍ مِنَ التَّوْرَاۃِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھٰذِہٖ نُسْخَۃٌ مِنَ التَّوْرَاۃِ فَسَکَتَ فَجَعَلَ یَقْرَءُ وَوَجْہُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَغَیَّرُ، فَقَالَ اَبُوْبَکْرٍ ثَکِلَتْکَ الثَّوَاکِلُ مَا تَرٰی مَا بِوَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، فَنَظَرَ عُمَرُ اِلٰی وَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ غَضَبِ اللّٰہِ وَغَضَبِ رَسُوْلِہٖ رَضِیْنَا بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوْ بَدَا لَکُمْ مُوْسٰی فَاتَّبَعْتُمُوْہُ وَتَرَکْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَاءِ السَّبِیْلِ وَلَوْ کَانَ حَیًّا وَاَدْرَکَ نُبُوَّتِیْ لَاتَّبَعَنِیْ

رواہ الدارمی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ توراۃ کا ایک نسخہ لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ توراۃ کا ایک نسخہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت اختیار فرمایا (زبان مبارک سے کچھ ارشاد نہیں فرمایا) حضرت عمر نے اس کو پڑھنا، اور حضور کو

سنانا) شروع کر دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک متغیر ہونے لگا (حضرت عمر پڑھتے رہے اور حضور کے چہرۂ مبارک کے تغیر سے بے خبر رہے) حضرت ابوبکر نے (جو مجلس میں حاضر تھے حضرت عمر کو ڈانٹا اور) فرمایا "ثکلتک الثواکل" حضور کے چہرۂ مبارک کی کیفیت تم نہیں دیکھ رہے ہو! تو حضرت عمر نے حضور کے چہرۂ مبارک کی طرف نظر کی اور فوراً بولے ـــــ اللہ کی پناہ! اللہ کے غصہ سے اور اس کے رسول کے غصہ سے۔ ہم (دل و جان سے) راضی ہیں اللہ کو اپنا رب مان کر اور اسلام کو اپنا دین بنا کر اور حضرت محمد کو نبی و رسول مان کر" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ـــــ اس خداوند عالم کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے، اگر (اللہ کے پیغمبر) موسیٰ (اس دنیا میں) تمہارے سامنے آجائیں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی پیروی اختیار کر لو تو راہ حق اور صحیح راستہ سے بھٹک جاؤ گے اور گمراہ ہو جاؤ گے اور (سنو) اگر (اللہ کے نبی) موسیٰ زندہ ہوتے اور میری نبوت کا زمانہ پاتے تو وہ بھی میری پیروی کرتے (اور میری لائی ہوئی شریعت ہی پر چلتے)۔ (مسند دارمی)

(تشریح) "نسخۃ من التوراۃ" کا مطلب ہے تورات کے عربی ترجمہ کا کوئی جز اور کچھ اوراق ـــــ حضرت ابوبکر رضی اللہ نے حضرت عمر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناگواری اور چہرۂ مبارک پر اس کے اثر کی طرف متوجہ کرتے ہوئے جو یہ جملہ فرمایا "ثَكِلَتْكَ الثَّوَاكِلُ" اس کا لفظی ترجمہ ہے "رونے والیاں تجھ کو روئیں" ـــــ جب اظہار ناراضی کے موقع پر یہ جملہ بولا جاتا ہے تو اس کا مطلب صرف ناراضی کا اظہار ہوتا ہے، لفظی معنی مراد نہیں ہوتے۔ ہر زبان میں ایسے محاورے ہوتے ہیں، ہماری اردو زبان میں مائیں اپنے بچوں کو ڈانٹتے ہوئے "موا" کہتی ہیں (جس کے لفظی معنی ہیں مرا ہوا) مقصد صرف ناراضی اور غصہ کا اظہار ہوتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فعل پر حضورؐ کی ناراضی و ناگواری کی خاص وجہ یہ تھی کہ اس سے شبہ ہو سکتا ہے کہ "خاتم الکتب" قرآن مجید اور "خاتم الانبیاء" حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کے بعد بھی تورات یا کسی قدیم صحیفہ سے روشنی اور رہنمائی حاصل کرنے کی ضرورت رہتی ہے، حالانکہ قرآن اور تعلیم محمدی نے معرفت الٰہی اور ہدایت کے باب میں ہر دوسری چیز سے مستغنی کر دیا ہے۔ اگلی کتابوں اور انبیاء سابقین کے صحیفوں میں جو ایسے حقائق اور مضامین و احکام تھے جن کی بنی آدم

کو ہمیشہ ضرورت رہے گی وہ سب قرآن مجید میں محفوظ کر دیے گئے ہیں "مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ"
جو قرآن پاک کی صفت ہے اس کا مطلب یہی ہے ــــــ نیز تورات اور دوسرے اگلے صحیفوں کا دور ختم ہو چکا
ہے، نزول قرآن اور بعثت محمدی کے بعد نجات اور رضائے الٰہی کا حصول، انہی کے اتباع پر موقوف
ہے۔ اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے آپ نے قسم کھا کے فرمایا کہ اگر بالفرض آج صاحب تورات موسیٰ
علیہ السلام زندہ ہو کر اس دنیا میں تمھارے سامنے آجائیں اور تم مجھے اور میری لائی ہوئی ہدایت وتعلیم کو چھوڑ
کے ان کی پیروی اختیار کر لو، تو تم راہ یاب نہیں ہو گے بلکہ گمراہ اور راہ حق سے دور ہو جاؤ گے
اس حقیقت پر اور زیادہ روشنی ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا اگر آج حضرت موسیٰ زندہ ہوتے اور میری
نبوت و رسالت کا یہ دور پاتے تو وہ خود بھی اُسی ہدایت الٰہی اور اسی شریعت کا اتباع کرتے
جو میرے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے اور اس طرح میری اقتدا اور میری پیروی کرتے۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ چونکہ آپ کے اخص الخواص اصحاب میں سے تھے اس لیے اُن کی یہ ذرا
سی لغزش بھی حضور کے لیے ناگواری کا باعث ہوئی۔ ع

جن کے رتبے ہیں سوا ان کو سوا مشکل ہے

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ كَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ يَقْرَؤُنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِيَّةِ
وَيُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِيَّةِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ
علیہ وسلّم لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا
بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا الْاٰيَة" ــــــ رواہ البخاری (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے بیان کیا کہ اہل کتاب مسلمانوں
کے سامنے عبرانی زبان میں توراۃ پڑھتے اور عربی میں اس کی تفسیر وتشریح کرتے تھے تو رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ اہل کتاب کی (ان باتوں کی جو وہ تورات کے
حوالہ سے تم کو سناتے اور بتلاتے ہیں) نہ تصدیق کرو نہ تکذیب بس (اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے
مطابق قرآن پاک کے الفاظ میں) یہ کہا کرو کہ

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَا	ہم ایمان لائے اللہ پر اور اُس کی اُس کتاب
اُنْزِلَ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ	پر جو ہماری طرف (اور ہماری ہدایت کے لیے)

وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۝

نازل کی گئی ہے اور اُن سب ہدایت ناموں پر ایمان لائے جو نازل کیے گئے تھے (انبیاء سابقین) ابراہیم، اسماعیل، اسحاق اور اسباط پر اور جو نازل کیے گئے موسیٰ و عیسیٰ پر اور (ان کے علاوہ) اور نبیوں کو جو ہدایت عطا ہوئی ان کے پروردگار کی طرف سے، ہم (نبی و رسول ہونے کی حیثیت سے) ان میں) کوئی تفریق نہیں کرتے (ہم سب کو مانتے ہیں اور ہم بس اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔

(تشریح) واقعہ یہ ہے کہ تورات میں اور اسی طرح انجیل میں طرح طرح کی تحریفات ہوئی تھیں اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی کہ ان کی سب باتوں کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب یہ عقیدہ رکھو اور دوسروں کے سامنے بھی اپنا یہ موقف واضح کردو کہ اللہ کے سب نبیوں پر اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والے سب ہدایت ناموں پر ہمارا ایمان ہے ہم ان سب کو برحق مانتے ہیں، اس لحاظ سے اللہ کے نبیوں میں ہم کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے بندے ہیں اسی کے حکموں پر چلتے ہیں، اور اس دور کے لیے اُس کا حکم یہ ہے کہ اس کی آخری کتاب قرآن اور اس کے لانے والے آخری نبی و رسول کی تعلیم و ہدایت کی پیروی کی جائے ـــــــ اللہ تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے اور عقل کا تقاضا بھی یہی کہ ایمان اللہ کے سب نبیوں پر اور اس کی نازل کی ہوئی سب کتابوں پر لایا جائے، سب کا احترام اور سب کی عظمت کا اعتراف کیا جائے لیکن پیروی اپنے زمانے کے نبی و رسول کی اور اس کی لائی ہوئی شریعت کی کی جائے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم لَيَاْتِيَنَّ عَلٰى اُمَّتِيْ كَمَا اَتٰى عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتّٰى اِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ اَتٰى اُمَّهٗ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِيْ اُمَّتِيْ مَنْ يَّصْنَعُ ذٰلِكَ وَاِنَّ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ

---

[1] البقرہ آیت ۱۳۶

اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلٰثٍ وَّ سَبْعِیْنَ مِلَّۃً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً قَالُوْا مَنْ ھِیَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَ اَصْحَابِیْ

ـــــــ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت میں وہ سب برائیاں آئیں گی جو بنی اسرائیل میں آئی تھیں بالکل برابر سرابر، یہاں تک کہ اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا بدبخت ہوا ہوگا جس نے علانیہ اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی کوئی ایسا بدبخت ہوگا جو ایسا کرے گا۔ اور بنی اسرائیل بہتّر فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری امت تہتّر فرقوں میں تقسیم ہوگی اور یہ سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے (وہی جنتی ہوگا)۔ صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت وہ کون فرقہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا جو اُس راستے پر ہوگا جس پر میں ہوں اور میرے اصحاب ہیں۔

(جامع ترمذی)

(قریباً اسی مضمون کی ایک حدیث مسند احمد اور سنن ابی داؤد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے)

(تشریح) اس حدیث میں جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ صرف ایک پیشینگوئی نہیں ہے بلکہ امت کے لیے بہت بڑی آگاہی ہے، مقصد یہ ہے کہ ہر امتی اس کی فکر اور اس کا دھیان رکھے کہ وہ انہی عقائد و نظریات اور اسی مسلک پر قائم رہے جس پر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام تھے، نجات اور جنت کی ضمانت انہی کے لیے ہے۔

اس طبقہ نے اپنے لیے "اہل السنۃ والجماعۃ" کا عنوان اختیار کیا ہے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جماعت صحابہ کے طریقہ سے وابستگی رکھنے والے) ـــــ دوسرے بہتّر فرقے جن کے بارے میں اس حدیث میں فرمایا گیا ہے "کلھم فی النار" اُن سب کی تعیین کے ساتھ نشاندہی نہیں کی جاسکتی، بہرحال یہ وہ ہیں جن کا دینی طرز فکر اور اعتقادی مسلک "ما انا علیہ واصحابی" سے اصولی طور پر مختلف ہے مثال کے طور پر کہا جاسکتا ہے جیسے خوارج، روافض، معتزلہ، جہمیہ، اور ہمارے زمانے کے منکرین حدیث، جن کے عقیدے کا فساد کفر تک نہیں پہنچا ہے۔

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ جن لوگوں نے ایسے عقائد اختیار کر لیے جن کی وجہ سے وہ دائرہ اسلام ہی سے خارج ہو گئے — جیسے قدیم زمانے میں مسیلمہ کذاب وغیرہ مدعیانِ نبوت نبی ماننے والے، یا ہمارے زمانے کے قادیانی — سو ایسے لوگ "اُمت" کے دائرہ ہی سے نکل گئے، اس لیے یہ ان بہتر فرقوں میں شامل نہیں ہیں۔ یہ بہتّر فرقے وہ ہیں جو امت کے دائرہ میں ہیں، انھوں نے "ما انا علیہ واصحابی" کے راستہ سے ہٹ کر اعتقادی مسلک اور دینی طرزِ فکر اختیار کر لیے لیکن ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا انکار اور کوئی ایسا عقیدہ اختیار نہیں کیا جس کی وجہ سے اسلام اور اُمت کے دائرہ ہی سے خارج ہو گئے ہوں — ان کے بارے میں جو فرمایا گیا "کلہم فی النار" (یہ سب جہنم میں جائیں گے) اس کا مطلب یہ ہے کہ عقیدہ کے فساد اور گمراہی کی وجہ سے یہ جہنم کے مستحق ہوں گے، — اسی طرح "ما انا علیہ واصحابی" کے مسلک سے وابستگی رکھنے والے تہترویں فرقہ کے جنتی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی اعتقادی استقامت کی وجہ سے نجات اور جنت کا مستحق ہو گا — بہرحال حدیث میں جس "تفرق" (فرقوں میں تقسیم ہونے کا) ذکر فرمایا گیا ہے اس کا عمل کی نیکی بدی اور اچھائی برائی سے تعلق نہیں ہے، فرقہ بندی کا تعلق عقائد و افکار سے ہوتا ہے۔ اعمالِ صالحہ اور اعمالِ سیئہ کی وجہ سے ثواب یا عذاب کا مستحق ہونا بھی برحق ہے۔ لیکن اس حدیث کا اُس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی ؒ کی محفلِ ارشاد

انتخاب و تلخیص مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

۲۵ صفر ۱۳۳۷ھ یوم السبت مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۱۸ء کو (پانی پت میں) بعد نماز عشا قلندر صاحب[1] کی درگاہ میں وعظ طریق القلندر ہوا جس میں تصوف کی واقعی حقیقت کا اور ان مغالطوں کا بیان ہوا جس میں رسمی پیر نیز رسمی علما بھی پڑے ہوئے ہیں۔ خلاصہ اس کا یہ تھا کہ دین میں دو چیزوں کی ضرورت ہے — عمل کی اور محبت کی — اہل تقشف اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ صرف عمل کو کافی سمجھتے ہیں اور مدعیان تصوف اس غلطی میں پڑے ہوئے ہیں کہ صرف محبت کو کافی سمجھتے ہیں اور اس کو ایک لطیف مثال سے بیان فرمایا۔ یہ وعظ ایسا بلیغ تھا کہ ہر طبقہ کے لوگ سن کر جھوم رہے تھے خصوصاً صوفی صاحبان پر تو وجد کی سی کیفیت تھی۔

معاملات کا ذکر تھا فرمایا اس کو تو لوگوں نے دین سے الگ ہی سمجھ لیا ہے حتیٰ کہ علما تصنیفیں کرتے ہیں اور وعظ کہتے ہیں اور لوگوں کو دین کی تعلیم کرتے ہیں مگر کہیں معاملات کا ذکر ہی نہیں آتا۔ پھر فرمایا میں ایک حکایت سناتا ہوں اس کو بطور فخر نہ سمجھا جائے۔ منشی محمود الحق[2] صاحب ہردوئی

---

[1] حضرت بوعلی شاہ قلندر پانی پتیؒ [2] یہ محمود الحق صاحب مرحوم، حضرت مولانا ابرار الحق صاحب (خلیفہ مجاز حضرت حکیم الامتؒ) کے والد ماجد تھے ضلع ہردوئی کے چوٹی کے وکلا میں سے تھے، صرف اس مقدمہ کی پیروی قبول کرتے تھے جس کی سچائی پر اطمینان ہوتا، ضلع کے بڑے حکام بھی ان کا بڑا احترام کرتے تھے، خود بھی حضرت حکیم الامت کے خواص مسترشدین میں سے تھے۔ (الفرقان)

سے آئے تھے کہنے لگے "میں آجکل تصانیف دیکھتا ہوں ان میں نماز، روزے کی مسائل تو ہیں مگر معاملات کی صفائی کا کہیں ذکر ہی نہیں، غور کرنے سے اس کی وجہ میری سمجھ میں یہ آئی ہے کہ جن کے معاملات خود صاف ہوں وہ دوسروں کو بھی تعلیم کرنے کی ہمت کر سکتے ہیں۔ آجکل کے لوگ جو دوسروں کو اس کی تعلیم نہیں کرتے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے خود کے معاملات بھی صاف نہیں ہیں، اور آپ جو دوسروں کو اس کی سخت ہدایت کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہی ہے کہ آپ کے معاملات بالکل صاف ہیں۔"

ایک صاحب نے کان پور کے دیہات کی حالت بیان کی کہ بے دینی یہاں تک ہے کہ کلمہ تک نہیں جانتے، اس کے متعلق فرمایا مولویوں کو ایسے موقع پر جانے کی ضرورت ہے۔ واقعی خبر ہی نہیں دیہات کے ان بیچاروں کو کہ اسلام کیا ہے۔ ہمارے یہاں کے دیہات میں بفضلہ تعالیٰ گو یہ حالت نہیں ہے مگر پھر یہاں بھی ہر طرح کے لوگ ہیں۔ چنانچہ میں نے اپنے قرب وجوار میں ایک گاؤں کے متعلق سنا کہ وہاں ایک جنازہ بلا نماز پڑھے دفن کر دیا گیا۔ سہارن پور اور اس کے اطراف کے دیہات اچھے ہیں۔ بعض دیہاتوں میں تو ایسا دیکھا ہے کہ وہاں ایسا پردہ ہے کہ شہر کے مہذب لوگوں کے یہاں بھی نہیں۔ ہم لوگ طالب علمی کے زمانہ میں بہ ہمراہی مولانا رفیع الدین صاحب (عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند) بعض دیہات میں گئے تو معلوم ہوا کہ گھر کی مستورات وضو کر کے پکاتی تھیں۔ ہم نے وہاں کسی عورت کو بے پردہ نہیں دیکھا۔ مردوں کی یہ کیفیت کہ سہارنپور کی جامع مسجد میں جمعہ میں سب سے پہلے گاؤں والے ہی بیٹھتے ہیں۔ خاص کر رمضان شریف کے آخری جمعہ میں جمعرات ہی کی شام سے آ بیٹھتے ہیں ـــــ وہاں لوگوں کو دین کا شوق ہے۔

فرمایا بعض لوگ تنگی وقت میں بھی وظیفہ وغیرہ میں مشغول ہو جاتے ہیں حالانکہ جلدی کا موقع ہوتا ہے مثلاً ریل چھوٹنے کا وقت قریب ہو یا ایسا ہی کوئی موقعہ ہو ـــــ

ایک دفعہ میں اور ایک بزرگ مظفر نگر گئے۔ اس وقت ریل نہ تھی، چلنے میں دیر ہو گئی، راستہ میں مغرب کا وقت آ گیا۔ ہم لوگ ایسے موقعہ پر تھے کہ وہاں اندیشہ تھا۔ میں تو مغرب کی

نماز میں تین فرض اور دو سنت پڑھ کر فارغ ہو گیا۔ انھوں نے صلوٰۃ الاوابین شروع کر دی۔ میں نے دل میں کہا کہ میں ایسے بزرگوں کے ساتھ آئندہ سفر نہ کروں گا ــــــ صحابہ کا یہ طرز نہیں تھا۔ ایک صحابی کا واقعہ ہے کہ انھوں نے گھوڑے کی باگ پکڑے ہوئے نماز پڑھی، ایک خارجی نے اس پر اعتراض کیا کہ دیکھو یہ تو صحابی ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سہولت پسند دیکھا ہے۔ میرا گھوڑا بھاگ جاتا۔ میں پیادہ چلنے پر قادر نہ تھا مجھ کو کیسی پریشانی ہوتی۔ ــــــ

فرمایا میں ریلوے اسٹیشن پر ریل کے انتظار میں تھا۔ ادھر مغرب کا وقت تھا اُدھر ریل کی آمد ــــــ ایک قاری صاحب بھی وہاں تھے، ان کو امام بنایا انھوں نے طویل قراۃ شروع کر دی ــــــ ایسے موقع پر اس قدر دیر کرنی ٹھیک نہیں ــــــ میں تو سفر میں اکثر صبح کے وقت نماز میں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سے زیادہ نہیں پڑھتا ہوں[1]۔

فرمایا بھائی کا لڑکا ماشاء اللہ بڑا ذہین ہے۔ اس کی ذہانت کی ایک بات بیان کرتا ہوں میں نے اس سے جب وہ بالکل بچہ تھا کہا کہ عربی اچھی ہے یا انگریزی ــــــ اس نے کہا عربی حالانکہ خود اس کو انگریزی شروع کرائی گئی تھی۔ میں نے کہا کیوں؟ اس نے جواب دیا اس لیے کہ کلام پاک اسی میں نازل ہوا ہے، میں نے کہا دلیل تو ٹھیک ہے مگر عربی والوں کو سرکاری نوکری نہیں ملتی کھائیں کہاں سے؟ اس نے عجیب جواب دیا۔ کہنے لگا کہ جب آدمی علم دین پڑھتا ہے تو اللہ کا ہو جاتا ہے اور جو اللہ کا ہو جاتا ہے، اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ بندوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں کہ اس کی خدمت کریں۔ میں نے کہا یہ بھی ٹھیک کہا تم نے۔ مگر اس کو لوگ ذلت سمجھتے ہیں۔ اس نے کہا کہ یہ لوگوں کی بے وقوفی ہے۔ ذلت تو جب ہے کہ لوگوں سے مانگے ــــــ اور جب کہ لوگ خود دیتے ہیں، اس میں ذلت کی کیا بات ہے۔

ایک صاحب نے (جو متھرا کے رہنے والے ہیں) کہا کہ یہ جو دعا میں ہے اللّٰھم انی اعوذ بک منک اس میں مستعاذ اور مستعاذ منہ، ایک ہی ہے (یعنی ذات باری تعالیٰ) یہ کیسے ہو سکتا ہے

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی سفر میں فجر کی نماز میں قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھنا ثابت ہے۔ (الفرقان)

د ایک ہی چیز مستعاذ ہو اور وہی مستعاذ منہ ہو۔ جواب میں فرمایا اس میں علماء نے مضاف محذوف مانا ہے یعنی اللّٰھمّ انی اعوذ برضاک من سخطک ــــ اور محققین نے یہ کہا کہ دونوں جگہ ذات ہی مراد ہے اور ذات جامع ہے صفات قہریہ اور صفات لطیفہ کو اور باختلاف حیثیت وہی ذات مستعاذ ہے اور وہی مستعاذ منہ ــــ ذات کی عظمت خود مقتضی ہے خوف اور ہیبت کو قطع نظر اس سے کہ اُدھر سے معاملہ قہر کا ہو ــــ چنانچہ محققین کی خشیت ذات کے اعتبار سے ہے اس لیے انبیاء علیہم السلام امون نہیں ہوتے باوجودیکہ ان کو حق تعالیٰ کے وعدہ پر پورا اطمینان ہے۔ کذب کا احتمال بھی نہیں۔ ان کو حق تعالیٰ کی عظمت کا خوف ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تو بڑی شان ہے۔ مخلوق کی شان یہ ہے کہ وہ کتنا ہی اطمینان دلائیں مگر ہیبت ایسی ہوتی ہے کہ ان کے سامنے مغلوب ہی ہونا پڑتا ہے ــــ دہلی کے عجائب خانہ میں ایک شیر مضبوط کٹہرے میں بند تھا ایک شخص نے اس کے سامنے لکڑی سے اشارہ کیا۔ اس نے کچھ التفات نہ کیا۔ پھر چھیڑا تو اس نے جو آنکھیں نکالی ہیں تو وہ شخص بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ یہ ذات کی ہیبت ہے اور خوف خدا تو وہی ہے جو ذات کا ہو ــــ

امام غزالیؒ نے اس مسئلہ کو احیاء العلوم کی کتاب الخوف میں لکھا ہے مگر کچھ عنوان اس قدر تیز ہو گیا ہے کہ اس کے دیکھنے سے اثر یہ ہوتا ہے کہ قریب قریب مایوسی ہو جاتی ہے اسی واسطے میں ضعفاء کو منع کرتا ہوں اس کی کتاب الخوف کے دیکھنے سے ــــ

مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ پڑھنے سے زیادہ گُننا چاہیے۔ دو شخص تھے ایک تو ہدایہ کے حافظ تھے اور ایک صرف عالم تھے۔ ان عالم صاحب نے ایک مسئلہ بیان کیا اور کہا کہ ہدایہ میں ہے ــــ حافظ ہدایہ کو بھروسا تھا کہ ہدایہ میں تو کہیں کبھی نہیں ہے ــــ اور کہا کہ "لاؤ ہدایہ"! عالم صاحب نے ایک عبارت نکالی جس سے وہ مسئلہ مستنبط ہوتا تھا۔ حافظ ہدایہ رونے لگے اور کہا کہ ہمارا حفظ کیا ہوا کچھ بھی کام نہ آیا ــــ ایک شخص پڑھا ہوا ہو اور ایک گُنا ہوا ہو۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔ گُننا صحبت سے آتا ہے۔

مال، اہل مال اور مال کی محبت کا ذکر ہو رہا تھا اس پر فرمایا جتنی محبتیں ہیں سب موذ
ہیں بجز اللہ تعالیٰ کی محبت کے ـــــ حق تعالیٰ کی محبت ایک ایسی محبت ہے جو ہر طرح راحت
رساں ہے تھانہ بھون کے پاس ایک گاؤں میں ایک ڈپٹی تھے ان کے پاس مال بہت تھا را
بھر پہرہ دیتے تھے. چوکیداروں کو پکارتے رہتے تھے اور خود بھی جاگتے رہتے تھے ـــــ

ایک صاحب نے حضرت والا سے کہا کہ حضرت آپ تو آزاد ہیں، کام کیا نہ کیا۔ آپ کس
کے ملازم تھوڑا ہی ہیں۔ پھر اتنی محنت کرنے سے کیا فائدہ؟ اس پر فرمایا کہ ایسی سرکار کا نوکر
ہوں جس کے بادشاہ بھی نوکر ہیں، یعنی اللہ میاں کا ـــــ پھر ہمارا جو کام ہے وہ ایسا نہیں کہ
کسی کے سپرد کریں، بخلاف دیگر ملازموں کے کہ رخصت لینے کے وقت دوسرے کو کام دیدیا
بے فکر ہو گئے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ اس کام کو لوگ کام ہی نہیں سمجھتے ہیں۔

فرمایا کہ مجھے تو تصوف سارے قرآن و حدیث میں پھیلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ تصوف تو خو
وہی ہے جو قرآن اور حدیث کا مدلول ہو۔ ورنہ وہ تو تصرف ہوگا نہ کہ تصوف ـــــ

محمد منظور نعمانی

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی سوانح علمی کا ایک ورق

مکہ مکرمہ کی تاریخی موتمر (۱۳۴۴ھ) میں خطابات اور علمی افادات

راقم سطور دارالعلوم دیوبند میں ایک طالب علم کی حیثیت سے شوال ۱۳۴۳ھ میں داخل ہوا تھا اس سے چند ہی مہینے پہلے نجد کے سلطان عبدالعزیز ابن سعود نے اس وقت کے والی حجاز شریف حسین[1] کو شکست دے کر حرمین شریفین اور پورے حجاز مقدس پر اقتدار حاصل کر لیا تھا، اور اپنے مسلک کے مطابق کچھ شرعی منکرات کو ختم کرنے کے لیے سخت اقدامات کیے تھے، اس سلسلہ میں مکہ معظمہ کے قبرستان جنۃ المعلیٰ اور مدینہ منورہ کی جنۃ البقیع میں امہات المومنین، اہل بیت اور بعض صحابہ کرام کی قبروں پر بنے ہوئے قبے بھی گرا کے ختم کر دیے تھے، جس کی وجہ سے مختلف ملکوں کے مسلمانوں کے بعض طبقات میں سلطان اور اُن کی حکومت کے خلاف سخت ناراضی اور ہیجان کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، اور ہمارے ملک ہندوستان میں تو شیعہ حضرات اور قبوری اہل بدعت کا ایک متحدہ محاذ قائم ہو گیا تھا، اور زور شور سے یہ تحریک اور جدوجہد بھی اس کی طرف سے شروع ہو گئی تھی کہ جب تک حرمین شریفین پر ان نجدی وہابیوں کا قبضہ ہے مسلمان حج کو نہ جائیں۔

---

[1] یہ شریف حسین سلطنت عثمانیہ (ترکی) کی طرف سے حجاز کے گورنر تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران انگریزوں کی سازش سے غداری اور بغاوت کر کے حجاز مقدس کے فرمانروا بن گئے تھے۔ ۱۲ (الفرقان)

بعض اخبارات اس تحریک کے گویا آرگن تھے، ان کے مضامین و مقالات کے علاوہ اس موضوع پر مستقل رسالے بھی لکھے گئے تھے۔

ان حالات اور اس فضا میں سلطان عبدالعزیز ابن سعود نے ۱۳۴۴ھ کے حج کے موقع پر ایک موتمر منعقد کرنے کا فیصلہ کیا اور مختلف ممالک کے مشاہیر علماء اور عمائد اور اہم دینی جماعتوں کو اس کے لیے دعوت دی، وہ چاہتے تھے کہ عالم اسلام کے ان نمائندوں کے سامنے اپنے مسلک و موقف کی اور اپنی حکومت کی پالیسی کی وضاحت کریں اور ان کے مشوروں سے فائدہ بھی اٹھائیں ـــــ ہندوستان میں اس وقت مسلمانوں کی دو ہی اہم جماعتیں تھیں، ایک "مرکزی خلافت کمیٹی (بمبئی)"۔ دوسری "جمعیۃ العلمائے ہند (دہلی)"۔ شاہ ابن سعود کی طرف سے ان دونوں کو بھی دعوت دی گئی تھی اور دونوں کے وفود نے شرکت کی۔ خلافت کمیٹی کے وفد کے سربراہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی تھے، ان کے علاوہ اس وفد میں مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی بھی تھے۔ جمعیۃ کے وفد کے سربراہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ تھے، اس وفد میں ان کے علاوہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا احمد سعید صاحب اور مولانا عبدالحلیم صدیقی بھی تھے۔

اس سفر سے واپسی پر حضرت مولانا عثمانی مریض ہو گئے تھے، راقم سطور اس وقت دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کا طالب علم تھا۔ اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا جب دیوبند پہنچے تو بیماری کے اثر سے بہت ہی نحیف و نزار تھے، کچھ دن کے بعد جب اس لائق ہو گئے کہ تقریر فرما سکیں تو ایک روز اس سفر اور موتمر کے کوائف و مباحث سے متعلق دارالعلوم میں تقریر فرمائی جس کے کچھ اجزاء اس عاجز کو اب تک یاد ہیں۔ جی چاہتا تھا کہ وہ باتیں اور علمی تحقیقات کہیں محفوظ و منضبط ہوتیں جو حضرت مولانا نے اس تقریر میں بیان فرمائی تھیں، لیکن بظاہر اس کا کوئی امکان نہ تھا اس لیے دل کی یہ چاہت حسرت ہی بن کے رہ گئی تھی۔

حسن اتفاق سے دارالعلوم دیوبند کے اپنے ایک رفیق درس مولانا انوار الحسن شیرکوٹی[1] (مقیم پاکستان)

---

[1] مولانا انوار الحسن شیرکوٹی (مرحوم) نے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد پنجاب یونیورسٹی کے کچھ امتحانات دیکر اسکولوں کالجوں میں تدریس کی لائن اختیار کر لی تھی، جس زمانہ میں انھوں نے "تجلیات عثمانی" لکھی وہ اسلامیہ کالج لائل پور (پاکستان) میں پروفیسر تھے۔ اب سے ۲-۳ سال پہلے وہیں انتقال فرمایا، اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ۔ "تجلیات عثمانی" الفرقان سائز کے [illegible] سو سے زیادہ صفحات پر

کی لکھی ہوئی حضرت مولانا عثمانی کی سوانح حیات "تجلیات عثمانی" مطالعہ میں آئی، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت مولانا نے حجاز پاک کے اس سفر میں جو موتمر میں شرکت کے لیے کیا گیا تھا ڈائری لکھنے کا اہتمام فرمایا تھا، اور خود مولانا کے قلم سے لکھی ہوئی وہ ڈائری اُن کے برادر حقیقی بابو فضل حق عثمانی صاحب کے پاس محفوظ تھی، وہ انھوں نے مولانا انوار الحسن صاحب کو عنایت فرما دی تھی تاکہ "تجلیات عثمانی" کی تالیف میں وہ اس سے استفادہ کر سکیں ــــ اس ڈائری میں حضرت مولانا نے سلطان ابن سعود کی مجالس اور موتمر کے اجلاسوں میں کی گئی اپنی تقریروں کے بنیادی مضامین خاص طور سے قلمبند فرمائے ہیں ــــ مولانا شیر کوٹی نے اُس کے وہ تمام حصے "تجلیات عثمانی" میں محفوظ کر دیے ہیں جن کا حق تھا کہ وہ محفوظ ہوں اور اہل علم تک پہنچیں۔

"تجلیات عثمانی" چونکہ پاکستان میں لکھی گئی اور وہیں چھپی تھی اس لیے یہ عاجز کبھی مدت تک اُس سے بے خبر رہا، اب سے کچھ ہی پہلے اس کے مطالعہ کا موقع ملا ــــ اُسی سے اخذ کر کے حضرت مولانا عثمانی رح کی اس خود نوشت ڈائری کے اہم اقتباسات الفرقان کے ان صفحات میں پیش کیے جا رہے ہیں ــــ امید ہے کہ خاصکر حضرات اہل علم اس کو قابل قدر تحفہ سمجھ کر قبول فرمائیں گے اور ان کے مطالعہ سے محظوظ و مستفید ہوں گے۔

ڈائری کے ان اقتباسات کی الفرقان کے ذریعہ اشاعت کا ایک خاص محرک یہ واقعہ بھی ہوا کہ اسی سال دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے موقع پر دہلی کے ایک اخبار کے خاص نمبر میں ایک مضمون شائع ہوا تھا، جس میں حضرت مولانا عثمانی کے اس سفر اور موتمر میں شرکت کا بھی ذکر کیا گیا اور اس سلسلہ میں بعض باتیں بالکل بے سر و پا لکھی گئی تھیں جو غالباً مضمون لکھنے والے صاحب نے کہیں سنی ہوں گی۔

اس تمہید کے بعد ناظرین کرام حضرت مولانا کی ڈائری کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیں۔

(مطالعہ کے وقت یہ ملحوظ رہے کہ حضرت مولانا نے یہ ڈائری صرف یادداشت کے طور پر لکھی تھی اس لیے اس میں بہت سی جگہ صرف اشارات کیے گئے ہیں جن کو اہل علم ہی سمجھ سکیں گے اور اسی وجہ سے شخصیتوں کے اکثر نام ہی لکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے، اگر اشاعت کی نیت سے تحریر فرماتے تو یہ انداز نہ ہوتا۔)

سلطان ابن سعود سے پہلی ملاقات اور گفتگو:۔

حضرت مولانا عثمانی سلطان سے پہلی ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"۱۴ر[1] ذی الحجہ کو سید رشید رضا[2] مصری ہمارے ہاں بغرض ملاقات آئے .... (اور) ساڑھے تین بجے عربی ٹائم سے دونوں وفدوں کو موٹروں پر سوار کرکے امیر ابن سعود کے پاس لے گئے .... امیر کے نمائندوں نے دروازہ پر استقبال کیا۔ امیر ابن سعود نے سب سے پہلے کھڑے ہوکر مصافحہ کیا اور دعائیہ کلمات کہتے رہے، پھر رسمی الفاظ شکریہ وغیرہ کے کئے پھر سید سلیمان صاحب نے تقریر کی جس میں زیادہ تر زور اس پر تھا کہ ہم عرب سے اجانب و اغیار کا اثر ہٹانا چاہتے ہیں، درمیان میں شوکت علی محمد علی صاحبان کی کچھ ترجمانی کرتے رہے .... بعدہٗ مولوی عبدالحلیم صدیقی نے کچھ تقریر کی، بعدہٗ بندہ نے ایک مبسوط تقریر کی جس میں اُن کے مکارم اخلاق اور اکرام ضیف (مہمان نوازی) کو بیان کرکے اپنی جماعت دیوبند اور اپنے مسلک اور شغلہ کی پوری بصیرت کے ساتھ تصریح کرکے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع پر زور دیا اور اس پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں ہر چیز ہے، اور یہ کتاب و سنت کا استعمال اور سنن کے مظان و محال (مواقع) رائے و اجتہاد کی محتاج ہے ـــــ ایک طرف زینب سے نکاح ہے دوسری طرف "لولا حدثان قومك بالجاهلية .... الحدیث" ـــــ ایک طرف "جاهد الكفار والمنافقين واغلظ عليهم" (کفار اور منافقین سے جہاد کیجیے اور اُن سے سختی کیجیے) دوسری طرف "فبما رحمة من الله لنت لهم" (اللہ کی رحمت سے آپ اُن کے لیے نرم ہو گئے) اور قصہ جنازہ عبداللہ بن اُبَیّ کا ـــــ تو تغلیظ اور تلیین (سختی اور نرمی) کے محال (مواقع) سمجھنے میں غلطی ہو جاتی ہے ـــــ اختلاف بہت سے ہیں

---

[1] راقم سطور کو خیال ہے کہ تاریخ ۱۴ر ذی الحجہ غالباً کتابت کی غلطی سے لکھی گئی ہے۔ خود ڈائری کے آگے کے اجزا سے معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ ملاقات ماہ ذی الحجہ شروع ہونے سے پہلے ہوئی تھی۔ واللہ اعلم (نعمانی)

[2] یہ سید رشید رضا مرحوم مصر کے مشہور و ممتاز صاحب علم و قلم اور اُس دور کے موقر جریدے "المنار" کے اڈیٹر تھے سلطان ابن سعود کے معتمد اور ان کے اور ان کی حکومت کے خاص موئدین میں تھے۔ (نعمانی)

اختلاف بین الایمان والکفر۔ اختلاف بین النفاق والاخلاص ـــــ اختلاف بین السنۃ والبدعۃ ـــــ اختلاف بین الطاعۃ والمعصیۃ ـــــ اختلاف بین فروع الاحکام، وہذا ہو الذی ہو رحمۃ للامۃ ـــــ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ ہر صنف کے ساتھ جداگانہ تھا ـــــ باوجودیکہ "واغلظ علیھم" کے آپ مخاطب تھے لیکن "خشیۃ ان یقول الناس ان محمداً یقتل اصحابہ" بھی موجود ہے۔

اختلاف فروع مثلاً رفع یدین، قرأت فاتحہ، آمین بالجہر، صحابہؓ تابعین خیر القرون اور ائمہ مجتہدین میں رہا، ہم ان چیزوں میں رواداری برتتے ہیں۔۔۔۔۔

بعدہٗ امیر (ابن سعود) نے تقریر کی جس میں یہ تھا کہ اختلافِ فروع اور ائمہ اربعہ کے اختلافات میں ہم شدت نہیں کرتے، لیکن اصل توحید جس کی دعوت تمام انبیاء علیہم السلام دیتے چلے آئے اور تمسک بالکتاب والسنہ سے کوئی چیز ہم کو الگ نہیں کرسکتی، خواہ دنیا راضی ہو یا ناراض۔ یہود و نصاریٰ مشرکین کو ہم کیوں کافر کہتے ہیں، کہ وہ غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں لیکن یہ بھی کہتے ہیں کہ "ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ" اور "انا وجدنا آباءنا علیٰ امۃ وانا علیٰ آثارھم مقتدون" ـــــ غرض اشارے کیے عبادِ قبور (قبرپرستوں) کی طرف ـــــ اس پر میں نے بھی تقریر کی اور کہا

کوئی شبہ نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک سب نے توحید کی تعلیم دی شرک کو روکا "ان لا تعبدوا الا ایاہ" کہا جس سے مراد توحیدِ عبادت ہے، لیکن کلام عبادت کے معنی میں ہے مثلاً ہر سجود لغیر اللہ ضروری نہیں کہ عبادت غیر اللہ کے تحت میں آئے ۔۔۔۔۔۔ یہ جداگانہ چیز ہے لیکن اگر (ہر سجود) سجودِ صنم اور سجودِ صلیب کی طرح شرک جلی و اکبر تھا اور عبادت غیر اللہ (تو) ازلاً و ابداً کسی امت اور کسی نبی کے لیے ایک لمحہ کے لیے جائز نہیں ہوسکتا، حالانکہ وہ منصوص ہے، بعض مفسرین اس کو انحنا کے معنی میں لیتے ہیں اور بہت سے "وضع جبھۃ علی الارض" کے۔ باوجودیکہ کسی ایک عالم کو بھی یہ خیال نہیں ہوا کہ کسی زمانہ میں شرک مباح تھا۔۔۔۔۔

سجودِ صنم و صلیب صرف سجود لغیر اللہ ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ شعائرِ خاصہ اقوام

کفار ہونے کی وجہ سے کفر قرار دیئے گئے ہیں ـــــ آپ ساجدِ قبر کو تادیب و تعزیر کریں (سزا دیں) لیکن آپ اُن کے دم اور مال کو عباً و اصنام (بت پرستوں) کی طرح مباح نہیں کر سکتے ـــــ جس شخص کے ہاتھ میں خدا نے زمامِ حکومت دی ہے خصوصاً اس بقعہ مبارکہ کی اس کے لیے بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ٹھنڈے دل سے ہماری معروضات پر غور کیا جائے گا اور مزید گزارش کے واسطے بھی جب آپ موقع دیں گے حاضر ہیں۔

(خود نوشت ڈائری مولانا عثمانی صفحہ ۱۰ تا ۲۲۔ تجلیات عثمانی صفحہ ۳۶۹ تا ۳۷۱)

سلطان ابن سعود سے پہلی ملاقات کے موقع پر ان کی مجلس میں حضرت مولانا عثمانی نے عربی زبان میں جو تقریر فرمائی تھی اس کے یہ صرف بنیادی نکات اور وہ بھی صرف اشاروں میں قلمبند کیے گئے ہیں ـــــ ہمارا خیال ہے کہ بہت سے ناظرین ان علمی مباحث اور نکات کو غالباً سمجھ نہیں سکیں گے اس لیے ہم تقریر کے خاص نکات کا حاصل اور خلاصہ ذیل میں عرض کرتے ہیں۔

حضرت مولانا نے اس تقریر میں دو اہم موضوعات پر کلام کیا ہے۔ اول یہ کہ کتاب و سنت کے نصوص اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ میں بعض ایسی باتیں بھی ہیں جو ظاہری نظر میں باہم متضاد اور اُن کے تقاضے مختلف ہیں۔ ایسے مواقع پر اجتہاد اور غور و فکر سے یہ متعین کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کہ ان میں سے کس نص کے تقاضے پر اور اسوۂ حسنہ کے کس پہلو پر کہاں عمل کیا جائے گا۔ اور یہ آسان نہیں ہے اس میں لوگوں سے غلطیاں ہوتی ہیں ـــــ مثلاً قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے "یا ایہا النبی جاهد الکفار والمنافقین واغلظ علیهم" اس میں آپ کو حکم دیا گیا ہے کہ کفار کی طرح منافقین کے ساتھ بھی سختی کا معاملہ کریں اُن کے ساتھ نرمی نہ برتیں ـــــ لیکن دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے "فبما رحمة من الله لنت لهم" جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اللہ کی نعمت اور رحمت ہے کہ آپ ان کے حق میں نرم ہو گئے اگر آپ ان کے ساتھ سختی اور درشتی کا رویہ اختیار کرتے تو یہ قریب نہ آتے دور بھاگتے۔ (اور پھر فیضِ صحبت اور ہدایت سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جاتے) بظاہر دونوں آیتوں کے تقاضے مختلف ہیں۔ اب یہ بات اجتہاد اور غور و فکر سے سمجھی جاسکے گی کہ کس تقاضے پر کہاں عمل ہوگا ـــــ اسی طرح آپ کی سنت اور اسوۂ حسنہ میں ہمیں ملتا ہے جب بعض صحابہ نے یہ عرض کیا کہ یہ منافقین جو مار آستین ہیں ان کو قتل کرا دیا جائے۔ تو آپ نے اس کو تحمل

نہیں فرمایا بلکہ ارشاد فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہ یہ محمد تو اپنے ساتھ والوں کو بھی قتل کراتے ہیں خشیۃ ان یقول الناس ان محمدًا یقتل اصحابہ، اسی طرح رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبیّ کی نماز جنازہ آپ نے پڑھائی حالانکہ یہ دونوں باتیں بظاہر "جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم" کے حکم کے خلاف ہیں ـــــ ہاں "فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم" کے تقاضے کے مطابق ہیں۔ بہرحال ایسے مواقع پر اس فیصلے کے لیے بڑے تفقہ اور مجتہدانہ نظر کی ضرورت ہوتی ہے کہ کس نص کے تقاضے پر کہاں عمل کیا جائے گا اور کس طرح عمل کیا جائے گا۔

اسی کی ایک دوسری مثال آپ کے اسوۂ حسنہ میں یہ نظر آتی ہے کہ آپ کے زمانہ کی خانہ کعبہ کی عمارت جو بنائے ابراہیمی کے مطابق نہیں تھی، آپ کی خواہش تھی کہ اس کی جگہ بنائے ابراہیمی کے مطابق تعمیر ہو جائے اور فتح مکہ کے بعد آپ کے لیے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں رہی تھی۔ آپ موجودہ عمارت کو ختم کر کے بنائے ابراہیمی کے مطابق نئی تعمیر کرا سکتے تھے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ قریش مکہ ابھی نئے نئے اسلام میں آئے ہیں، اُن کی تعلیم و تربیت نہیں ہوئی ہے، مطلب یہ تھا کہ شیطان اُن کے دل میں برے برے خیالات اور وسوسے ڈال سکتا ہے اور ان کو فتنہ میں مبتلا کر سکتا ہے۔ بہرحال نومسلم اہل مکہ کے جذبات کا لحاظ کر کے آپ نے یہ کام نہیں کیا جس کی آپ کو خواہش تھی اور بلا شبہ اُس کی اہمیت بھی تھی ـــــ لیکن اپنے متبنیٰ زید بن حارثہ کی مطلقہ بیوی حضرت زینب سے نکاح کے معاملہ میں آپ نے اس کے برعکس رویہ اختیار فرمایا وہاں اس کا بالکل لحاظ نہیں فرمایا کہ دنیا کیا کہے گی اور لوگوں پر اس کا کیا اثر پڑے گا ـــــ اب یہ تفقہ کی بات ہے کہ حضور کے ان دونوں رویوں میں سے کس موقع پر کونسا رویہ اختیار کیا جائے۔

"سجدۂ عبادت" اور "سجدۂ تحیہ" کی بحث:-

دوسرا موضوع جس پر حضرت مولانا عثمانی نے اس مجلس میں سلطان کی تقریر کے بعد دوبارہ تقریر فرمائی وہ سجدۂ عبادت اور سجدۂ تحیہ کے فرق کا موضوع ہے۔

علمائے نجد کا مسلک و موقف یہ ہے کہ جو لوگ بزرگانِ دین کی قبروں وغیرہ کو سجدہ کرتے ہیں وہ بت پرستوں ہی کی طرح مشرک و کافر ہیں۔ سلطان نے اپنی تقریر میں اس طرف اشارہ بھی کیا تھا۔

حضرت مولانا نے اس کے بعد جو تقریر فرمائی اس کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص قبر کو یا کسی بھی غیر اللہ کو "سجدۂ عبادت" کرے تو بے شک وہ بت پرستوں کی طرح مشرک و کافر ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر سجدہ، "سجدۂ عبادت" ہی ہو جو شرک حقیقی اور جلی ہے، بلکہ "سجدۂ تحیہ" بھی ہو سکتا ہے۔ (جس کا مقصد دوسرے کی عظمت و بالاتری کا اعتراف و اظہار ہوتا ہے) وہ شرک جلی اور شرک اکبر کے حکم میں نہیں ہے، ہاں ہماری شریعت میں ناجائز اور گناہ ہے، اس کے مرتکب کو سزا دی جا سکتی ہے لیکن اس کو مشرک اور مباح الدم قرار دینا صحیح نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں حضرت آدم کو فرشتوں کے سجدہ کرنے اور حضرت یوسف کو اُن کے بھائیوں کے سجدہ کرنے کا ذکر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ "سجدۂ عبادت" نہیں تھا وہ تو شرک ہے اور شرک کسی زمانے اور کسی شریعت میں جائز نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس کو "سجدۂ تحیہ" کہا جا سکتا ہے اور علماء و مفسرین نے کہا ہے کہ بعض شرائع سابقہ میں اس کی اجازت تھی ہماری شریعت میں وہ جائز نہیں ہے ـــــ اگرچہ بعض مفسرین نے اس سجدہ سے انحنا (جھکنا) بھی مراد لیا ہے لیکن اکثر نے اس سے معروف سجدہ ہی مراد لیا ہے اور اس کو "سجدۂ تحیہ" قرار دیا ہے ـــــ بہرحال اگر کوئی شخص کسی بھی غیر اللہ کو سجدہ تحیہ کرتا ہے تو وہ ہماری شریعت کے لحاظ سے گنہگار تو ہوگا اور اس کو سزا دی جا سکتی ہے لیکن مشرک و کافر اور مباح الدم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

تنبیہ ـــــ ملحوظ رہے کہ حضرت مولانا عثمانی کی اس تقریر کا مقصد قبروں کو سجدہ کرنے والوں کی وکالت و حمایت کرنا نہیں تھا بلکہ مولانا نے اس پر زور دیا ہے کہ سجدۂ عبادت اور سجدۂ تحیہ کے فرق کو سمجھا جائے اور ملحوظ رکھا جائے ـــــ ورنہ قبر وغیرہ کو سجدۂ تحیہ کے بارے میں ہمارے اکابر علمائے دیوبند کا یہ مسلک و موقف معلوم و معروف ہے کہ وہ اس کو قطعاً حرام سمجھتے ہیں ـــــ بلکہ اس مسئلہ میں علمائے بریلی کا موقف بھی یہی ہے ـــــ خاص اسی مسئلہ پر مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کا ایک مستقل رسالہ ہے "الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجود التحیہ" اس میں "سجدہ تحیہ" کے ناجائز و حرام ہونے پر بہت مفصل اور مدلل بحث کی ہے۔

حضرت مولانا عثمانی نے اپنی مندرجہ بالا تقریر درج کرنے کے بعد سلطان ابن سعود کا تاثر ان

الفاظ میں قلمبند فرمایا ہے۔

امیر (ابن سعود) نے کہا کہ میں آپ کا ممنون ہوں، آپ کے خیالات اور بیان میں بہت رفعت اور علو ہے اور دقیق مسائل پر مشتمل ہے لہٰذا میں ان تفاصیل کا جواب نہیں دے سکتا۔ اس کا جواب علما بہتر دے سکیں گے۔ انہی سے یہ مسائل طے ہو سکتے ہیں۔

ڈائری صفحہ ۲۴ (تجلیات عثمانی صفحہ ۳۷۲)

اس کے آگے تجلیات عثمانی میں سلطان ابن سعود سے ایک اور ملاقات کا ذکر ہے اور اس میں حضرت مولانا کی ایک مختصر تقریر ڈائری سے نقل کی گئی ہے ——— لکھا ہے کہ ۲۵ ذیقعدہ کو سلطان نے جمعیتہ کے وفد کو دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا اُس موقعہ پر بھی حضرت مولانا نے تقریر فرمائی۔ جس کا حاصل اور خلاصہ ڈائری میں ان الفاظ میں درج کیا گیا ہے۔

آپ کے مکہ میں داخل ہونے سے پہلے (یعنی مکہ مکرمہ اور حجاز مقدس پر اقتدار حاصل کرنے سے پہلے) آپ کی نسبت یعنی شعب نجدیین کے متعلق ہندوستان میں بہت سے خیالات تھے، اگرچہ ہم ہمیشہ سے حافظ ابن تیمیہ اور ابن قیم کی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے ہیں، اُن سے مستفید بھی ہوئے ہیں اور بعض تفردات وغیرہ میں اُن پر انتقاد بھی کرتے رہے ہیں۔ لیکن خاص طائفہ نجدیہ کا حال ہم کو محقق نہ تھا۔ چند روز ہوئے ہم نے دو کتابیں آپ کی پڑھیں ——— "الهدية السنيه"[1] اور "مجموعة التوحيد" ان کے مطالعہ سے بہت چیزیں جو آپ کی طرف منسوب ہو رہی تھیں ان کا افترا ہونا ثابت ہوا۔ پھر بھی چند مسائل میں اختلاف رہا، بعض میں قریب قریب لفظی کے ہے۔ ہاں سخت اختلاف ان لوگوں کی تکفیر میں ہے جو قبر پر سجدہ کرتے ہیں یا اس پر چراغ جلاتے ہیں یا غلاف چڑھاتے ہیں، ہم ان امور کو بدعت اور منکر سمجھتے ہیں اور ہمیشہ مبتدعین سے جہاد بالقلم واللسان کرتے ہیں۔ لیکن عبدالاوثان (بت پرستوں) اور یہود و نصاریٰ کی طرح مباح الدم والمال نہیں سمجھتے۔ جس کا ذکر میں پہلی ملاقات میں

---

[1] یہ دونوں کتابیں سلطان ابن سعود نے حجاز مقدس پر اقتدار حاصل کرنے کے بعد مصر سے چھپوا کر شائع کی تھیں۔ ان میں شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے ہم مسلک علماء کے متعدد رسائل شامل ہیں۔ (نعمانی)

آپ سے تفصیلاً کر چکا ہوں، اور آئندہ اگر وقت نے مساعدت کی اور خدا نے توفیق بخشی تو
شیخ عبداللہ بن بلیہد وغیرہ سے اس پر مفصل کلام کیا جائے گا۔

ڈائری ص ۳۵ (تجلیات عثمانی ص ۳۱۷)

اس تقریر میں حضرت مولانا عثمانی رحمہ نے اس حقیقت کا اعتراف و اظہار فرمایا ہے کہ ہم لوگ آپ کی جماعت (یعنی شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدیؒ کے متبعین اہل نجد) کے مسلک اور افکار و نظریات سے واقف نہیں تھے، چند ہی روز پہلے آپ کے حلقہ کی یہ دو کتابیں (الہدیۃ السنیۃ اور مجموعۃ التوحید) ہمارے مطالعہ میں آئیں ان سے معلوم ہوا کہ آپ کی جماعت کے عقائد و احوال کے بارے میں جو باتیں لکھی اور مشہور کی گئی ہیں ان میں سے بہت سی سراسر افترا و بہتان ہیں
تاہم کچھ مسائل ایسے ہیں جن میں ہمارے اور آپ کی جماعت کے درمیان اختلاف رائے ہے لیکن یہ اختلاف زیادہ تر معمولی اور نزاع لفظی کے درجہ کا ہے۔ البتہ قبروں کے سجدہ وغیرہ کرنے والے مبتدعین کی تکفیر کے مسئلہ میں اصولی اور حقیقی اختلاف ہے، جیسا کہ پہلی ایک صحبت میں تفصیل سے میں بیان کر چکا ہوں اور اگر موقع ملا تو کسی وقت اس مسئلہ پر شیخ عبداللہ بن بلیہدؒ وغیرہ آپ کی جماعت کے اکابر علماء و مشائخ سے بھی گفتگو کروں گا۔ (باقی)

لے یہ شیخ عبداللہ بن بلیہد اپنی جماعت کے بہت بڑے عالم اور مذہبی امور میں سلطان ابن سعود کے خاص معتمد اور رہنما تھے۔

سے اس کے آگے ڈائری میں ہدم قباب اور بعض دوسرے مسائل پر حضرت مولانا عثمانیؒ کی تقریروں کا بیان ہے وہ ان شاء اللہ ناظرین کرام آئندہ اشاعت میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

"شرعی قوانین میں عورت کی رعایت"

از مولانا محمد برہان الدین سنبھلی (ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ و استاذ تفسیر و حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء)

انسان کی فطری ضرورتوں اور طبعی تقاضوں میں سب سے اہم (یا اہم ترین میں سے ایک) وہ تقاضہ ہے جس کی تکمیل ازدواجی رشتہ سے ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس جیسے اہم تقاضہ کی طرف سے صرفِ نظر کوئی معمولی سا قوانین کا مجموعہ بھی نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ احکم الحاکمین کی طرف سے عطا کردہ وہ دستور جو پوری انسانیت، اور اس کے ہر ہر تقاضہ کی رعایت اپنے اندر لیے ہوئے ہے وہ بھلا کس طرح اسے نظر انداز کر سکتا ہے؟! (الا یعلم من خلق ط وھو اللطیف الخبیر)

اس تقاضہ کی اہمیت کے اعتراف اور رعایت ہی سے اس واقعہ کی توجیہ ہو سکتی ہے کہ اور کسی انسانی، شخصی و عملی ضرورت کے لیے اتنے مفصل اور واضح احکام و ہدایات۔ قرآن و سنت میں نہیں ملتے جتنے اس کے بارے میں ملتے ہیں۔ —— پھر فرائض و واجبات (یعنی قانونی حیثیت رکھنے والے امور) کے اظہار و بیان پر ہی مشتمل وہ ہدایات نہیں ہیں بلکہ مستحبات و مندوبات (ترجیحی اور نسبۃً بہتر پہلوؤں) کی نشاندہی بھی ان میں بکثرت موجود ہے، یہ بجائے خود اس موضوع کی اہمیت اور عند اللہ مطلوبیت کی مستقل دلیل ہے۔

یہاں ان سب کا احاطہ نہ مقصود ہے اور نہ آسان[1]۔ بلکہ صرف ازدواجی رشتہ قائم ہو جانے کے بعد اسے خوشگوار طریقہ اور بہتر طور پر نباہنے کے لیے جو ہدایات و تعلیمات۔ اسلامی مآخذ میں ہمیں ملتی ہیں ان کا مختصر تذکرہ اس وقت پیش نظر ہے (وما توفیقی الا باللہ)

---

[1] کیونکہ ان کی تفصیلات کا احاطہ کوئی مقالہ نہیں مخیم کتاب ہی کر سکتی ہے۔ بحمد اللہ اس موضوع پر متعدد مفید کتابیں موجود ہیں خیر راقم سطور کی کتاب "معاشرتی مسائل" بھی اسی طرح کے موضوع پر عرصہ ہوا سامنے آ چکی ہے۔

یہاں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کیونکہ کسی بھی حقیقت پسند اور منصف مزاج کے لیے اس حقیقت سے انکار اب بھی ممکن نہیں ہے کہ ـــــ اس رشتہ (یا عقد و معاہدہ) میں ایک فریق فطری طور پر کمزور و نازک، دوسرا نسبتہً مختلف اعتبارات سے مضبوط اور طاقت ور ہے، اور سب جانتے ہیں کہ طاقتور کا کمزور کو حق دینا حیوانی طبیعت کے مطابق آسان نہیں ہوتا۔

جو بیدار مغز شخص بھی اسلامی تعلیمات و ہدایات کا گہری نظر سے مطالعہ کرے گا اس کے سامنے یہ حقیقت آجائے گی کہ دونوں کے فطری فرق کی پوری پوری اس میں رعایت کی گئی ہے۔ لیکن کسی صنف کی رعایت پر مشتمل قوانین و ہدایات کا تنہا مرتب و معلوم ہو جانا پورے قانونی حقوق دلانے کے لیے عموماً کافی نہیں ہوا کرتا۔ وجہ ظاہر ہے کہ اپنی ذات پر جبر کرکے یا نقصان اٹھا کر ضعیف کی رعایت کرنے پر آسانی سے طبیعت آمادہ نہیں ہوتی جب تک کسی کا خوف یا کوئی لالچ نہ ہو۔ دنیاوی قوانین اور ان کے نافذ کرنے والوں کی بے اثری اتنی عالم آشکارا ہو چکی ہے کہ اس کا تذکرہ کرنے کی بھی چنداں ضرورت نہیں معلوم ہوتی، اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ محض دنیاوی سزاؤں کا خوف کسی شخص کو قانون پر عمل درآمد کرانے۔ بالخصوص ایسے قوانین، کہ جن پر عمل کرنے میں مادی نقصان یا طبیعت پر جبر ہوتا ہو اس کے لیے آمادہ کرنے میں بالکل ناکام ہو چکا ہے۔ خاص طور پر ایسی شکل میں جہاں قانونی چارہ جوئی، اور مظلوم کی دادرسی کا امکان بھی بہت کم ہو (اور یقیناً زوجین کے حقوق و معاملات اصلاً اکثر ایسے ہی ہوتے ہیں جن کا کسی بھی غیر کے سامنے بیان کرنا تک باعث ننگ، بلکہ بسا اوقات تباہ کن بالخصوص عورت کے حق میں ہوتا ہے) تو بجز خوف خداوندی کے اور کوئی ایسا مؤثر عامل نہیں ہے جو کسی ضعیف کا حق دینے پر ـــــ طبیعت کے نہ چاہنے بلکہ بار خاطر ہونے اور مادی نقصان کی صورت میں بھی ـــــ طاقتور کو مجبور کر سکے، غالباً اسی وجہ سے رشتہ ازدواج کے انعقاد ـــــ یعنی نکاح ـــــ کے وقت جو خطبہ اتباع سنت میں پڑھا جاتا ہے اس میں قرآن مجید کی وہ تین آیتیں پڑھنا مسنون ہے جن میں "تقوے" (خوف خدا کا نیز اس کے بتائے ہوئے قوانین کی خلاف ورزی سے بچنے) کا حکم ہے[۲]۔ اور ان میں جو آیت سب سے پہلے

---

[۱] جس کی سب سے نمایاں اور واقعاتی مثال اقلیتوں کے حقوق ہیں کہ اگرچہ بہت سے ملکوں کے دستور انھیں برابر کے حقوق دیتے ہیں مگر عملاً کیا ہوتا ہے اسے بتانے کی ضرورت نہیں۔ [۲] حقیر راقم سطور اپنی کتاب "معاشرتی مسائل" (دین فطرت کی روشنی ...

پڑھی جاتی ہے (یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ) اس کے اندر تو خوف خدا کے حکم کے ساتھ یہ بات بھی بتا دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد و عورت دونوں کو ایک ہی "نفس" سے پیدا کیا ہے، جس کا تقاضہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک انسان ہونے کے لحاظ سے برابر ہے (قوت وضعف کے فرق کے باوجود) اس لیے کسی کو کمتر سمجھنا، ظلم اور خلاف حقیقت ہوگا۔ دونوں کے باہمی ربط سے متعلق جتنے اصول وضوابط بتائے گئے ہیں ان سب میں بھی اس فرق (قوت وضعف) کی رعایت نظر آتی ہے۔ قرآن مجید کی آیت "الرجال قوّامون علی النساء (سورۃ النساء، ۳۴) دراصل اس فطری فرق کی رعایت ہی کو بیان کرتی ہے (اصل حقیقت تک رسائی نہ ہونے یا غور نہ کرنے کی بنا پر بہت سے محلقے اس آیت کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے یا کر دیے گئے ہیں) کیونکہ ہمیشہ ضعیف کو کسی قوی کے سہارے کی ضرورت پڑتی ہے اور "ضعیف" کی بھلائی و کامیابی اسی میں مضمر ہوتی ہے کہ وہ کسی قوی کی انگلی پکڑ کر (اطاعت کر کے) دشوار گذار راہ طے کرتا ہوا منزل تک پہنچے؛ جب کبھی کوئی ضعیف غلط اندازے یا کسی کے بہکانے سے بے جا خود اعتمادی کے احساس میں مبتلا ہو کر زندگی کی پُر پیچ اور دشوار گذار گھاٹیوں کو بغیر کسی تجربہ کار اور قوی کی سرپرستی و رہنمائی کے طے کرنے کے لیے خود گامزن ہوگا وہ ہلاکت یا دشواریوں سے دوچار ہوئے بغیر مشکل ہی سے منزل تک پہنچ سکے گا۔ دوسری طرف قوی کو بھی بعض امور میں کسی ضعیف کی احتیاج ہوتی ہے، اس طرح دونوں ہی ایک دوسرے کے محتاج اور دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے ناگزیر ہو جاتے ہیں۔ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حکیمانہ اسلوب میں کس قدر بہتر اور صحیح طور پر دونوں کے روابط کی تصویر کشی کی ہے۔

(باقی حاشیہ صفحہ گذشتہ) خطبہ میں پڑھی جانے والی آیتوں میں سب سے پہلی سورۃ "النساء" کی پہلی آیت ہے "یا ایہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ" دوسری سورۃ آل عمران کی آیت ۱۰۲ "یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ حق تقاتہ" تیسری سورۃ الاحزاب کی آیت ۷۰ "یا ایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ وقولوا قولاً سدیداً" ہے۔ شاید اسی ضعف و نزاکت کی وجہ سے اولاد کو۔ اللہ کے سچے رسول کی طرف سے یہ ہدایت ہے کہ وہ حسن سلوک کرنے میں ماں کو مقدم رکھے (باپ کے مقابلہ میں بھی) بخاری ص۸۸۳ ج۲

ان حاجة الجماع اوجبت
ارتباطا واصطحابا بين الرجل
والمرأة ثم الشفقة على المولود
اوجبت تعاونا منهما في حضانته
وكانت المرأة أهداهما للحضانة
بالطبع ...... وأكثرهما انجحا
ما من المشاق وأتمهما حياءً
ولزوما للبيت وأحذقهما سعيا
في محقرات الأمور وأوفرهما
انقيادا وكان الرجل أسدهما
عقلا وأشدهما ذبا عن الذمار
وأجرأهما على الاقتحام في
المشاق وأتمهما تيها وتسلطا
ومنافسة وغيرة فكان معاش
هذه لا تتم إلا بذلك وذاك
يحتاج إلى هذه ....
وبالجملة فلوجوه جمة ....
كون الرجال قوامين على النساء
متكفلين معاشهن وكونهن
خادمات حاضنات.... مطيعات
سنة لازمة وأمرا مسلما[1]

حاجت جماع نے مرد و عورت کے درمیان تعلق
اور رفاقت کی اہمیت پیدا کی پھر بچہ پر شفقت
کے جذبہ نے ایک دوسرے کے درمیان تعاون
کی ضرورت کا احساس پیدا کیا، اور چونکہ
عورت بالطبع اولاد کی پرورش میں زیادہ مہارت
رکھتی ہے اور عقل میں نسبتہً (مردوں سے مجموعی
طور پر) کم، محنت کے کاموں سے کترانے والی،
زیادہ حیادار، خانہ نشینی کی طرف مائل، ادنیٰ
درجہ کے امور میں زیادہ کوشش کرنے والی اور
فطری طور پر دوسروں کے سہارے چلنے والی ہوتی
ہے۔ اس کے مقابلہ میں مرد بہ نسبت عورتوں کے
زیادہ عقلمند، زیادہ غیرت مند، باہمت، زور
آور، نیز مقابلہ کرنے کی طاقت رکھنے والا ہوتا ہے
اس لیے عورت کی زندگی بغیر مرد کے ناتمام تھی اور
مرد کو عورت کی احتیاج ....
حاصل کلام یہ ہے کہ بہت سی وجوہ کی بنا پر ......
یہ صورت حال قدرتی طور پر ہو گئی ہے کہ مرد عورتوں
کے سرپرست اور ان کی معاش کے کفیل رہیں
اور عورتیں خانگی خدمات میں مصروف رہیں اور
اولاد کی پرورش میں شوہر کی زیر نگرانی لگی رہیں۔
یہ (تمام عقلا کے نزدیک) تسلیم شدہ حقیقت اور
طے شدہ چیز بن گئی ہے۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ (باب تدبیر المنزل ص ۱۲۲-۱۲۳ ج ۱)

یہ طبعی بات ہے کہ نازک چیز، یا جسم کے نازک حصہ کی رعایت سب سے زیادہ ہوتی ہے مثلاً اس پر سخت بوجھ نہیں لادا جاتا اور نہ کسی ایسے کام کی انجام دہی اس کے متعلق کی جاتی ہے جو اس کے ضعف و نزاکت کے لحاظ سے ناقابل تحمل ہو۔ اس لیے شریعت نے کوئی ایسی ذمہ داری عورت پر نہیں ڈالی جو اصل فطرت کے لحاظ سے اس پر بار ہو چنانچہ شریعت نے اس پر نفقہ کی —— خود عورت کے اپنے نفقہ کی بھی —— ذمہ داری معتدل حالات میں نہیں ڈالی، اس بارے میں شریعت کا قانون یہ ہے کہ عورت کا (شادی سے قبل) نفقہ اس کے والد پر ہے (والد کے نہ ہونے یا اخراجات برداشت کرنے کے لائق نہ ہونے کی صورت میں حسب اصول وراثت، دادا، چچا، بھائیوں وغیرہ پر) شادی کے بعد شوہر پر، شوہر سے علٰحدگی کی صورت میں بھی، عدت کے درمیان پورے اخراجات شوہر کے ذمہ ہیں (اور شیرخوار بچہ کی موجودگی میں عدت کے بعد بھی جب تک بچہ کا دودھ نہ چھوٹے) عدت کے بعد اولاد پر اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں پھر شادی سے قبل کی طرح۔ والد یا دیگر قریبی رشتہ داروں پر ہے۔ بدقسمتی سے اگر عورت کے رشتہ دار بھی نہ ہوں (یا اس لائق نہ ہوں) نیز اور کبھی

لہ عورت کے نفقات کے سلسلہ میں خاص تفصیلات براہ راست کتاب و سنت میں بھی موجود ہیں، اسی کی روشنی میں فقہائے کرام رحمہم اللہ نے مزید وضاحت و ترتیب سے اسے بیان کر دیا ہے دیکھیے قرآن مجید (مثلاً سورۂ بقرہ آیت ۲۳۳ و سورۂ طلاق آیت ۶) کتب حدیث میں دیکھیے مثلاً بخاری ثانی صفحہ ۸۰۶ - ۸۰۰ و مسلم ثانی صفحہ ۳۶، ۵، ۱۲۰، ۳۱ - فقہ حنفی (شریعت اسلامی) کی مشہور و معتبر کتاب درمختار اور اس کی شرح ردالمحتار میں ہے:۔ تجب (النفقة هي الطعام والكسوة والسكنى) لزوجة على زوجها ولو صغيرا ..... أو فقيرا ...... وتجب لمطلقة الرجعي والبائن والفرقة بلا معصية .....النفقة والسكنى والكسوة ..... لمعتدة موت مطلقا .... وتجب لولده الكبير العاجز عن الكسب كالأنثى مطلقا (فمجرد الأنوثة عجز) لا إذا كان لها زوج ..... إنه ليس للأب أن يؤجرها في عمل أو خدمة) ..... ولو لم يقدر إلا على نفقة أحد والديه فالأم أحق ..... وتجب أيضا لكل ذي رحم محرم صغيرا أو أنثى مطلقا ولو كانت الأنثى بالغة ..... بقدر الإرث ويجبر عليه — الخ

نوٹ: نفقہ کا باب بہت طویل الذیل ہے (محولہ بالا کتاب کی جلد اول میں صفحہ ۸۸۹ سے ۹۱۴ تک پھیلا ہوا ہے) خلاصہ یہ کہ عورت پر ہنگامی اور نادر حالات کے علاوہ اور کوئی ایسا وقت نہیں آتا کہ اس پر نفقہ کی ذمہ داری ہو۔ اس انتظام کی موجودگی میں مطلقہ نفقہ کی ذمہ داری جن لوگوں پر عورت کے اخراجات لازم کیے گئے ہیں وہ محض رضاکارانہ نہیں بلکہ قانونی طور پر واجب ہیں، یعنی اس کے لیے ان

(باقی اگلے صفحہ پر)

کوئی معقول ذریعہ معاش نہ ہو تو پھر اس کے نفقہ کی ذمہ داری حکومت وقت پر ہے (شرعی حکومت نہ ہونے کی صورت میں جماعت مسلمین اس کی قائم مقام ہوتی ہے) سچ پوچھئے تو حکمرانی کا عظیم بار بھی اس پر نزاکت وضعف کے لحاظ سے شفقۃً نہیں ڈالا گیا ہے (جسے بدقسمتی سے کچھ ناواقف لوگوں نے تحقیر کے مترادف قرار دیدیا) جس پر اسے شکر گذار ہونا چاہیے نہ کہ اس سے شکوہ شکایت!
صنفی رعایت ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مردوں کو خاص طور پر حکم دیا ہے۔ وعاشروھن بالمعروف (سورۃ النساء ع۱۹) یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ بہتر طریقہ پر زندگی گذارو۔ اور اللہ کی کتاب کے۔ اسی کی طرف سے شرح وتفسیر کرنے والے سچے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حسن معاشرت کا قولی ہی نہیں عملی طور پر ایسا نمونہ پیش کیا جس سے زیادہ بہتر کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ (انسانی نفسیات سے (خاص طور پر عورت کی نفسیات) اور نبیؐ کی غیر معمولی رافت ورحمت سے ناواقف شخص کے لیے۔ بسا اوقات اس درجہ رعایت کرنے پر شکوک وشبہات میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے جس پر احادیث صحیحہ کا وسیع ذخیرہ شاہد ہے، مثلاً ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حبشہ سے کھلاڑی آگئے اور انھوں نے اپنی نیزہ بازی میں مہارت فن (کرتب) کا مظاہرہ کرنے کے لیے تماشہ دکھانا شروع کر دیا۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت عائشہ رضؓ کو کھڑے ہو کر اور آڑ کر کے یہ تماشہ دکھایا اور جب حضرت عائشہؓ دیکھتے دیکھتے تھک گئیں تب وہ خود ہی ہٹیں ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی خاطر برابر کھڑے رہے، ہٹنے کا ایماء تک نہیں کیا کہ مبادا ان کی دل شکنی ہو[1] یہی نہیں انھیں گڑیاں تک کھیلنے کی اجازت دی کہ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ بے تکلف کھیلیں[2] اور یہ خصوصیت ورعایت صرف حضرت عائشہؓ کی ذات تک ہی محدود

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لوگوں پر جبر بھی کیا جا سکتا ہے اور (بعض شکلوں میں) ان کی طرف سے حکومت قرض بھی دلوا سکتی ہے، اور رہیں شوہر اگر خوشحال ہے تو اسی کے مطابق اخراجات دینا ہوں گے (لینفق ذوسعۃ من سعتہ) سورۂ طلاق

[1] بخاری ومسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۸۰ ج ۲ [2] ایضاً۔ گڑیوں کے کھیلنے کی اس اجازت کی بنا پر بعض علماء نے نابالغ بچیوں کے لیے ایسی سادہ اور معمولی قسم کی تصویروں سے کھیلنے کی (جیسی کہ گڑیوں کی شکل ہوتی ہے، کہ اسے تصویر کہنا بھی مشکل ہے) اجازت دی ہے بعض دوسرے علماء کا یہ کہنا ہے کہ ہر قسم کی تصویر کی طرح یہ تصاویر بھی گھر میں رکھنا حرام ہیں اور ایسی گڑیوں سے کھیلنے کی اجازت بھی تصویر کی حرمت سے منسوخ ہو گئی (تفصیل کے لیے شرح مسلم للنوویؒ ص ۱۹۹ ج ۲ و فتح الباری ج ۲ ص ۵۰۵ تا ۵۱۲ دیکھیے)۔

بلکہ تمام ازواج کے ساتھ کم و بیش ایسا ہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شفقت آمیز برتاؤ
اسی شفقت و نرمی اور رعایت کا یہ اثر تھا کہ تمام ازواج مطہرات آپ سے نہایت بے تکلف
ں رایسی بعض ازواج مطہرات کے والدین کو کبھی یہ گمان ہونے لگتا کہ یہ شاید بے باک،
ئی ہیں، جس پر بعض مرتبہ ان کے آبا، نے انھیں تنبیہ بھی کی ہے[لے] لیکن اتنی بے تکلفی نہیں کہ
ں سے واقعی گستاخی کی نوبت آجائے بلکہ وہ جو ہمسری کے احساس کی بنا پر فطرۃً شفیق اور ناز
ار شوہر سے عموماً ہو جاتی ہے، یا ہو جانی چاہیے، اسی بنا پر فتوحات کے نتیجہ میں مالی وسعت
ہو جانے کے بعد نفقہ میں اضافہ کا مطالبہ شدت کے ساتھ کرتے ہوئے ایسا انداز اختیار کرلیا
س میں حقیقت سے ناواقف شخص کو گستاخی اور بے جا جسارت کا اثر نظر آسکتا ہے مگر حقیقت
یں تھی، کیونکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ان سب کے قلبی تعلق اور آپ کی حقیقی عظمت
ن کے قلوب میں تھی اس کا کھلا ہوا ثبوت ایک یہ ہے کہ جیسے ہی آیت تخییر[۵] نازل ہوئی جس
سب ازواج سے کہہ دیا گیا تھا کہ اگر اس عسرت اور قناعت کی زندگی پر راضی نہ ہوں تو انھیں
دگی کا اختیار ہے، لیکن اگر دنیا کی راحت و آرام پر آخرت کی نعمتوں کو۔ نیز خدا اور اس کے
ل کی رضامندی۔ کو ترجیح دیں تو انھیں اجر عظیم عطا ہوگا) سب ہی نے بلا استثناء عسرت و قناعت
زندگی، اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کو ترجیح دی، اور اس بارے میں کسی سے
ورہ لینے کی بھی مطلق ضرورت نہیں سمجھی[۶]۔ دراصل اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت
ناعت اور اختیاری فقر و فاقہ کی تربیت دینی مقصود تھی تاکہ آئندہ آنے والوں کے لیے
آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی مبارک زندگی نہیں بلکہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل خانہ کی
گی بھی قابل تقلید، اور نمونہ کی بن جائے جس سے ان اہل عزیمت کو کہ جو باوجود دولت و
عت کے ایثار و انفاق کے ذریعہ بلند ترین درجات اور اعلیٰ مراتب حاصل کرنے کا حوصلہ

بخاری ص ۴۸۴ ج ۱، ص ۷۳۰، ج ۲، ۱ ابوداؤد ص ۳۰۰ ج ۲ [۵] سورۃ الاحزاب آیت ۲۸
[۶] یہ بھی بڑا ہی سبق آموز اور دلچسپ واقعہ ہے جو حدیث اور تفسیر کی تقریباً تمام اہم کتابوں میں ملتا ہے۔ صحیح
ی ص ۷۰۵، ۷۳۰، ج ۲ و تفسیر روح المعانی ص ۱۷۹ ج ۲

دیکھیں انھیں ایک نمونہ مل جائے (مگر ساری امت کو اس اعلیٰ طرز کی زندگی پر مجبور نہیں کیا گیا) اسی لیے ازواج مطہرات کو صاف طور پر بتا دیا گیا تھا "یانساء النبی لستن کأحد من النساء" (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم سے شرف یاب ہونے والی خواتین! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ یعنی عزیمت و قناعت نیز رضائے خدا اور رسولؐ کے حصول کا تمھیں وہ نمونہ پیش کرنا چاہیے جو سب سے بلند ہو) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ازواج کی دلداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان سے قلبی تعلق کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے کافی عرصہ بعد بھی آپؐ کا یہ معمول تھا کہ برابر اُن مرحومہ کو یاد فرماتے (اور ان کے حق میں دعائے خیر کرتے رہتے) اور بسا اوقات بکری ذبح کر کے اس کا گوشت بہت بڑی مقدار میں حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو بھجواتے ایک مرتبہ اُن مرحومہ کی بہن ہالہ تشریف لے آئیں تو آپؐ کا غم تازہ ہو گیا اور حضرت خدیجہؓ کے ساتھ طول صحبت کی خوش گوار یاد ستانے لگی۔ حضرت عائشہؓ جیسی عظیم و قابل رشک زوجہ مطہرہ فرماتی ہیں کہ مجھے کبھی ایسا کسی عورت پر رشک نہیں آتا جیسا کہ حضرت خدیجہؓ پر آیا کرتا کیونکہ اکثر آنحضرتؐ (محبت آمیز انداز میں) ان کا تذکرہ فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہ نے جذبات کا اظہار زبان سے بھی کر دیا تھا[1]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح ازواج کے ساتھ خود کریمانہ برتاؤ کیا اپنی امت کے مردوں سے بھی مطالبہ کیا کہ وہ بھی اپنی اپنی بیویوں کے ساتھ اچھے سے اچھا برتاؤ کریں۔ اگر خصوصی طور پر اس کی تاکید نہ بھی کی جاتی تب بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے عام حکم کا تقاضہ یہی ہوتا۔ لیکن اس کے باوجود خصوصیت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں اور متعدد پیرایۂ بیان میں اس بارے میں تاکیدیں اور نصیحتیں فرمائیں مثلاً ایک موقعہ پر عورت کی خلقی کمزوری کا تذکرہ کرتے ہوئے۔

اس کی کوتاہیوں سے صرفِ نظر کرنے کا حکم دیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ عورت کی طرف سے کچھ کوتاہی ہو جانے کے باوجود (جس میں وہ فطری طور پر معذور سی ہے) اس کے ساتھ بہتر سے بہتر معاملہ کرتے رہو۔ برکت و بصیرت کے لیے اصل کلمات طیبات پڑھتے چلیں:۔

---

[1] یہ تمام واقعات صحیح بخاری جلد اول ص ۵۳۸ ـ ۵۳۹ (باب تزویج النبی صلی اللہ علیہ وسلم خدیجۃ و فضلہا) میں مذکور ہیں۔

استوصوا بالنساء خیرا فإن المرأة
خلقت من ضلع وان اعوج شیئ
فی الضلع اعلاہ فإن ذھبت تقیمہ
کسرتہ و إن ترکتہ لم یزل أعوج
فاستوصوا بالنساء خیرا[۱]

عورتوں کے ساتھ بہتر برتاؤ کرنے کے (بارے میں
میری) نصیحت مانو! عورت چونکہ پسلی سے پیدا
کی گئی ہے (اس لیے اس میں خلقی طور پر کچھ کجی ضرور
رہے گی جس کی وجہ سے کوتاہیاں ہوں گی) اور سب
ٹیڑھی پسلی سب سے اوپر کی ہوتی ہے، تو اگر
تم اسے سیدھا کرنے لگو گے تو اسے توڑ ڈالو گے
(مگر سیدھا نہیں کر سکو گے) اور اگر یوں ہی رہنے
دو گے تو (اگرچہ) کجی باقی رہے گی (مگر نباہ
ہوتا رہے گا) پھر مکرر کہتا ہوں کہ) عورتوں
کے ساتھ بہتر برتاؤ کرنے میں میری صلاح مانو!

غور فرمائیے! اس صنف کے ساتھ کس درجہ مراعات کا حکم دیا جا رہا ہے کہ ناگواری پیدا کرنے والی حرکات سرزد ہوں تو بھی تحمل کا ثبوت دو اور اس میں معذور گردانتے ہوئے بہتر سے بہتر سلوک کرتے رہو۔ تکلیفیں سہتے رہنے کے باوجود کریمانہ برتاؤ کرتے رہنے پر ذہن کو بھی مطمئن کرنے کے لیے یہ ارشاد فرمایا: "لا یفرک مؤمن مؤمنۃ ان کرہ منھا خلقا رضی منھا آخر[۲]" یعنی "کوئی شوہر اپنی بیوی سے تعلقات (کسی ایک آدھ ناگوار بات کی بنا پر) ایک دم منقطع نہ کرلے (کیونکہ اس کی کوئی بات) اگر ناگوار ہوئی ہے تو کچھ باتیں اس میں ضرور پسندیدہ بھی ہوں گی۔" غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے اس طرح غور کرنا کس درجہ مؤثر ہوگا؟ یہ بتانے کی ضرورت نہیں۔ آنحضرت نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ بندۂ کو ایمان میں کمال اسی وقت حاصل ہوگا جب حسن اخلاق میں وہ انتہائی بلند درجہ پر پہنچ جائے۔ یہ بھی فرمایا کہ خدا کے نزدیک سب سے بہتر وہ مسلمان ہے جو اپنی (خداترس) بیویوں کی نظر میں بھی بہتر ہو: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکمل المؤمنین ایمانا احسنھم خلقا وخیارکم خیارھم لنسائھم[۳]

---

[۱] بخاری ص ۷۷۹ ج ۲ [۲] صحیح مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۸۰ ج ۲ [۳] ترمذی ص ۱۳۰ ج ۱ (باب ما جاء فی حق المرأۃ علی زوجہا)
حسن خلق کے بارے میں کس حد تک جھکے جانے کی اجازت دی گئی ہے اس کا اندازہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے مدبر اور (باقی اگلے صفحہ پر)

حجۃ الاسلام امام ابو حامد الغزالیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق اور بے نظیر کتاب میں۔ گویا ان تمام تعلیمات و ہدایات کا عطر کشید کر کے پیش کر دیا ہے۔ موصوف "آداب معاشرت" بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

حسن الخلق معهن واحتمال الأذى منهن ترحما عليهن لقصور عقلهن قال الله تعالىٰ : وعاشروهن بالمعروف : وقال فى تعظيم حقهن وأخذن منكم ميثاقا غليظا ...... وآخر ما وصى به رسول الله صلى الله عليه وسلم ثلاث ...... كان يتكلم بهن حتى يتلجلج لسانه وخفى كلامه يقول الصلاة الصلاة وما ملكت أيمانكم لا تكلفوهم ما لا يطيقون ، الله الله فى النساء فإنهن عوان فى أيديكم أخذتموهن بأمانة الله

عورتوں کی ناگوار باتوں کو برداشت کرتے رہنا اور انہیں عقلی طور پر اس بارے میں معذور سمجھتے ہوئے ہمدردی کرتے رہنا خوش اخلاقی ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ بہتر سلوک کرتے رہنے کا حکم دیا ہے اور ان کے حقوق کی اہمیت بیان کی ہے اور اس کے علاوہ اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے بالکل قریب جبکہ زبان بھی پورا کام نہیں کر رہی تھی جو تین نصیحتیں فرمائیں ان میں ایک عورت ہی کے بارے میں تھی ...... جس میں فرمایا کہ عورتوں کے بارے میں اللہ سے بہت ڈرنا، یہ تمہارے قبضہ و تصرف میں اللہ کے ایک حکم ہی کی بنا پر (نکاح کے مشروع ہونے کی) آتی ہیں۔ اور اسی بنیاد پر ان سے ہم بستری حلال ہوتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سنجیدہ شخص کے اس قول سے ہو گا کہ : "ينبغى للرجل أن يكون فى أهله مثل الصبى" یعنی اپنے گھر والوں کے درمیان بچوں جیسی بے تکلفانہ زندگی گذارنا ہی مرد کے لیے مناسب ہے (نہ کہ حاکموں اور اجنبیوں جیسی) اور حضرت لقمان حکیم کا بھی یہی مقولہ امام غزالیؒ نے نقل کیا ہے (دیکھیے احیاء العلوم ص۳۹ ج۲) علاوہ ازیں امام غزالیؒ نے احادیث کی روشنی میں تحریر فرمایا ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے ساتھ ان کی دلجوئی کی غرض سے مزاح بھی فرما لیتے تھے، اور بعض دفعہ ایسے کام بھی ان کی خاطر کر لیتے تھے جس میں صرف ان کی ذہنی و فکری سطح ہی کی رعایت ہوتی۔

واستحللتم فروجهن بكلمة الله

وقال عليه السلام - من صبر على سوء خلق امرأته أعطاه الله من الأجر مثل ما أعطى أيوب على بلائه ومن صبرت على سوء خلق زوجها أعطاه الله مثل ثواب آسية إمرأة فرعون۔

واعلم أنه ليس حسن الخلق معها كف الأذى عنها بل احتمال الأذى منها والحلم عند طيشها وغضبها اقتداء برسول الله صلى الله عليه وسلم الخ[1]

اور اللہ کے سچے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جو شخص اپنی بدمزاج بیوی کے تکلیف دہ رویہ کو برداشت کرے گا اسے اللہ تعالیٰ ایوب علیہ السلام کے صبر کی برابر اجر دے گا جو انھیں سخت آزمائش پر ملا تھا۔ اسی طرح جو بیوی اپنے بدمزاج شوہر کی ناگوار روش پر صبر کرے گی اسے فرعون (جیسے ظالم و جابر کی نہایت پارسا اور متقی) بیوی حضرت آسیہؓ کی برابر ثواب ملے گا۔ اس کے بعد امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ: حسن خلق، (اچھے برتاؤ) کا جو حکم شریعت نے دیا ہے وہ صرف اس کا نام نہیں ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو تکلیفیں نہ دے بلکہ وہ یہ ہے کہ اگر بیوی کی طرف سے تکلیف دہ بات پیش آئے تب بھی اسے برداشت کرے نیز اس کے غصہ اور سبک حرکتی کو کے ساتھ سہہ لے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کی نیت و جذبہ سے۔ (جاری)

---

[1] احیاء علوم الدین ص ۳۰۔۳۷، جلد ثانی

انتخاب

حساب سے پہلے حساب :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دنیا میں اپنا حساب کرلو، اس سے پہلے کہ آخرت میں تمھارا حساب کیا جائے (حاسبوا انفسکم قبل ان تحاسبوا) مرنے کے بعد تمام لوگ آخرت میں خدا کی عدالت میں کھڑے کیے جانے والے ہیں، خدا کی عدالت عالم الغیب کی عدالت ہے۔ وہاں کوئی شخص اپنی کسی بات کو چھپا نہ سکے گا۔ اسی لیے حدیث میں آیا ہے کہ خدا کے یہاں جس کی جانچ ہوگئی وہ ہلاک ہونے سے بچ نہیں سکتا (من نوقش نقش هلك) عقل مند وہ ہے جو آخرت میں خدا کی عدالت میں کھڑا ہونے سے پہلے دنیا میں اپنے کو ضمیر کی عدالت کے سامنے کھڑا کرلے اور حساب کتاب پیش آنے سے پہلے اپنے کو درست کرلے جو شخص اپنا حساب کیے بغیر مرجائے گا، اس کا حساب خدا کرے گا۔ اور جس کا حساب خدا کرے اس کو کون بچا سکتا ہے۔

آدمی کو پیدائشی طور پر ضمیر دیا گیا ہے جو اس کو ہر بری بات پر ٹوکتا ہے۔ آدمی کے پاس خدا اور رسول کی باتیں پہنچتی ہیں جن سے وہ صحیح اور غلط میں تمیز کرسکتا ہے۔ اسی ضمیر اور اسی علم کی روشنی میں اپنے کو جانچنے کا نام اپنا حساب آپ کرنا ہے۔

آپ کے ساتھ کوئی شخص غلط سلوک کرے، کسی سے آپ کو کوئی تکلیف پہنچ جائے تو فوراً آپ کے دل کو چوٹ لگتی ہے۔ آپ اس کو ذلیل اور حقیر سمجھنے لگتے ہیں۔ آپ کی نظر میں اس سے زیادہ برا اور کوئی شخص نہیں ہوتا۔

مومن وہ ہے جس کے اندر یہی شدت احساس خود اپنی غلطیوں کے بارہ میں پیدا ہو جائے۔ اس سے کوئی غلطی ہو تو فوراً وہ جان لے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی۔ اپنی غلطیوں کو جاننے کے لیے وہ اتنا ہی حساس ہو جائے جتنا کوئی شخص دوسرے کی غلطیوں کو جاننے کے لیے ہوتا ہے۔ غلطی سرزد ہوتے ہی وہ تڑپ اٹھے کہ مجھ سے ایسا فعل ہوگیا جو مجھ کو خدا سے دور کردینے والا ہے۔ جو مجھ کو آخرت میں بے قیمت بنا دینے والا ہے۔ اس کا یہ احساس اتنا شدید ہو کہ اپنا وجود اس کو اپنی نظر میں حقیر معلوم ہونے لگے۔ اپنے احتساب کے لیے وہ اس سے زیادہ بے رحم ہو جائے جتنا کوئی شخص اپنے دشمن کے احتساب کے لیے ہوتا ہے۔

ایسے ہی لوگ اللہ والے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھ بیچ دیا تاکہ ان کے لیے اللہ کے یہاں جنت ہو۔ جو لوگ دنیا میں اس قسم کی متقیانہ زندگی کا ثبوت دیں وہی وہ لوگ ہیں جو آخرت کی دنیا میں جہنم سے دور رکھے جائیں ان کا رب ان سے ملاقات کے عظیم دن کہے گا کہ آج تمھارے اوپر کوئی الزام نہیں۔ ان کے لیے جنت کے تمام دروازے کھول دیے جائیں گے اور خدا کی طرف سے پکارنے والا پکارے گا: ابدی باغوں میں بنے ہوئے یہ جنتی مکانات آج تمھاری وراثت میں [illegible] ۔ بشکریہ الرسالہ

کتب خانہ الفرقان کی چند اہم مطبوعات

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ

امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے سوانح حیات، آپکے عرفانی اور ارشادی خصوصیات اور اس عظیم تجدیدی کارنامہ کی تفصیل جسکے نتیجہ میں اکبر اور اسکے درباریوں کا چلایا ہوا "دین الٰہی" تاریخی قصہ ہو کر رہ گیا اور سلطنت مغلیہ کا رخ الحاد سے پھر اسلام کی طرف مڑ گیا۔ قیمت ۱۲/

مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادہ اور خلیفہ خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات کا ذخیرہ، حضرت خواجہ کے ارشاد و ہدایت کے پورے کام کا آئینہ دار ہے۔ ان مکتوبات کو مولانا نسیم احمد فریدی نے تلخیص کے ساتھ اردو میں منتقل کیا ہے۔ شاہ ہند عالمگیرؒ آپ کے مرید تھے۔ ان کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ قیمت ۴/

تجلیات ربانی مکمل

تلخیص و ترجمہ مکتوبات مجدد الف ثانیؒ

(از مولانا نسیم احمد فریدی)

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ان مکتوبات میں احسان و تصوف، تعمیر باطن، حق و باطل میں امتیاز، جہاد فی سبیل اللہ اور اقامت دین و ترویج شریعت کی ترغیب اور امت مسلمہ کی عام رہنمائی کا وہ سامان موجود ہے جو چار صدیوں سے امت کی رہنمائی کر رہا ہے۔ جلد اول [illegible] ، جلد دوم [illegible]

خواجہ باقی باللہ

اور خلفاء و صاحبزادگان

مرتبہ:- مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ ان کے دونوں صاحبزادگان خواجہ عبد اللہ و خواجہ عبید اللہ- اور اکابر خلفاء تاج العارفین شیخ تاج سنبھلی، خواجہ الہ داد، خواجہ ابرار، شیخ حسام الدین کی سوانح حیات، صفات و امتیازات اور کارناموں کی تفصیل۔

قیمت مجلد ۶/-

وصایا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ

یہ وصایا جو اپنے اندر بڑی کشش اور اثر انگیزی رکھتے ہیں اب تک مخطوطہ کی شکل میں عربی زبان میں تھے، مولانا فریدی نے ان کا انتخاب کر کے اچھے پیرایہ انداز میں اردو زبان میں منتقل کیا ہے۔ قیمت ۷/۰۰

تذکرہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

یہ رسالہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کی مختصر سوانح حیات پر مشتمل ہے۔ قیمت صرف ۱/۵۰

Regd. No. LW/NP-62

Monthly ALFURQAN 31, Naya Gaon West Lucknow (U. P.)

VOL. 49 NO. 1 January 1981 Phone : 45547

مدیر

محمد منظور نعمانی

معارف الحدیث
یعنی اردو زبان میں
حدیث پاک کی نورانیت
اسکے اسرار و دانش و حکمت
اور دلوں میں اتر جانے والی صداقت
کا
ایک نقشِ جمیل
اصل عربی متن
اردو ترجمہ
تشریح و تفہیم
جلد اوّل کتابُ الایمان — قیمت ۱۲/-
ایمان، آخرت، قیامت، حشر، صراط، میزان، حساب، جنت، دوزخ سے متعلق حدیثوں کی تشریح۔
جلد دوم کتابُ الرقاق والاخلاق — قیمت ۱۴/-
تزکیہ نفس اور اصلاح اخلاق کی حدیثیں اور ان کی تشریح۔
جلد سوم کتابُ الطہارۃ والصلوٰۃ — قیمت ۱۸/-
طہارت اور نماز کے ابواب کی حدیثیں اور ان کی تشریح —
جلد چہارم کتابُ الزکوٰۃ والصوم والحج — قیمت ۱۲/-
زکوٰۃ، روزہ، رمضان اور حج کے ابواب کی حدیثیں مع تشریح
جلد پنجم کتابُ الاذکار والدعوات — قیمت ۲۰/-
دعائیں، اذکار نیز توبہ و استغفار سے متعلق حدیثیں مع تشریح —
جلد ششم کتابُ المعاشرۃ والمعاملات — قیمت ۱۲/-
معاشرت سے متعلق سو آئین سو احادیث کی روح پرور تشریح
مکمل سیٹ غیر مجلد ۸۹/- • مکمل سیٹ مجلد ریگزین ۱۰۶/-
مولانا نعمانی مدظلہ کی دیگر گراں قدر تصانیف
اسلام کیا ہے؟ | دین و شریعت | نماز کی حقیقت | کلمہ طیبہ کی حقیقت | قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟ | تذکرہ مجدد الف ثانیؒ
ملفوظات مولانا محمد الیاسؒ | آپ حج کیسے کریں؟ | برکات رمضان | آسان حج | منتخب تقریریں | تصوف کیا ہے؟
قادیانی کیوں مسلمان نہیں | انسانیت زندہ ہے | فیصلہ کن مناظرہ | میری طالب علمی | آپ کون ہیں کیا ہیں اور آپ کی منزل کیا ہے؟
شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ اور علماء حق پر اسکے اثرات | حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات
بوارق الغیب یا مسئلہ علم غیب کا قرآنی فیصلہ | قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ | تبلیغی جماعت جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات
مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگذشت اور اب میرا موقف
ناشر: الفرقان بکڈپو، نظیر آباد، ۳۱ نیا گاؤں مغربی، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۱

چندہ سالانہ	ماہنامہ الفرقان لکھنؤ	ممالک غیر سے سالانہ
ہندوستان سے ۱۵/۰		بحری ڈاک سے ۲ پونڈ
پاکستان سے ہندوستانی سکہ میں ۲۵/۰		ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ
بنگلا دیش سے ۱۶/۰		ایک شمارہ کی قیمت ہندستان میں ۱/۵۰

جلد (۴۹)، بابت جنوری (فروری) ۱۹۸۱ء مطابق ربیع الاول ۱۴۰۱ھ شمارہ (۲)

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب یہ ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آ جانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں ان کی اطلاع اگلے مہینے کی ۵ تاریخ تک آ جانا چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات: اپنا چندہ ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ ارسال فرمائیں
پاکستانی سکہ میں چالیس روپے بدفتر ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

[illegible] پرنٹر پبلشر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

پستی کا کوئی حد سے گزرنا دیکھے

راقم سطور نے اپنے قریبی اسلاف و اکابر میں سے حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی کا تو زمانہ بھی نہیں پایا اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ اور حضرت مولانا خلیل احمدؒ کی صرف زیارت نصیب ہوئی ــــ ان اکابر کے احوال و اوصاف بس اپنے اساتذہ اور دوسرے بزرگوں سے سنے اور کتابوں میں پڑھے۔

ان کے بعد کے طبقہ میں حکیم الامت حضرت تھانوی، امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مجددی نقشبندی، حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب دیوبندی، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوری، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی (رحمہم اللہ تعالیٰ) کو قریب سے دیکھا اور تلمذ یا صحبت کی صورت میں حسب توفیق کچھ استفادے کی بھی سعادت نصیب ہوئی ــــ یقین ہے کہ جس نے بھی ان حضرات کو دیکھا ہوگا اُس کو اس میں شبہ نہ ہوگا کہ ان بندگانِ خدا کی سب سے بڑی فکر جو اُن کی زندگی پر چھائی ہوئی تھی رضائے الٰہی اور آخرت کی فکر تھی، وہ تقویٰ اور خشیۃ اللہ کے پیکر تھے ــــ بندوں کے باطن کا حال تو اُن کے "علیم بذات الصدور" رب ہی کو معلوم ہو سکتا ہے لیکن ان کا حال دیکھ کر ہم جیسوں کو بھی صاف نظر آتا تھا کہ حُبِ دنیا اور حبِ جاہ و مال اور ان سے پیدا ہونیوالے رذائل سے اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں کو بالکل محفوظ رکھا ہے اور ان کو دیکھ کر اپنے امراض اور اپنی محرومیوں کا کم از کم احساس تو ہو ہی جاتا تھا، اور توفیق الٰہی دستگیری کرتی تو اصلاح اور علاج کی فکر بھی پیدا ہو جاتی تھی ــــ لیکن ہم ابنائے نسل کے بعد ان صفات و خصوصیات کے لحاظ سے اُن کے ہم اخلاف میں بڑی تیزی سے زوال آیا

جس کو ہر آنکھوں والا برأی العین دیکھ سکتا ہے اور ادھر کچھ عرصہ سے تو وہ دیکھنے میں آ رہا ہے جو "ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ" کی عبرتناک تصویر اور خون کے آنسو رلانے والی تصویر ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صدسالہ کے بعد سے (جس میں کچھ باتیں ایسی بھی ہوئیں جو یقیناً اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نظر عنایت سے محروم کرنے والی تھیں) ایک خانہ جنگی شروع ہوئی جو برابر جاری ہے ——— اور اس عاجز کے نزدیک وہ خداوندی قہر و عذاب ہے ——— اس کے دونوں فریق ہمارے ماضی اسلاف کے اخلاف اور منتسبین ہیں، دونوں طرف سے اخبارات و رسائل نکل رہے ہیں، یہی اس جنگ کے اسلحہ ہیں، ان کے ذریعہ فریق مقابل کو قتل تو نہیں کیا جاتا لیکن جو کردار کشی کی جا رہی ہے وہ شریف آدمی کے لیے قتل سے کم نہیں۔

راقم سطور قریباً ساٹھ سال سے اخبارات و رسائل کا مطالعہ کرتا رہا ہے، ان میں وہ رسالے اور اخبارات بھی ہوتے تھے جن میں سیاسی یا مذہبی مخالفین کے خلاف لکھا جاتا تھا اور خوب خبر لی جاتی تھی۔ لاہور سے نکلنے والا مولانا ظفر علی خاں مرحوم کا "زمیندار" اور اس کے بالمقابل سید حبیب کا روزنامہ "سیاست" اور ایک دوسرے دور میں مرحومین مہر و سالک کا روزنامہ "انقلاب" اسی طرح دہلی میں "الجمعیۃ" اور مولانا مظہر الدین مرحوم کا "الامان" اور پھر روزنامہ "وحدت" ——— مذہبی فرقوں کے اخبارات و رسائل میں پنڈت لیکھ رام کا "آریہ مسافر" قادیانیوں کا "الفضل" ان کی لاہوری شاخ کا "پیغام صلح" مولانا ثناء اللہ امرتسری علیہ الرحمہ کا "اہلحدیث" گوجرانوالہ کا "العدل" اپنے کو اہل قرآن کہنے والے منکرین حدیث کا "البلاغ" اور پھر "البیان" بہائی فرقہ کا "کوکب ہند" ——— یہ سب ہی کبھی کبھی نظر سے گزرتے رہے ——— لیکن مجھے یاد نہیں کہ ان میں سے کسی کے اختلافی مضامین میں شرافت کو اتنا پامال اور رذالت و سفالت کا ایسا استعمال کیا گیا ہو جیسا کہ ہمارے دارالعلوم دیوبند سے نسبت رکھنے والے ان مجاہدین قلم نے کیا ہے ——— پھر ہماری انتہائی بدقسمتی کہ ان میں وہ حضرات بھی ہیں جو دارالعلوم کے "سند یافتہ فضلاء" بتلائے جاتے ہیں۔ كِتْنِي يَحْسَبُنَّ نَعَنْدَ كُنْتُ نَسْيًا مَنْسِيًّا۔

سیرت و تاریخ کی کتابوں میں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے نقل کیا گیا ہے کہ حجاج بن یوسف ثقفی کے بارے میں فرماتے تھے کہ "اگر ساری امتوں کے ظالم و سفاک جمع کیے جائیں تو ہماری امت مسلمہ کا یہ خبیث سفاک سب کے مقابلہ میں بھاری ثابت ہوگا" ——— دارالعلوم سے متعلق خانہ جنگی کے سلسلے میں نکلنے والے ان متعفن اخبارات و رسائل کو دیکھ کر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا یہ ارشاد بار بار یاد آتا ہے۔

آخرت میں تو کوئی راز راز نہیں رہے گا، لیکن اس دنیا میں بھی اب یہ راز نہیں ہے کہ ساری جماعت

دیوبند کو رسوا کرنے والی اس شرمناک گندی جنگ کے اصل ذمہ دار (قرآن کی زبان میں "اکابر مجرمیہا") کون کون ہیں ــــــ کاش ان کو توفیق ہوتی کہ کبھی اس کے اخروی انجام کے بارے میں بھی سوچتے جب ہم میں سے ہر ایک اپنے خفیہ اور علانیہ اعمال کے ساتھ عدالت خداوندی میں حاضر ہوگا ــــــ

"يَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ"

ایک انتہائی المناک حادثہ:- (بقلم مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی۔ مقیم لندن)

۲۴ نومبر ۱۹۸۰ء (مطابق ۱۶ محرم ۱۴۰۱ھ) کو انگلینڈ کے مسلمان ایک ایسے المناک حادثے سے دوچار ہوئے جسے ایک مدت تک فراموش نہ کیا جاسکے گا۔

یہ حادثہ سڑک کے ایکسیڈنٹ میں پانچ بڑے قیمتی افراد کی بیک وقت شہادت ہے، جن میں چار علماء و حفاظ تھے اور ایک اُن کے مخلص کار کے ڈرائیور ــــــ ان حضرات کے نام ہیں مولانا ابراہیم ڈیسائی۔ مولانا یعقوب ڈیسائی۔ مولانا علی ابراہیم سمنی۔ مولانا عمر آدم وہالوی۔ اور جناب عبدالرشید ملتانی۔ پہلے چار حضرات کا تعلق ہندوستان کے علاقہ گجرات سے تھا اور پانچویں پاکستان سے تعلق رکھتے تھے۔

شمالی انگلینڈ کے قریب قریب کے دو تین شہروں، بلیک برن۔ پریسٹن اور بولٹن میں ان کا قیام تھا۔ یہاں جو ایک عربی اسلامی دارالعلوم حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کے مجاز مولانا یوسف متالا صاحب نے قائم کر رکھا ہے، اول الذکر چاروں حضرات اس میں تدریسی خدمات انجام دیتے تھے۔ اور ایک کے سوا (جو باقاعدہ پورے وقت کے مدرس تھے) باقی تین حضرات کی خدمات بلامعاوضہ لوجہ اللہ تھیں۔ پانچویں عبدالرشید صاحب بھی دارالعلوم سے محبت کی بنا پر کچھ غیر تدریسی خدمات لوجہ اللہ انجام دیا کرتے تھے۔ منجملہ ان کے غالباً ایک یہ بھی تھی کہ بلیک برن اور پریسٹن سے روزانہ دارالعلوم کی کار سے مولانا ابراہیم صاحب، مولانا علی صاحب اور مولانا عمر صاحب کو دارالعلوم لیجاتے تھے۔ حادثے کے دن مولانا یعقوب ڈیسائی صاحب بھی جو بلیک برن آئے ہوئے تھے ان کے ساتھ ہی تھے۔

حادثہ ۲۴ نومبر کو صبح ساڑھے آٹھ بجے ان حضرات کی کار بلیک برن سے بہت تھوڑا ہی سا

ملہ دارالعلوم کو وطن کی طرف طے کر پائی تھی کہ ناگہانی طور پر ایک بڑے ٹرک سے کار کی ٹکر ہو گئی۔
ر ٹکر اگرچہ اس انداز کی ہوئی کہ کسی کے جسم پر کوئی خراش تک نہیں پائی گئی مگر غالباً جھٹکے کے
دمہ سے یہ پانچوں حضرات اسی وقت جاں بحق ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔
پیر ہنگل کو ضابطہ کی کارروائیوں سے گزرنے کے بعد بدھ ۱۲ نومبر کو جلیک برن میں ان سب کی
از جنازہ ہوئی جس اتفاق سے مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند ان دنوں یہاں
ے موصوف ہی نے ۱۱ بجے دن کو نماز جنازہ پڑھائی۔ اور اندازہ کیا گیا ہے کہ تقریباً دس ہزار آدمی
ن نماز میں شریک تھے۔ جس طرح یہ واقعہ غیر معمولی تھا شرکاء جنازہ کی یہ تعداد یہاں کے اعتبار سے
نی ہی غیر معمولی تھی۔ ملک کے کونے کونے سے لوگ کھنچ کر آ گئے تھے۔

ان شہدائے کرام میں مولانا ابراہیم صاحب ڈیسائی سے اچھی ذاتی واقفیت بھی تھی اور
س کی بنا پر یہ تأثر ہے کہ اگر اور کوئی نہیں صرف مولانا ہی کی ذات اس حادثے میں ہم سے چھنی ہوتی تو
بھی یہ ایک بڑا ہی حادثہ تھا۔ مولانا اپنے علم، اپنے اخلاق اور عملی زندگی کے اعتبار سے جس نمونے کے
نسان تھے وہ آج بہت کم نظر آتے ہیں۔ دوسرے حضرات کے بارے میں بھی جو کچھ علم میں آیا اس کی
و سے بڑے قیمتی افراد تھے۔ عمر میں سب سے بڑے ۵۰، ۵۵ سال، مولانا ابراہیم صاحب ہی تھے۔ باقی سب
۴۰ اور ۵۰ کے اندر تھے اور سب نے بیوی بچے چھوڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پسماندہ خاندانوں کا
کفیل ہو اور مرحومین کو اپنے قرب و رضا کے اعلیٰ درجات سے نوازے۔
ناظرین کرام بھی ان شہداء کے لیے مغفرت و رحمت اور رفع درجات کی دعا کی سعادت حاصل کریں۔

حضرت مولانا مفتی محمودؒ کا سانحۂ رحلت:-

ناظرین کرام اسی شمارے میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ سے متعلق ایک مضمون ملاحظہ
فرمائیں گے جس میں پوری تحقیق اور تفصیل کے ساتھ ان کی زندگی کے حالات لکھے گئے ہیں ـــــ
انہی دنوں میں حضرت مولانا محمد اشرف صاحب (صدر شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی) کا گرامی نامہ ملا
جس میں حضرت ممدوح نے مفتی صاحب کے سانحہ وفات کا ذکر کرتے ہوئے اپنے کچھ تأثرات ظاہر

فرمائے ہیں۔ راقم سطور نے مکتوب گرامی کے اس حصہ کا حق سمجھا کہ وہ اپنے ناظرین تک بھی پہنچا دیا جائے —— ملاحظہ فرمائیں :۔

"حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سانحہ ہماری پاکستانی، علمی، دینی، فکری اور ملکی شریفانہ سیاست میں اتنا بڑا خلا چھوڑ گیا ہے جس کا بدل کہیں نظر نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے علم و تقوے کے ساتھ جو سیاسی بصیرت اور وسعت قلبی عطا فرمائی تھی وہ مختلف اور متضاد عناصر کو جوڑ لیتی تھی۔ ایسی قیادت اب ملک میں ختم ہو گئی۔ اپنے حضرات میں بھی اب کوئی ایسا بالغ نظر درویش صفت سیاسی قائد نظر نہیں آتا —— بہرحال جو دینی نظام کی داغ بیل اور اسلامی قوانین کے نفاذ کی صورتیں پاکستان میں بحمد اللہ نظر آ رہی ہیں اس میں مفتی صاحب مرحوم کا بہت بڑا حصہ ہے۔ سیاست کے پُر خار میدان میں رہ کر اپنا دامن بحمد اللہ تعالیٰ بچا کر لے گئے۔ وزارت علیٰ کے زمانے میں خود بندے نے درویشانہ زندگی کے نظارے دیکھے، اسلاف کا نمونہ دکھا گئے۔

رائے ونڈ میں اس سال جو بڑا تبلیغی اجتماع ہوا، اس میں بندے کی آخری ملاقات حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کی مجلس میں ہوئی۔ مجلس کے اختتام پر حضرت مولانا انعام الحسن صاحب سے دعا کے لیے کہا اور پندرہ بیس منٹ کی دعا میں آنکھوں سے برابر آنسو بہتے رہے۔ ان کی اشک آلود آنکھیں اب بھی نگاہ میں پھر رہی ہیں —— اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وانزل علیہ شآبیب رحمتك ورضوانك "

منظور نعمانی

(مسلسل)

معارف الحدیث

کتاب الاعتصام بالکتاب والسنۃ (۴)

...ت میں عمومی فساد و بگاڑ کے وقت ...ت اور طریق محمدی سے وابستگی :-

عن ابی هریرة قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم اَلْمُتَمَسِّكُ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي لَهُ أَجْرُ شَهِيدٍ

رواه الطبرانی فی الاوسط (جمع الفوائد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری امت کے فساد و بگاڑ کے وقت میری سنت اور میرے طریقہ سے وابستہ اور اس کو مضبوطی سے پکڑے رہے اس کے لیے شہید کا اجر و ثواب ہے۔ (معجم اوسط للطبرانی)

تشریح، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث سے بھی معلوم ہوا اور اس کے ...ہ دوسری متعدد حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف ...ا گیا تھا کہ اگلی امتوں کی طرح آپ کی امت میں بھی فساد و بگاڑ آئے گا اور ایسے دور بھی ...ں گے جب امت میں بے راہ روی اور نفس و شیطان کی پیروی بہت عام ہو جائے گی اور اکثر ...ب اکثریت آپ کی ہدایت و تعلیم اور آپ کے طریقہ کی پابند نہیں رہے گی ـــ ظاہر ہے ...یسے فاسد ماحول اور ایسی ناموافق فضا میں آپ کی ہدایت اور سنت و شریعت پر قائم رہ کر

زندگی گزارنا بڑی عزیمت کا کام ہوگا اور ایسے بندوں کو بڑی مشکلات کا سامنا اور بڑی قربانیاں دینی ہوں گی ـــــ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں ان اصحاب عزیمت کو خوشخبری سنائی گئی ہے کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو فی سبیل اللہ شہید ہونے والوں کا درجہ اور اجر و ثواب عطا ہوگا ـــــ

یہاں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ ہماری زبان میں "سنت" کا لفظ ایک مخصوص اور محدود معنی میں استعمال ہوتا ہے مگر حدیث میں "سنت" سے مراد آپ کا طریقہ اور آپ کی ہدایت ہے جس میں عقائد اور فرائض و واجبات بھی شامل ہیں۔

(فائدہ) "مشکوٰۃ المصابیح" میں حضرت ابو ہریرہ ہی کی روایت سے حدیث ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے "من تَمَسَّكَ بِسُنَّتِي عِنْدَ فَسَادِ أُمَّتِي فَلَهُ أَجْرُ مِأَةِ شَهِيد" اور اسکی تخریج کے لیے حدیث کی کسی کتاب کا حوالہ بھی نہیں دیا گیا ہے۔ بظاہر زیادہ قابل اعتماد معجم اوسط طبرانی کی وہی روایت ہے جو یہاں "جمع الفوائد" سے نقل کی گئی ہے اور جس میں "فَلَهُ أَجْرُ شَهِيدٍ" فرمایا گیا ہے۔ واللہ اعلم

احیاءِ سنت اور امت کی دینی اصلاح کی جدوجہد:۔

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم مَنْ أَحْيَى سُنَّةً مِنْ سُنَّتِي أُمِيتَتْ بَعْدِي فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَحَبَّنِي كَانَ مَعِيَ ـــ رواه الترمذي

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری کوئی سنت زندہ کی جو میرے بعد مردہ ہوگئی تھی تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ میرے ساتھ ہوگا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی ہدایت اور کسی سنت پر جب تک عمل ہو رہا ہے اور وہ رواج میں ہے تو وہ زندہ ہے اور جب اس پر عمل متروک ہو جائے اور رواج نہ رہے تو گویا اس کی زندگی ختم کر دی گئی ـــ اب آپ کا جو وفادار امتی آپ کی اس سنت اور ہدایت کو پھر سے عمل میں لانے اور رواج دینے کی جد و جہد کرے اس کے لیے اس حدیث میں آپ نے

فرمایا ہے کہ اس نے مجھ سے محبت کی اور محبت کا حق ادا کردیا اور اب وہ آخرت اور جنت میں میرے ساتھ اور میرا رفیق ہوگا۔

عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیہ وسلم مَنْ اَحْيٰى سُنَّةً مِنْ سُنَّتِيْ قَدْ اُمِيْتَتْ بَعْدِيْ كَانَ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يَنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا ——— رواه الترمذی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت بلال بن الحارث مُزنی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری کوئی سنت زندہ کی جو میرے بعد ختم کردی گئی تھی (متروک ہوگئی تھی) تو اس شخص کو اجر و ثواب ملے گا اُن تمام بندگانِ خدا کے اجر و ثواب کے برابر جو اس پر عمل کریں گے بغیر اس کے کہ اُن عمل کرنے والوں کے اجر و ثواب میں سے کچھ کمی کی جائے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث کے مضمون کو اس مثال سے اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ فرض کیجیے کسی علاقے کے مسلمانوں میں زکوٰۃ ادا کرنے کا یا مثلاً باپ کے ترکہ میں بیٹیوں کو حصہ دینے کا رواج نہیں رہا، پھر کسی بندۂ خدا کی محنت اور جد و جہد سے اس گمراہی اور بددینی کی اصلاح ہوئی اور لوگ زکوٰۃ ادا کرنے لگے اور بیٹیوں کو شرعی حصہ دیا جانے لگا تو اس کے بعد علاقہ کے جتنے لوگ بھی زکوٰۃ ادا کریں گے اور بہنوں کو اُن کا شرعی حق دیں گے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس عمل کا جتنا اجر و ثواب ملے گا، اُس سب کے مجموعہ کی برابر اُس بندے کو عطا ہوگا جس نے ان دینی احکام و اعمال کو پھر سے زندہ کرنے اور رواج دینے کی جد و جہد کی تھی۔ اور یہ اجرِ عظیم اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے خصوصی انعام کے طور پر عطا ہوگا، ایسا نہیں کہ عمل کرنے والوں کے اجر سے کاٹ کر اور کچھ کم کرکے دیا جائے ——— اسی کی ہمارے ہی زمانے کی ایک واقعاتی مثال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کی دینی تعلیم و تربیت کے لیے یہ نظام قائم فرمایا تھا کہ ہر مسلمان جوان ہو یا بوڑھا، امیر ہو یا غریب، پڑھا لکھا ہو یا بے پڑھا لکھا، دین کی ضروری واقفیت حاصل کرے اور دین پر چلے اور اپنے حالات اور استطاعت

کے مطابق دوسروں میں بھی اس کے لیے محنت اور کوشش کرے ـــــ لیکن کچھ تاریخی اسباب کی وجہ سے مرور زمانہ کے ساتھ یہ نظام کمزور پڑتا رہا اور صدیوں سے یہ حال ہو گیا کہ علماء مخلصین اور خواص اہل دین کے بہت ہی محدود حلقہ میں دین کی فکر باقی رہ گئی ـــــ پھر ہمارے ہی زمانے میں اللہ کے ایک مخلص بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک وفادار امتی نے دین کی فکر و محنت کے اس عمومی اور عوامی نظام کو پھر سے چالو کرنے اور رواج میں لانے کے لیے جد و جہد کی اور اپنی زندگی اسی کے لیے وقف کر دی جس کا یہ نتیجہ آنکھوں کے سامنے ہے کہ اس وقت (جبکہ چودھویں صدی ہجری ختم ہو کر پندرھویں صدی شروع ہوئی ہے) دنیا کے مختلف ملکوں میں مسلمانوں کے مختلف طبقات کے وہ لاکھوں افراد جن کا دین سے نہ علمی تعلق تھا نہ عملی اور ان کے دل آخرت کی فکر سے بالکل خالی تھے ـــــ اب وہ آخرت ہی کو سامنے رکھ کر خود اپنی زندگی کو بھی اللہ و رسول کے احکام کے مطابق بنانے اور دوسروں میں بھی اس کی فکر پیدا کرنے کے لیے محنت و کوشش کر رہے ہیں، اس راہ میں قربانیاں دے رہے ہیں اور تکلیفیں اٹھا رہے ہیں ـــــ بلاشبہ یہ احیاءِ سنت کی عظیم مثال ہے، اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور اس کے ذریعہ امت میں اور پھر پورے عالم انسانی میں ہدایت کو عام فرمائے۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم إِنَّ الدِّيْنَ بَدَأَ غَرِيْبًا وَسَيَعُوْدُ كَمَا بَدَأَ فَطُوْبٰى لِلْغُرَبَاءِ وَهُمُ الَّذِيْنَ يُصْلِحُوْنَ مَا أَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِيْ مِنْ سُنَّتِيْ

ـــــ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین (اسلام) جب شروع ہوا تو وہ غریب (یعنی لوگوں کے لیے اجنبی، اور کس مپرسی کی حالت میں) تھا، اور ایک وقت آئے گا کہ) وہ پھر اسی حال میں ہو جائے گا جیسا کہ شروع میں تھا، پس خوشخبری ہو غُربا کے لیے اور (غُربا سے مراد) وہ لوگ ہیں جو اس فساد اور بگاڑ کی اصلاح کی کوشش کریں گے جو میرے بعد میری سنت (اور میرے طریقہ) میں لوگ

پیدا کریں گے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) ہماری اُردو زبان میں تو "غریب" نادار اور مفلس آدمی کو کہا جانے لگا ہے۔ لیکن اس لفظ کے اصل معنی ایسے پردیسی کے ہیں جس کا کوئی شناسا اور پرسان حال نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ جب اسلام کی دعوت کا آغاز ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے آپ نے اہل مکہ کے سامنے اسلام کو پیش کیا تھا تو اس کی تعلیم، اس کے عقائد، اس کے اعمال اور اس کا نظام زندگی لوگوں کے لیے بالکل نامانوس اور اجنبی تھا اور وہ اس وقت ایسے غریب الوطن پردیسی کی طرح تھا جس کا کوئی جاننے پہچاننے والا اور کوئی اس کی بات پوچھنے والا نہ ہو ـــــ پھر رفتہ رفتہ یہ صورت حال بدلتی رہی لوگ اس سے مانوس ہوتے رہے اور اس کو اپناتے رہے یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ پہلے مدینہ منورہ کے لوگوں نے اجتماعی طور پر اس کو سینہ سے لگایا، اس کے بعد جلدی ہی قریباً پورے جزیرۃ العرب نے اس کو اپنا لیا، (پھر دنیا کے دوسرے ملکوں نے بھی اس کو خوش آمدید کہا اور اس کو عام مقبولیت حاصل ہوئی) لیکن جیسا کہ اوپر بھی عرض کیا گیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کیا گیا تھا کہ جس طرح اگلی امتوں میں بگاڑ آیا آپ کی امت میں بھی آئے گا اور اس کی غالب اکثریت گمراہانہ رسوم اور غلط طور طریقوں کو اپنا لے گی۔ اور اصل اسلام جس کی دعوت و تعلیم آپ نے دی تھی بہت ہی کم لوگوں میں رہ جائے گا اور اپنے ابتدائی دور کی طرح وہ پھر غریب الوطن پردیسی کی طرح ہو جائے گا ـــــ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں امت کو اس انقلاب حال کی اطلاع اور آگاہی دی ہے ـــــ اور ساتھ ہی ارشاد فرمایا ہے کہ امت کے اس عمومی فساد کے وقت اصل اسلام پر قائم رہنے والے جو فساد امتی اس فساد و بگاڑ کی اصلاح کی کوشش اور بگڑی ہوئی امت کو اصل اسلام کی طرف لانے کی جدوجہد کریں گے اُن کو شاباش اور مبارکباد ـــــ اس حدیث شریف میں دین کے ایسے وفادار خادموں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "غُرَبَاء" کا خطاب دیا ہے۔

بلاشبہ ہمارے اس زمانے میں مسلمان کہلانے والی امت کا جو حال ہے اس پر یہ حدیث پوری طرح منطبق ہے امت کی غالب اکثریت دین کی بنیادی تعلیمات سے بے خبر قبر پرستی جیسا شرک

ترک میں مبتلا، اور نماز و زکوٰۃ جیسے بنیادی ارکان کی بھی تارک ہے۔ دن رات کے معاملات، خرید و فروخت وغیرہ میں حلال و حرام کی کوئی پروا نہیں ہے، جھوٹے مقدمات اور جھوٹی گواہی جیسے موجب لعنت گناہوں سے صرف اللہ و رسول کے حکم کی وجہ سے پرہیز کرنیوالے بہت ہی کم رہ گئے ہیں۔ علماء اور دینیوں کی بڑی تعداد میں نفس پرستی اور حب جاہ و مال کی پیدا کی ہوئی وہ ساری خرابیاں دیکھی جاسکتی ہیں جو یہود و نصاریٰ کے احبار و رہبان میں پیدا ہو گئی تھیں اور جن کی وجہ سے ان پر خدا کی لعنت ہوئی۔ ایسے فساد عام کے وقت میں جو باتوفیق بندے اصل اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و سنت سے وابستہ رہیں اور امت کی اصلاح کی فکر و کوشش میں حصہ لیں وہ لشکر محمدی کے وفادار سپاہی ہیں، انھیں کو اس حدیث میں "غرباء" کہا گیا ہے) اور زبان نبوت سے ان کو شاباشی اور مبارکباد دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عاجز راقم سطور کو اور اس کے پڑھنے والوں کو بھی توفیق دے کہ وہ اپنے کو اس زمرے میں شامل کرنے کی کوشش کریں۔ اَللّٰهُمَّ اجعلنا منهم واحشرنا في زمرتهم

دنیوی معاملات میں حضور کی ذاتی رائے کی حیثیت :۔

اللہ کے پیغمبر جو بھی حکم نبی و رسول ہونے کی حیثیت سے دیں وہ واجب الاطاعت ہے، خواہ اس کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے، عبادات سے ہو یا معاملات سے، اخلاق سے ہو یا معاشرت سے، یا زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ــــ لیکن کبھی کبھی اللہ کے پیغمبر کسی خالص دنیوی معاملہ میں اپنی ذاتی رائے سے بھی مشورہ دیتے ہیں تو اس کے بارے میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمادیا ہے کہ وہ امت کے لیے واجب الاطاعت نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ صحیح ہو۔ اس میں غلطی بھی ہوسکتی ہے ــــ مندرجہ ذیل حدیث کا مدعا یہی ہے۔

عَنْ رَافِعِ بْنِ خَدِيْجٍ قَالَ قَدِمَ نَبِيُّ اللهِ صلى الله عليه وسلم الْمَدِيْنَةَ وَهُمْ يَأْبُرُوْنَ النَّخْلَ فَقَالَ مَا تَصْنَعُوْنَ؟ قَالُوْا كُنَّا نَصْنَعُهُ قَالَ لَعَلَّكُمْ لَوْ لَمْ تَفْعَلُوْا لَكَانَ خَيْرًا فَتَرَكُوْهُ فَنَقَصَتْ فَذَكَرُوْا ذَالِكَ لَهُ فَقَالَ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ دِيْنِكُمْ فَخُذُوْهُ وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيِيْ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ ــــ رواہ مسلم

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ہجرت کر کے) مدینہ تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ اہل مدینہ کھجور کے درختوں پر تابیر کا عمل کرتے ہیں، آپ نے دریافت فرمایا کہ آپ لوگ یہ کیا کرتے ہیں؟ (اور کس واسطے کرتے ہیں؟) انھوں نے عرض کیا کہ یہ ہم پہلے سے کرتے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا شاید کہ تم اس کو نہ کرو تو بہتر ہو۔ تو انھوں نے اس کو ترک کر دیا، تو پیداوار کم ہو گئی۔ تو لوگوں نے حضور سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں (اپنی فطرت کے لحاظ سے) بس ایک بشر ہوں، جب میں تم کو دین کی لائن کی کسی بات کا حکم کروں، تو اس کو لازم پکڑ لو (اور اس پر عمل کرو) اور جب میں اپنی ذاتی رائے سے کسی بات کے لیے تم سے کہوں تو میں بس ایک بشر ہوں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مدینہ طیبہ کھجور کی پیداوار کا خاص علاقہ تھا، (اور اب بھی ایسا ہی ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت فرما کر وہاں پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ کھجور کے درختوں میں ایک درخت کو نر اور دوسرے کو مادہ قرار دے کر ان کے شگوفوں میں ایک خاص طریقہ سے پیوند کاری کرتے ہیں جس کو "تابیر" کہا جاتا تھا۔ چونکہ مکہ معظمہ اور اس کے اطراف میں کھجور پیدا نہیں ہوتی اس لیے یہ تابیر کا عمل آپ کے لیے ایک نئی بات تھی۔ آپ نے ان لوگوں سے دریافت فرمایا کہ یہ آپ لوگ کیا کرتے ہیں اور کس لیے کرتے ہیں؟ وہ اس کی کوئی خاص حکمت اور نافعیت نہیں بتلا سکے، صرف یہ کہا کہ پہلے سے ہی یہ ہوتا رہا ہے، یعنی ہم نے اپنے باپ دادا کو کرتے دیکھا تھا اس لیے ہم بھی کرتے ہیں، آپ نے اس کو دور جاہلیت کی دوسری بہت سی لغو باتوں کی طرح کا ایک فضول اور بے فائدہ کام سمجھا اور ارشاد فرمایا کہ شاید اس کو نہ کرو تو بہتر ہو ——— اُن لوگوں نے آپ سے یہ سنکر اس عمل تابیر کو ترک کر دیا ——— لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ اس فصل میں کھجور کی پیداوار گھٹ گئی تو حضور سے اس کا ذکر کیا گیا، آپ نے فرمایا "إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ ...... الخ" یعنی میں اپنی ذات سے ایک بشر ہوں، میری ہر بات دینی ہدایت اور وحی کی بنیاد پر نہیں ہوتی، بلکہ ایک بشر کی حیثیت سے بھی بات کرتا ہوں، تو جب میں نبی و رسول کی حیثیت سے دین کی لائن کی کسی بات کا حکم دوں تو وہ واجب التعمیل ہے" اور جب میں کسی دنیوی معاملہ میں اپنی ذاتی رائے سے کچھ کہوں تو اس کی حیثیت ایک بشر کی رائے کی ہے، اس میں غلطی بھی ہو سکتی ہے۔

اور عمل تابیر کے بارے میں جو بات میں نے کہی تھی وہ میرا ذاتی خیال اور میری ذاتی رائے تھی۔

واقعہ یہ ہے کہ بہت سی چیزوں میں اللہ تعالیٰ نے عجیب و غریب خاصیتیں رکھدی ہیں جن کا پورا علم بھی بس اسی کو ہے، تابیر کے عمل میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ اس کی وجہ سے پیداوار زیادہ ہوتی ہے، لیکن اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نہیں بتلایا گیا تھا۔ اور آپ کو اس کی ضرورت بھی نہیں تھی، آپ باغبانی کے رموز بتلانے کے لیے نہیں آئے تھے بلکہ عالم انسانی کی ہدایت اور اس کو رضائے الٰہی اور جنت کا راستہ دکھلانے کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ اور اس کے لیے جس علم کی ضرورت تھی وہ آپ کو بھرپور عطا فرما گیا تھا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ خیال اور عقیدہ غلط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا کی بھی ہر بات اور ہر چیز کا علم تھا ــــ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں وہ حضور کے مقام عالی سے ناآشنا ہیں۔

اس حدیث پر "کتاب الاعتصام بالکتاب والسنہ" ختم ہوئی۔

محمد منظور نعمانی

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی سوانح علمی

کا ایک ورق

مکہ مکرمہ کی تاریخی مؤتمر ۱۳۴۴ھ میں مولانا کے خطابات و افادات

(گزشتہ سے پیوستہ)

اس کے بعد حضرت مولانا نے خود نوشت ڈائری میں اپنی اس تقریر کا حاصل درج فرمایا ہے جو قبوں کے گرائے جانے اور آثار متبرکہ کے ختم کر دیے جانے کے موضوع پر آپ نے وہاں کی تھی ——— ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں۔

ہدم قباب کا مسئلہ اور آثار متبرکہ کی شرعی حیثیت:-

ہم بناء علی القبر (قبروں پر قبے وغیرہ بنانے) کو ناجائز سمجھتے ہیں۔ ہم نے فتوے دیے ہیں بحثیں کی ہیں۔ لیکن ہدم قباب (قبوں کے منہدم کرنے میں) ضرورت تھی کہ بہت تانی (آہستہ روی) اور حکمت سے کام لیا جاتا۔

جب ولید بن عبد الملک نے عمر بن عبد العزیزؒ کو (جبکہ وہ ولید کی طرف سے مدینہ کے حاکم تھے) حکم دیا کہ حجرات ازواج النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہدم کر کے مسجد (نبوی) کی توسیع کریں

[illegible] قوسین کے درمیان ڈائری کے الفاظ کی وضاحت کے لیے جا بجا جو کچھ لکھا گیا ہے وہ زیادہ تر تجلیات عثمانی کے مصنف [illegible] کا ہے کہیں کہیں مدیر الفرقان نے بھی اس طرح کی وضاحت قوسین کے درمیان کی ہے۔

تو انھوں نے ہدم کا حکم دیا، حتٰی کے تینوں قبریں (جو حضرت عائشہ صدیقہؓ کے حجرے میں تھیں) کھل گئیں، اس وقت عمر بن عبدالعزیز اس قدر روئے تھے کہ کبھی اس قدر روتے ہوئے نہ دیکھے گئے۔ حالانکہ خود ہی ہدم کا حکم دیا تھا۔ پھر نہ صرف قبر نبی علیہ السلام پر بلکہ تینوں قبروں پر بنا کرائی[1]

میری غرض اس وقت تجویز بنا یعنی قبروں پر قبوں وغیرہ کی تعمیر کو جائز قرار دینا نہیں ہے بلکہ یہ بتلانا ہے کہ قبور اعاظم و اکابر کے ساتھ ہدم وغیرہ کا معاملہ ایسا ہے جس کو قلوب میں ایک تاثیر اور دخل ہے۔ مقابر (قبروں) کے معاملے میں میں زائد نہیں کہنا چاہتا، شیخ (مفتی) کفایت اللہ مجھ سے پہلے کہہ چکے ہیں۔ (البتہ) آثار (متبرک مقامات) کے متعلق میں کہوں گا کہ حدیث اسراء میں (واقعہ معراج کی روایت میں) حافظ ابن حجر عسقلانی نے نقل کیا ہے کہ آپ کو (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو) جبرئیل نے چار جگہ اتارا اور نماز پڑھوائی اور بتلایا کہ یہ یثرب یا طیبہ ہے والیہ المهاجرة (اس کی طرف ہجرت ہوگی) یہ طور سینا ہے حَیْثُ کَلَّمَ اللہ موسیٰ تکلیماً (جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا تھا) یہ مدین ہے حَیْثُ ورد موسیٰ و مسکن شعیب۔ (جہاں موسیٰ علیہ السلام پہنچے تھے اور شعیب علیہ السلام کا جو مسکن تھا) یہ بیت اللحم ہے حَیْثُ ولد المسیح علیہ السلام (جہاں حضرت مسیح پیدا ہوئے تھے) پس اگر طور پر آپ سے اس لیے نماز پڑھوائی گئی کہ وہاں حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تھا، تو جبل النور پر جانے اور نماز پڑھنے سے ہم کیوں روکے جائیں جہاں کہ اللہ کا کلام لیکر جبرئیل علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ جب مولد مسیح (حضرت عیسیٰ کی جائے پیدائش بیت اللحم) پر حضور سے دو رکعتیں پڑھوائی گئیں تو کیا غضب ہے کہ امت محمدیہ مولد النبی (نبی کریم کی جائے پیدائش) میں دو رکعت نہ پڑھ سکے۔ مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام رہتے تھے اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کچھ عرصہ ٹھیرے تھے۔ پھر مسکن خدیجہ جہاں حضور ۲۸ برس رہے اور جس کو طبرانی نے "افضل البقاع بعد المسجد الحرام فی مکۃ" (مکہ مکرمہ میں مسجد الحرام کے بعد سب سے افضل مقام) لکھا ہے کیوں اس قابل نہیں کہ

---

[1] یعنی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا جو حجرہ ہدم کرا دیا تھا اس کی جگہ پھر سے تعمیر کرائی۔

وہاں دو رکعت پڑھ لی جائیں یہ تجلیؒ تو جہاں آپ تین دن مخفی رہے چھپے رہے اس پر نماز کیوں نہ پڑھی جائے ـــــ یہ حدیث تبرک بآثار الصالحین میں اصل اصیل ہے ـــــ پھر میں نے قصہ عتبان بن مالک کا اور صدیبہ کا ذکر کیا جس میں نخامہ (بلغم) اور ماء وضو (وضو کے پانی) وغیرہ کا تبرک ہونا مذکور ہے، پھر عبداللہ بن عمر کی بخاری والی حدیث ذکر کی پھر کہا کہ ہم جانتے ہیں کہ ابن سعدؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے شجرۃ الرضوان کو کٹوا دیا تھا[1]، لیکن یہ صرف مصلحت تھی قطع ذرائع شرک اور حسم مادۂ شرک کے لیے اگرچہ یہ مصلحت اب بھی موجود ہے، لیکن دوسری طرف آج مسلمانوں کے اختلاف قلوب (دلوں کے جوڑنے) کی مصلحت ہے اور ان کو ان بلاد مقدسہ کی طرف سے اور اس حکومت کی طرف سے جو یہاں حکومت کرے نفور (متنفر اور مخالف) ہونے سے بچانا ہے اور تشتت و تفرق کو کم کرنا ہے۔ دونوں مصالح کا موازنہ آپ خود کر سکتے ہیں۔ بہرحال کلام اب اصل مسئلہ میں نہیں بلکہ مصالح کے توازن میں ہے اس میں پوری احتیاط کرنی چاہیے۔ آپ بدعات و منکرات سے لوگوں کو روکیں، نصیحت کریں، تادیب کریں، لیکن اصل چیز کو محو نہ کریں۔ وایاکم والغلو فی الدین فان الغلو فی الدین قد اھلک من کان قبلکم اوکما قال[2] وقال اللہ تعالیٰ یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق فیسّروا ولا تعسّروا و بشّروا ولا تنفّروا [illegible] وکونوا عباداللہ اخوانا۔

(ڈائری ص ۴۱ تا ۵۰، تجلیات عثمانی ص ۵۰۳ تا ۵۱۱)

---

[1] اس کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمر کے علم میں آیا کہ بعض لوگ وادیٔ حدیبیہ کے اس درخت کے پاس جا جا کر نمازیں پڑھتے ہیں جس کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے واقعہ حدیبیہ میں بیعت لی تھی (جس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت ہی کو کٹوا دیا کہ خدانخواستہ آئندہ کسی زمانہ میں جاہل لوگ اس درخت کی پرستش نہ کرنے لگیں۔ (الفرقان)

[2] تقریر کا یہ آخری حصہ جو عربی میں ہے یہ حدیث نبوی اور قرآن پاک کے اقتباسات پر مشتمل ہے اس کا حاصل ترجمہ یہ ہے۔ لوگو دین کے معاملہ میں غلو اور حد سے تجاوز سے بچو۔ اس چیز نے اگلی امتوں کو تباہ کیا اور سخت نقصان پہنچایا ہے۔ (یہ حدیث نبوی کا مضمون ہے) اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے کہ: اے اہل کتاب اپنے دین کے بارے میں غلو نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے صرف وہی بات کہو جو حق ہے۔ لہٰذا بندگان خدا کے لیے آپ آسانی اور سہولت کا رویہ اختیار کریں تنگی اور سختی نہ برتیں اور لوگوں کو خوشخبری سنائیں، ان کو قریب لائیں ان کو دور اور متنفر نہ کریں اور سب اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کے رہیں۔ (الفرقان)

غلاف کعبہ کے بارے میں بحث :-

حضرت مولانا عثمانیؒ نے موتمر کی کارروائی کے سلسلہ میں غلاف کعبہ سے متعلق ایک بحث کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ بحث موتمر کی ایک کمیٹی "لجنۃ الاقتراحات"[1] میں ہوئی تھی۔ ڈائری میں مولانا تحریر فرماتے ہیں :-

سہ ذی الحجہ ۱۳۴۴ھ (۱۹۲۶ء) کو "لجنۃ الاقتراحات" میں کسوۂ کعبہ (غلاف کعبہ) کا مسئلہ (کسی صاحب کی طرف سے) پیش ہوا کہ اس میں بہت اسراف ہوتا ہے، اس کے مصارف گھٹا کر دوسرے وجوہِ خیر میں صرف کیے جائیں۔ حَرِیر وذَھَب (ریشم اور سونا) وغیرہ کا استعمال بالاتفاق حرام ہے۔ اس پر محمد علی (جوہر) نے اور عبداللہ شیبی نے سختی سے مخالفت کی۔

پھر میں نے کہا کہ اس میں علماء نے بہت کچھ کلام کیا ہے حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں دو ورق کے قریب اس پر لکھے ہیں، تاریخی بحثیں کی ہیں کہ سب سے پہلے کعبہ پر کسوہ (غلاف) کس نے ڈالا اور کس چیز کا ڈالا گیا، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاً دیباج وحریر کا کسوہ (غلاف) حضرت عباس بن عبد المطلب کی والدہ نے ڈالا، اور بھی اقوال ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے عہد میں دیباج وحریر کا غلاف تھا، پھر اس میں تکلفات ہوتے رہے، علماء نے کسی وقت منع نہیں کیا۔ بلکہ جن لوگوں نے اس کا زیادہ اہتمام کیا ان کو علماء نے دعائیں دیں۔ کما فی الفتح۔

کعبہ کا حکم دوسرے تمام بیوت اور مساجد سے مستثنیٰ ہے، اس پر علماء کا اتفاق ہے۔ اس کو بدعت یا منکر قرار دینا صحیح نہیں۔ ڈائری ص ۶۰-۶۱ (تجلیات عثمانی ص ۳۱۹)

جزیرۃ العرب کی تطہیر کا مسئلہ :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اہم وصیت تھی کہ جزیرۃ العرب سے یہود اور نصاریٰ کو

---

[1] لجنۃ الاقتراحات = موتمر کے لیے ریزولیوشن تیار کرنے والی کمیٹی۔

نہ رہیں، ان کو اس خطہ سے باہر کر دیا جائے تاکہ یہ جزیرہ جو دین حق کا مرکز ہے ان کے اثرات اور سازشوں سے اور جنگ و جدال سے محفوظ رہے۔ یہ وصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں فرمائی تھی ــــــ چنانچہ خلافت راشدہ کے دور میں حضور کی اس وصیت پر پورا عمل ہو گیا اور اس کے بعد مسلسل یہی نوعیت رہی ــــــ لیکن پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴-۱۸ء) کے دوران جب شریف مکہ نے انگریزوں کی مدد اور سازش سے سلطنت عثمانیہ ترکی کے خلاف بغاوت اور غداری کر کے حجاز مقدس پر تسلط حاصل کر لیا تو انگریزوں کے اثرات وہاں پوری طرح قائم ہو گئے

پھر جب ۱۹۲۴-۲۵ء میں سلطان ابن سعود نے شریف حسین کو شکست دے کر حجاز پاک پر تسلط و اقتدار حاصل کیا، تو انگریزی اثرات کے لحاظ سے وہی حال تھا۔

خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کے دونوں وفود وفد خلافت اور وفد جمعیۃ العلماء کی یہ شدید خواہش اور کوشش تھی کہ موتمر میں اس مسئلہ (تطہیر جزیرۃ العرب) کے بارے میں بھی واضح پالیسی کا اعلان کیا جائے۔ چنانچہ "لجنۃ الاقتراحات" میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا اور حضرت مولانا عثمانی نے اس موضوع پر بھی تقریر فرمائی ــــــ اس سلسلہ میں مولانا ڈائری میں تحریر فرماتے ہیں:-

ص ذی الحجہ کو "لجنۃ الاقتراحات" میں بڑی رد و کد کے بعد جزیرۃ العرب کی تجویز پیش ہوئی، اس کی مخالفت میں رئیس وفد روسیہ (روسی وفد کے سربراہ) نے طویل تقریر کی، اس میں زیادہ (زور) اس پر تھا کہ اس ریزولیشن کا نتیجہ حکومت حجازیہ اور موتمر کے حق میں بُرا ہو گا، یہ اعلان کر کے تمام دُوَل اجنبیہ (غیر اسلامی سلطنتوں) کو تشویش اور ہیجان میں ڈالنا ہے۔ ہم کو حکمت اور تدبیر کے ساتھ قدم اٹھانا چاہیے۔ ایسا کام نہ کریں جس سے یہ حکومت حدیثہ حجازیہ (حجاز کی یہ نئی حکومت) جو جنداں قوی نہیں ہے، فنا ہو جائے، وصیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کو انکار نہیں، مگر دیکھنا یہ ہے کہ اس وقت اس اعلان کا موقع بھی ہے؟ اس کے نتائج کیا ہوں گے؟ یورپ موتمر اور اس نئی حکومت کی طرف تاک رہا ہے ...... ہم اس کو فوراً مشتعل نہ کریں۔ باقی جو مقصد تجویز کا ہے وہ سب مسلمانوں کے دلوں اور سینوں میں ہے ــــــ دیکھیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ

میں کس طرح صلح اور معاہدہ کیا، کیا اس میں ہمارے لیے اُسوہ نہیں ہے۔
لجنۃ الاقتراحات میں تطہیر جزیرۃ العرب کے مسئلہ سے متعلق تجویز کے بارہ میں دوسی وفد کے سربراہ کی تقریر کا مندرجہ بالا حاصل اپنی ڈائری میں درج کرنے کے بعد حضرت مولانا عثمانی نے اس موضوع سے متعلق اپنی تقریر کا مضمون حوالہ قلم فرمایا ہے۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں :-

تطہیر جزیرۃ العرب کے مسئلہ سے متعلق حضرت مولانا عثمانیؒ کی تقریر

میں نے کہا کہ وصیت کے ثبوت سے کسی کو انکار نہیں، صحیح احادیث میں مذکور ہے اور مقترح نے (تجویز پیش کرنے والے صاحب) نے اسی وصیت پر اپنے اقتراح (تجویز وغیرہ یعنی) کی بنیاد رکھی ہے، آپ سب اس کی ضرورت و اہمیت کو تسلیم کرتے ہیں اور اعتراف کرتے ہیں کہ یہ ہر مسلمان کا عزیز ترین مقصد اور محبوب ترین تمنا ہے، لیکن آپ کہتے ہیں کہ حکومتِ حجاز کے لیے اس میں خطرہ ہے، وہ اپنے کو اس طرح کے خطرات میں کیسے ڈال سکتی ہے، نہ ہم اس کو ایسا مشورہ دے سکتے ہیں ـــــ میں کہتا ہوں کہ آپ حکومت کی طرف سے ایک ایسی چیز (اور ایسا عذر) پیش کرتے ہیں جس کو خود حکومت پیش نہیں کرتی نہ غالباً وہ ہماری اس مصلحت اندیشی سے راضی ہوگی۔ ہمارے سامنے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو وصیتیں ہیں جو اس دنیوی حیات کے آخری لمحات میں آپ نے ساتھ ساتھ فرمائی ہیں، ایک اخرجوا الیھود والنصاریٰ من جزیرۃ العرب (یہود و نصاریٰ کو جزیرۃ العرب میں نہ رہنے دیا جائے) دوسری وصیت "لعن اللہ الیھود والنصاریٰ اتخذوا قبور انبیائھم مساجد یحذرھم ما صنعوا" (یعنی یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہے کہ انھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا) ـــــ یہ دونوں وصیتیں آپ نے ساتھ ساتھ فرمائیں، فرق اتنا ہے کہ پہلی وصیت بصیغۂ امر ہے اور دوسری تحذیر (یعنی تنبیہ اور دھمکی) کے پیرایہ میں ہے۔ اب آپ دیکھیے کہ حکومت حجاز نے دوسری وصیت کے نفاذ اور اجرا میں جو قبور سے متعلق تھی کس قدر اہتمام اور

سارعت (تیز رفتاری) سے کام لیا، نہ عالم اسلامی سے مشورہ کیا، نہ ان کے اجتماع کا انتظار کیا، نہ علماء و فضلاء سے مبادلۂ خیالات کی ضرورت سمجھی، نہ اس کی قطعاً پرواہ کی کہ مسلمانوں میں اس فعل سے بجا یا بیجا طور پر کیسی تشویش اور ہیجان ہوگا۔ کتنی بڑی تعداد مسلمانوں کی اس عمل سے متوحش اور نفور ہوگی۔ حکومت نے کہا کہ ہم کتاب و سنت سے تمسک کرتے ہیں، جب سنت صحیحہ ہمارے سامنے ہے پھر ہم کو کسی کا کوئی خوف نہیں، دنیا راضی ہو یا ناراض، کوئی ہمارا ساتھ دے یا نہ دے ہم کو کچھ سروکار نہیں کما شئنا ماکان (خواہ انجام کچھ بھی ہو) ـــــ ایسی حکومت جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک وصیت کے نفاذ میں کسی طرح کی مصلحت اندیشی اور اسلامی جماعتوں کی خوشی یا ناخوشی کی کوئی پرواہ نہیں کی، میں خیال نہیں کرتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری وصیت کے صرف اعلان کرنے میں کفار کی تشویش اور اضطراب کی پرواہ کرے گی۔ ہم حکومت کی طرف اس خوف کو کیوں منسوب کرتے ہیں جسے خود حکومت اپنی طرف منسوب کرنا پسند نہیں کرتی ـــ

میری غرض یہ ہے کہ موتمر کو یا حکومت حجاز کو جبکہ اس کا تعلق تمام عالم اسلام سے ہے ہر ہر کام میں تانی (آہستہ روی) اور تدبیر و مصلحت اندیشی سے کام کرنا چاہیے۔ ہم کو یہ مناسب نہیں کہ ہم ایک برائی کے دفع کرنے میں اس سے بھی بڑی برائی پیدا کر دیں۔ میرے نزدیک رزولیوشن کے اعلان میں کوئی ضرر نہیں (رزولیوشن کے الفاظ میں توسط اور تعدیل میں مضائقہ نہیں) لیکن اس رزولیوشن سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ تمام دنیا آگاہ ہو جائے کہ مسلمانان عالم باوجود اپنے غایت تفرق و تشتت احوال کے اور باوجود سخت اختلاف اجیال و اقوام کے پھر بھی ایک متفقہ نصب العین رکھتے ہیں اور وہ جزیرۃ العرب خصوصاً حجاز کی حفاظت و صیانت ہے۔ یہ ایک ایسا مقصد ہے جو حاکم و محکوم، ضعیف و قوی، مستقل اور غیر مستقل، آزاد اور غلام ہر مسلمان کا مطمح نظر ہے جو ان کے سینوں اور دلوں میں نقش فی الحجر ہے جس کے لیے وہ اپنے تمام وسائل اور اپنی ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ (اس) حکومت حجازیہ کے متعلق بہت سے لوگ ظنوں و اوہام میں مبتلا ہیں جن پر ہم ہندوستان میں مطلع ہو چکے ہیں۔ (یعنی انگریزوں سے تعلقات رکھنے کی نسبت افواہیں ہیں) اس ریزولیوشن سے مسلمانوں کے قلوب حکومت حجاز کی طرف سے مطمئن ہو جائیں گے اور ان کو شفاء صدور حاصل ہو گی۔

صلح حدیبیہ کی سنت (اور اس کے سلسلہ میں حضور کے طرز عمل) کا جو حوالہ دیا گیا ہے اس کو میں مانتا ہوں، لیکن میں ایک دوسری سنت بھی یاد دلاتا ہوں کہ اس وقت جس سے بڑھ کر اسلام کے حق میں سختی اور مصیبت کا کوئی وقت نہ تھا اور جبکہ صرف معدودے چند نفوس آپ کے ساتھ تھے، اسی بلد اللہ الحرام (مکہ معظمہ) میں جہاں ہم اور آپ مجتمع ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں نے اعلان حق اور دعوت الٰہیہ سے روکنا چاہا، لیکن آپ نے فرمایا کہ "اس خدا کی قسم جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے اگر وہ لوگ آسمان سے اتار کر سورج کو میری ایک مٹھی میں اور چاند کو دوسری مٹھی میں رکھ دیں تب بھی محمد اس چیز سے ہٹنے والا نہیں ہے جس کے لیے اس کے پروردگار نے اسے بھیجا ہے — بس میں کہتا ہوں کہ مقترح (ریزولیوشن پیش کرنے والے صاحب) کی تجویز دونوں سنتوں پر مشتمل ہے۔ پہلے جز میں اعلان حق کیا جاتا ہے جس میں کوئی پرواہ نہیں کہ کون اس سے خوش اور کون ناخوش ہوگا، اور تجویز کے دوسرے جز میں سنت حدیبیہ کی رعایت ہے کہ ہم کوئی اعلان جنگ نہیں کر رہے ہیں بلکہ جزیرۃ العرب کو ایک سلمی صلحی اور حیادی (پرسکون) رکھنا چاہتے ہیں اور یہی ہماری کوشش ہے ھٰذا ما کنت ارید التکلم بہ والامر بید اللہ سبحانہ وتعالیٰ (یعنی یہ وہ ہے جو میں آپ حضرات کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا، میں نے پیش کر دیا اور فیصلہ تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔)

خود نوشت ڈائری ص ۴۱ تا ۵۰ (تجلیات عثمانی ص ۴۰۰ تا ۴۰۷)

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے مولانا نے اپنی عربی تقریر کا یہ حاصل ڈائری میں بطور یادداشت قلم بند فرمایا ہے — جزیرۃ العرب کی تطہیر کے مسئلے سے متعلق مولانا کی یہ تقریر کسی توضیح و تشریح کی محتاج نہیں ہے — البتہ اس کی اہمیت اور اسپرٹ کو صرف وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جنھوں نے ہندوستان کی تحریک خلافت کا زمانہ پایا تھا۔ اس زمانے میں خاص کر ہندوستانی مسلمانوں کے دلوں پر جزیرۃ العرب کی تطہیر

شرعی قوانین میں عورت کی رعایت

از مولانا محمد برہان الدین سنبھلی (ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ و استاذ تفسیر و حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء)

(۲)

ان ہدایات کا یہ اثر ہوا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کو بسر و چشم قبول کرنے والوں نے عورتوں کے واجب حقوق ادا کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ان کی دلجوئی اور رعایت میں اس حد تک چلے گئے جس سے زیادہ کا تصور بھی مشکل ہے، جس کی ایک نمایاں مثال حضرت عبد اللہ ابن عباسؓ کے طرز عمل میں ملتی ہے جسے خود وہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں

انی لاتزین لامرأتی کما تتزین لی لقوله تعالیٰ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِی عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ[۱]	میں اپنی بیوی کی خاطر بناسنورا رہتا ہوں جیسا کہ وہ میری خاطر کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، شوہر کے بیوی پر جیسے حقوق ہیں ویسے ہی بیوی کے شوہر پر ہیں۔

صنف نازک کی دلداری اور رعایت کا آخری درجہ یہ ہے کہ جب نباہ نہ ہوسکنے کی بنا پر مجبوراً طلاق کی نوبت آجائے اور علاحدگی ضروری ہو جائے تو ایسے نازک وقت میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم یہ ہے،

سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ - اور سَرِّحُوْهُنَّ سَرَاحًا جَمِیْلًا[۲]	یعنی بیویوں سے علاحدگی بھی خوش اسلوبی اور اچھے طریقے سے اختیار کرو۔

دنیا کے قوانین شاید اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہوں بلکہ انسانی نفسیات کی تاریخ میں بھی غالباً یہ حکم نوادر میں شمار کرنے کے لائق ہو۔ کہ ایسی حالت جس میں عموماً دونوں طرف انتہائی جذبات بھڑکے ہوئے اور ہر ایک کی دوسرے سے نفرت نقطۂ عروج پر پہنچی ہوتی ہے ان کے لیے اللہ

---

[۱] تفسیر المنار [illegible] رشید رضا مصری، [۲] سورۃ البقرہ [illegible] و الاحزاب [illegible]

م وقدیر کی طرف سے یہ حکم خاص طور پر مردوں کو دیا گیا ہے کہ مردانگی کا ثبوت دیتے ہوئے غصہ
قابو رکھیں اور کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہونے پائے جس سے آبگینہ کو ٹھیس لگ جائے[1]۔ اور
ت اتنا ہی نہیں کہ تکلیف واذیت پہنچانے سے منع کیا گیا بلکہ یہ بھی ہدایت ہے کہ عورتوں کے فطری
مت کا خیال کر کے تمام واجب حقوق ادا کرنے کے علاوہ انھیں مزید کچھ دے کر ان کی قلبی تکلیف کے
ازالہ کی کوشش، اور طلاق سے پہنچنے والے صدمہ کی وقتی تلافی اس طرح کی جائے کہ مردوں پر بھی
غیر معمولی بار نہ پڑے، (اس طرح کچھ نہ کچھ دونوں ہی کی رعایت ہو جاتی ہے) اس مصلحت سے مطلقہ
کو فوری طور پر جو ملتا ہے شریعت کی اصطلاح میں اسے متعۂ طلاق کہتے ہیں جس سے طلاق کے تازہ زخم
پر گویا مرہم رکھ جاتا ہے۔ (بعد میں تو ہر صدمہ کی طرح یہ بھی رفتہ رفتہ عموماً کم یا ختم ہو جاتا ہے۔)

کچھ متعۂ طلاق کے بارے میں

جب یہاں متعۂ طلاق کا ذکر چھڑ ہی گیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر کچھ اور ضروری تفصیلات پیش کر دی جائیں۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا متعۂ طلاق ـــ یعنی مطلقہ عورتوں کی فوری دلجوئی[2] کے لیے انھیں کچھ دینا شرعاً مطلوب ہے اور یہ بات چونکہ براہ راست قرآن مجید کی متعدد آیتوں سے ثابت ہوتی ہے[3] اس لیے تمام امت کا متعۂ طلاق کے مشروع ومطلوب ہونے پر اتفاق ہے۔ البتہ اس کی حیثیت اور بعض دیگر تفصیلات میں علماء کے درمیان خاصا اختلاف ہے، جمہور امت کے نزدیک طلاق کی سب شکلوں میں متعہ واجب نہیں ہے۔ امام مالکؒ کے نزدیک کسی بھی شکل میں واجب نہیں۔ امام ابوحنیفہؒ

---

[1] یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ عورت کے لیے آبگینہ (قواریر) کی تعبیر خود زبان رسالتؐ نے ایک موقع پر اختیار فرمائی ہے۔ دیکھیے صحیح بخاری ص ۹۱۸، ج ۲، و صحیح مسلم ص ۲۵۵، ج ۲۔ [2] متعۂ طلاق کو دلجوئی کا ایک ذریعہ بہت سے جلیل القدر علماء نے بتایا ہے مثلاً مشہور مفسر حافظ عماد الدین ابن کثیرؒ تحریر فرماتے ہیں ..... فمتعوهن أي [illegible]
امر تعالى بامتاعها [illegible]
[illegible]

کے مذہب میں صرف ایک صورت کے اندر واجب ہے باقی میں مستحب۔ امام شافعی کے نزدیک بس ایک شکل میں واجب نہیں ہے۔ (فقہاء کے مسالک کی تفصیلات تمام معتبر فقہی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہیں)[1]

فقہاء کے درمیان تفصیلات میں ان اختلافات کے باوجود صحابہ سے لیکر عصر حاضر تک سب اس بات پر متفق نظر آتے ہیں کہ متعہ طلاق سے مراد ایسا کوئی سامان یا نقد رقم ہے جس سے کچھ لمحہ پر مطلقہ کی دلجوئی اور اشک شوئی کی جاتی ہے اور طلاق سے پڑنے والے تازہ زخم پر فوری مرہم رکھنے کی ضرورت متعہ طلاق کے ذریعہ پوری کی جاتی ہے۔ گویا یہ ایک طرح کا مرہم ہے یا تحفہ جو "ایمرجنسی" جیسی حالت میں عورت کو ریلیف اور سہارا دیتا ہے اس سے مطلقہ کی مستقل معاش کا بندوبست کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ چنانچہ قرن اول سے لیکر آج تک کسی عالم نے متعہ سے مراد مستقل نفقہ نہیں لیا ہے اور ان آیات سے مستقل نفقہ مطلقہ کا وجوب تو درکنار جواز بھی ثابت نہیں کیا ہے اُمت کا یہ اجماع و اتفاق احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مستفاد و ثابت ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ طلاق دینے والے سے کہا

متعها...... ولو بنصف صاع من تمر[2]	اسے (مطلقہ کو) متعہ ضرور دو چاہے وہ آدھا صاع کھجور ہی ہو۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک شخص سے یہ فرمایا

متعها ولو بقلنسوتك[3]	اسے (مطلقہ کو) متعہ ضرور دینا (اور کچھ نہ ہو تو پھر) چاہے اپنی ٹوپی ہی دے دینا۔

---

[1] ملاحظہ کیجیے۔ بدایۃ المجتہد ص ۱۰۰ ج ۲، ہدایہ اولین ص ۳۰۵ تا ۳۰۷ ج ۲، المدونہ ص ۲۲۹ ج ۲، احکام القرآن [illegible] ص ۲۲۹-۲۳۰، فتح القدیر ص [illegible]، بحر الرائق ص ۱۵۰ ج ۳، جمہور کے نزدیک متعہ طلاق ہر شکل میں واجب نہیں [illegible] خود جلیل القدر فقیہ و محدث تابعی حضرت عامر شعبیؒ کے اس قول سے بھی ہوتا ہے: واللہ ما رأیت احداً حبس فيها [illegible] ولو كانت واجبة لحبس فيها القضاة (تفسیر ابن کثیر ص ۲۹۳ ج ۱) [illegible] ابوبکر جصاص رازی [illegible] لم يكونوا يرون متاع المطلقة واجبة (احکام القرآن جصاص ص [illegible]) [illegible] احکام القرآن [illegible] ص ۲۲۹ ج ۲

ظاہر ہے کہ ڈیڑھ دو کلو کھجور یا ایک ٹوپی سے طویل مدت کا تو کیا ذکر ایک دن بلکہ شاید
وقت کی بھی تمام ضرورتوں کا انتظام نہیں ہو سکتا اور جن حضرات سے متعہ کی شکل میں بڑی رقم
قول ہے ان کا مقصد بھی مطلقہ کے مستقل نفقہ کا بند و بست کرنا نہیں بلکہ اس کی دلجوئی اور
خوشی کرنا ہی تھا۔ (مقدار کا یہ فرق قرآن مجید کی ہدایت[1] کے مطابق طلاق دینے والوں کی مالی
۔۔ کے فرق کی بنیاد پر ہوتا ہے) اس مد میں سب سے بڑی رقم حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک
عائشہ خثعمیہ کو دی تھی (اس کو ایک ایسی بات پر طلاق دیدی تھی جو آں محترم کے قلب کو مجروح
اور حمیت کو ٹھیس لگانے کا سبب ہو گئی تھی) لیکن اس خاتون کو طلاق کا اتنا صدمہ تھا کہ بہت
رقم سے بھی وہ ختم نہ ہو سکا اور اسے اپنے جذبات ان الفاظ[2] میں ظاہر کرنے پڑ گئے "متاع قلیل
حبیب مفارق" یہ واقعہ بھی صاف راہ نمائی کر رہا ہے کہ متعہ کے ذریعہ نفقہ کا انتظام مقصود نہیں
ورنہ اس حسرت بھرے کلام کی کیا ضرورت تھی، بلکہ دلجوئی ہی مقصود تھی، اگرچہ پوری طرح
انہیں کامیابی نہیں حاصل ہو سکی۔

خلاصۂ کلام یہ کہ (پچھلی چودہ صدیوں کے اندر) پوری امت میں ایک عالم بھی ایسا نظر نہیں
جس نے متعۂ طلاق سے مستقل نفقہ مراد لیا ہو۔ لیکن ادھر کچھ مدت سے متجددین کے ایک گروہ نے تحریر

---

(۱) البقرۃ آیت ۲۳۶ (عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ) واضح رہے کہ نفقہ مرد و عورت دونوں کی حیثیت
[illegible] واجب ہوتا ہے نہ کہ صرف شوہر کی حیثیت کے مطابق (ہدایہ ص ۴۱۰ ج ۲) اور پھر یہ حقیقت بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ شریعت
[illegible] عورت کے نفقہ کا جس میں مطلقہ بھی شامل ہے، ایسا مستقل بند و بست مختلف طور پر کر دیا ہے کہ کوئی بھی صورت ایسی باقی
[illegible] جس میں عورت کا خصوصاً نادار کا نفقہ کسی نہ کسی کے ذمہ نہ ہو (نفقہ کی کچھ تفصیل اس مضمون کی پہلی قسط میں بھی گزر چکی ہے)
[illegible] مستقل نفقہ طلاق دینے والے کے ذمہ کر دینے کی ضرورت باقی ہی نہیں رہ جاتی بلکہ اس کے ذمہ کرنے کا یہ مطلب ہو گا کہ عورت
[illegible] کا نفقہ طلاق دینے والے پر کھلا ہوا ظلم ہو اور ظلم جس پر بھی ہو مظلوم کو ظلم سے بچانا ضروری ہے۔
(۲) ایک ایسے محبوب شوہر کی جدائی کے مقابلہ میں یہ حقیر رقم کیا حیثیت رکھتی ہے؟ (تفسیر خازن ص ۱۸۰ ج ۱، تفسیر قرطبی ص ۲۰۷ ج ۳)
[illegible] جانتے ہیں کہ مدت طلاق کے بعد مطلقہ کے نفقہ کا اصولاً بھی کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ نفقہ تو در اصل احتباس کا
[illegible] جیسا کہ ہدایہ ص ۴۱۰ ج ۲ میں ہے لان النفقۃ جزاء الاحتباس (کا کا مطلب ہے کہ اس کا لازمی حق جس کا
[illegible] مہر ہے جو بہر صورت کچھ نہ کچھ ضرور واجب ہوتا ہے اور نکاح ختم ہونے پر بھی (خواہ وہ کسی طرح ختم ہو) ساقط نہیں ہوتا
(باقی اگلے صفحہ پر)

اکثریت عربی زبان تک سے ناواقف یا برائے نام واقف لوگوں کی ہے (دیگر علوم دینیہ سے باخبر ہونے کا تو ذکر ہی کیا) یہ دعویٰ کیا ہے کہ "متعۂ طلاق سے مراد مطلقہ کا مستقل نفقہ لیا جانا ہے۔ لہٰذا مطلق پر مطلقہ کا دائمی نفقہ (قانوناً) لازم کیا جا سکتا ہے۔ اور جو اسی وقت ساقط ہو سکتا ہے جب مطلقہ دوسرا نکاح کر لے۔ (اور ظاہر ہے کہ اتنی معقول رقم ماہ بماہ پاکسی اونی سی ذمہ داری قبول کیے ملتے رہنے کی صورت میں مطلقہ اسے چھوڑ کر خود کو نکاح کے بندھن میں کیوں پھنسانے لگی ہے؟ مگر اس سے کتنے مفاسد پھیل سکتے ہیں! ان کا اندازہ کسی بھی ہوشمند کے لیے مشکل نہیں) اور یہ کہنا شاید غلط نہ ہو گا کہ متجددین کے اس گروہ نے اپنی دریافت سے دانستہ یا نادانستہ طور پر ہندوستانی قانون کی دفعہ [1]۱۲۵ کو شرعی جواز فراہم کرنے کی کوشش کر ڈالی اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے اس قانونی مطالبہ کو اپنی دانست میں بے وزن کر دیا جو وہ حکومت سے مذکورہ دفعہ میں مناسب تبدیلی لانے کا عرصہ سے کر رہا ہے اور محض اسی بنیاد پر کر رہا ہے کہ یہ دفعہ شریعت اسلامی سے ٹکراتی ہے۔ حالانکہ بورڈ اور اس کے ذمہ داروں (خاص طور پر جنرل سکریٹری) کی مخلصانہ اور مدبرانہ جدو جہد کی بدولت (جیسا کہ متبنّیٰ بل وغیرہ کے بارے میں حکومت نے بورڈ کا وزن محسوس کیا ہے اسی بنا پر توقع کی جا سکتی ہے کہ اگر اس طرح کے رخنے پیدا نہیں کیے گئے تو حکومت یہ مطالبہ بھی مان لے گی۔

متجددین کی اس جماعت کے سربراہ بلکہ سب سے بڑے وکیل کم سے کم ہندوستان میں مشہور ماہر قانون بلکہ قانون پر متعدد کتابوں کے مصنف آصف علی فیضی صاحب ہیں جنہوں نے ۹-۱۰ برس پہلے مسلم پرسنل لا کے موضوع پر ایک تفصیلی مقالہ بھی لکھ کر بڑے پیمانہ پر شائع کرایا تھا اس میں متعۂ طلاق سے نفقۂ مطلقہ مراد لینے پر "دلائل" بھی دیے گئے ہیں جیسے ہی یہ مقالہ راقم سطور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) کم و بیش یہی معاملہ متعۂ طلاق کا بھی ہے، جو مہر کی طرح ایک بار ہی واجب ہوتا ہے (مگر صرف طلاق کے بعد) برخلاف نفقہ کے کہ وہ یوماً فیوماً واجب ہوتا ہے اور احتباس (یعنی شوہر کے ساتھ رہنے کی پابندی اور اسی کی وجہ سے کسی اور سے نکاح نہ کر سکنے کی مجبوری) ختم ہونے کے ساتھ نفقہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ بعض علماء نے متعہ سے مراد کوئی الگ چیز نہیں بلکہ صرف عدت کے درمیان والا وہ نفقہ لیا ہے جو قرآن کی دوسری آیتوں کی رو سے لازم ہے۔)

[1] دفعہ ۱۲۵ کی رو سے مطلقہ کو بھی بیوی کا درجہ دیا گیا ہے اور اسی لیے (سابق) شوہر پر اس کا نفقہ لازم کر دیا ہے۔

کے سامنے آیا فوراً اس نے محض توفیق خداوندی سے مذکورہ بالا...... مقالہ کے علمی نقد و احتساب کا فریضہ ادا کیا (فالحمد للہ علی ذلک) جس کے بعد فیضی صاحب اور ان کے دلائل کا حال اہل نظر کے سامنے آگیا۔[1]

خیال ہے کہ اوپر کی سطروں میں نیز فیضی صاحب کے مقالہ کا احتساب کرتے ہوئے، جو کچھ عرض کیا گیا اس کے بعد مزید کچھ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں رہ جاتی۔ البتہ ایک بات کی طرف اور توجہ دلانا شاید نامناسب نہ ہوگا۔ وہ یہ کہ قرآن و سنت کے الفاظ و تعبیرات کے مطالب اور مراد متعین کرنے میں اگر اسی طرح اجماع امت اور تعامل سلف کو نظر انداز کر کے اپنے پسندیدہ مقاصد حاصل کرنے کی سعی کی جانے لگی اور محض ڈکشنری کی مدد سے[2] اور کوئی بہانہ بنا کر آج تک متفقہ طور پر سمجھا جانے والا صحیح مفہوم غلط ٹھہرا کر نیا مطلب لینے کا ایک بار بھی دروازہ کھولا گیا تو پھر کسی بھی شرعی حقیقت اور نصوص سے سمجھی جانے والی مراد کو غلط ٹھہرانا اور اس پر عمل سے باز رکھنا ممکن ہو جائے گا جس کے نتیجہ میں دین صحیح سے ہٹانے بلکہ شریعت ہی کو مسخ کرنے کا دین بیزار لوگوں کو ہتھیار مل جائے گا اور پھر کیا گارنٹی ہے کہ اسی ہتھیار سے کام لیکر کل وہ صلوٰۃ، صوم، اور حج جیسی یقینی اور مسلمہ و متعینہ شرعی حقیقتوں کی شکلوں کو بھی بدلنے کی کوشش نہ کریں گے؟ بہرحال یہ بڑا خطرناک کھیل ہے جو کھیلا جا رہا ہے۔[3]

---

[1] اب وہ احتساب راقم سطور کی کتاب "معاشرتی مسائل" کا آخری باب بنکر شائع ہو گیا ہے سب سے پہلے "الفرقان" میں شائع ہوا تھا پھر ملک کے اور متعدد علمی و دینی موقر پرچوں نے نقل کیا۔ [2] نیز "متعہ" کے معنیٰ "نفقہ" لینے کے لیے لغت کا سہارا بھی بلا تکلف کے مشکل ہی سے مل سکتا ہے کیونکہ اس کے لغوی معنیٰ امام رازی نے یہ بتائے ہیں "اصل المتعة والمتاع ما ينتفع به انتفاعاً غير باق بل منقضياً عن قريب" (تفسیر کبیر ص ۲۷، ۲۰۴)۔ [3] بانفرد گہا جاتے ہیں کہ اوپر جن خدشات کا اظہار کیا گیا ہے وہ محض قوت واہمہ کی پیداوار نہیں بلکہ واقعات کی شکل میں بھی نظر آنے لگے ہیں کیا الحادانہ خیالات رکھنے والے بعض نام نہاد صوفیوں نے قرآن مجید سورۂ حجر کی آخری آیت ۹۹ "واعبد ربك حتى يأتيك اليقين" سے استدلال کرتے ہوئے اس "کرنک" کے ذریعہ شرعی احکام کی پابندی سے خود کو مستثنیٰ قرار نہیں دے لیا تھا؟ اور خنزیر کا ترجمہ جنگلی چوپایہ کر کے آجکل کے بعض نام نہاد ترقی پسندوں نے سور کے حرام ہونے سے انکار کی کوشش نہیں کی ہے؟ اور کیا صلوٰۃ سے مراد "اسلامی حکومت" واقعتاً ازکم لینے جسارت نہیں کی گئی ہے؟ اس رجحان کے خلاف اسلام بلکہ مخرب دین ہونے کا اندازہ کرنے کے لیے مزید تفصیل اور واقعات کا علم مطلوب ہو تو دیکھیے "منصب نبوت" ص ۲۲ تا ۸۲ اور "الارکان الاربعہ" ص ۲۵، از مولانا سید ابوالحسن علی

راہ اعتدال گزشتہ صفحات میں عورت کے مرد پر حقوق، یا عورت کے ساتھ رعایت کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کی جو تفصیل پیش کی گئی ہے اس سے یہ غلط فہمی نہونی چاہیے کہ قانونِ شریعت میں عورت کو ہر ذمہ داری سے بری، اور شوہر کو اپنی بیوی کی ہر طرح دلداری کرنے اور تمام مناسب و نامناسب فرمائشوں کی تکمیل کا حکم دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ اللہ حکیم و خبیر کے عطا کردہ قوانین اور نبی فطرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہدایات اس درجہ غیر حکیمانہ غیر متوازن کیونکر ہو سکتی ہیں کہ جس سے معاشرتی نظام ہی برباد ہو کر رہ جائے، جو اس رشتہ کا اصل مقصود ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں عموماً ہر فریق کو اس کی ذمہ داریاں اور فرائض بتا کر انھیں پورا کرنے پر زور دیا گیا ہے جس کے نتیجہ میں ہر ایک کے حقوق بھی مل جاتے اور اطمینان بھی نصیب رہتا ہے، بلکہ انتہائی خوشگوار طریقہ پر نباہ ہوتا ہے، یہی طریقہ اسی بارے میں بھی اختیار کیا گیا ہے جس سے نہایت اعلیٰ درجہ کا توازن و اعتدال بھی پیدا ہو گیا ہے۔

عورتوں کے حقوق اور مردوں کے فرائض ذکر ہو جانے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مردوں کے حقوق اور عورتوں کے فرائض کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات و ہدایات کا مختصر تذکرہ بھی کر دیا جائے۔

عورت پر مرد کا حق عورتوں کو مردوں کے سلسلہ میں جو تعلیمات و ہدایات دی گئی ہیں ان کا مختصر تذکرہ بھی یہاں غالبًا بے محل نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں نیک اور صالح عورتوں کی کچھ اہم خوبیاں (شوہر کی اطاعت اور مال و آبرو کی حفاظت) بیان کرتے ہوئے گویا ان خوبیوں کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے:۔ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ [1] حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے آیت کا تشریحی ترجمہ اس طرح فرمایا ہے:۔

"سو جو عورتیں نیک ہیں (وہ مرد کے فضائل و حقوق کی وجہ سے) اطاعت کرتی ہیں (اور مرد کی عدم موجودگی میں (بھی) بحفاظت (و توفیق) الٰہی (اس کی آبرو و مال کی) نگہداشت کرتی ہیں۔" [2]

---

[1] سورۃ النساء آیت ۳۴

[2] بیان القرآن ص ۱۱۵ ج ۲

صحیح احادیث میں بھی اسی قسم کی تعلیمات ملتی ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں بہترین بیوی کے لیے یہ چند اوصاف بیان کیے گئے ہیں جس کا مطلب یہی ہے کہ ہر بیوی کو ایسا ہی بن جانے کا حکم نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ دیا گیا ہے۔

التی تسرہ اذا نظر وتطیعہ اذا امرہ	بہترین بیوی وہ ہے جو اپنے شوہر کو خوش
لا تخالفہ فی نفسہا ولا فی مالہا	کرے، جب وہ دیکھے اس کے ہر حکم کی تعمیل
بما یکرہ[۱]	کرے جب وہ اسے کوئی حکم دے اپنی ذات

اور اپنے مال کے بارے میں بھی (چہ جائیکہ شوہر کے مال میں) ایسا رویہ نہ اختیار کرے جو شوہر کو ناپسند ہو۔

دراصل مرد کا عورت پر خاص حق یہی ہے کہ عورت اس کی پوری طرح اطاعت و فرماں برداری کرے جس میں گناہ نہ ہو کرے اور شوہر کو ناگوار ہونے والی ہر حرکت سے بچے۔ یہی مرد کی رعایت ہے۔ بتانے کی ضرورت نہیں کہ دونوں کی زندگی ایسی ہی صورت میں خوشگوار رہ سکتی ہے جب دونوں طرف سے ایک دوسرے کی رعایت ہو یعنی صرف قانون اور واجبی حقوق و فرائض ہی پر اکتفا نہ ہو بلکہ اس سے بہت آگے بڑھ کر یگانگت کا برتاؤ ہونا چاہیے۔ قرآن حکیم کے اندر ایک موقعہ پر زوجین کے باہمی تعلق کو "هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ"[۲] کے بلیغ و معجزانہ اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔

مشہور انشاء پرداز عالم و مفسر مولانا عبدالماجد دریا بادی مرحوم نے بصیرت افروز اور ادیبانہ انداز میں آیت بالا پر جو نوٹ لکھا ہے، جی چاہتا ہے کہ آخر میں اسے پیش کر دیا جائے۔ مولانا لکھتے ہیں:

"قرب و اتصال کے لحاظ سے ایک دوسرے کے پردہ دار، اور موجب تسکین ہونے کے لحاظ سے گویا اردو محاورہ میں دونوں میں "چولی دامن کا ساتھ" وہ ان کے حق میں اوڑھنا بچھونا ہیں اور یہ ان کے حق میں ..... غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انسان کے حق میں لباس کو

---

[۱] سنن النسائی ص ۷۲،۱۰ (کتاب النکاح "باب ای النساء خیر")

[۲] یعنی "وہ تمہارے لیے (بمنزلہ) لباس ہیں اور تم ان کے لیے۔"

ایک وصف امتیاز اس کی پردہ پوشی ہے۔ لباس جسم کے عیبوں کو چھپاتا ہے، اس کے حسن کو ابھارتا ہے...... گویا ہر اسلامی خاندان میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا پردہ پوش ہونا چاہیے اور ایک دوسرے کی زینت کو بڑھانے والا...... جتنا موقع ایک کو دوسرے کے جسمانی، اخلاقی، روحانی عیبوں اور کمزوریوں پر مطلع ہونے کا ملتا ہے اتنا نہ کسی دوست کو مل سکتا ہے نہ کسی عزیز کو...... اس صورت میں عورت کے اخلاق کا کمال یہ ہے کہ شوہر کی ہر کمزوری کو چھپائے، اس پر صبر کرے، اسے بہتر سے بہتر صورت میں ظاہر کرے اور — ع "ناخوش تو خوش بود بر جان من" کا ثبوت قدم قدم پر پیش کرے۔ علیٰ ہذا۔ مرد کے بھی کمال اخلاق کی معراج یہی ہے۔ دونوں کی اخلاقی تکمیل کا یہ مؤثر ترین نسخہ اسلام نے باتوں باتوں میں بتا دیا۔ یہ اس مذہب کی تعلیم ہے جو فرنگی "محققین" کی نظر میں پست اس لیے ہے کہ اس میں عورت کی تحقیر کی گئی ہے — ع

کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہو گیا[1]

---

[1] تفسیر ماجدی ص ۲۲۵ ج ۱

ضروری تصحیح :- الفرقان کے گذشتہ شمارہ میں (اس مضمون کی پہلی قسط میں) صفحہ ۲۳ پر حاشیہ کی آخری سطر سے ۳ سطر اوپر "جلد اول" غلط طبع ہو گیا ہے قارئین اسے "جلد ثانی" اور صفحہ ۲۵ کی بالکل آخر سطر میں "روح المعانی جلد ۲" کو "جلد ۲۲" پڑھیں۔

حضرت مولانا مفتی محمود صاحب علیہ الرحمۃ

(از جناب مولانا محمد عبداللہ صاحب (خطیب بھکر ضلع میانوالی پاکستان)

اکتوبر نومبر کے مشترکہ شمارے میں (جو اوائل نومبر میں شائع ہوا تھا) حضرت مولانا مفتی محمود صاحب کے ۱۴ اکتوبر کو کراچی میں اچانک انتقال کی اطلاع کے ساتھ اپنی محدود واقفیت کے مطابق ان کا کچھ تذکرہ بھی سپرد قلم کیا گیا تھا ______ اور اس کا شدید احساس تھا کہ جیسا مفصل تذکرہ ان کی عظیم اور بافیض شخصیت کا حق تھا معلومات نہ ہونے کی وجہ سے وہ نہیں کیا جا سکا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ہمارے محترم محب و مخلص جناب مولانا محمد عبداللہ صاحب (خطیب بھکر ضلع میانوالی) کو آپ نے مفتی صاحب کی تعلیمی، علمی، دینی، سیاسی زندگی کے وقائع اور امتیازات و خدمات کو بڑے مربوط انداز میں ایک مقالہ کی شکل میں مرتب فرمایا اور الفرقان میں اشاعت کے لیے بھیجا۔

اس مضمون کی بڑی قابل قدر خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مفتی صاحب سے متعلق وہ سب کچھ ہے جو ہونا چاہیے لیکن شاعرانہ مبالغہ آرائی اور وہ فضول قصیدہ خوانی بالکل نہیں ہے جو فی زمانا عظیم و ممتاز شخصیتوں پر لکھنے والوں کی عام بیماری ہے۔ نیز جو کچھ لکھا ہے پوری تحقیق سے لکھا ہے۔ مضمون کے ساتھ محترم مقالہ نگار کا جو عنایت نامہ راقم سطور کو ملا ہے اس میں انھوں نے تحریر فرمایا ہے:۔

"مفتی صاحب کی ابتدائی زندگی کے متعلق اُن کی حیات میں بھی کتابوں میں بعض باتیں غلط آگئیں اگر مرحوم کو ادھر توجہ تھی نہ اُن کتابوں کے دیکھنے کی فرصت۔ احقر نے متعلق مقامات سے پوری تحقیق کر کے ابتدائی حالات اس مضمون میں قلمبند کیے ہیں"

اس کے بعد ناظرین کرام اصل مضمون ملاحظہ فرمائیں!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ تعالیٰ نے سادات قندھار کے قبیلہ لیسین زئی کو یہ شرف عطا فرمایا کہ اس میں حضرت مولانا سید احمد گل شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسے ولی کامل اور اجل عالم ہوئے۔ جن کے فیوض و برکات سے ایک دنیا مستفیض ہوئی۔ سادات کا یہ قبیلہ ایک خانہ بدوش قبیلہ تھا، جو گرمیوں کے چار مہینے نواح قندھار میں خیمہ زن ہوتا اور سردیوں کے چھ مہینے پنیالہ ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خاں میں قیام کرتا دو مہینے آمد و رفت میں لگ جاتے۔ حضرت شاہ صاحب کا بھی یہی معمول رہا۔ آپ تصوف کے چاروں سلسلوں میں مجاز تھے، مگر اپنے مشائخ کے طریقہ کے مطابق سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کی تعلیمات کو فروغ دیا۔ اسی سلسلہ میں بیعت فرماتے اور طالبین کو تعلیم دیتے تھے۔ آپ نے ہمیشہ علوم دینیہ کی تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا، درویشوں اور طالب علموں کی ایک بڑی جماعت آپ کے ساتھ رہتی، آپ کا قافلہ ایک چلتی پھرتی خانقاہ اور خانہ بدوش مدرسہ تھا، پنیالہ کے علاقہ میں آپ کے متوسلین کا سلسلہ بہت وسیع تھا، پنیالہ کے رئیس شہاب الدین خاں بھی آپ کے حلقہ ارادت میں داخل تھے، ایک دفعہ آپ سردیاں گزار کر قندھار کی طرف کوچ کی تیاری میں تھے کہ سخت بیمار ہو گئے، نقاہت اتنی زیادہ ہو گئی کہ سفر کے قابل نہ رہے اور سفر ملتوی کر دیا، شہاب الدین خاں نے موقع غنیمت سمجھا اور پنیالہ میں مستقل قیام کی درخواست پیش کر دی، آپ نے شرف قبول سے نوازا، خان صاحب نے پنیالہ سے چار فرلانگ شمال کی طرف ایک قطعہ اراضی آپ کے لیے مختص کر دیا، آپ نے ذاتی مکانات، مسجد طلباء اور ذاکرین کے لیے حجرے تعمیر کرائے اور اس سرزمین کو اپنا وطن بنا لیا۔ آپ کے آٹھ صاحبزادے تھے جن میں سے چار آپ کے پاس رہے اور چار نے کچھ مدت خانہ بدوشی کی زندگی گزاری اور پھر قندھار میں سکونت اختیار کر لی، آپ کے وصال کے بعد آپ کے بڑے فرزند حضرت مولانا سید عبدالحلیم شاہ صاحب جانشین ہوئے، آپ کے ایک فرزند مولانا سید عبدالعزیز شاہؒ آنکھوں سے نابینا تھے، اللہ تعالےٰ نے علم و معرفت میں بلند مقام عطا فرمایا تھا، اپنے بھائی سے سلوک کی تکمیل کر کے اجازت و خلافت سے سرفراز ہوئے اور ۱۹۲۳ء میں اپنے بھائی صاحب کی اجازت سے باخیل ضلع بنوں میں قیام فرمایا اور وہاں عمر بھر سلسلہ مجددیہ کی ترویج و اشاعت فرماتے رہے۔

حضرت مولانا سید احمد گل شاہ صاحبؒ کے ایک مرید مولانا محمد صدیق صاحب تھے، جن کو خانقاہ اور متعلقین خانقاہ میں خلیفہ صاحب کہا جاتا تھا، علاقہ قندھار کے افغان تھے، افغانوں کے مشہور خانہ بدوش قبیلہ ناصر سے تعلق تھا، دینی علوم پڑھنے کی غرض سے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے پڑھنا شروع کیا، کچھ عرصہ بعد طبیعت کا میلان ذکر و شغل کی طرف زیادہ ہوگیا، ضروری کتابیں پڑھ لیں اور پوری مستعدی سے اذکار و مجاہدات میں مشغول ہو گئے۔ سلوک و تصوف کے منازل طے کرکے خلافت واجازت سے مشرف ہوئے، اپنے شیخ سے ایسی محبت اور عقیدت نصیب ہوئی کہ اپنی زندگی شیخ کے قدموں میں گزارنے کی ٹھان لی اور یہیں کے ہو کے رہ گئے۔ حضرت شاہ صاحب کا وصال ہوگیا تو سلسلہ مجددیہ کے دستور کے مطابق اپنے شیخ کے جانشین شیخ کامل حضرت مولانا سید عبدالحلیم شاہ صاحب کے دست مبارک پر بیعت کی اور بدستور خانقاہ میں مقیم رہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفہ مولانا محمد صدیق صاحب کو ۱۰ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ شب دوشنبہ کو دوسرا فرزند عطا فرمایا جس کا نام حضرت مولانا سید عبدالحلیم شاہ صاحب نے محمود تجویز فرمایا، یہ وہ سعادت مند اور بلند اقبال فرزند تھا جس کو آج دنیا مفتی اعظم مولانا مفتی محمود کے نام سے یاد کرتی ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے خانقاہ کے پاکیزہ احول میں آنکھیں کھولیں جہاں چار سو قال اللہ و قال الرسول کی صدائیں تھیں، مراقبات کے حلقے اور اہل اللہ کے تذکرے تھے، خدا طلبی کا ذوق اور روحانیت کا شوق تھا، اس پُر انوار اور روح پرور فضا میں آپ کے دل و دماغ پر جو نقوش قائم ہوئے وہ آپ کے شاندار مستقبل کے لیے بنیاد ثابت ہوئے،

اسی زمانے کا قصہ ہے کہ خانقاہ کے ایک صاحب دل درویش آپ سے پیار کرتے تھے، آپ کو اٹھا لیتے، پنیالہ کے بازار میں لے جاتے اور مٹھائی خرید کر کھلاتے، بعض لوگ کہتے کہ آپ اپنے پیروں کے بچوں سے پیار نہیں کرتے اور خلیفہ صاحب کے بچے سے اتنا پیار ہے، وہ جواب میں فرماتے کہ "مجھے اس بچے کی پیشانی میں عظمت کی روشنی معلوم ہوتی ہے"

بالائے سرش ز ہوشمندی   می تافت ستارۂ بلندی

چھ سال کے ہوئے تو آپ کو گورنمنٹ مڈل اسکول پنیالہ میں داخل کرا دیا گیا، ۱۹۳۲ء میں مڈل کا امتحان پاس کیا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے والد صاحب اور اپنے ماموں مولوی بشیر محمد صاحب پنیالوی

سے قرآن مجید ناظرہ اور فارسی کی ابتدائی کتابیں بھی پڑھ لیں، پھر آپ کو ا باخیل حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی خدمت میں بھیج دیا گیا، جہاں آپ نے چند مہینے اسباق پڑھے اور واپس خانقاہ پٹیالہ میں آگئے۔ یہاں دو سال میں اپنے والد صاحب اور اپنے بہنوئی مولوی شیر محمد قندھاری اور مولوی غلام رسول صاحب سے شرح جامی، ہدایہ اولین، حسامی اور سلم العلوم تک کتابیں پڑھیں۔ ان دنوں فنون کی تعلیم میں مدرسہ شاہی مراد آباد کی شہرت تھی، غزنی کے مولانا عبدالغفور صاحب ترکئی جو خانقاہ کے متعلقین میں سے تھے اور بنوں کے مولانا عجب نور صاحب بھی وہاں مدرس تھے، حضرت مولانا سید عبدالحلیم شاہ صاحب نے ۱۹۳۶ء میں اپنے صاحبزادوں، بھتیجوں اور حضرت مفتی صاحب کو مراد آباد پڑھنے بھیجا، مفتی صاحب ساتھیوں سے الگ ہو کر دیوبند چلے گئے، ابھی اسباق شروع نہیں ہوئے تھے کہ خلیفہ صاحب کے فرمان پر موجودہ سجادہ نشین صاحبزادہ احمد صاحب نے آپ کو دیوبند سے مراد آباد لے جا کر مدرسہ شاہی میں داخل کر دیا۔ وہاں مسلسل چھ سال پڑھتے رہے، آپ کے ساتھ حضرت سید عبدالحلیم شاہ صاحب کے فرزند صاحبزادہ محمد صاحب، صاحبزادہ عبدالحمید صاحب اور سید عبدالعزیز شاہ صاحب کے فرزند صاحبزادہ یار محمد صاحب اور صاحبزادہ جان محمد صاحب بھی وہاں پڑھتے رہے، ان سب حضرات نے وہاں چھ سال اکٹھے گزارے، سید عبدالعزیز شاہ صاحب آپ کو بھی اپنے صاحبزادوں کے برابر ہر مہینے رقم بھیجا کرتے تھے، آپ نے مراد آباد کے مولانا قاری محمد عبداللہ صاحب سے علم تجوید و قرأت بھی مکمل کیا تھا، آپ کے مشفق اُستاد مولانا سید محمد میاں صاحب نے اُسی زمانہ میں اپنی معروف و مقبول کتاب "علمائے ہند کا شاندار ماضی" تالیف فرمائی تھی، آپ مسودات کی نقل و تصحیح وغیرہ میں ان کا ہاتھ بٹایا کرتے تھے، مراد آباد کے بعد آپ نے کچھ عرصہ امروہہ میں بھی حدیث پڑھی، حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب محدث امروہی ضعف کی وجہ سے پڑھانا چھوڑ چکے تھے مگر آپ کا امتحان لیکر حدیث کی سند اپنے دست مبارک سے لکھ کر عطا فرمائی۔ ۱۹۴۱ء میں آپ کی تعلیم مکمل ہوئی اور وطن واپس آئے، حضرت مولانا سید عبدالعزیز شاہ صاحب کے فرمان پر مدرسہ معین الاسلام عیسیٰ خیل ضلع میانوالی میں تدریس شروع فرمائی، ا باخیل جا کر حضرت شاہ صاحب سے بیعت بھی ہوئے۔ تدریس کے ساتھ اپنے وظائف بھی پورے کرتے اور ہر دوسرے مہینے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں جا کر تین دن قیام کرتے تقریباً دس سال بعد سلاسل اربعہ میں شاہ صاحب سے

مجاز ہوئے۔

حضرت شاہ صاحب نے اباخیل میں مدرسہ قائم کیا اور ۱۹۴۵ء میں آپ کو اپنے مدرسہ میں بلالیا۔ آپ نے اباخیل میں پڑھانا شروع کیا تو طلباء کا بہت زیادہ ہجوم ہوگیا، آپ کے ساتھ آپ کے رفیق درس اور شاہ صاحب کے فرزند صاحبزادہ جان محمد صاحب بھی پڑھاتے تھے۔ طلباء کی کثرت کی وجہ سے دو سال بعد مدرسے کے اخراجات پورے کرنے مشکل ہو گئے، اور اس مدرسہ کو دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں مدغم کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا، دارالعلوم کے مہتمم مولانا عبدالحق صاحب کو بلا کر مدرسہ کا سارا سامان ان کے حوالے کر دیا گیا اور آپ پنیالہ آگئے۔

اوائل ۱۹۴۸ء میں آپ کے سسرالی گاؤں عبدالخیل کے ایک محلہ میں امام کی ضرورت پیش آئی تو حضرت شاہ صاحب نے آپ کو وہاں کا امام مقرر فرما دیا۔ آپ نے امامت کے ساتھ تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا، ایک مکان اور چھپر طالب علموں کی قیام گاہ اور درسگاہ تھے، کوئی فنڈ قائم نہیں کیا، محلہ والے طلباء کے لیے کھانا وغیرہ مہیا کر دیتے اور آپ ان کو لوجہ اللہ تعلیم دیا کرتے تھے، خود بھی شروع میں ایک مستعار مکان میں رہے بعد میں اپنا ذاتی کچا مکان تعمیر کرا لیا اور عبدالخیل کو اپنا مستقل وطن بنا لیا۔

عبدالخیل کا گاؤں ڈیرہ اسمٰعیل خاں شہر سے کوئی پینتالیس میل کے فاصلہ پر ایک بے آب وگیاہ علاقہ میں ہے، جہاں شمال اور جنوب میں خشک پہاڑ اور درمیان میں ریت کے ٹیلے ہیں، پنیالہ کے علاوہ پورے علاقہ میں نہ کوئی چشمہ ہے نہ کنواں، فصلوں کا انحصار بھی بارش پر ہوتا ہے، لوگوں نے گھروں میں پختہ تالاب تعمیر کر رکھے ہیں، بارش ہو تو گھروں کے صحنوں اور چھتوں کا پانی ان میں جمع ہو جاتا ہے، تقریباً پانچ سال پہلے تک لوگ اسی پانی سے ضروریات پوری کرتے تھے، اگر کسی سال بارش نہ ہوتی اور تالابوں کا پانی ختم ہو جاتا تو عبدالخیل کے لوگوں کو سات میل دور پنیالہ سے اونٹوں پر لاد کر پانی لانا پڑتا تھا۔ حضرت مفتی صاحب کی زمانہ وزارت کی اسکیم پر ۱۹۷۵ء میں عمل درآمد ہوا اور پنیالہ سے عبدالخیل تک منزل در منزل تالابوں کی تعمیر اور ٹیوب ویلوں کی تنصیب سے پانی پہنچا دیا گیا۔ اس سے کچھ عرصہ پہلے بجلی بھی پہنچ گئی اور سڑک بھی پختہ ہو گئی تھی جب آپ نے وہاں قیام فرمایا تھا اس وقت عبدالخیل سے ڈیرہ بنوں روڈ تک سولہ سترہ میل کا سفر

پیدل یا اونٹوں پر ہوا کرتا تھا، اس دور افتادہ علاقہ میں ہونے کے باوجود آپ کی علمی قابلیت اور تدریسی مہارت کی شہرت دور دور تک ہو گئی تھی، مدرسہ قاسم العلوم ملتان کی انتظامیہ نے ۱۹۵۰ء مسند افتاء و تدریس کی پیشکش کی آپ نے اپنے شیخ سید عبد العزیز شاہ صاحب کی اجازت سے عبدالخیل کی امامت اپنے چھوٹے بھائی مولانا محمد صاحب کے سپرد کی اور خود ملتان تشریف لے گئے۔ ملتان سے پہلے آپ کو "مولوی محمود صاحب" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا، یہاں مدرسہ قاسم العلوم میں تدریس کے ساتھ مفتی مدرسہ کا منصب بھی آپ کو تفویض کیا گیا اور "مفتی محمود صاحب" کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ ۱۹۵۵ء میں آپ کو صدر مدرس، شیخ الحدیث اور ناظم تعلیمات بھی بنا دیا گیا۔

آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز مراد آباد کے زمانۂ تعلیم میں ہوا، جب آپ نے ۱۹۳۶ء کے انتخابات میں جمعیۃ علماء ہند کی حمایت میں کام کیا تھا اور انتخابی مہم کے سلسلے میں دور دراز علاقوں کے دورے کیے تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد آپ باقاعدہ جمعیۃ علماء ہند سے وابستہ ہو گئے اور آپ کو آل انڈیا جنرل کونسل اور صوبہ سرحد ورکنگ کمیٹی کا رکن بنا لیا گیا ـــــ درس و تدریس کے ساتھ تحریک آزادی میں بھی برابر حصہ لیتے رہے۔ ۱۹۴۶ء میں شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے صوبہ سرحد کا دورہ فرمایا تھا، آپ بھی جنوبی اضلاع میں ساتھ رہے، پاکستان کے معرض وجود میں آجانے کے بعد حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر آپ نے اپنے رفقاء سمیت جمعیۃ علماء اسلام میں شمولیت اختیار کی۔ حضرت مولانا شبیر احمدؒ کے زمانہ میں اور ان کے بعد بھی جمعیۃ علماء اسلام کے جتنے مرکزی اجلاس ہوئے آپ ان میں شریک ہوتے رہے، ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں حصہ لیا اور چھ مہینے ملتان جیل میں محبوس رہے، ۱۹۵۶ء میں علماء کنونشن بلانے کا فیصلہ ہوا، مجلس استقبالیہ کی تشکیل ہوئی، جس کی صدارت حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ نے منظور فرمائی اور نظامت کی ذمہ داری آپ کو سونپی گئی۔ حضرت لاہوریؒ اور آپ کی طرف سے دعوت نامہ جاری ہوا، ۸، ۹ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو ملتان میں کنونشن ہوا جس میں مغربی پاکستان کے تقریباً پانچ سو علماء نے شرکت کی۔ اس کنونشن میں جمعیۃ علماء اسلام کی از سر نو تشکیل ہوئی، امیر حضرت لاہوریؒ نائب امیر آپ اور ناظم اعلیٰ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی منتخب ہوئے۔ اس انتخاب سے جمعیۃ علماء اسلام کا دور جدید شروع ہوا، اور یہ جماعت ایک فعال دینی سیاسی جماعت کی حیثیت سے ابھری۔

آپ نے جمعیۃ علماء اسلام کی منصبی ذمہ داریوں کو بڑی خوبی سے نبھایا، ملک کے طول وعرض میں دورے کیے، ۱۹۵۶ء کے دستور پر "تنقید و ترمیمات" لکھ کر اس کی خلاف اسلام دفعات کو بے نقاب کیا، ۱۹۶۲ء میں ڈیرہ اسمٰعیل خاں کے ایک نواب صاحب اور پیر صاحب زکوڑی کو شکست دے کر قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے، ۱۹۶۳ء میں عائلی قوانین کا مسئلہ پیش ہوا تو آپ نے ان قوانین کے خلاف مدلل اور مفصل تقریر فرمائی جس سے ارکان اسمبلی ذہنی اور قلبی لحاظ سے آپ کے ہمنوا ہوگئے، اسپیکر نے اس تقریر کو اسمبلی کی بہترین تقریر قرار دیا، قاہرہ میں متعدد بار علماء کے عالمی اجتماعات کو خطاب کیا، آپ کے علمی تبحر، قوت استدلال اور سیاسی بصیرت نے دنیا کے علماء کو بہت متاثر کیا، ۱۹۶۸ء میں راولپنڈی میں علماء کا عالمی اجلاس ہوا، جس میں پاکستان کے بعض لوگوں نے اپنے مقالوں میں کتاب وسنت کے خلاف نظریات پیش کیے، آپ نے جرأت مندی سے انھیں ٹوکا اور اُن کی مدلل تردید کی۔ پورے اجلاس پر آپ کے علم کی دھاک بیٹھ گئی اور اُن مسلم نما ملحدوں کو ذلت ورسوائی کا منھ دیکھنا پڑا۔ ۱۹۶۹ء کی گول میز کانفرنس میں علماء کے متفقہ بائیس نکات اور مسلمان کی تعریف دستور میں شامل کرنے کا مطالبہ کیا،

۱۹۷۰ء کے انتخابات میں ڈیرہ اسمٰعیل خاں سے مسٹر بھٹو کو بھاری اکثریت سے شکست دے کر کامیاب ہوئے، جب کہ ملک کے دوسرے حصوں میں مسٹر بھٹو کو کوئی بھی نہ ہرا سکا، ان انتخابات کے بعد بعض لیڈروں کی ہوس اقتدار نے ملک کے لیے خطرات پیدا کر دیے تو آپ نے اور حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے مل کر ملک کو ان خطرات سے بچانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکے اور خون خرابہ کے بعد سقوط مشرقی پاکستان کا حادثہ پیش آکر ہی رہا۔

۱۹۷۲ء میں آپ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ بنے، اور حلف وفاداری اٹھاتے ہی صوبہ میں شراب پر مکمل پابندی عائد کر دی، پھر اردو کو سرکاری زبان اور شلوار اور قمیص کو سرکاری لباس قرار دیا، کالج کی ابتدائی کلاس میں داخلہ کے لیے میٹرک پاس ہونے کے ساتھ قرآن مجید ناظرہ اور نماز باترجمہ کا یاد ہونا لازمی ٹھہرایا، تقاوی قرضوں پر سود، قمار بازی اور جہیز کی ممانعت اور احترام رمضان کے قوانین نافذ کیے، بعض لوگوں کے اصرار کے باوجود آپ نے اپنی کابینہ میں کسی عورت کو وزیر نہیں بنایا، عوام کے ملنے کے لیے دروازے کھلے رکھے، غریب عوام کے لیے ایک عام افسر کی بہ نسبت وزیر اعلیٰ کی ملاقات

آسان تھی، نماز کا وقت ہوتا تو وزیر اعلیٰ کی قیام گاہ پر اذان ہوتی اور سب لوگ وزیر اعلیٰ کی اقتدا میں نماز باجماعت ادا کرتے، یہ منظر ایمان افروز اور سبق آموز ہوتا تھا، اکثر ایسا ہوتا کہ آپ نماز سے فارغ ہوئے اور وہیں امامت کے مصلے پر لوگوں نے درخواستیں پیش کرنا شروع کردیں، آپ نے وہیں بیٹھے بیٹھے اپنے دست مبارک سے احکامات تحریر فرمادیے۔ مسٹر بھٹو نے صوبہ سرحد میں افراتفری پیدا کرکے آپ کی حکومت کو ناکام کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا، آپ نے بہترین انتظامی صلاحیتوں کا مظاہرہ کیا، خود فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے نو مہینے کے عرصہ میں ایک انچ زمین پر بھی دفعہ ۱۴۴ نافذ نہیں کی، اور میری پولیس کی بندوق سے کسی کی طرف ایک گولی نہیں نکلی"۔ آپ نے قومی اسمبلی میں ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کی کامیاب نمائندگی فرمائی، اسمبلی کی کمیٹی کے سامنے مرزائیوں کے موجودہ پیشوا مرزا ناصر کا بیان ہوا تو آپ نے جرح کرکے اس کو مبہوت کردیا، جو ارکان اسمبلی اس سے پہلے مرزائیوں کے کفر کے قائل نہ تھے وہ اس جرح سے قائل ہوگئے، اور آپ کی تجویز کے مطابق دستور میں ترمیم کرکے مرزائیوں کے دونوں گروہوں (قادیانی اور لاہوری) کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔

پاکستان قومی اتحاد قائم ہوا تو آپ اس کے صدر بنائے گئے، ۱۹۷۷ء کے انتخابات اور تحریک نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ نے جس تدبر اور استقامت سے قیادت کی اس کا موافق و مخالف کو اعتراف ہے۔ مسٹر بھٹو جیسے ذہین اور چالاک حکمراں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا اور مذاکرات کی میز پر اس کو شکست دینا آپ ہی کا حصہ تھا۔ مسٹر بھٹو کا اقتدار ختم ہوا، فوجی حکومت قائم ہوگئی، مگر آپ کو نصب العین کی لگن نے چین سے نہیں بیٹھنے دیا۔ اپنی بے پناہ سیاسی مصروفیات کے ساتھ تدریس کا سلسلہ بھی ہمیشہ جاری رکھا، اس سال بھی بخاری شریف خود پڑھا رہے تھے، چند سال پہلے ترمذی شریف کی شرح عربی میں لکھنی شروع کی تھی، ۱۹۷۷ء میں ہری پور جیل اور سہالہ کیمپ جیل میں بھی کافی حصہ لکھا تھا، یہ شرح ابواب النذور والایمان تک ہوچکی تھی۔

۱۴ اکتوبر ۱۹۸۰ء کو کراچی کے علماء کے سامنے عشر و زکوٰۃ آرڈیننس کے متعلق اپنا شرعی موقف بیان فرما رہے تھے کہ پیغام اجل آپہنچا، جان جاں آفریں کے سپرد کردی، ۱۵ اکتوبر کو آپ کی پسند کے مطابق عبد الحکیم کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔[1] اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

---

[1] دعا خود اگلے صفحہ پر

۱۹۵۰ء میں آپ کے والد صاحب اور ۱۹۶۱ء میں والدہ صاحبہ کا وصال ہوا، ۱۹۷۹ء میں چھوٹے بھائی مولانا محمد صاحب اللہ کو پیارے ہوئے۔ اب آپ نے سفر آخرت فرمایا۔ اپنے پیچھے دو بیوائیں پانچ بچے تین بچیاں چھوڑیں۔ آپ کی پہلی شادی ۱۹۴۶ء میں ہوئی ۱۹۵۳ء میں آپ کے بڑے فرزند مولانا فضل الرحمٰن کی ولادت باسعادت ہوئی۔ ان کے بعد اہلیہ کرمہ کو ایسی بیماری پیدا ہو گئی کہ بچے پیدا ہو کر فوت ہو جاتے تھے۔ ۱۹۶۰ء میں دوسری شادی کی، جس سے تین بچیاں اور تین بچے ہیں، لطف الرحمٰن، ضیاء الرحمٰن، عبید الرحمٰن، ۱۹۶۷ء میں پہلی اہلیہ سے ایک بچہ پیدا ہوا جو فضل خداوندی سے تندرست رہا، جس کا نام عطاء الرحمٰن ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے بچوں کو علم و عمل کی دولت سے نوازے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ــ

سلہ (حاشیہ صفحہ گذشتہ) محترم مضمون نگار نے یہاں مفتی صاحب کے حادثۂ رحلت کے بیان میں اس قدر اختصار و اجمال سے غالباً اس لیے کام لیا ہے کہ پاکستان کے تو سب ہی اخبارات میں اور ہندستان کے بھی بعض اخباروں اور رسالوں میں تفصیلات آ چکی ہیں، لیکن الفرقان کے ناظرین میں یقیناً بہت سے حضرات ہوں گے جن کے علم میں وہ تفصیلات نہ آئی ہوں گی اس لیے اس سلسلے میں چند سطریں لکھ دینا مناسب معلوم ہوا۔

اس سال حج ۱۸ اکتوبر کو تھا، مفتی صاحب حج کی نیت اور ارادہ سے گھر سے روانہ ہو کر ۱۱ اکتوبر کو کراچی تشریف لائے، ۱۵ اکتوبر کی پرواز سے مکہ مکرمہ کے لیے ان کی روانگی کا پروگرام تھا۔ ـــــ ۱۴ اکتوبر کو مفتی صاحب نے زکوٰۃ و عشر سے متعلق حکومت پاکستان کے آرڈیننس پر شرعی اور فقہی نقطۂ نظر سے غور کرنے کے لیے "جامعہ اسلامیہ" نیوٹاؤن میں کراچی کے ممتاز علما و اہل فتویٰ کا اجتماع بلایا تھا۔ اسی اجتماع میں مفتی صاحب نے مسئلہ سے متعلق اپنے موقف کی وضاحت میں تقریر شروع فرمائی قریباً دس منٹ تقریر فرما سکے تھے کہ اچانک قلبی دورہ پڑا اور روح اسی وقت ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ پہلی نماز جنازہ وہیں کراچی میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب کی اقتدا میں ادا کی گئی۔ ۱۵ اکتوبر کو جنازہ طیارہ سے ملتان لایا گیا جو مفتی صاحب کا مستقر اور ان کی علمی، دینی اور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز تھا۔ یہاں نماز جنازہ ہوئی، یہاں سے جنازہ وطن عبدالخیل لایا گیا اور نماز جنازہ کے بعد وہیں تدفین ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین۔ (الفرقان)

Regd. No. LW/NP-62
Monthly 'ALFURQAN' 31, Naya Gaon We Lucknow (U. P.)
VOL. 49 NO. 2 February 1981 Phone : 4554

مُدیر

محمد منظور نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

کیا ہم ہندی مسلمانوں کو اپنے مسائل کے بارہ میں اس طرح سے بھی غور کرنے کی کبھی توفیق ہو گی ؟

کاندھلہ ہماری ریاست اترپردیش کے ضلع مظفر نگر کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے (جو تبلیغی جماعت والے حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلوی کی نسبت سے اب دور دراز ملکوں تک مشہور ہو چکا ہے) اسی کاندھلہ کے ایک بزرگ کا بڑا سبق آموز ایک واقعہ اب سے قریباً ۴۰ سال پہلے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے نواسے مرحوم حافظ محمد یوسف صاحب کے ایک مضمون میں پڑھا تھا (جو اب اچھی طرح یاد بھی نہیں رہا تھا) ــــ جی چاہتا تھا کہ کسی مستند ذریعہ سے اس واقعہ کی پوری تفصیل معلوم ہو جائے تو اسی حوالہ سے "الفرقان" میں بھی اس کو محفوظ کر دیا جائے۔

ہمارے عزیز دوست مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی کو اللہ تعالیٰ نے خاص کر بزرگوں کی سوانح اور ان کی زندگی کے اہم واقعات کی تحقیق کا خاص ذوق اور ملکہ عطا فرمایا ہے ــــ راقم سطور نے ان کو لکھا، واقعہ بھی انہی کے خاندان کے ایک بزرگ کا تھا۔ انھوں نے اپنے جوابی مکتوب میں واقعہ کی تفصیل اس طرح لکھی ہے:۔

"وہ واقعہ حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلویؒ [۱] کے والد ماجد مولانا محمود بخش (متوفی رمضان ۱۲۵۵ھ) کا ہے ــــــ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ کاندھلہ میں موجودہ جامع مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تو اس کے قریب کے ایک افتادہ قطعۂ زمین کے بارے میں ہندو مسلمانوں میں نزاع ہوا۔ مسلمان اُسے مسجد کی ملکیت بتاتے تھے اور ہندو قدیم مندر کا ایک حصہ کہتے تھے۔ کئی سال تک مقدمہ چلتا رہا اور فیصلہ نہ ہو سکا تو انگریز مجسٹریٹ نے ایک دن مسلمانوں سے کہا کہ کیا تمہاری نظر میں کوئی ہندو ایسا ہے جو اس جگہ کے مسجد کی ملکیت ہونے کی شہادت دے سکے؟ اگر تم کسی ایسے شریف ہندو کا نام بتاؤ تو میں اسی کے بیان پر فیصلہ کر دوں گا ــــــ انھوں نے کہا ہم کو کسی ہندو سے امید نہیں کہ وہ اس مذہبی معاملہ میں سچ بولے اور مسجد کی ملکیت ہونے کی شہادت دیدے ــــــ پھر مجسٹریٹ نے ہندوؤں سے کہا کیا تم کسی ایسے مسلمان کا نام بتا سکتے ہو جس سے تمھیں امید ہو کہ وہ سچ بولے گا اور تمھارے حق میں شہادت دیدے گا؟ اگر تم کسی ایسے مسلمان کو بتا دو تو میں اسی کے بیان پر فیصلہ دیدوں گا۔ انھوں نے باہم مشورہ کر کے کہا کہ ہے تو یہ بات بہت مشکل کہ کوئی مسلمان اس معاملہ میں سچی شہادت دے اور یہ بتلا دے کہ یہ زمین مندر کی ہے۔ مگر ایک بزرگ ایسے ہیں جن سے امید ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولیں گے، انھوں نے مولانا محمود بخش صاحب کا نام اور پتہ بتلایا ــــــ مجسٹریٹ نے مولانا کو طلب کیا (کاندھلہ کے قریبی موضع ایلم میں اُس وقت کلکٹر کا کیمپ تھا وہیں کچہری ہوتی تھی) جب مجسٹریٹ کا بھیجا ہوا آدمی مولانا کے پاس پہنچا تو مولانا نے (جو انگریزی حکومت کے قائم ہو جانے کی وجہ سے انگریزوں سے بہت ہی

---

[۱] یہ حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اُن خاصان خدا میں سے تھے جن کے حالات سننے اور پڑھنے سے دل زندہ اور ایمان تازہ ہوتا ہے ــــــ اُن جیسے متقی اور متورع چشم فلک نے بھی کم ہی دیکھے ہوں گے۔ اب سے ٹھیک تین سال پہلے مارچ ۵۵ء کے الفرقان کے شمارے میں ہمارے محترم مولانا نسیم احمد فریدی کے قلم سے حضرت ممدوح کا مفصل تذکرہ شائع ہو چکا ہے ــــــ ۱۲۸۲ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی اور جنۃ البقیع میں مدفون ہوئے۔ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی نانی صاحبہ اپنے وقت کی رابعہ تھیں اور اُمی بی کہلاتی تھیں، حضرت مولانا مظفر حسینؒ کی صاحبزادی تھیں　　"الفرقان"

ہماری اہم مطبوعات

تصانیف مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ العالی

اسلام کیا ہے؟

نہایت آسان زبان اور سنجیدہ دلنشین اور پراثر انداز میں اسلامی تعلیمات کا جامع اور مکمل خلاصہ۔ مولانا موصوف کی وہ کتاب جو اب تک لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے۔

بہترین کتابت و اعلیٰ طباعت سے مزین۔ قیمت -/۶

دین و شریعت

اس کتاب میں توحید آخرت، رسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج، اخلاق، معاملات، دعوت و جہاد، سیاست و حکومت اور احسان و تصوف کے مباحث پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیا اڈیشن اعلیٰ طباعت کے ساتھ۔ قیمت -/۶

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

قرآنی ہدایات اور اس کی اہم تعلیمات کا ایک جامع مرقع جس میں سیکڑوں عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت مؤثر اور روح پرور تشریحات کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ نیا اڈیشن نئی کتابت کے ساتھ ۲۶×۲۰ سائز پر خوبصورت گرد پوش سے مزین۔ قیمت -/۱۳

تذکرہ مجدد الف ثانیؒ

امام ربانی شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ کے سوانح حیات آپ کے عرفانی اور ارشادی خصوصیات۔ قیمت مجلد -/۱۲

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

جن لوگوں نے حضرتؒ مولانا کو نہیں پایا وہ ملفوظات کے مطالعہ سے آپ کو پوری طرح جان اور سمجھ سکتے ہیں۔

قیمت ۵/۵۰

تصوف کیا ہے؟

تصوف کے موضوع پر یہ کتاب اپنے اختصار کے باوجود انصاف و تحقیق اور مباحث کے سلجھاؤ کے لحاظ سے بہت ممتاز ہے۔

قیمت -/۵

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے خلاف پروپیگنڈہ

اور ہندوستان کے علماء حق پر اس کے اثرات

شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے خلاف ان کے مذہبی و سیاسی دشمنوں کے عالمی پروپیگنڈہ اور اس کے علماء حق پر اثرات نیز انکشاف حقیقت کے بعد شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے بارے میں ان کی رائے میں تبدیلی کی پوری تفصیل تاریخی حقائق و شواہد کی روشنی میں۔ قیمت -/۵

بوارق الغیب

"علم غیب نبویؐ" کی تردید میں مولانا مدظلہ کی معرکۃ الآرا و محققانہ تصنیف جس میں چالیس قرآنی آیتوں سے بریلوی مبتدعین کے اس عقیدے کا باطل اور خلاف قرآن ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت -/۱۰

فیصلہ کن مناظرہ

اکابر علماء دیوبند پر مولوی احمد رضا خاں بریلوی کے سنگین تکفیری الزامات کا تحقیقی جواب۔ قیمت ۳/۵۰

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات

حضرت شاہ شہیدؒ جیسی مقدس ہستی پر معاندین اہل بدعت کے کردہ الزامات کا تسلی بخش اور مدلل جواب

قیمت -/۳

ملنے کا پتہ: کتب خانہ الفرقان۔ ۳۱۔ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

چندہ سالانہ	
ہندوستان سے	۱۵/-
پاکستان سے ہندوستانی سکہ میں	۲۵/-
بنگلا دیش سے	۱۹/-

ممالک غیر سے سالانہ	
بحری ڈاک سے	۲ پونڈ
ہوائی ڈاک سے	۵ پونڈ
ایک شمارہ کی قیمت ہندوستان میں	۱/۵۰

جلد (۴۹) | بابت مارچ ۱۹۸۱ء مطابق ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ | شمارہ (۳)

نمبر شمار	مضامین	مضمون نگار	صفحہ

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے، تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آ جانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں۔ جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ ان کی اطلاع اگلے مہینے کی ۱۰ تاریخ تک آ جانا چاہیے اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ پچیس روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ روانہ فرمائیں۔ پاکستانی سکہ میں چالیس روپے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں۔

مولانا محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بیٹھے ہوئے تھے) فرمایا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ کبھی فرنگی کا منہ نہیں دیکھوں گا۔ اس لیے میں اس فرنگی کے پاس نہیں جا سکتا۔ — کلکٹر کا دوبارہ پیام آیا کہ اس کا انتظام کر دیا جائے گا کہ کوئی انگریز آپ کے سامنے نہ آئے۔ آپ مہربانی کر کے تشریف لائیے۔ آپ ہی کے بیان پر ایک اہم مقدمہ کا فیصلہ ہونا ہے (اور میں نے سنا ہے کہ اسلام کا اور قرآن کا یہ حکم ہے کہ سچی گواہی ضرور دیجا‌ئے) اس پیام پر مولانا تشریف لے گئے، خود کلکٹر جو انگریز تھا اور اس کے ساتھ جو اور بھی انگریز تھے سب خیمہ کے اندر تھے۔ اور ہندو مسلمان سب باہر جمع تھے۔

مولانا سے اس متنازعہ جگہ کے متعلق دریافت کیا گیا۔ مولانا نے فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہ جگہ ہندوؤں کی ہے مسلمانوں کا دعویٰ غلط ہے — اسی بیان پر کلکٹر نے فیصلہ دیدیا اور وہ جگہ ہندوؤں کو مل گئی — مگر مولانا کی اس بے لاگ حق پرستی اور صداقت شعاری سے متاثر ہو کر کئی ہندو خاندان مسلمان ہو گئے — ان نومسلم خاندانوں میں سے ایک گھرانہ ۱۹۴۷ء تک یہاں (کاندھلہ میں) موجود تھا جو بعد میں پاکستان چلا گیا۔" — یہ جگہ کاندھلہ کی جامع مسجد کی جنوب مشرقی دیوار سے متصل ہے، اب اس جگہ پر ایک مندر ہے۔

دیکھا آپ نے، اللہ کے ایک مخلص اور صادق بندے اور سچے مسلمان نے، اسلام اور قرآن کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے مسجد اور مندر کے جھگڑے میں، اپنی بستی کے اور اپنے عزیز قریب مسلمانوں کے خلاف اور ہندوؤں کے حق میں سچی گواہی دی، مسلمان مقدمہ ہار گئے، لیکن اسلام جیت گیا — جو گز زمین جو فی الحقیقت مندر ہی کی تھی، مندر کی قرار پائی — اور ہندوؤں کو مل گئی۔ لیکن ہندوؤں کے چند اچھے خاندانوں نے اس سچے مسلمان کی صداقت شعاری اور مسلمانوں کے خلاف سچی گواہی کو قرآنی تعلیم کا نتیجہ اور اسلام کا معجزہ سمجھ کر اپنا قدیم خاندانی دھرم چھوڑ کے اسلام کو اپنا لیا — یہ ہرگز مولانا محمود بخش کی کرامت نہیں تھی، اسلام اور قرآن کی تعلیم پر عمل کی تاثیر تھی۔

کیا اس میں کسی شک شبہ کی گنجائش ہے کہ اگر ہندو مسلم جھگڑوں اور فسادات کے موقعہ پر ہم مسلمان قوم پرستی اور بہرحال اپنوں کی جانب داری کا موجودہ غیر اسلامی رویہ ترک کر کے اسلام اور قرآن کی تعلیم کے مطابق بے لاگ حق پرستی اور سچائی کا رویہ اختیار کر لیا کریں تو ہمارا

ہرگز خسارہ میں نہیں رہیں گے بلکہ وہ نتائج سامنے آئیں گے جن کا آج تصور بھی نہیں کیا جا سکتا
ہم مسلمانوں کو شکایت ہے کہ ملک میں ہمارے ساتھ انصاف نہیں ہو رہا ہے، سرکاری ملازمتوں خاص کر اچھی ملازمتوں کے دروازے ہم پر تقریباً بند ہیں ــــ اور بلا شبہ صورت حال یہی ہے۔
لیکن خدا را غور کیجیے کہ اگر مسلمان اپنے عمل و کردار سے یہ ثابت کر دیں کہ مسلمان خدا کے خوف کی وجہ سے کبھی رشوت نہیں لے سکتا، کبھی بے انصافی نہیں کر سکتا، جان بوجھ کر مقدمہ کا غلط فیصلہ نہیں کر سکتا، کبھی خیانت اور کام چوری نہیں کر سکتا۔ تو کیا اس صورت میں بھی ارباب حکومت کا طرز عمل یہی رہے گا؟ ــــ یہ عاجز کسی کشف و کرامت کی بنا پر نہیں، اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل عام ہی کی بنا پر قسم کھا کے کہہ سکتا ہے کہ جب مسلمان اپنے کو سچا مومن و مسلمان بنا لیں گے تو ان میں کے با صلاحیت افراد کو تلاش کر کے اور گھروں سے بلا کر عہدے دیے جائیں گے اور ذمہ داریاں سپرد کی جائیں گی ــــ قرآن پاک میں حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بڑی تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے اس کا یہ بھی ایک خاص سبق ہے۔
مصر مشرکوں کا ملک تھا حضرت یوسفؑ مصر میں تنہا موحد اور مومن و مسلم تھے، وہ ایک غلام کی حیثیت سے مصر کے بازار میں بکے، حکومت مصر کے ایک بڑے افسر نے اُن کو خریدا، وہ اُسی کے گھر میں رہتے تھے ــــ پھر ایک سیاسی قسم کی مصلحت سے اُن پر ایک جھوٹا اخلاقی الزام لگا کر اُن کو جیلخانے میں ڈال دیا گیا ــــ اُن کی خدا پرستی تقویٰ شعاری اور غیر معمولی شخصیت سے پہلے جیلخانے کے اُن کے ساتھی واقف ہوئے، پھر قدرتِ خداوندی کے ایک عجیب و غریب کرشمہ نے خود شاہِ مصر تک بات پہنچائی، اس نے جیل خانے سے بلوایا اور پہلی ہی ملاقات میں اُن سے ایسا متاثر ہوا کہ مملکت کی بہت بڑی بلکہ اُس وقت کے خاص حالات میں سب سے بڑی انتظامی ذمہ داری اُن کے سپرد کر دی ــــ قرآن مجید میں اس واقعہ کو تفصیل سے بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے "وَلَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ" اس میں اشارہ فرمایا گیا ہے کہ یہ جو کچھ ہوا یہ اللہ تعالیٰ کا عام قانون ہے یہ یوسف علیہ السلام کا خصوصی معجزہ نہیں تھا ــــ
اور خود یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس غیر معمولی انعام و احسان کی توجیہ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے "إِنَّهُ مَن يَتَّقِ وَيَصْبِرْ فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ" جس کا حاصل یہ ہے کہ

اللہ کے جو بندے تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کریں اور اپنے نفس کو غلط کاریوں سے روکے رکھیں تو اللہ تعالیٰ ان نیکوکار بندوں کو ضرور نوازتا ہے۔

اللہ کی کتاب مقدس اور اس کے رسول برحق کا ارشاد بھی ہے اور تاریخ کی شہادت بھی کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی طاقت (ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم سے بھی بڑی طاقت) یہی خدا پرستانہ زندگی ہے اس میں قوموں کو مسخر کرنے کی صلاحیت ہے، اور ضرورت پڑے تو اس کی حفاظت و نصرت کے لیے خدا کے غیبی لشکر بھی آجاتے ہیں ـــــ لیکن وائے برحال ما! ہم نے گویا قسم کھالی ہے کہ اسی کو نہیں اپنائیں گے ـــــ بڑے بڑے تباہ کن واقعات ہوتے ہیں (جس کی ایک تازہ مثال مرادآباد کا انتہائی المناک سانحہ بھی ہے) لیکن ہمارا اجتماعی رویہ کیا ہوتا ہے؟ ہم بس وہی سب کچھ کرتے ہیں جو ایسے حالات میں دنیا کی وہ ساری قومیں اور پارٹیاں کرتی ہیں جو خدا سے ناآشنا اور آسمانی کتاب و پیغمبر کی رہنمائی کی نعمت سے محروم ہیں وہی کنونشن پہ کنونشن، ان میں احتجاجی رزولیشن، وفود، میمورنڈم، احتجاجی تحریکیں وغیرہ وغیرہ ـــــ ان سب کا انجام ہم کب سے دیکھ رہے ہیں ـــــ کیا ہم نے طے کر لیا ہے کہ قیامت تک یہی اور صرف یہی تجربے کرتے رہیں گے۔

کاش جو اوقات، جو محنتیں اور جو صلاحیتیں ان کاموں میں صرف ہو رہی ہیں ان کا کچھ حصہ بھی اللہ و رسول کے ساتھ مسلمانوں کا رشتہ صحیح کرنے اور ان کی زندگیوں کو اسلام کا صحیح نمونہ بنانے پر صرف کیا جاتا، تاکہ دوسرے لوگ اُن کی زندگی میں اصل اسلام کو دیکھ سکتے۔ پھر اگر کوئی ان پر ظلم کرتا تو یقیناً خدا کا غضب و جلال بھی حرکت میں آتا۔ فهل من مدّکر؟

محمد منظور نعمانی

معارف الحدیث (مسلسل)

دعوت الی الخیر، امر بالمعروف نہی عن المنکر

اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء علیہم السلام اسی لئے بھیجے جاتے تھے کہ اس کے بندوں کو نیکی اور بھلائی کی دعوت دیں، پسندیدہ اعمال و اخلاق اور ہر طرح کے اعمال خیر کی طرف انکی رہنمائی کریں اور ہر نوع کی برائیوں سے ان کو روکنے اور بچانے کی کوشش کریں تاکہ دنیا و آخرت میں وہ اللہ کی رحمت اور رضا کے مستحق ہوں اور اس کے غضب و عذاب سے محفوظ رہیں ـــــ اسی کا جامع عنوان "دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" ہے۔ جب خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کا سلسلہ ختم کر دیا گیا تو قیامت تک کے لیے اس پیغمبرانہ کام کی پوری ذمہ داری آپ کی امت کے سپرد کر دی گئی، ـــــ قرآن پاک میں فرمایا گیا

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

(آل عمران ع ۱۱)

اور لازم ہے کہ تم میں ایک ایسی امت ہو جو (لوگوں کو) دعوت دے خیر اور بھلائی کی اور حکم کرے معروف (اچھی باتوں) کا اور روکے ہر طرح کی برائیوں سے اور وہی بندے فلاح یاب ہوں گے (جو یہ فریضہ ادا کریں گے)

پھر چند ہی آیتوں کے بعد اسی سورت میں فرمایا گیا ہے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران ۱۱۰)

(اے پیروان محمد! تم (تمام امتوں میں) وہ بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح و ہدایت) کے لیے ظہور میں لائی گئی ہے تمہارا کام (اور تمہاری ذمہ داری) یہ ہے کہ نیکی کا حکم دیتے ہو برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو (اور ایمان والی زندگی گزارتے ہو)

بہرحال سلسلۂ نبوت ختم ہو جانے کے بعد اس پیغمبرانہ کام کی پوری ذمہ داری ہمیشہ کے لیے امت محمدیہ پر عاید کر دی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات میں وضاحت فرمائی ہے کہ آپ کے جو امتی اس ذمہ داری کو کما حقہ ادا کریں گے وہ اللہ تعالیٰ کے کیسے عظیم انعامات کے مستحق ہوں گے اور جو اس میں کوتاہی کریں گے وہ اپنے نفسوں پر کتنا بڑا ظلم کریں گے اور ان کا انجام اور حشر کیا ہوگا ـــــــ اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی مندرجہ ذیل حدیثیں پڑھی جائیں۔

ہدایت وارشاد اور دعوت الی الخیر کا اجر وثواب:۔

عَنْ أَبِي مَسْعُوْدٍ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَلَّ عَلَى خَيْرٍ فَلَهُ مِثْلُ أَجْرِ فَاعِلِهِ

رواہ مسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی نیک کام کی طرف (کسی بندے کی) رہنمائی کی تو اس کو اس نیک کام کے کرنے والے بندے کے اجر کے برابر ہی اجر ملے گا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کا مطلب ومدعیٰ اس مثال سے اچھی طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ مثلاً ایک شخص نماز کا عادی نہیں تھا آپ کی دعوت وترغیب اور محنت کے نتیجہ میں وہ پابندی سے

نماز پڑھنے لگا۔ وہ قرآن پاک کی تلاوت اور ذکر اللہ سے غافل تھا، آپ کی دعوت اور کوشش کے نتیجہ میں وہ قرآن پاک کی روزانہ تلاوت کرنے لگا، ذکر و تسبیح کا بھی عادی ہو گیا۔ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتا تھا، آپ کی مخلصانہ دعوت و تبلیغ کے اثر سے وہ زکوٰۃ بھی ادا کرنے لگا۔ اسی طرح اور بھی اعمالِ صالحہ کا پابند ہو گیا ـــــ تو اس کو عمر بھر کی نمازوں، ذکر و تلاوت، زکوٰۃ و صدقات اور دیگر اعمال صالحہ کا جتنا اجر و ثواب آخرت میں ملے گا (اس حدیث کی بشارت کے مطابق) اللہ تعالیٰ اتنا ہی اجر و ثواب بطور انعام کے اپنے لامحدود خزانۂ کرم سے اُس داعی الی الخیر بندے کو بھی عطا فرمائے گا جس کی دعوت و تبلیغ نے اُس کو اِن اعمال صالحہ پر آمادہ کیا اور عادی بنایا ـــــ واقعہ یہ ہے کہ اس راستہ سے جتنا اجر و ثواب اور آخرت میں جو درجہ حاصل کیا جا سکتا ہے وہ کسی دوسرے راستہ سے حاصل نہیں کیا جا سکتا ـــــ بزرگانِ دین کی اصطلاح میں یہ "طریق نبوت" کا سلوک ہے، بشرطیکہ خالصاً لوجہ اللہ اور صرف رضائے الٰہی کی طلب میں ہو۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَعٰى اِلٰى هُدًى كَانَ لَهٗ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئًا وَمَنْ دَعٰى اِلٰى ضَلَالَةٍ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ تَبِعَهٗ لَا يَنْقُصُ ذٰلِكَ مِنْ اٰثَامِهِمْ شَيْئًا

ـــــ رواہ مسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس بندے نے کسی نیکی کے راستہ کی طرف (لوگوں کو) دعوت دی تو اُس داعی کو اُن سب لوگوں کے اجروں کے برابر اجر ملے گا جو اس کی بات مان کر نیکی کے اس راستہ پر چلیں گے اور عمل کریں گے۔ اور اس کی وجہ سے اُن عاملین کے اجروں میں کوئی کمی نہ ہوگی ـــــ (اور اسی طرح) جس نے (لوگوں کو) کسی گمراہی (اور بدعملی) کی دعوت دی تو اس داعی کو اُن سب لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ہوگا جو اس کی دعوت پر اُس گمراہی اور بدعملی کے مرتکب ہوں گے۔ اور اس کی وجہ سے ان لوگوں کے گناہوں میں (اور اُن کے عذاب میں) کوئی کمی نہ ہوگی۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں داعیانِ حق و ہدایت کو بشارت سنانے کے ساتھ داعیانِ ضلالت کی بد انجامی بھی بیان فرمائی گئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن خوش نصیبوں کو دعوت الی الخیر اور ارشاد و ہدایت کی توفیق ملتی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے مشن کے خادم اور اُن کے لشکر کے سپاہی ہیں۔ اور جن کی بدبختی نے ان کو گمراہی اور بدعملی کا داعی بنا دیا ہے وہ شیطان کے ایجنٹ اور اُس کے لشکری ہیں اور ان دونوں کا انجام وہ ہے جو اس حدیث میں بیان فرمایا گیا ہے۔

عَنْ أَبِي رَافِعٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَأَنْ يَّهْدِيَ اللهُ عَلَى يَدَيْكَ رَجُلًا، خَيْرٌ لَكَ مِمَّا طَلَعَتْ عَلَيْهِ الشَّمْسُ وَغَرَبَتْ

رواہ الطبرانی فی الکبیر (کنز العمال)

حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "یہ بات کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھ پر اور تمہارے ذریعہ کسی ایک آدمی کو ہدایت دیدے تمہارے لئے اس ساری کائنات سے بہتر ہے جس پر آفتاب طلوع ہوتا اور غروب ہوتا ہے۔ (معجم کبیر للطبرانی)

(تشریح) ظاہر ہے کہ اس دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جس پر آفتاب طلوع اور غروب نہ ہوتا ہو، تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے ذریعہ کسی ایک آدمی کو بھی ہدایت دیدے تو یہ تمہارے حق میں اس سے بہتر اور زیادہ نفع بخش ہے کہ مشرق سے مغرب تک کی ساری دنیا تم کو مل جائے ــــــ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا یقین نصیب فرمائے اور عمل کی توفیق دے۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید

اور اس میں کوتاہی پر سخت تہدید:-

عَنْ حُذَيْفَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ قَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوْشِكَنَّ اللهُ أَنْ

يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ عِنْدِهِ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهُ وَلَا يُسْتَجَابُ لَكُمْ

(رواہ الترمذی) (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، (اے اہل ایمان) قسم اُس پاک ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم پر لازم ہے اور تم کو تاکید ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیتے رہو (یعنی اچھی باتوں اور نیکیوں کی لوگوں کو ہدایت و تاکید کرتے رہو اور بری باتوں اور برے کاموں سے ان کو روکتے رہو) یا پھر ایسا ہوگا کہ (اس معاملہ میں تمھاری کوتاہی کی وجہ سے) اللہ تم پر اپنا کوئی عذاب بھیجدے گا۔ پھر تم اُس سے دعائیں کروگے اور تمھاری دعائیں قبول نہیں کی جائیں گی۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو واضح الفاظ میں آگاہی دی ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میری امت کا ایسا اہم فریضہ ہے کہ جب اس کی ادائیگی میں غفلت اور کوتاہی ہوگی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ کسی فتنہ اور عذاب میں مبتلا کر دی جائے گی —— اور پھر جب دعائیں کرنے والے اس عذاب اور فتنہ سے نجات کے لیے دعائیں کریں گے تو ان کی دعائیں بھی قبول نہ ہوں گی ——

اس عاجز کے نزدیک اس میں قطعاً شبہ کی گنجائش نہیں کہ صدیوں سے یہ امت طرح طرح کے جن فتنوں اور عذابوں میں مبتلا ہے اور امت کے اخیار اور صلحا کی دعاؤں التجاؤں کے باوجود ان عذابوں سے نجات نہیں مل رہی ہے تو اس کا بہت بڑا سبب یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے امت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جو ذمہ داری سپرد کی تھی اور اس سلسلہ میں جو تاکیدی احکام دیے تھے اور اس کا جو عمومی نظام قائم فرمایا تھا وہ صدیوں سے تقریباً معطل ہے، امت کی مجموعی تعداد میں اس فریضہ کے ادا کرنے والے فی ہزار ایک کے تناسب سے بھی نہیں ہیں —— الغرض یہ وہی صورتحال ہے جس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد میں واضح آگاہی دی تھی ——

عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ إِنَّكُمْ تَقْرَؤُنَ هٰذِهِ الْآيَةَ "يَا أَيُّهَا

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ " فَاِنِّیْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ النَّاسَ اِذَا رَاَوْا مُنْکَرًا فَلَمْ یُغَیِّرُوْا یُوْشِکُ اَنْ یَّعُمَّھُمُ اللّٰہُ بِعِقَابِہٖ

(رواہ ابن ماجہ والترمذی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ تم لوگ قرآن پاک کی یہ آیت پڑھتے ہو- یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ (اے ایمان والو تم پر لازم ہے اپنے نفسوں کی فکر، تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے گمراہ ہونے والے لوگ جب تم راہ ہدایت پر ہوگے) —— [حضرت صدیق اکبر نے اس آیت کا حوالہ دے کر فرمایا کہ کسی کو اس آیت سے غلط فہمی نہ ہو] میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جب لوگوں کا یہ حال ہو جائے کہ وہ شریعت کے خلاف کام ہوتے دیکھیں اور اُس کی تغییر و اصلاح کے لیے کچھ نہ کریں تو قریبی خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن سب ہی پر عذاب آجائے "

(سنن ابن ماجہ، جامع ترمذی)

(تشریح) سورۂ مائدہ کی یہ ایک سو پچیسویں [۱۲۵] آیت ہے جس کا حوالہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دیا ہے، اس آیت کے ظاہری الفاظ سے کسی کو یہ غلط فہمی ہو سکتی ہے کہ اہل ایمان کی ذمہ داری بس یہ ہے کہ وہ اس کی فکر کریں کہ وہ خود اللہ و رسول کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلتے رہیں، دوسروں کی اصلاح و ہدایت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اگر دوسرے لوگ اللہ و رسول کے احکام کے خلاف چل رہے ہیں تو چلتے رہیں، ہم کو ان کی گمراہی اور غلط کاری سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اس غلط فہمی کو رفع کرنے کے لیے فرمایا کہ آیت سے ایسا سمجھنا غلط ہوگا میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جب لوگوں کا رویہ یہ ہو جائے کہ وہ دوسرے لوگوں کو خلافِ شریعت کام کرتے دیکھیں اور ان کی اصلاح کے لیے کچھ نہ کریں بلکہ ان کو اُن کے حال پر چھوڑ دیں تو اس بات کا قریبی خطرہ ہوگا کہ خدا کی طرف سے ایسا

عذاب آئے جو سب ہی کو اپنی لپیٹ میں لے لے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث اور قرآن و حدیث کے دوسرے نصوص کی روشنی میں سورۂ مائدہ کی اس آیت کا مفاد اور مدعیٰ یہ ہوگا کہ اے اہل ایمان جب تم راہ ہدایت پر ہو، اللہ و رسول کے احکام کی تعمیل کر رہے ہو (جس میں امر بالمعروف نہی عن المنکر اور بقدر امکان بندگان خدا کی اصلاح و ہدایت کی کوشش بھی شامل ہے) تو اس کے بعد جو ناخدا ترس لوگ ہدایت قبول نہ کریں اور گمراہی کی حالت میں رہیں، تو ان کی اس گمراہی اور معصیت کوشی کی تم پر کوئی ذمہ داری نہیں، تم عند اللہ بری الذمہ ہو۔

(حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث "مَنْ رَأَىٰ مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ ... الحدیث" اس سلسلہ معارف الحدیث کی کتاب الایمان میں درج ہو چکی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص کوئی خلاف شریعت کام ہوتا دیکھے تو اگر اس کے لیے اس کا امکان ہے کہ طاقت استعمال کر کے اس کو روک دے تو ایسا ہی کرے، اور اگر اس کی استطاعت اور قدرت نہیں ہے تو زبان ہی سے نصیحت اور اظہار ناراضی کرے، اگر اس کی بھی استطاعت اور قدرت نہیں ہے تو دل ہی سے اس کو برا سمجھے اور دل میں اس کے خلاف جذبہ رکھے۔)

حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی ؒ کے اساتذہ

از مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی

"شمائم امدادیہ" اور "امداد المشتاق" میں حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی کے چھ اساتذہ[1] کا ذکر آیا ہے: مولانا محمد قلندر محدث جلال آبادیؒ، مولانا ابو الحسن کاندھلویؒ، مولانا عبد الرزاق جھنجھانویؒ، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ، مولانا عبد الرحیم نانوتویؒ، اور مولانا رحمت علی تھانویؒ، عجب اتفاق ہے کہ ان میں اول الذکر پانچ حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کے شاگرد ہیں، مولانا رحمت علی کے متعلق اس وقت تک کوئی معلومات نہیں ہیں، خیال ہے کہ جب کبھی ان کے حالات دریافت ہوں گے تو یہ بھی حضرت مفتی الٰہی بخش کے شاگرد نکلیں گے، مولانا عبد الرحیم نانوتوی کے حالات بھی مفقود ہیں، بقیہ چاروں اساتذہ کے کم و بیش حالات ملتے ہیں، مولانا محمد قلندر محدث، اور مولانا عبد الرزاق کے نسبتہً قلیل، اور مولانا ابو الحسن اور مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے مفصل حالات مل جاتے ہیں۔ ان سب کی زندگی اور خدمات کا مختصر سا خاکہ آئندہ سطور میں آرہا ہے۔

---

[1] شمائم امدادیہ ص ۱۱-۱۴ (لکھنؤ ۱۳۱۴ھ) امداد المشتاق ص ۱۰-۱۲ (تھانہ بھون ۱۳۹۰ھ) [2] شمائم امدادیہ ص ۱۰، امداد المشتاق ص ۹ [3] شمائم امدادیہ ص ۱۲-۱۰، امداد المشتاق ص ۱۱-۹ [4] شمائم امدادیہ ص ۱۲، امداد المشتاق [5] شمائم امدادیہ ص ۱۱، امداد المشتاق ص ۱۰ [6] شمائم امدادیہ ص ۱۰، امداد المشتاق ص ۹

حضرت مولانا سید محمد قلندر محدث جلال آبادی

ایک زمانہ تھا کہ نجیب آباد (جو آج کل ضلع بجنور یو پی کا ایک قصبہ ہے) مجمع علوم اور مرکز علما تھا، نواب نجیب الدولہ کی علم پروری اور قدر دانی کی وجہ سے دور دراز سے علما اور شریف خاندانوں نے نجیب آباد کا رخ کیا، انھی معزز خانوادوں میں ایک گھرانہ سادات کا بھی تھا جو نجیب الدولہ کی وفات اور ضابطہ خاں کے غوث گڑھ کو مستقر بنا لینے کے بعد غوث گڑھ منتقل ہوا، غوث گڑھ کی تباہی کے بعد یہ خاندان جلال آباد پہنچا، اور وہیں کا ہو رہا، اسی خاندان کے ایک فرد فرید حضرت مولانا محمد قلندر محدث جلال آبادی ہیں۔

مولانا محمد قلندر کی ولادت و طفولیت کی نسبت معلومات دستیاب نہیں، تعلیم شروع سے آخر تک خاتم مثنوی مولانا روم حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلویؒ سے حاصل کی؛ تمام علوم میں اپنے استاذ کا عکس اور مثنیٰ تھے، مولانا محمد قلندر کے یہاں ہر وقت درس و تدریس کا سلسلہ رہتا تھا خصوصاً

۱؎ حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش نشاط کاندھلوی خلف مولانا محمد شیخ الاسلام ۱۱۶۲ھ / ۱۷۴۹ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد ماجد سے حاصل کی، متوسطات سے منتہیانہ کتابوں تک حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے پڑھیں اور اکثر اسباق میں حضرت شاہ رفیع الدین اور حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی کے رفیق درس رہے۔

تذکرہ مفتی الٰہی بخش ص۶ مشمولہ اختتام مثنوی (کانپور ۱۳۲۲ھ)، نزہۃ الخواطر ص۵، حالات مشائخ کاندھلہ ص۵ کے مولفین اور ان کے بعد کے تمام تذکرہ نگار حضرت مفتی صاحب کے اساتذہ اور تربیت کنندگان میں مولانا محمد مدرس کاندھلوی کا بھی ذکر کرتے ہیں، یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ مولانا محمد ابن ابوالفضل بن قاضی عبداللہ؛ جو کثرت درس و تدریس کی وجہ سے محمد مدرس مشہور تھے، تقریباً ساٹھ سال درس و تدریس کا بازار گرم رکھنے کے بعد ۱۰۹۲ھ میں (مفتی الٰہی بخش کی ولادت سے ستر سال قبل) انتقال فرما چکے تھے، (کاغذات اراضی ورثاء مولانا محمد مدرس)

تعلیم کے بعد حضرت شاہ عبدالعزیز کے ارشاد پر نواب نجیب الدولہ کے دربار سے بحیثیت قاضی وابستہ ہوئے۔ اور ضابطہ خاں کی وفات ۱۱۹۹ھ / ۱۷۸۵ء تک اسی عہدہ پر فائز رہے، اس کے بعد مختلف مقامات پر قیام رہا، اور بہت بڑی تعداد میں طلبہ نے ان سے فیض حاصل کیا، مولانا عبدالحی حسنی نے لکھا ہے: واخذ عنہ خلق لا یحصون بعد وعد۔ ان سے بے حد و بے شمار لوگوں نے تعلیم حاصل کی۔ الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ص۳۱۱ (دمشق ۱۹۸۳ء)

ان بے شمار تلامذہ میں سے چند مشہور ترین شخصیات یہ ہیں:۔ مولانا مرزا حسن علی (صغیر) محدث لکھنوی، مولانا

مولانا کا سلسلۂ درس حدیث اس دور کا ممتاز ترین حلقۂ درس تھا، جس میں دور دراز علاقوں کے طلبا بھی شریک رہتے تھے۔

مولانا محمد قلندر علم و فضل، سلوک و معرفت اور اصلاح و تذکیر میں یکساں بلند پایہ رکھتے تھے اور کشف و کرامات میں شہرۂ آفاق تھے، مولف تذکرہ رحمانیہ لکھتے ہیں:۔

"یہ بزرگ بڑے پایہ کے عالم تھے، حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کو نسبت حضوری حاصل تھی، خواب میں زیارت سے مشرف ہوتے تھے، اپنے علاقہ میں نہایت صاحب کشف و کرامات مانے جاتے تھے، علم و فضل کے ساتھ تقویٰ، نیکی اور پرہیز گاری میں اپنا نظیر نہ رکھتے تھے"[۱]

مولانا محمد قلندر کا ایک خاص وصف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت حضوری ہے، مولانا محمد قلندر ہر روز شب میں اور بیداری میں بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوتے تھے،

مولانا محمد قلندر کی علمی و روحانی صلاحیتوں اور دربار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں شرف حضوری کی وجہ سے اس دور کے علما و مشائخ کی نظر میں خاص احترام اور بے حد وقعت تھی۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) وجیہ الدین صدیقی سہارنپوری، مولانا عبدالرزاق جھنجھانوی، مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، مولانا مغیث الدین سہارنپوری، مولانا محمد حسن رامپوری، مولانا عبدالرحیم نانوتوی، مولانا مظفر حسین کاندھلوی۔

مختلف موضوعات پر تقریباً ساٹھ تالیفات یادگار ہیں، جن میں اہم اور مشہور ترین اختتام مثنوی مولانا روم ہے، جو ۱۲۱۶ھ میں وجود میں آیا، اور پہلی بار ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء میں شائع ہوا۔

مفتی صاحب شعر و سخن کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے، اردو، فارسی کلام کے خطی مجموعے محفوظ ہیں۔ مفتی الٰہی بخش نے ۵ جمادی الآخرہ ۱۲۴۵ھ/۱۳ اکتوبر ۱۸۲۹ء کو کاندھلہ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

[۲] تذکرہ مفتی الٰہی بخش (شامل اختتام مثنوی) ص ۵

حاشیہ صفحہ ہذا۔ [۱] تذکرہ رحمانیہ۔ تالیف مولانا عبدالحلیم انصاری، ص ۳۵ (پانی پت، ۱۳۵۵ھ)

مولانا محمد قلندر نے طویل علالت کے بعد ۱۲۸۶ھ میں وفات پائی، مولانا ابو الحسن حسن نے بطریق تخرجہ تاریخ کہی:۔

چو سید محمد قلندر مُوا | تو دل غم سے ٹکڑے مرا ہوگیا
وہ تھا سید پاک مقبول حق | ہوا اس کے غم میں ہر ایک مبتلا
حسن جب گیا فکر تاریخ میں | تو ہاتف نے بس اس سے کہا
"فقد فاز فوزاً عظیما" حسن ! | یہ تاریخ ہے اس کی نقش خدا

بشرطیکہ اعداد الفاظ نزع
کرے لفظ آیتہ سے لکھ کر جدا[1]

آخر میں مولانا سید محمد قلندر کے ان چند تلامذہ کا ذکر کیا جاتا ہے جن کی علمی و عرفانی خدمات کے گہرے نقوش ہماری ملی تاریخ میں اس طرح مرتسم ہیں کہ ان کا ذکر کیے بغیر ہندوستان میں مسلمانوں کی علمی مذہبی اور روحانی تاریخ کا ہر جائزہ ناتمام و نامکمل رہے گا۔ یہ نامور تلامذہ ہیں استاذ العلما، مولانا مملوک العلی نانوتوی، مولانا قاری عبد الرحمٰن پانی پتی، حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی، مولانا شیخ محمد محدث تھانوی، اور مولانا غوث علی شاہ قلندر پانی پتی۔

مولانا مملوک العلی نے مولانا محمد قلندر سے کیا تعلیم حاصل کی، اس کی کوئی تفصیل نہیں ملتی، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی کی ایک عبارت سے مجمل اطلاع ملتی ہے، مولانا لکھتے ہیں:۔

"نیز سنا ہے کہ آپ (مولانا مملوک العلی) نے معقول کا کچھ حصہ مولوی قلندر بخش سے بھی پڑھا ہے۔"[2]

راقم سطور کو مولانا احمد اللہ کیرانوی کی روایت پہنچی ہے، وہ اپنے استاذ شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی سے نقل کرتے تھے کہ مولانا مملوک العلی نے حدیث کی چند کتابیں مولانا محمد قلندر سے پڑھی ہیں۔

---

[1] بیاض مولانا ابو الحسن، ورق ۱۰۹ ب۔ فقد فاز فوزاً عظیما کے کل عدد ۱۴۰۰ ہوتے ہیں، اگر لفظ نزع کے اعداد ۱۲۷ انہیں سے نکال دیے جائیں تو کل ۱۲۷۳ باقی رہ جاتے ہیں اور یہی مولانا قلندر کا سنہ وفات ہے۔

[2] تذکرۃ الرشید مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ص۱۳ ج ۱ (طبع اول میرٹھ)

مولانا قاری عبدالرحمٰن محدث پانی پتی نے چند اعلیٰ درسی کتابیں اور صحیح بخاری کا ایک تہائی حصہ مولانا محمد قلندر سے پڑھا، مولف تذکرہ رحمانیہ لکھتے ہیں:-

"صاحب سوانح (مولانا قاری عبدالرحمٰن) کو تحصیل علوم کا شوق آپ کے پاس لے گیا، حضرت ممدوح سے آپ نے ثلث صحیح بخاری اور بعض دیگر کتب دینیات پڑھیں" [1]

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مکی نے مشکوٰۃ کا چوتھائی حصہ مولانا محمد قلندر سے پڑھا' ایک مجلس میں اس تلمذ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

"بعد ازاں بالہام غیبی و بجذبۂ لذتِ کلام نبوی مشکوٰۃ شریف کا ایک ربع قراءۃً عاشق زار رسول انور حضرت مولانا محمد قلندر محدث جلال آبادی پر گزرانا" [2]

حضرت میانجیو نور محمد صاحب کی خدمت میں حضرت حاجی امداد اللہ کے حاضر ہونے، اور حضرت میانجیو صاحب سے پہلی ملاقات کا ذریعہ بھی مولانا محمد قلندر صاحب ہی تھے' حضرت حاجی صاحب نے میانجیو نور محمد صاحب کی خدمت میں پہلی حاضری [3] کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:-

"ایک دن حضرت استاذی مولانا محمد قلندر محدث جلال آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ نے میرے اضطرار کو دیکھ کر بکمال شفقت و عنایت فرمایا کہ تم کیوں پریشان ہوتے ہو، موضع لوہاری یہاں سے قریب ہے، وہاں جاؤ اور حضرت میانجیو صاحب سے ملاقات کرو، شاید

---

[1] تذکرہ رحمانیہ ص۳۶　　[2] شمائم امدادیہ ص۱۰، امداد المشتاق ص۱

[3] راقم سطور کا خیال ہے کہ حضرت میانجیو نور محمد صاحب کی خدمت میں حضرت حاجی صاحب کی پہلی حاضری غالباً ۱۲۵۸ھ کے آخر میں ہوئی، اس کا قرینہ یہ ہے کہ ۱۲۵۶ھ تک حضرت حاجی صاحب کے پہلے شیخ، حضرت مولانا نصیر الدین نقشبندی حیات تھے، ان کی زندگی میں کسی دوسرے شیخ سے رجوع ہونے کا سوال ہی نہیں تھا، کئی سال حضرت میانجیو صاحب کی تلاش و جستجو میں رہے (شمائم امدادیہ ص۱۱) اور رمضان ۱۲۵۹ھ میں حضرت میانجیو صاحب کا وصال ہو جاتا ہے، میانجیو کا وصال کے وقت یہ فرمانا "میرا ارادہ تھا کہ تم سے مجاہدہ و ریاضت لوں گا، مشیت باری سے چارہ نہیں ہے عمر نے وفا نہ کی" (شمائم ص۱۱) اس خیال کی تائید کرتا ہے کہ حضرت حاجی صاحب میانجیو صاحب کی خدمت میں چند ہی ماہ رہے۔

مقصود دل کو پہنچو، اور اس حیث و بحث سے نجات پاؤ، جناب ایشان فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت مولانا سے میں نے یہ سنا متفکر ہوا، اور دل میں سوچنے لگا کہ کیا کروں، آخر بلا لحاظ سواری وغیرہ میں نے فوراً راہ لوہاری کی لی[1]

مولانا شیخ محمد تھانوی موصوف نے معقولات کی کتابیں مولانا محمد قلندر سے پڑھیں، مولانا شیخ محمد تحریر فرماتے ہیں:-

"اما در فن معقول ہم ازیں خاندان عالیشان بذریعہ مولانا الحاج المدرس مولوی مملوک العلی نانوتوی مرحوم، و مولانا الحاج محمد قلندر جلال آبادی مغفور"[2]

مولانا محمد عمر تھانوی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ نحو و صرف کی تمام کتابیں مولانا عبد الرحیم تھانوی اور مولانا محمد قلندر سے پڑھیں[3]

مولانا غوث علی شاہ قلندر پانی پتی نے مثنوی مولانا روم کا دفتر اول مکمل، اور دوسرے دفتر کا کچھ حصہ مولانا محمد قلندر سے پڑھا[4]

حضرت مولانا عبد الرزاق جھنجھانوی

حضرت مولانا عبد الرزاق (جو بقول حکیم عبد الرحمٰن حیرت، اشرف العلماء، امام الاتقیاء، رئیس العلماء، اور فخر الحکماء سے یاد کیے جاتے ہیں) شیخ امام بخش بن شیخ شمس الدین جھنجھانوی کے صاحبزادے، اور حضرت مفتی الٰہی بخش کے نواسے اور عزیز ترین شاگرد تھے، درسیات اور طب کی تمام کتابیں حضرت مفتی صاحب سے پڑھیں، رسالہ تنظیم الادویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۳۰ھ میں طب کی کتابیں زیر تعلیم تھیں، مفتی صاحب فرماتے ہیں:-

عبد رزاق و مہدی و قاسم ہر کہ یادش کند شود طب داں
درس غزل یافتہ اتمام نفع یارب ازیں رسال بجہاں
۱۲۳۰ھ

نوٹ: ترتیب غلط ہو گئی ہے ناظرین ...

---

[1] شمائم امدادیہ ص۵، امداد المشتاق ص۱ [2] دلائل الاذکار فی اثبات الجہر والاسرار، ص۳ (دہلی ۱۲۷۰ھ)
[3] نخر حالات محمدیہ ص۸ (عثمانی میرٹھ ۱۲۷۰ھ) [4] تذکرہ غوثیہ منسوب بہ مولانا گل حسن، ص۲

مولانا عبدالرزاق طب میں بھی یگانۂ روزگار، اور اپنے معصروں سے ممتاز تھے، نباضی ونبض شناسی میں بڑا نام پایا تھا، عبدالرحمٰن حیرت نے لکھا ہے کہ :-

"وے در فن پزشکی ومرض فہمی گوئے	طبابت اور مرض پہچاننے میں اپنے زمانہ
سبقت از ہمہ ربودہ، وے در دست	کے تمام اطباء سے ممتاز تھے، شافیٔ مطلق
او شفائے علیلان شافی مطلق	نے ان کے ہاتھ میں مریضوں کے لیے شفا
نہادہ وبر دل پاکش غرفہ اسرار	رکھی تھی، اور ان کے دل پر علم ومعرفت
نہانی کشادہ بود"۔ [۱]	کے اسرار کھول دیے تھے۔

فنون سپہ گری بنوٹ وغیرہ میں بھی استادانہ مہارت رکھتے تھے، یہ فن نامور خطاط محمد امیر (امیر پنجہ کش)، سے حاصل کیا تھا، اور اپنے شاگردوں اور متعلقین کو اس کی تعلیم دیتے تھے، حضرت سید احمد شہید کی تحریک جہاد کے زمانہ میں مجاہدین کی تربیت کے لیے ایک مرکز قائم کیا تھا جس میں فنون سپہ گری کی مشق کرائی جاتی تھی، مولانا عبدالرزاق کو ان فنون میں کس درجہ کمال حاصل تھا اس کا اندازہ حکیم الامت مولانا تھانوی کے اس ملفوظ سے ہوتا ہے، فرمایا :-

"مولانا عبدالرزاق نابینا تھے، لکڑی کے فن میں نہایت کامل تھے، ایک شخص خود اپنا مشاہدہ مجھ سے بیان کرتے تھے کہ ہم چند آدمی حاضر ہوئے، ہماری درخواست پر فرمایا۔ اب تو میں اندھا ہوگیا لیکن خیر! کچھ تمھاری سمجھ کے مطابق دکھلائے دیتا ہوں، ایک چارپائی پر رومال لیکر الٹے لیٹ گئے، چارپائی کے نیچے دانے ڈلوادیے، ایک چڑیا آکر چننے لگی، فرمایا کہ بس اب یہ نکل نہیں سکتی، چنانچہ واقعی نکلنے نہیں دیا، رومال سے قلعہ باندھ لیا"۔ [۲]

مولانا عبدالرزاق ہمیشہ شب بیدار رہ کر عبادت وبندگی میں مشغول اور گریہ ومناجات میں مصروف رہتے تھے۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ آخر عمر میں مولانا عبدالرزاق نابینا ہوگئے تھے، مگر ضعف وپیری اور معذوری کے باوجود ہمیشہ بغیر کسی رہنمائی اور مدد کے مسجد جاتے تھے، اس حال میں بھی کبھی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔

---

[۱] سفینہ رحمانی، عبدالرحمٰن حیرت جھنجھانوی صفحہ ۱۲۱ (لکھنؤ ۱۸۸۰ء) [۲] حسن العزیز صفحہ ۲۵۵

نام تنظیم الادویہ کردم　　کہ شدہ نامہا بنظم بیاں[1]

حضرت مفتی الٰہی بخش اور مولانا ابوالحسن کاندھلوی سے مثنوی مولانا روم کا درس لیا، اور زندگی بھر اسی کا مشغلہ رہا، تمام مثنوی حفظ تھی اور بہت ذوق و شوق سے اس کا درس دیتے تھے، اور چاہتے تھے کہ ہر شخص مثنوی شریف پڑھے، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نقل فرماتے ہیں کہ:۔

"کوئی راستہ میں آتا جاتا ملتا تو اس سے بھی کہتے کہ آؤ مثنوی پڑھ لو"[2]

مثنوی شریف کے درس میں جوش و مستی سے عجیب حال ہوتا تھا، پڑھنے اور پڑھانے والے دونوں بیخود و مخمور ہو جاتے تھے، خود مولانا عبدالرزاق صاحب فرماتے تھے کہ:۔

"جب مثنوی پڑھاتا ہوں تو دنیا و ما فیہا کی خبر نہیں رہتی، اتنا فیض تو کھلا ہوا ہے"[3]

یہ تو استاد کی کیفیت تھی اور شاگردوں کا کیا حال ہوتا تھا اس کی سرگزشت حکیم عبدالرحمٰن حیرت بیان کرتے ہیں:۔

"وتعلیم مثنوی معنوی بطرز آگاہ درونان آب ضمیر ہم داوند، در اثنائے ایں تدریس آتش عشق ربانی و جوش و خروش یاد یزدانی، و نائرہ محبت و فشور پاک در کانون سینہ بے کینہ ما چناں نہفتہ اند کہ اگر اندکے ازاں شورش بہ دریائے بیاں آرم از تاب جگر گدازش ہمچو دیگ بر دیگدان بجوش آید، و اگر حرفے ازاں در دسینہ فگار آشکارا گویم قلوب دردمنداں از گرمی اثرش بساں آتش جحیم در خروش آید"[4]

اسی جوش و خروش سے تقریباً ساٹھ سال تک درس مثنوی کا سلسلہ جاری رہا، اور بقول حکیم الامت مولانا تھانوی "کم سے کم سو مرتبہ تو پڑھائی ہو گی بلکہ زیادہ"[5]

---

[1] رسالہ تنظیم الادویہ (منظوم) از حضرت مفتی الٰہی بخش، ص۳۲ (علی گڑھ ۱۸۹۵ء)
[2] حسن العزیز مرتبہ خواجہ عزیز الحسن مجذوب ص۲۵۵ (تھانہ بھون ۱۳۳۴ھ)
[3] حسن العزیز ص۲۵۵　[4] انشائے فیض ہمدانی عبدالرحمٰن حیرت جھنجھانوی ص۲۲ (لکھنؤ ۱۸۸۵ء)
[5] حسن العزیز ص۲۵۵

مولانا عبدالرزاق نے تقریباً ساٹھ سال تک علم و حکمت کا درس دیا، اس عرصہ میں دین و دیانت کی کتنی مشعلیں ان کے دم سے روشن ہوئی ہوں گی۔ فقہ و معرفت کی کتنی مجلسیں ان کی نسبت سے قائم ہوئی ہوں گی، عرفان الٰہی کا کتنے لوگوں کو سبق ملا ہوگا، تلامذہ میں کیسی برگزیدہ اور ذی استعداد شخصیات رہی ہوں گی، افسوس ہے تاریخ و تذکرے ان کے ذکر سے کیسر خاموش ہیں۔

تلامذہ کی کثیر تعداد کا اس سے اندازہ کیجیے کہ بقول حکیم الامت مولانا تھانوی مثنوی مولانا روم کا درس سو مرتبہ سے زیادہ ہوا، اگر ہر دور میں کم از کم تین شاگرد بھی رہے ہوں تو تین سو تک تعداد پہنچتی ہے، مگر صرف تین شاگردوں کا ذکر ملتا ہے اور وہ شاگرد یہ ہیں:۔

حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی، حضرت حاجی صاحب نے تین مرتبہ پوری مثنوی شریف مولانا عبدالرزاق سے پڑھی، ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔

"میں نے مثنوی شریف تین بار حضرت مولانا عبدالرزاق جھنجھانوی پر عرض کی"[1]

حضرت حاجی صاحب کی اہلیہ محترمہ[2] کو بھی مثنوی شریف سے بڑی مناسبت تھی انھوں نے بھی مولانا عبدالرزاق سے مثنوی پڑھی تھی، حکیم الامت مولانا تھانوی ارشاد فرماتے تھے:۔

"حضرت پیرانی صاحبہ نے بھی انھیں سے مثنوی شریف پڑھی تھی، ان کو مثنوی سے بہت مناسبت تھی، حضرت حاجی صاحب سے مثنوی پڑھتے میں علماء سوالات کرتے، حضرت پیرانی صاحبہ پردے کے پیچھے بیٹھ کر سنا کرتی تھیں، بعض اوقات علماء کے سوالات سنکر ان کو ایسا جوش ہوتا تھا کہ فرماتیں کیوں نہیں پردہ سے نکل کر تقریر کر دوں"[3]

مولانا فتح محمد تھانوی (جلال آبادی) نے بھی مثنوی شریف مولانا عبدالرزاق سے

---

[1] شمائم امدادیہ ص۱۱ [2] غالباً دوسری اہلیہ محترمہ، بی بی خیرالنساء مراد ہیں جو حضرت مفتی الٰہی بخش کی نواسی اور مولانا عبدالرزاق کی خالہ زاد تھیں۔ [3] حسن العزیز ص۲۵۵

پڑھی۔ مولانا فتح محمد صاحب کا معمول تھا کہ ہر جمعرات کو عصر کے بعد تھانہ بھون سے جھنجھانہ پیدل روانہ ہوتے جمعہ کے دن تمام دن مثنوی شریف پڑھتے شام کو عصر کے بعد تھانہ بھون آجاتے۔ اس مجاہدانہ تلمذ کی تفصیل حکیم الامت مولانا تھانوی بیان فرماتے ہیں، فرمایا:۔

"مولانا فتح محمد نے کمال کیا، یہاں مدرس تھے جمعرات کو عصر پڑھ کر چلتے، مغرب اور عشا کے درمیان جھنجھانہ پہنچ جاتے، صبح کی نماز پڑھ کر خدمت میں حاضر ہو جاتے ایسے ہی پڑھنے والے ایسے ہی پڑھانے والے، جمعہ کی نماز تک پڑھتے، پھر بعد نماز کے عصر تک پڑھتے، بعد عصر کے وہاں سے چل کر یہاں آجاتے، اخیر میں مولانا عبدالرزاق صاحب نے ان سے کہا بہتر ہے جلد ختم کرلو، کچھ دن کی رخصت لے کر چلے آؤ، چنانچہ رخصت لیکر پہنچ گئے، مثنوی شریف ختم کر کے آئے ہی تھے کہ کچھ دن بعد (مولانا عبدالرزاق کا) انتقال ہو گیا۔"[1]

عبدالرحمن حیرت جھنجھانوی نے مولانا عبدالرزاق کے دامن میں پرورش پائی تمام تعلیم اور مثنوی شریف کے اسباق مولانا عبدالرزاق سے حاصل کیے[2]

مولانا عبدالرزاق نے ربیع الاول ۱۲۹۳ھ/اپریل ۱۸۷۵ء میں وفات پائی، کاندھلہ میں مفتی الٰہی بخش کے خاندانی قبرستان میں دفن ہوئے۔ رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] حسن العزیز ص۲۵۵ [2] مذاقات فیض رحمانی ص۲۲، شمامۂ شام افروز، عبدالرحمن حیرت صفحہ آخر

الفرقان کی ملکیت و دیگر تفصیلات کے متعلق اعلان

(مطابق فارم ۴ دیکھیے قاعدہ ۸)

مقام اشاعت ________ لکھنؤ

وقفہ اشاعت ________ ماہانہ

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر اور پروپرائٹر کا نام ________ محمد منظور نعمانی

قومیت ________ ہندوستانی

پتہ ________ ۳۱- نیا گاؤں مغربی۔ لکھنؤ ۱

میں محمد منظور نعمانی اعلان کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا تفصیلات میرے علم و یقین میں بالکل صحیح ہیں۔

(دستخط) محمد منظور نعمانی

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کی محفل ارشاد

انتخاب و تلخیص ——— مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

فرمایا۔ دیکھو یاد رکھو خدا اور رسول کی اطاعت میں کمی ہوتی ہے تو دنیا کی عقل بھی مسخ ہوجاتی ہے (علامہ ابن القیمؒ کا ایک رسالہ ہے جس میں انھوں نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ معصیت سے دنیا کی عقل بھی مسخ ہوجاتی ہے۔ واقعی بات ہے کہ نافرمانی کرنے والے بڑی بڑی غلطیاں کرتے ہیں۔

فرمایا ایک واعظ کا قصہ ہے کہ وعظ کہہ رہے تھے اور مضامین عالیہ بیان ہو رہے تھے۔ ان کو خیال ہوا کہ مجھے خوب آمد ہو رہی ہے۔ بس مجمع میں سے ایک شخص اٹھ گیا اور ان کی آمد بند ہوگئی۔ یہ ان کا فیض نہ تھا بلکہ اس شخص کا اثر تھا۔ اور یہ بات بہت ہی ظاہر اور مشاہد ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ ایک مضمون، کتاب کا مطالعہ کرتے وقت سمجھ میں نہ آیا پھر استاد نے تقریر کی اور سمجھ میں نہ آیا، مدتوں قلب کو اس میں انشراح نہ ہوا اور جب کسی کو پڑھانے بیٹھے تو فوراً سمجھ میں آگیا ——— بعض طلبا فارغ التحصیل ہوجاتے ہیں اور لیاقت ان کی معمولی ہوتی ہے، کتابوں پر عبور نہیں ہوتا مگر پڑھانے بیٹھتے ہیں تو ایسا پڑھالیتے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مضامین ان کو حفظ یاد تھے۔ حالانکہ ایک دفعہ پڑھنے سے کیا تمام کتاب یاد ہوسکتی ہے؟

اصل یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے تائید ہوتی ہے افادہ کے وقت ——— پھر اس کو طالب کی برکت کیسے نہ کہا جائے۔ میں نے سہارنپور میں بیان کیا تھا کہ بیان کو واعظ اپنا کمال نہیں کہہ سکتا کیونکہ بیان میں دو وصف جب ہی پیدا ہوتا ہے جب کہ بچہ ہو ——— تو

دودھ پستان کا کمال نہیں بلکہ بچہ کا کمال کہنا چاہیئے۔ لیکن اس سے مغرور نہ ہو جائے کہ ہم بڑے باکمال ہیں، کیوں کہ بچہ بھی دودھ پستان ہی سے جب ہی نکال سکتا ہے جبکہ اس میں دودھ ہو بھی، بھلا خشک لکڑی میں سے تو دودھ کھینچ لے؟ —— پس حق تعالیٰ نے امت محمدیہ کو ایک دوسرے کے واسطے مدد و معاون بنایا ہے۔ کوئی ایک دوسرے پر فخر نہیں کر سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے حضرات اپنے آپ کو بڑا نہیں سمجھتے ہیں۔ مولانا گنگوہیؒ کوئی مضمون لکھتے تو اپنے چھوٹوں کو سناتے اور فرماتے بنظر تنقید دیکھو اور غلطی ہو تو مطلع کرو۔ اسی طرح حضرت حاجی صاحبؒ فرماتے کہ میں ناخواندہ ہوں تم میری غلطی بتلا دینا ورنہ میں قیامت میں کہہ دوں گا کہ میں نے ان لوگوں سے کہہ دیا تھا، انھوں نے تصحیح نہیں کی۔ خلوص یہ ہے اور یہ صحابہ کی صفت تھی۔ کہاں ہیں وہ لوگ؟ ہم لوگ کس منہ سے ان کی ریس کر سکتے ہیں۔ مگر خیر ہم نے بھی ان بزرگوں کی نقل ہی کی ہے۔ میں نے ایک سلسلہ جاری کیا ہے اس کا سالانہ ایک رسالہ بن جاتا ہے ترجیح الراجح اس کا نام رکھ دیا ہے۔ سال بھر تک جس بات میں اپنی رائے کی غلطی ثابت ہوتی ہے اس کو اس میں لکھ دیتا ہوں۔ یہ نفس کا خوب علاج ہے کہ سال بھر تک اغلاط کی تلاش رہتی ہے خود اپنی نظر ان اغلاط کی جانب جائے یا کوئی اور بتا دے تاکہ رسالہ پورا ہو۔ میں تو غلطی بتانے سے بڑا ممنون ہوتا ہوں کہ ایک بات ہم کو بڑی مشقت سے معلوم ہوتی اس نے بے محنت بتا دی۔

الحمد للہ کہ ایسے لوگوں کے منہ ہم نے دیکھے ہیں جو بے نفس تھے۔ اسی کی برکت ہے کہ قلب کو کسی کے بتانے سے ناگواری نہیں ہوتی —— علم ایک دریائے ناپیدا کنار ہے —— یہ کیا ضرور ہے کہ سب کا احاطہ ہو اور نہ ہر وقت طبیعت حاضر ہوتی ہے۔ ذہول بھی ہو سکتا ہے۔

فرمایا ایک دفعہ میں جلالین پڑھانے بیٹھا، خطبہ ہی کی عبارت ایک جگہ سمجھ میں نہ آئی احاطۂ معلومات تو حق تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ یہ بھی جہل ہے کہ ہم کو اپنے جہل کا علم نہ ہو۔ اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنا جہل معلوم بھی ہو جاتا ہے، اور دل میں ہوتا ہے کہ یہ مقام ہماری سمجھ میں نہیں آیا اور جو تقریر ہم کر رہے ہیں وہ صحیح نہیں ہے۔

گر عادت ہے لوگوں کی کہ لٹھ دھوں دوں کیے جاتے ہیں، اور طالب علم کو ساکت کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ طالب علم بھی سب برابر نہیں ہوتے، بعضے بڑے سمجھدار ہوتے ہیں اور سمجھ جاتے ہیں کہ اس وقت ان کی تقریر صرف زبان زوری ہے۔ اس وقت استاد کی وقعت بھی جاتی رہتی ہے مگر لوگ اسی کو اچھا سمجھتے ہیں کہ طالب علم کو ساکت ہی کر دو چاہے مقام حل ہو یا نہ ہو، اور اس کی تشفی ہو یا نہ ہو۔ اور جب استاد میں یہ عادت ہوتی ہے تو شاگرد میں بھی متعدی ہوتی ہے اور وہ بھی اپنے شاگردوں کے ساتھ تمام عمر ایسا ہی کرتا ہے۔ ہائے کتنے گناہ کی بات ہے۔ جس قرآن میں اور نواہی سے ممانعت ہے اس میں یہ آیت بھی تو ہے وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ ———

فرمایا حبِّ دنیا کے دو شعبے ہیں، حب مال وحب جاہ۔ ہیں دونوں بُرے۔ مگر حب جاہ بدتر ہے۔ محب مال تو کہیں اپنے آپ کے لیے تذلل بھی پسند کرتا ہے اس وقت تکبر سے بچ جاتا ہے، اور محب جاہ کسی وقت بھی تکبر سے نہیں بچ سکتا۔

جو لوگ مئو سے آئے تھے انھوں نے جانا چاہا تو فرمایا اس قدر تکلیف آپ لوگوں نے اٹھائی مگر کیا فائدہ ہوا کچھ تو پاس بیٹھنا چاہیے۔ آج رہیں اور کل کو میرے ساتھ بڑھل گنج تک چلیں۔ سب نے کہا بسر وچشم ——— فرمایا اب بے تکلف عرض ہے (ابھی اتنا ہی فرمایا تھا کہ) مولوی ابوالحسن صاحب نے بات کاٹ کر عرض کیا دعوت شام کی بڑھل گنج میں ہو گئی ہے آپ تکلیف نہ کریں ——— مسکرا کر فرمایا ہم آپ کے کشف کے قائل ہو گئے کیسے معلوم ہو گیا کہ میں کھانے کے لیے کہنے کو تھا۔ مولوی ابوالحسن صاحب ہنسنے لگے۔ فرمایا تکلف کی ضرورت نہیں۔ میں بھی ہوں تو سفر میں ہی۔ مگر دال چاول پکنا یہاں بھی ممکن ہے۔ عرض کیا دعوت پہلے ہو چکی ہے۔

فرمایا مناسبت بین الشیخ والمرید اصلاح کا موقوف علیہ ہے اسی واسطے تعدد شیوخ سے منع کیا جاتا ہے کیوں کہ دو شیخوں میں باہم ضرور فرق ہوتا ہے تو مرید اس سے موافقت

کرے گا یا اُس سے۔

فرمایا معاصرت ہے ہی ایسی چیز کہ کمالات پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ اسی واسطے بعض بزرگوں نے منع کیا ہے مبتدی کو اولیاء کے تذکرے دیکھنے سے ـــــ کیوں کہ تذکرہ پڑھنے سے صاحب تذکرہ کے کمالات نظر میں آتے ہیں اور اپنے شیخ کے کمالات پر ہمعصری کا پردہ پڑا ہوا ہے تو خیال یہ ہو گا کہ کمالات تو انھیں لوگوں میں تھے، ہمارے شیخ میں یہ بات کہاں۔ اس سے مناسبت پوری نہ رہے گی، اور مناسبت موقوف علیہ ہے فیض کی۔

فرمایا مولانا محمد یعقوب صاحب ایک بزرگ کی حکایت بیان فرماتے تھے کہ جب کوئی طالب ان کے یہاں آتا تو اس کو مہمان کرتے اور کھانا ایک خوراک سے ذرا زائد بھیجتے۔ جو کھانا بچ جاتا اس کو دیکھتے کہ سب چیز تناسب کے ساتھ بچی ہے یا نہیں۔ مثلاً ایک روٹی بچی تو سالن بھی ایک ہی روٹی کے قابل بچا ہے یا کم زیادہ ہے۔ اگر تناسب کے ساتھ نہیں بچا تو اس کو بیعت نہ کرتے اور کہتے تمھاری طبیعت میں انتظام نہیں۔ تم سے کام کرنے کی کچھ امید نہیں ـــــ لوگ اہل اللہ کو بے وقوف اور بے حس سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے دماغ بادشاہوں سے بھی زیادہ ہوتے ہیں۔

پوچھا گیا ریل میں نماز بیٹھ کر بھی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ فرمایا ہو سکتی ہے جب کہ کھڑا نہ ہو سکے، اور یہ قضیہ شرطیہ ہے تو ضرور، اگر ضرورت ہو تو بیٹھ کر نماز جائز ہے۔ لیکن اس قضیہ کے مقدم کو واقع ہوتے کبھی نہیں دیکھا، میرے نزدیک ریل میں کبھی یہ ضرورت پیش نہیں آتی کہ نماز بلا بیٹھے نہ پڑھی جا سکے۔ میں نے بہت لمبے لمبے سفر کیے ہیں اور مجمع بھی بہت زیادہ رہا ہے مگر ہمیشہ نماز کھڑے ہو کر پڑھی ہے۔ نماز ایسی چیز نہیں ہے جس کو لاپروائی سے ادا کیا جائے۔ آدمی کی طبیعت میں ذرا سا اہتمام اور پروا ہو تو کچھ دقت پیش نہیں آتی خصوصاً ہندستان کے سفروں میں تو کچھ بھی دقت نہیں ہوتی۔ اور جب آدمی ارادہ ہی نہ کرے تو سیکڑوں بہانے موجود ہیں۔ کاش مسلمان سب کے سب نماز کے لیے مستعد ہوتے۔ گویا ان کے شعار میں سے

ہوتا کہ نماز ضرور پڑھتے تو دیکھتے کہ کتنی سہولتیں ہوتیں۔

فرمایا کہ ایک انگریز کا قصہ ہے کہ اس نے علی گڑھ میں نماز ہوتے دیکھی تو کہا یہ ہے اصول مساوات کہ ادنیٰ اور اعلیٰ میں کچھ تفریق نہیں سب ایک حالت میں ہیں اور ایک امام کے حکم میں ہیں اس سے مذہب اسلام کا صدق ثابت ہوتا ہے۔

فرمایا دین کی تعلیم سے بہتر آجکل کوئی خدمت نہیں۔ جس کو خدائے تعالیٰ علم دے تو اس کے لیے اس سے بہتر کوئی اور مشغلہ نہیں۔ اس کی آجکل سخت ضرورت ہے، اور فضیلت بھی اس کی اس قدر ہے کہ شاید ہی کسی دوسرے عمل کی ہو۔ جب تک تعلیم کا سلسلہ چلا جائے گا قیامت تک نامۂ اعمال میں ثواب بڑھتا جائے گا[1]

فرمایا دو چیزیں جس میں ہوں وہ مجھے بہت محبوب ہے۔ تقویٰ اور فہم ــــ صحابہ میں بھی یہ دو چیزیں تھیں جن سے وہ کامل و مکمل تھے۔ ورنہ سب کے سب پڑھے لکھے بھی نہ تھے۔

فرمایا ذکر اللہ میں جی لگے نہ لگے نبھائے جائے ــــ ذکر اللہ عجیب چیز ہے۔ اس کی قدر مرتے وقت معلوم ہوگی۔ جن کے قلب میں ذکر رچ جاتا ہے ان کا خاتمہ بہت پاک صاف وستھرا ہوتا ہے۔

فرمایا آدمی تھوڑا سا لگاؤ اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیدا کرلے پھر دیکھے کیا کیا رحمتیں ہوتی ہیں، فرمایا حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اچھے عمل کی ہمیشہ توفیق ہونا اس کی قبولیت کی علامت ہے۔ بعض وقت اعمال صالحہ میں ایسی کشش ہوتی ہے کہ آدمی اس کو چھوڑ نہیں سکتا۔

---

[1] بشرطیکہ یہ تعلیم دین اخلاص و للہیت کے ساتھ اور ثواب آخرت کی نیت سے ہو، صرف تنخواہ مقصود نہ ہو۔ "الفرقان"

فرمایا ایک بزرگ کا قول ہے کہ بجائے ملفوظات جمع کرنے کے صاحب ملفوظ ہو جاؤ۔ وہ بات پیدا کرو جس سے تمہاری زبان پر وہی ملفوظات جاری ہونے لگیں۔ صاحب ملفوظ بنو، حافظِ ملفوظ ہونے سے کیا فائدہ ہے۔

فرمایا کہ ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ سفر سے وطن میں آئے تھے۔ وطن میں بھی نماز قصر پڑھی اور لطف یہ کہ مقیم امام کے ساتھ دو رکعت پر امام کے قبل سلام پھیر دیا۔ اور بڑے شخص تھے کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ مگر دین سے ایسی اجنبیت ہوئی ہے کہ روزمرہ کے مسائل بھی معلوم نہیں اور پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھتے۔ پھر ایسے لوگ دین میں دخل دیتے ہیں۔ اصل اس کی لاپرواہی ہے۔ جو اپنی سمجھ میں آیا کر گذرے۔ یعنی دین کوئی ایسی چیز نہیں جس کے لیے کچھ بھی احتیاط کی ضرورت ہو۔ جس طرح بھی کرلیں ویں ہی ہوتا ہے۔ دین کے تمام اجزاء کے لیے عقل کو کافی سمجھتے ہیں حالانکہ فنون منقولہ میں رائے کیسے کام دے سکتی ہے۔ دنیا کے تو کسی کام میں دخل نہیں دیتے۔ زراعت کے متعلق کوئی ان سے رائے لے تو صاف کہدیں گے بھائی یہ کام جس کا ہے وہی رائے دے سکتا ہے۔ کسی کاشتکار سے پوچھو۔ پھر نہ معلوم دین کیوں سب کا تختۂ مشق ہو گیا ہے۔

فرمایا مجھے واللہ کبھی وسوسہ بھی نہیں آتا کہ مجھے کچھ آتا ہے، اور کوئی فن بھی آتا ہے میں طالب علموں کو بھی اپنے سامنے زیادہ سمجھتا ہوں۔ وعظ کہنے بیٹھتا ہوں تو یہ خیال رہتا ہے کہ کوئی بات غلط نہ بیان ہو جائے۔ اللہ جانتا ہے کہ میں محض بلا تصنع کہتا ہوں۔ ہاں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ جو خدمت، دین کی مجھ سے ہو سکے اس کی توفیق دے اور اسی میں عمر ختم ہو جائے۔

ایک شخص کے سوال کے جواب میں فرمایا حضرت میں خیر خواہی سے عرض کرتا ہوں کہ نئی کتابیں نہ دیکھا کیجیے۔ خواہ مخواہ کوئی شبہ دل میں بیٹھ جائے گا جس کا حل آپ سے نہ ہو سکے گا تو کیا نتیجہ ہوگا لوگ اس کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم پکے خیال

آدمی ہیں ہمارے اوپر کیا اثر ہو سکتا ہے؟ مگر اس قصہ میں ان کو غور کرنا چاہیے کہ حضرت عمرؓ
توریت اچھی معلوم ہوئی اور لا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑھنے لگے۔ بتائیے
اس میں کیا خرابی تھی۔ حضرت عمرؓ جیسے کامل الایمان جن کی شان میں وارد ہے الشیطٰن
ن من ظل عمرؓ ــــ ان کے اوپر شیطان کا اثر ہونا تو کیا معنی جس مجلس میں وہ موجود
ں وہاں بھی شیطان نہیں ٹھیرتا۔ اور توریت جیسی آسمانی کتاب تھی اور حضور کے سامنے
ھی گئی کہ اگر کوئی مضمون کی خرابی بھی ہو جائے تو اس کی حضور اصلاح فرما دیتے۔ مگر حضور
لعم کو سخت ناگوار ہوا۔ حضرت عمرؓ کو جب حضرت ابوبکرؓ نے آگاہ کیا کہ دیکھتے نہیں حضور
سلعم کے چہرۂ مبارک پر کیا اثر ہے تو حضرت عمرؓ کانپ گئے اور بہت توبہ استغفار کی اور
عافی مانگی۔ حضورؐ نے فرمایا میں تمھارے پاس ایک ملت سہل، نکی اور صاف لایا ہوں
ور اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو سوائے اس کے کہ میرا اتباع کرتے کچھ نہ ہوتا،
پھر کیا ضرور ہے کہ اس کتاب کو دیکھو جس میں تحریف ہو چکی ہے۔ توریت میں آمیزش تھی
تحریف کی، جب اس کے دیکھنے سے منع کیا گیا تو جو کتابیں صرف الحاد و زندقہ کی ہوں ان کا
حکم ظاہر ہے۔ اور حضرت عمرؓ کو منع فرمایا گیا تو ہم کیا ہیں؟ اور نہ معلوم کیوں دیکھتے ہیں لوگ،
اپنے یہاں کیا نہیں ہے۔ اپنے یہاں تو اتنے علوم ہیں کہ تمام عمر بھی ان کے دیکھنے سے
فرصت نہ ملے۔ اپنی کتابوں کو دیکھیے اور اپنی اصلاح کی فکر کیجیے اسی سے فرصت ملنا مشکل
ہے۔ رہا جی لگنا سو میں کہتا ہوں کہ یہ صرف حیلہ ہے اور لاپروائی کی دلیل ہے۔ ورنہ جناب
اگر کسی پر مقدمہ فوجداری کا قائم ہو جائے اور وہ سن پائے کہ قانون میں کوئی نظیر میرے
مفید ہے تو اگرچہ قانون کے دیکھنے میں جی نہ لگے بلکہ سمجھ میں بھی نہ آئے، مگر جان مارے گا
اور دیکھے گا۔ اس وقت یہ نہ ہوگا کہ بجائے قانون کے دلچسپ کتاب مثلاً الف لیلیٰ کو لے بیٹھے
اس وقت تو دل کو لگی ہوگی۔ ہم لوگوں کو دین کی طرف سے بیفکری بہت ہے۔ یہ خرابی اسی
کی ہے کہ ذرا ذرا سے عذر ترکِ دین کے لیے کافی ہو جاتے ہیں۔

ترجمہ: شیطان حضرت عمرؓ کے سایہ سے بھاگتا ہے۔ (حدیث)

فرمایا حضرت حاجی صاحب سے کسی نے شکایت کی کہ ذکر کرتے ہیں مگر کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تو فرمایا کیا یہ فائدہ نہیں کہ ذکر کرتے ہو۔

یابم او را یا نیابم جستجوئے می کنم
حاصل آید یا نیاید آرزوئے می کنم

کام کیے جائیے اس کی برکت سے ترقی ہوتی ہے جیسے کوئی خوشخطی سیکھنا چاہتا ہے تو اس کو لکھنا چاہیے۔ پہلے کیسا بدخط ہوتا ہے مگر لکھنے سے کبھی نہ کبھی خوشنویس ہو ہی جاتا ہے اگر لکھے گا نہیں تو خوشنویسی کیسے آوے گی۔ خوشنویسی آنے کی تدبیر یہی ہے کہ بدخطی شروع کی جائے۔ یہی بدخطی ایک دن خوش خطی ہو جائے گی۔

دینی تعلیم اور عصری تقاضے

از حضرت مولانا محمد اشرف خاں صاحب ایم اے (صدر شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی)

ہماری دینی تعلیم کا اصل سرمایہ "علوم معاد" ہیں جن کا مبنیٰ و منبع وحی الٰہی اور سینۂ نبوت ہے، اور جن کا گنجینہ ہمارے پاس کتاب و سنت (قرآن و حدیث) کی صورت میں محفوظ ہے بعد چونکہ حکمت الٰہی نے خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دورۂ نبوت قیامت بلکہ ابدالآباد تک ممتد و مستمر فرما دیا ہے، اس لیے "کتاب و سنت" کا یہ خزینہ تا قیام قیامت جملہ جن و انس کی ہدایت یابی کا واحد ذریعہ ہے، جس میں علوم ہدایت و طریقہ ہدایت کو منحصر فرما دیا گیا۔ کتاب و سنت کی اس "امانت" کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم الٰہی حفاظت کی ضمانت کے ساتھ امت مسلمہ کو سپرد فرما کر تشریف لے گئے اور امت کا عموماً اور علمائے امت کا خصوصاً یہ منصبی فریضہ قرار دیا گیا، کہ "علوم نبوت" کی اس الٰہی امانت کو کمال حفاظت و اتقان کیساتھ دوسروں کی طرف منتقل کرتے رہیں۔ اور "اصل امانت" میں کسی خیانت و کمی بیشی کا ارتکاب نہ ہونے پائے۔ اس اعتبار سے "علوم دینیہ" کے اصل ماخذوں (قرآن و سنت) کو ہر قسم کی تحریف و ترمیم اور تغیر و تبدل سے محفوظ فرما دیا گیا۔ اور ان علوم کی تحصیل کا مقصد منشائے الٰہی اور مراد نبوت کو زیادہ سے زیادہ سمجھ کر اس کے افہام و تفہیم، تعلیم و تعلم، تعمیل و اتباع اور تبلیغ و دعوت کو قرار دیا گیا۔ امت کے علوم دینیہ کے لامتناہی ذخائر اسی "تفقہ فی الدین" کے آثار و نتائج ہیں۔ جو علوم قرآن، علوم حدیث، علوم فقہ، علوم تصوف و اخلاق، علوم کلامیہ اور دیگر علوم اسلامیہ کی صورت میں ظاہر ہوئے اور انشاء اللہ تا قیامت ہوتے رہیں گے اور دین کی اس امانت کے ایک نسل و قرن سے دوسری نسل و قرن کی طرف "انتقال" کے فریضہ کی ادائیگی ہوتی رہے گی تاکہ اللہ تعالیٰ کی حجت بندوں پر پوری ہو۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (الانفال-۴۲)	تاکہ جس کو برباد (گمراہ) ہونا ہے وہ نشان آئے پیچھے برباد ہو اور جس کو زندہ (یعنی ہدایت یافتہ) ہونا ہے وہ بھی نشان آئے پیچھے زندہ ہو۔ (ترجمہ از تفسیر بیان القرآن از حضرت تھانویؒ)

اور ارشاد نبوت

فليبلغ الشاهد منكم الغائب (صحیح بخاری باب خطبہ ایام المنیٰ)	تم میں جو حاضر ہیں غائب تک (میرا پیام) پہنچا دیں'

کے ارشاد نبوی کی تعمیل ہوتی رہے۔

ظاہر ہے کہ دین ایک اٹمٹ حقیقت اور قرآن و حدیث لازوال و غیر متبدل حقائق ہیں لیکن زمانہ ہر آن تغیر پذیر و انقلابات کا محل ہے، ہر جدید دور کے تقاضے نئے نئے مسائل پیدا کرتے رہتے ہیں۔ انسانی افکار و خیالات بدلتے رہتے ہیں، نفسیات میں فرق آجاتا ہے، علوم دنیاوی کی ترقیات، جدید ایجادات و انکشافات دنیا کا رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ اور ہر جدید ہر قدیم کی جگہ لے لیتا ہے۔ اور اس "تغیر آباد عالم" میں ان لازوال علوم کی امین و حامل امت کو نئے حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور علوم نبوت کی محافظ و داعی ہونے کی حیثیت سے ہر زمانہ کے تقاضوں، اس کی للکار و تحدی (چیلنج) کا مقابلہ اس صورت سے کرنا پڑتا ہے، کہ اصل علوم نبوت" پر آنچ نہ آنے پاوے۔ چنانچہ ہر دور میں انباطین امت نے زمانے کے تقاضوں کو مدنظر رکھنے کے باوجود تعلیمی خاکوں میں جو رنگ بھرا اور حذف و اضافہ، حک و ترمیم کا جو عمل بھی اختیار فرمایا، انھوں نے اس میں اصل امانت یعنی منصوص و منقول" علوم معاد کی لفظاً و معناً کلی حفاظت کی۔ اور اس کی روح کی بقا کا پورا پورا اہتمام فرمایا۔ اور کسی صورت" علوم نبویہ" کے مقام و حیثیت کو مجروح نہیں ہونے دیا۔ یہ علوم اصطلاح اور اصل، مراد و مقصود رہے، باقی علوم سے انتفاع ان کے خادم، وسیلہ، مددگار، آلہ و ذریعہ کی حیثیت سے رہا۔ یعنی اصل علوم دینیہ رہے۔ باقی علوم کی حیثیت ثانوی رہی۔ دوسرے علوم میں تغیر و تبدل ہوتا رہا لیکن اصل اپنی جگہ قائم و دائم رہے، کہ

گر من و تو ہلاک شویم چہ باک
کہ اندر بلا کی من و تو سلامت اوست

چنانچہ تیسری صدی اور مابعد کے زمانہ میں جب یونانی، ہندی و ایرانی علوم تراجم کے ذریعہ مسلمانوں میں در آئے، اور ان کا ایک طبقہ ان سے متاثر ہونے لگا۔ تو اس کے تدارک کے لیے علمائے امت نے ان علوم کی اصلاح فرما کر "خذ ما صفا ودع ما کدر" کے اصول کے مطابق فلسفہ و منطق و دیگر عقلی علوم کو داخل نصاب کر لیا۔ اور پھر ان علوم میں اپنی خداداد ذہانت سے بیش بہا اضافے کیے۔ حضرت سید الملۃ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ ارقام فرماتے ہیں:۔

"یہ معقولات کا بے پایاں دفتر جو عربی میں افلاطون و ارسطو کے تراجم سے وجود میں آیا تھا اس کو امام غزالیؒ کی کوششوں نے درس میں شامل کیا، تو اس سے دو مقصود تھے۔ ایک یہ کہ معتزلہ اور باطنیہ کی تعلیم و اشاعت سے یہ علوم عقلیہ عوام میں رواج پذیر ہو گئے تھے۔ اور علماء دین کی طرف سے ان علوم کی ناواقفیت کے سبب سے لوگوں کو بے التفاتی تھی۔ وہ دور ہو جائے اور دوم یہ کہ جو مذہبی شکوک و شبہات ان کی وجہ سے پھیل رہے تھے ان کا ازالہ ہو جائے" (معارف ۶؎ ج ۲ ص ۲۴۳)

امام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ ہی نے سب سے پہلے فقہ کے خادم کی حیثیت سے اپنی کتاب "المستصفیٰ" میں منطق کا استعمال فرمایا۔ اور پھر منطق ہماری کتابوں میں سرایت کرتی چلی گئی۔ اسی طرح فلسفہ نے علم کلام و تصوف و دیگر علوم میں بار پالیا۔ اس طرح فلسفہ و منطق ہمارے دینی نصاب میں داخل ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ دور غزالیؒ سے پہلے بھی دینی علوم تھے۔ جو فلسفہ و منطق کے بغیر اپنی حیات آفریں تعلیمات سے انسانیت کو زندگی بخش رہے تھے۔ عوارض زمانہ کی وجہ سے امام غزالیؒ اور دیگر علماء کرام نے ان علوم عقلیہ کو داخل درس کیا، مقصود دین کی خدمت، حمایت یا لا دینی علوم سے حفاظت تھی۔ تاہم کسی دور میں بھی علمائے ربانیین نے ان علوم کو بالذات دینی علوم نہیں سمجھا، اور نہ اصل دین کا ان پر مدار جانا۔ عوارض کی بنا پر ان کی ضرورت مسلم سمجھی گئی۔ جب بھی وہ عوارض باقی نہیں رہیں گے ان کی ضرورت نہیں رہے گی۔ یا جس قدر عوارض کم ہو جائیں گے۔ اسی کے بقدر ان کی ضرورت میں کمی ہو جائے گی، یہی وجہ ہے، کہ ہر دور میں فلسفہ و منطق اور دیگر علوم عقلیہ و معاشی

کے نصاب اور کتابوں میں کمی بیشی اور تغیر و تبدل ہوتا رہا جیسے یہ انسانی علوم ہر دم تغیر پذیر ہیں۔ اسی طرح ان کے "مادۂ علم و متن" میں تبدیلی ہوتی رہی اور آئندہ بھی ہوتی رہے گی۔ اور یہ ایک فطری حقیقت و عملی ضرورت بھی ہے کہ ارتقاء پذیر اور ہر آن متبدل علوم کے نصاب میں تبدیلی ہوتی رہے، چنانچہ اہل نظر سے یہ بات مخفی نہیں کہ ہمارا نصاب تعلیم بے شمار مراحل و تغیرات سے گزرا۔ چونکہ مسلمانوں کے دور عروج میں دینی اور دنیاوی تعلیم کی تفریق نہ تھی اور ایک ہی نصاب رائج تھا۔ اس لیے ہمارا نصاب تعلیم مختلف ادوار و مختلف مقامات میں تھوڑے فرق کے ساتھ ساتھ علوم معاد و علوم معاش (جس میں علوم عقلیہ بھی شامل تھے) دونوں پر مشتمل تھا۔

آج سے تقریباً دو سو سال پہلے ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اس زمانے کی دینی و دنیاوی ضرورتوں کو دیکھ کر جو نصاب تعلیم مرتب فرمایا۔ اسے کچھ ایسی مقبولیت نصیب ہوئی کہ ہند و پاک کے اکثر مدارس میں درس نظامی کے نام سے تقریباً وہی نصاب نافذ ہے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہ دور جو تغیرات کی تیز رفتاری کا سب سے بڑا دور ہے، درس نظامی اپنی بنیادوں پر قائم ہے۔ اس طرح اصول کے اعتبار سے غالباً اسلامی تاریخ کا معمر ترین نصاب ہے۔ جو تغیر و تبدل کی انقلابی بنیادی تبدیلیوں سے محفوظ چلا آ رہا ہے، علوم دینیہ کی بحث تو علاحدہ ہے لیکن "علوم عقلیہ" کی جو عمارت قائم کر دی گئی تھی، زمانہ کے علی الرغم وہ انھیں بنیادوں پر مضبوط سے مضبوط تر اور بلند سے بلند تر ہوتی گئی، مثلاً منطق کو لیجیے۔ ملا نظام الدین صاحبؒ نے جو کتابیں نصاب میں رکھی تھیں۔ وہ فقط سلم العلوم، میرزاہد اور ملا جلال تھیں۔ لیکن حوادث زمانہ کی وجہ سے ان کی تعداد پندرہ تک پہنچ گئی، جو کسی نہ کسی صورت میں مختلف مدارس میں رائج ہیں۔[1]

---

[1] علامہ حکیم سید عبد الحئی صاحبؒ نزہۃ الخواطر اپنے رسالہ "ہندوستان کا نصاب درس اور اس کے تغیرات" میں ارقام فرماتے ہیں:۔

"اس زمانے میں جو نصاب رائج ہے، وہ درس نظامیہ کی بگڑی ہوئی صورت ہے، کیونکہ درس نظامی میں منطق میں مندرجہ ذیل کتابوں کا اضافہ بغیر غور و فکر کے خود بخود ہو گیا ہے، غلام یحییٰ، ملا حسن، حمد اللہ، قاضی مبارک اور بعض مقامات پر شرح سلم عبد العلی بحر العلوم اور حاشیہ عبد العلی بر میرزاہد رسالہ، اور

(باقی اگلے صفحہ پر)

یہی حال حکمت، ہیئت و فلسفہ اور قدیم ریاضیات کا ہے، ظاہر ہے کہ جس دور میں یہ نصاب تجویز کیا گیا تھا، اس دور کی دینی اور دنیوی ضروریات کے لیے کافی تھا۔ اور طلبہ کی استعدادوں کو جلا بخشتا اور اس دور کے تقاضوں کو پورا کرتا تھا اور وقت کا مفید نصاب تھا۔ یہ اس کا کمال ہی تو تھا کہ دو سو سال تک بے شمار فقید المثال نابغۂ روزگار علمی شخصیتوں کو پیدا کرتا رہا۔ اور اب بھی اگر زمانے کے اثرات و ضرورتوں نے نئے تقاضے پیدا نہ کر دیے ہوتے اور اساتذہ و طلبہ تک کا رنگ نہ بدل گیا ہوتا۔ تو اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن دور حاضر نے بے شمار نئے تقاضے پیدا کر دیے۔ طبیعتوں میں انقلاب آ گیا۔ اذواق و افکار بدل گئے۔ نئے علوم، نئی معلومات، نئی طبیعیات، جدید ریاضیات، جدید اکتشافات و ایجادات نے فکر و نظر میں تبدیلی پیدا کر دی۔ اور دنیا کا رنگ کچھ سے کچھ ہو گیا۔ بقول

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

کہیں کہیں شرح سلم ملا مبین بھی۔

اس اضافہ کی تاریخ بہت دلچسپ ہے مولوی محمد فاروق صاحب چریاکوٹی اپنے استاذ مفتی محمد یوسف سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے بچپن میں شرح سلم علی العموم رائج نہیں تھی بلکہ قاضی مبارک کے شاگرد مولوی بدن وغیرہ اپنے شاگردوں کو سلم کے ساتھ شرح سلم قاضی مبارک بھی پڑھاتے تھے اور ملا حسن کے شاگرد شرح سلم ملا حسن پڑھاتے تھے اور بحر العلوم کے خاندان میں شرح سلم بحر العلوم رائج تھی۔ اور حمد اللہ کے تلامذہ اپنے استاد کی شرح پڑھاتے تھے۔ پڑھانے میں ایک دوسرے پر نوک جھونک بھی ہوتی جاتی تھی۔ اس لیے ایک دوسرے کی کتاب کا دیکھنا ضروری تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ یہ سب کتابیں درس میں داخل ہو گئیں۔ جن کو ہم اگر کہنا چاہیں تو صحیح طور پر ناخواندہ مہمان یا سبزۂ خودرو سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

...... (اسی طرح) منطق کی کتابیں ضرورت سے بہت زیادہ ہو گئی ہیں۔ شروع سے لیجیے تو صرف پندرہ کتابیں صرف منطق کی اس نصاب میں ہیں۔ صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی، قال اقول، میزان منطق، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی، میر قطبی، ملا حسن، حمد اللہ، میر زاہد رسالہ، غلام یحییٰ، میر زاہد، ملا جلال، قاضی مبارک ...... منطق کی کتابیں جو درس میں داخل ہیں ان میں غلط بحث ہے۔ (صفحہ ۲۲، ۲۳)

سید الملتؒ :

"اب یورپ کے اثر سے دنیا میں انقلاب آگیا ہے، یونانی علوم عقلیہ کا جو بچہ اب سمندر بن گیا ہے، اب نئے علوم، نئے مسائل اور نئی تحقیقات ہیں، اور جو پرانے علوم بھی ہیں۔ وہ بڑھ کر اب بحر ناپیدا کنار ہو گئے ہیں۔ ریاضیات کو چھوڑ کر علوم عقلیہ کا جو سرمایہ صرف شفا، اشارات اور نجات کے چند اوراق میں محدود تھا۔ اور ایک ایک علم ایک ایک فصل میں آجاتا تھا۔ اب بڑھ کر دفتر اور کتب خانہ ہو گیا ہے۔ طبعیات، حرکیات، سکونیات، ہوائیات، معدنیات، حیوانیات، نفسیات، بشریات وغیرہ جن کی بحثیں گذشتہ زمانہ میں چند صفحوں سے زیادہ نہ تھیں، اب وہ مستقل علوم ہو گئے ہیں۔ (معارف صـ ۲۴۳ ج ۵۴)

ایسی حالت میں کیا قدیم عقلی علوم اور اس کے قدیم نصاب پر اکتفا، کفایت کر سکتا ہے؟ ضرورت ہے، کہ عقلی علوم کے نصاب کا پورے غور و فکر سے جائزہ لیا جائے۔ اور جو کتابیں ہمارے دینی علوم کے قدیم ذخیرہ سے استفادہ کے لیے کلیۃً لابدی نہیں ہیں۔ انھیں خارج کر دیا جائے۔ مثلاً منطق و قدیم فلسفہ و ہئیت کی تعلیم اسی قدر نصاب میں شامل ہو۔ جو ہماری دینی کتب میں ان علوم کی مصطلحات کو سمجھنے کے لیے کافی ہو۔ جو طلبہ قدیم فلسفہ و منطق وغیرہ سے دلچسپی رکھتے ہوں، ان کے لیے علاحدہ کتابیں "تخصص" کے درجہ میں رکھی جا سکتی ہیں، عام طلبہ کو اس کا پابند نہ بنایا جائے۔ مزید برآں متاخرین کی منطق مشکل موجز کتابوں کی بجائے متقدمین کی کتابوں کو ترجیح دی جائے۔ اور ان کی تعداد بھی ضرورت کے بقدر ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ قدیم فلسفہ و منطق و ہئیت وغیرہ کی اصطلاحات و طرز اگر ہمارے دینی علوم فقہ و کلام وغیرہ کی کتابوں میں سرایت نہ کر گیا ہوتا، تو اس "دفتر پارینہ" کو محض "یادگار قدیم" کی حیثیت سے گوارا کیا جاتا۔ لیکن چونکہ دینی علوم کے ذخائر بھی ان سے کلیۃً محفوظ نہیں رہے، اس لیے ترمیم و اصلاح کے ساتھ ان علوم کی ایک دو جامع کتابیں ہی نصاب میں برداشت کی جا سکتی ہیں۔ لیکن جس کثرت سے متاخرین کی کتابیں ہمارے نصاب میں داخل ہو چکی ہیں۔ ان کا جواز سمجھ میں نہیں آتا۔ اس دراز نفسی کا مدعا یہ ہے کہ معقولات کے علوم میں حک و ترمیم و اضافہ کا عمل

اس طرح اختیار کیا جائے کہ اولاً جن علوم کی دورِ حاضر میں ازبس ضرورت نہیں رہی، ان علوم کی کتابوں کو اس حد تک نصاب میں باقی رکھا جائے کہ قدیم دینی وعلمی وفنی ذخائرِ کتب سے استفادہ کی استعداد و قوت باقی رہے۔ اور چونکہ طبائع میں وہ پہلی سی ہمت وجفاکشی، محنت و جستجو اور ذوقِ علم نہیں رہا۔ اس لیے اصل فن اور مغزِ سخن پر مشتمل ایسی کتابوں کو داخلِ نصاب کیا جائے جو ژولیدگیِ بیان، خلطِ مبحث، تعقیداتِ لفظی، دوراز کار ابحاث، گنجلک وانتہائی موجز ومغلق عبارات سے پاک ہوں۔ دِقت و نکتہ آفرینی کے بجائے سہولت و وضوح ضرورتِ وقت بھی ہے، اور اعلم الناس نفسیاتِ بشری کے سب سے بڑے رمز آشنا حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ عالی

یسروا ولا تعسروا — آسانی پیدا کرو لوگوں کو دشواری میں نہ ڈالو

(بخاری شریف جلد ۲ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم یسروا ولا تعسروا الخ۔ ص ۹۰۲)

کی تعمیل بھی۔

موجودہ نصاب میں علوم عقلیہ پر اس ژولیدہ بیان کو دک نادان کی یہ چند گزارشات تھیں۔ اب آگے علوم عربیہ اور علوم دینیہ کے بارے میں عرض کرنا ہے۔ (جاری)

محمد منظور نعمانی

اللہ کی ایک بندی

بعض ناظرین کو ضرور یاد ہوگا کہ اب سے دو سال پہلے اپریل ۵۹ء کے شمارے میں "نگاہِ اولیں" ہی کے صفحات میں "اللہ کی ایک بندی" کا (جو طویل مدت سے مریض اور صاحبِ فراش تھیں) ایک خط شائع ہوا تھا جس میں انھوں نے اپنا حال لکھا تھا اور دعا کی درخواست کی تھی۔ اس خط سے چونکہ خود یہ عاجز راقم سطور بہت متاثر ہوا تھا اور وہ میرے لیے سبق آموز ثابت ہوا تھا اور امید تھی کہ دوسروں کے لیے بھی ایسا ہی سبق آموز ہوگا، اس لیے اس کو الفرقان میں شائع کیا گیا تھا ــــ خط کا متن یہ تھا:-

محترم آبا جی[1] دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ، امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔ الحمد للہ کریم آقا نے جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کا میں شکر ادا نہیں کر سکتی...... آبا جی! میرے اللہ نے جو تکلیفیں مجھے عطا فرمائی ہیں وہ بھی نعمت ہیں، مگر یہ نعمت میں اب برداشت نہیں کر پا رہی ہوں اب میں بالکل پلنگ پر لیٹ چکی ہوں، کمزوری بہت ہوگئی ہے، کھانسی بہت شدت سے ہے، بات نہیں کر پاتی۔ اور مختلف عوارض ہو چکے ہیں، تلاوت ذکر وغیرہ بالکل چھوٹ چکے ہیں۔ دنیا میں اپنا حال دیکھ رہی ہوں، آخرت کا حال معلوم نہیں۔ میں کریم آقا سے اپنے ایک ایک گناہ کی معافی مانگتی ہوں، کریم آقا سے پوری امید کرتی ہوں کہ میرے اوپر فضل فرمائیں گے اور مجھ کو اپنے فضل و کرم سے معاف فرمائیں گے، خاتمہ بخیر فرمائیں گے۔

---

[1] یہ بیچاری بہن اپنی اور میری عمر کے فرق کے لحاظ سے مجھے خطوط میں "آبا جی" سے مخاطب کرتی تھیں۔ یہ اُن کی سعادت مندی تھی ورنہ کوئی قرابت داری نہیں تھی، وہ میرے ایک مخلص دوست کی اہلیہ تھیں۔ نعمانی

ابا جی! میرے پاس تو کوئی بھی عمل ایسا نہیں ہے جو بارگاہ الٰہی میں پیش کر سکوں ...... میرے لیے خدا کے واسطے دعا فرمائیے کہ میرا خاتمہ بخیر ہو اور جب تک زندہ رہوں دنیا میں بھی عافیت نصیب ہو اور آخرت میں بھی عافیت نصیب ہو...... کبھی کبھی ماہ گذر جاتے ہیں میں غسل نہیں کر پاتی، آخرت میں میرا کیا حشر ہوگا، میں ہر وقت اپنے گناہوں کی معافی مانگتی ہوں، بعض وقت دل بہت گھبرا جاتا ہے اور بہت رونا آتا ہے کہ میری بداعمالیوں کا کیا ہوگا، اللہ تعالیٰ میرے ساتھ کرم کا معاملہ فرمائے۔ خاتمہ بخیر فرما دے، بڑی تمنا ہے خاتمہ بخیر ہونے کی۔

میرے اللہ مجھے معاف فرما دیجیے" ــــ ابا جی! پھر عرض کرتی ہوں میرے لیے دعا فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ مجھ پر رحم فرما دے ــــ والسلام

یہ خط جب شائع کیا گیا تھا تو اِن خاتون کے بارے میں یہ بھی ظاہر کر دیا گیا تھا کہ یہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم سے بیعت ہیں۔ اس خط کے بعد دو سال وہ اس دنیا میں رہیں، اور اللہ کی مشیت کہ برابر مریض اور سخت ترین تکلیفوں میں مبتلا رہیں ــــ اُن کے اس طرح کے خطوط وقتاً فوقتاً اس عاجز کے پاس آتے رہے ــــ آخری خط ابھی چند روز پہلے آیا تھا، اس میں انھوں نے مرض کی شدت اور کئی ایک تکلیفوں کا ذکر کر کے لکھا تھا کہ اب صبر بہت مشکل ہو رہا ہے۔ اس خط میں قبر اور آخرت کے بارے میں اپنی فکر کا بہت ہی موثر اور سبق آموز انداز میں ذکر کیا تھا۔ اور دعا کے لیے لکھا تھا۔ (افسوس کہ وہ خط محفوظ نہیں رہا)

۱۸ فروری کو اللہ کی یہ بندی ہماری اس دنیا سے عالم آخرت کی طرف منتقل ہو گئیں ــــ ہم میں سے ہر ایک کے آخری انجام اور اُخروی حال کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے۔ لیکن اس بندی کے جو غیر معمولی حالات گھر والوں سے خاصکر اُن کے شوہر سے معلوم ہوئے اُن سے اندازہ ہوتا ہے کہ دینی لحاظ سے وہ بہت بلند مقام خاتون تھیں ــــ اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے اور اپنے کریمانہ قانون کے مطابق یہاں کی ہر تکلیف و اذیت کے بدلہ جنّت کی راحتیں نصیب فرمائے۔

مدیر

محمد منظور نعمانی

ممالک غیر سے سالانہ
بحری ڈاک سے ۲ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ
ایک شمارہ کی قیمت ہندوستان میں
۱/۵۰

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

چندہ سالانہ
ہندوستان سے ۱۵/-
پاکستان سے ہندوستانی سکہ میں ۲۵/-
بنگلادیش سے ۱۶/-

جلد (۴۹) بابت اپریل ۱۹۸۱ء مطابق جمادی الاول ۱۴۰۱ھ شمارہ (۴)

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں، جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اسکی اطلاع اگلے مہینے کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ پچیس روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ روانہ فرمائیں۔ پاکستانی سکہ میں چالیس روپے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجدیں۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۱۔ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

عتیق الرحمٰن سنبھلی (مقیم لندن)

آج کے یہ مجتہد دانشور :-

پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے اسی ذیل میں شراب کی خرید و فروخت بھی ممنوع قرار دے دی گئی ہے۔ اس پر ایک درخواست لاہور ہائی کورٹ میں گزری ہے کہ حکومت کی عائد کردہ یہ پابندی غلط ہے۔ کیونکہ قرآن میں شراب کو حرام تو کہا نہیں گیا ہے، صرف اجتناب کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

یہ خبر فروری کے دوسرے ہفتے کی ہے۔ اور اس سے چند روز پہلے کی بات ہے کہ ایک ملنے والے صاحب نے فون کیا کہ کیا شراب کے بارے میں جو آیتیں قرآن میں ہیں ان میں حرام کا لفظ نہیں آیا ہے؟ ــــــ میں نے پوچھا خیریت تو ہے، بات کیا ہے؟ کہنے لگے ایک صاحب کہتے ہیں کہ بس زیادہ سے زیادہ حکم "اجتناب" کا آیا ہے۔ حرام نہیں کہا گیا ہے ــــــ میں نے کہا ہاں حرام کا لفظ تو مجھے بھی یاد نہیں آتا ــــــ کہا اچھا ذرا دیکھ لیجیے گا۔ میں پھر ٹیلیفون کروں گا۔ چنانچہ چند دن بعد پھر فون آیا اور میں نے کہا ہاں بھئی حرام کا لفظ تو نہیں ہے۔ مگر یہ بتائیے کہ بات صرف لفظ کی ہے یا معنیٰ کی بھی؟ کہا بات معنیٰ ہی کی ہے۔

اور اب معلوم ہوا کہ یہ بات کسی ایک آدمی کی اُپج نہیں تھی کافی عام ہے، کیا لندن

اور کیا لاہور، سب ایک ہی حال میں ہیں۔ بلکہ لاہور والے اور کبھی آگے نکلے کہ اسلامی قانون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ لندن میں تو صرف آپسی گفتگو تھی۔

اور ابھی دو مہینے پہلے کی بات ہے پاکستان ہی کی ایک "دانشور" نے یہاں لندن یونیورسٹی میں اسلام پر خطبات کے ایک سلسلے میں اپنا خطبہ دیا تو اس میں اس بات پر خصوصیت سے زور تھا کہ اسلام میں اجتہاد کا حق ہر شخص کو ہونا چاہیے، علما تک محدود کر دینے ہی سے ساری خرابی ہو رہی ہے۔

اور یہ شراب سے متعلق لاہور ہائی کورٹ میں دی گئی جس درخواست کا ذکر آیا ہے وہ غالباً اس بات کو سمجھنے کے لیے ایک اچھی مثال ہے کہ اگر ان دانشور حضرات کے لیے بھی دین میں اجتہاد کا حق تسلیم کر لیا جائے جنھوں نے دین کا علم اس طرح باقاعدہ حاصل نہیں کیا ہے جس طرح کوئی علم اپنے خاص قاعدے اور ضابطے سے حاصل کیا جاتا ہے تو ان کے اجتہادات الا ماشاء اللہ ایسے ہی گل کھلائیں گے کہ شراب کے حکم میں حرام کا لفظ نظر نہیں آتا تو شراب حرام نہیں رہی۔ خواہ مخواہ لوگوں نے چودہ سو برس سے حرام ٹھیرا رکھی تھی۔

اور یورپ کے فیض سے ذہنوں میں شکوک و شبہات کو قبول کر لینے کا مادّہ اتنا پیدا ہو گیا ہے کہ ادھر کوئی شیطانی شوشہ چھوٹا اور ادھر لوگوں کے لیے قابل توجہ بن گیا کہ ارے کہیں واقعہ ایسا ہی تو نہیں ہے؟ صدیوں سے کوئی خواہ مخواہ کی غلط فہمی ہی تو نہیں چلی آ رہی تھی؟ جبکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ بات بالکل اس کے برعکس ہوتی کہ جب ایک بات چودہ سو برس (یعنی ابتدائے اسلام) سے قرآن اور تعلیم نبوی ہی کی روشنی میں پوری امت میں متفقہ طور سے مانی ہوئی چلی آ رہی ہے تو غلطی ادھر ہونے کا کوئی سوال نہیں غلطی اگر ہے تو آج کے دانشور کی رائے میں ہے۔ کیونکہ پوری امت دین کے معاملے میں ایسی غلطی پر متفق نہیں ہو سکتی۔ اس بات کا امکان اگر تسلیم کر لیا جائے تو دین کی ہر بات مشکوک ہو کر رہ جائے گی۔ پس شراب کی حرمت کے معاملے میں بھی سب سے بڑی دلیل یہی ہے کہ پوری امت اسے از روئے قرآن پہلے دن سے حرام ہی جانتی چلی آ رہی ہے۔ اس لیے کوئی سوال نہیں کہ یہ از روئے قرآن کچھ اور ہو۔ ایک مومن کے لیے بلکہ ہر عقل و شعور رکھنے والے کے لیے بھی یہ بات بالکل

کافی ہونی چاہیے۔

لیکن جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا تھا کہ پروردگار! بے شک مانتا ہوں، دل سے مانتا ہوں کہ تو مردوں کو زندہ کرے گا، مگر ذرا یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیسے کرے گا! ــــ تو اس طرح کے اطمینان خاطر کے طالبوں کے لیے چند باتیں حوالۂ قلم کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) قرآن مجید میں شراب کے لیے حرام کا لفظ بیشک استعمال نہیں کیا گیا (اور شاید اس لیے استعمال نہیں کیا گیا کہ صرف اس لفظ سے اس کی پوری خباثت اور حرمت کی شدت ظاہر نہیں ہو سکتی تھی) بلکہ وہ لفظ استعمال کیا گیا جس سے اس کی حرمت کی شدت اور انتہائی خباثت پوری طرح ظاہر ہو جائے ــــ سورۂ مائدہ آیت ۹۰ میں شراب کو چند اور ایسے ہی شدید محرمات کے ساتھ "رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ" فرمایا گیا ہے۔ "رجس" کے معنی ناپاک اور پلید کے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو چیز ناپاک اور پلید ہو وہ صرف حرام نہیں بلکہ شدید درجہ کی حرام ہے ــــ سورۂ انعام کی آیت ۱۴۵ میں "لَحْمُ الْخِنْزِيرِ" (سؤر کے گوشت) کی حرمت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے "فَإِنَّهُ رِجْسٌ" (یعنی سؤر کا گوشت اس لیے حرام کیا گیا ہے کہ وہ "رجس" ہے (نجس اور پلید ہے) ــــ تو یہی "رجس" کا لفظ شراب کے لیے بولا گیا ہے ــــ اور سورۂ حج آیت ۳۰ میں بت پرستی کی خباثت ظاہر کرنے کے لیے یہی لفظ (رجس) بولا گیا ہے۔ فرمایا گیا ہے "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْأَوْثَانِ ... الآیہ" (یعنی بت پرستی کی ناپاکی اور پلیدی سے دور رہو) بہرحال جس شخص میں قرآن پاک سمجھنے کی ذرا بھی صلاحیت اور اہلیت ہو وہ "رجس" کے لفظ سے سمجھ سکتا ہے کہ قرآن نے شراب کو صرف حرام نہیں بلکہ اَشَدّ حرام، ناپاک و پلید اور شیطانی کام قرار دیا ہے۔

اس کی دوسری مثال زنا کی حرمت کا مسئلہ ہے۔ قرآن مجید میں زنا کے لیے بھی کہیں حرام کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا (شاید اسی لیے کہ صرف حرام کے لفظ سے اس کی شدید شناعت اور خباثت ظاہر نہ ہوتی) بلکہ فرمایا گیا

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَسَاءَ سَبِيلًا (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۳۲)

اور زنا کے پاس بھی نہ جاؤ وہ بڑی گندی بے حیائی کی بات اور بری راہ ہے

اس آیت میں زنا کو "فاحشہ" فرمایا گیا ہے ــــ دوسری جگہ سورۂ نور میں اس گناہ کے کرنے والے کو کم سے کم سزا کے طور پر سو کوڑے لگانے کا حکم دیا گیا ہے۔ (اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ..... الآیة" النور ۲)

بہرحال شراب کی طرح زنا کے لیے بھی قرآن مجید میں کہیں حرام کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا لیکن قرآن کی زبان سمجھنے والا ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس نے اس کو "فاحشہ" قرار دے کر اور اس کی کم سے کم سزا سو کوڑے مقرر کر کے زنا کو صرف حرام نہیں بلکہ شدید وخبیث درجہ کا حرام گناہ اور جرم عظیم قرار دیا ہے۔

(۳) اس سلسلہ میں دوسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ قرآن مجید کو سمجھنے اس کی تشریح وتعبیر اور اس کے احکام بیان کرنے کا سب سے پہلا حق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جن پر وہ نازل ہوا، خود قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (النحل ۴۴)

اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کو (وہ نصائح اور احکام) بتلائیں جو ان کے لیے نازل کیے گئے ہیں۔

(اس کے علاوہ بھی متعدد آیات میں کتاب اللہ کے مطالب ومضامین کی تعلیم وتبیین رسول اللہ کی خاص ذمہ داری قرار دی گئی ہے) ــــ اب دیکھیے کہ شراب کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن سے کیا سمجھا اور امت کو کیا بتلایا۔

(۱) جامع ترمذی میں مشہور صحابی حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جب سورۂ مائدہ کی وہ آیات نازل ہوئیں جن میں شراب کو "رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ" بتلایا گیا ہے اور اس سے اجتناب کا حکم دیا گیا ہے، تو اس وقت میرے زیر کفالت ایک بیچارے یتیم کی ملکیت میں کچھ شراب تھی اس کے بارے میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ وہ میری ملکیت نہیں ہے، بلکہ ایک یتیم کی ملکیت ہے

اُس کا کیا کیا جائے؟ تو آپ نے فرمایا اَهْرِيقُوْهُ (اس کو بہا دو، پھینک دو)

(۲) اور اسی جامع ترمذی اور سنن ابی داؤد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مشہور انصاری صحابی حضرت ابو طلحہ نے حضور سے دریافت کیا کہ چند یتیم بچے (جو میری کفالت میں ہیں) میں نے ان کے لیے اور اُن کے حساب میں کچھ شراب خریدی تھی (تو اب جبکہ اس کو قرآن میں "رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ" فرمایا گیا ہے تو اس کا کیا کیا جائے؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اهرق الخمر واكسر الدنان (اس شراب کو بہا دو، پھینک دو، اور وہ جن مٹکوں میں ہے ان کو بھی توڑ پھوڑ دو۔)

یہ انتہائی سخت اور بے لچک حکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے دیا کہ قرآن پاک میں شراب کو صرف حرام نہیں بلکہ "رجس" (ناپاک اور پلید) قرار دیا گیا ہے۔

شراب کی حرمت اور شدید حرمت کے بارے میں ذخیرہ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتنے ارشادات ہیں جن کو اگر جمع کیا جائے تو پوری کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ اس وقت راقم سطور کے سامنے صرف "مشکوٰۃ المصابیح" ہے اسی سے چند حدیثیں اور نقل کی جاتی ہیں۔

(۳) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "كل شراب اسكر فهو حرام" (ہر مشروب جو نشہ آور ہو وہ حرام ہے۔)
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(۴) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "كل مسكر خمر و كل مسكر حرام" (ہر نشہ آور مشروب شراب ہے اور ہر نشہ آور حرام ہے)۔ (صحیح مسلم)

(۵) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ علاقہ یمن کے ایک شخص نے ایک خاص قسم کی شراب کے بارے میں جو اُس علاقے میں استعمال ہوتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا "كل مسكر حرام" (ہر نشہ آور چیز حرام ہے)۔ (صحیح مسلم)

(۶) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا- "کل مسکر حرام" (ہر نشہ آور چیز حرام ہے)۔ (سنن ابی داؤد)

(۷) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام" (جو چیز زیادہ مقدار میں نشہ آور ہوتی ہو اس کی کم مقدار بھی حرام ہے۔) (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

(۸) حضرت دَیلَم حمیری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم لوگ بہت ٹھنڈے علاقے کے رہنے والے ہیں اور وہاں ہم کو سخت محنت کرنی پڑتی ہے، اور ہم لوگ گیہوں سے ایک قسم کی شراب تیار کرتے ہیں، اس کو استعمال کر کے ہم علاقہ کی شدید سردی اور سخت محنت مشقت برداشت کر لیتے ہیں۔ حضورؐ نے مجھ سے دریافت فرمایا کیا وہ نشہ لاتی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں اس سے نشہ ہوتا ہے، توآپ نے فرمایا "فاجتنبوہ" (پھر اس کا استعمال نہ کرو) حدیث کے راوی دیلم حمیری کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ "ان الناس غیر تارکیہ" (علاقہ کے لوگ اس کو چھوڑیں گے نہیں) توآپ نے ارشاد فرمایا "ان لم یترکوہ قاتلوھم" (یعنی اگر وہ اس کا استعمال چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوں تو اُن سے جنگ کرو، ان کے خلاف طاقت استعمال کرو۔) (سنن ابی داؤد)

(۹) حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند حرام وناجائز چیزوں کا ذکر فرماتے ہوئے آخر میں شراب کے بارے میں فرمایا

وحلف ربی عزوجل بعزتی لا یشرب	اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت وجلال کی قسم کے
عبد من عبادی جرعۃ من خمر	ساتھ فیصلہ فرمایا ہے کہ میرا جو بندہ شراب کا
الا سقیتہ من الصدید مثلہا	ایک گھونٹ بھی پیے گا میں اس کو دوزخیوں
ولا یترکہا من مخافتی الا	کی اتنی ہی پیپ ضرور بالضرور پلاؤں گا،
سقیتہ من حیاض القدس	اور جو بندہ صرف میرے خوف سے اس کو چھوڑ دیگا میں اسکو جنت کے قدسی حوضوں سے شراب

(مسند احمد)

(۱۰) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

مدمن الخمر ان مات لقی اللہ تعالیٰ کعابد وثن

پر شراب پینے والا جب مریگا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے اسکی پیشی بت پرست مشرک کی طرح ہوگی۔

ان حدیثوں کے سامنے آجانے کے بعد کسی مومن و مسلم بلکہ عقل و ہوش رکھنے والے کسی بھی انسان کو اس میں شبہ نہیں ہوسکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں قرآن مجید سے یہی سمجھا تھا کہ وہ صرف حرام نہیں بلکہ انتہائی خبیث اور شدید درجہ کی حرام ہے، ناپاک اور پلید ہے اور اس کے پینے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت ترین عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہے ـــــ اور یہ سب قرآن پاک کے لفظ "رجس من عمل الشیطان" کی گویا تفسیر و تشریح ہے ـــــ پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ جو چند حدیثیں یہاں صرف "مشکوٰۃ المصابیح" سے نقل کی گئی ہیں یہ ان حدیثوں کا چوتھائی حصہ بھی نہیں ہے جو شراب سے متعلق حدیث نبوی کے ذخیرہ میں محفوظ ہیں۔

اسلام میں شراب کا حرام ہونا ایسا مسئلہ ہے جس کو ہر وہ غیر مسلم بھی جانتا ہے جس کو اسلام کے بارے میں کچھ بھی واقفیت ہے ـــــ لیکن ہمارے اس دور میں خود مسلمانوں میں ایسے دانشور پیدا ہو رہے ہیں جو ایسے مسلّمہ مسئلوں کو بھی عدالت میں چیلنج کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں ـــــ یہ لوگ اگر دماغ کے مریض اور ماؤف العقل نہیں ہیں تو حیرت انگیز ہے اُن کی یہ جسارت۔

یہ کبھی ایسا نہیں کرسکتے کہ باقاعدہ طب اور ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کیے بغیر شفاخانہ کھول کر بیٹھ جائیں اور مریضوں کا علاج کرنے لگیں ـــــ یا قانون کی باضابطہ تعلیم حاصل کیے بغیر کسی عدالت میں پہنچکر ایک وکیل اور بیرسٹر کی طرح کسی کیس کی پیروی اور قانونی بحث کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں ـــــ وہ جانتے ہیں کہ ایسا کریں گے تو جیل خانے یا پاگل خانے بھیجدیے جائیں گے ـــــ لیکن انھیں اطمینان ہے کہ قرآن اور علوم اسلامیہ سے بے بہرہ ہونے کے باوجود اگر وہ قرآن اور اسلام کو طرح طرح کے اپنے دانشورانہ اجتہادات کا تختۂ مشق بنائیں گے تو یہاں اُن سے کوئی بازپرس نہ کی جاسکے گی

انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ۔

محمد منظور نعمانی

معارف الحدیث (مسلسل)

دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، نہی عن المنکر

امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تاکید اور اس میں کوتاہی پر سخت تہدید (۲)

عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ فِيْ قَوْمٍ يَعْمَلُ فِيْهِمْ بِالْمَعَاصِيْ يَقْدِرُوْنَ عَلَىٰ اَنْ يُّغَيِّرُوْا عَلَيْهِ وَلَا يُغَيِّرُوْنَ اِلَّا اَصَابَهُمُ اللهُ بِعِقَابٍ قَبْلَ اَنْ يَّمُوْتُوْا ــــــ رواہ ابوداؤد وابن ماجہ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ کسی قوم (اور جماعت) میں کوئی آدمی ہو جو ایسے اعمال کرتا ہو جو گناہ اور خلاف شریعت ہیں اور اس قوم اور جماعت کے لوگ اس کی قدرت اور طاقت رکھتے ہوں کہ اس کی اصلاح کر دیں اور اس کے باوجود وہ اصلاح نہ کریں (اسی حال میں اس کو چھوڑے رکھیں) تو ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ مرنے سے پہلے کسی عذاب میں مبتلا فرمائے گا۔　　(سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ استطاعت اور قدرت کے باوجود غلط کار اور بگڑے ہوئے لوگوں کا

اصلاح وہدایت کی کوشش نہ کرنا اور بے پروائی کا رویہ اختیار کرنا اللہ کے نزدیک ایسا گناہ ہے جس کی سزا آخرت سے پہلے اس دنیا میں بھی دی جاتی ہے۔ اللّٰھم اغفرلنا وارحمنا ولا تعذبنا!

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِاَهْلِهَا فَقَالَ يَا رَبِّ اِنَّ فِيْهِمْ عَبْدَكَ فُلَانًا لَمْ يَعْصِكَ طَرْفَةَ عَيْنٍ قَالَ تَعَالٰى اَقْلِبْهَا عَلَيْهِ وَعَلَيْهِمْ فَاِنَّ وَجْهَهٗ لَمْ يَتَمَعَّرْ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ ـــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں بستی کو اس کی پوری آبادی کے ساتھ الٹ دو! جبرئیل نے عرض کیا خداوندا اس شہر میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پل جھپکنے کے برابر بھی کبھی تیری نافرمانی نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اس بستی کو اس بندے پر اور اس کے دوسرے سب باشندوں پر الٹ دو کیونکہ کبھی ایک ساعت کے لیے بھی میری وجہ سے اس بندے کا چہرہ متغیر نہیں ہوا۔

(شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے کسی زمانہ کا یہ واقعہ بیان فرمایا کہ کوئی بستی تھی جس کے باشندے عام طور سے سخت فاسق فاجر تھے اور ایسی بداعمالیاں کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کے قہر وجلال کا باعث بن جاتی ہیں ـــــ لیکن اسی بستی میں ایک ایسا بندہ بھی تھا جو اپنی ذاتی زندگی کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کا پورا فرمانبردار تھا اور اس سے کبھی معصیت سرزد نہیں ہوئی تھی، مگر دوسری طرف اس کا حال یہ تھا کہ بستی والوں کے فسق وفجور اور ان کی بداعمالیوں پر کبھی اس کو غصہ بھی نہیں آتا تھا اور اس کے چہرے پر شکن بھی نہیں پڑتی تھی ـــــ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بھی اس درجہ کا جرم تھا کہ جبرئیل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بستی کے فاسق فاجر باشندوں کے ساتھ اس بندے پر بھی بستی کو

الرشاد — اللہ تعالیٰ اس حدیث سے عبرت حاصل کرنے اور سبق لینے کی توفیق دے۔

عَنِ الْعُرْسِ بْنِ عَمِيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا عُمِلَتِ الْخَطِيْئَةُ فِي الْأَرْضِ مَنْ شَهِدَهَا فَكَرِهَهَا كَانَ كَمَنْ غَابَ عَنْهَا وَمَنْ غَابَ عَنْهَا فَرَضِيَهَا كَانَ كَمَنْ شَهِدَهَا۔

(رواہ ابو داؤد (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت عُرس بن عَمیرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب کسی سرزمین میں گناہ کیا جائے تو جو لوگ وہاں موجود ہوں اور اس گناہ سے ناراض ہوں تو (اللہ کے نزدیک) وہ اُن لوگوں کی طرح ہیں جو وہاں موجود نہیں ہیں (یعنی اُن سے اس گناہ کے بارہ میں کوئی بازپرس نہ ہوگی) اور جو لوگ اس گناہ والی سرزمین میں موجود نہوں مگر اس گناہ سے راضی ہوں وہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو وہاں موجود تھے (اور گویا شریک گناہ تھے)۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس باب کی دوسری حدیثوں کی روشنی میں حضور کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہوگا کہ جن لوگوں کے سامنے اللہ و رسول کے احکام اور شریعت کے خلاف کام کیے جائیں وہ اگر اُن سے ناراض ہوں اور حسب استطاعت اصلاح و تغیر کی کوشش کریں ورنہ کم از کم دل ہی میں اس کے خلاف جذبہ رکھیں تو خواہ ان کی ناراضی اور کوششوں کا کوئی اثر نہو اور معصیتوں کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے تب بھی ان سے کوئی بازپرس نہو گی (بلکہ وہ انشاء اللہ ماجور ہوں گے) اور جن لوگوں کو ان خلاف شریعت کاموں سے ناگواری اور ناراضی بھی نہ ہو وہ اگرچہ گناہوں کی جگہ سے دور ہوں پھر بھی وہ مجرم ہوں گے اور شریک گناہ سمجھے جائیں گے — اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کی روشنی میں ہم اپنا احتساب کریں۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُدْهِنِ فِي حُدُوْدِ اللّٰهِ وَالْوَاقِعِ فِيْهَا مَثَلُ قَوْمٍ اِسْتَهَمُوْا

سَفِينَةً فَصَارَ بَعْضُهُمْ فِي أَسْفَلِهَا وَصَارَ بَعْضُهُمْ فِي أَعْلَاهَا
فَكَانَ الَّذِي فِي أَسْفَلِهَا يَمُرُّ بِالْمَاءِ عَلَى الَّذِينَ فِي أَعْلَاهَا
فَتَأَذَّوْا بِهِ فَأَخَذَ فَأْسًا فَجَعَلَ يَنْقُرُ أَسْفَلَ السَّفِينَةِ فَأَتَوْهُ
فَقَالُوا مَا لَكَ؟ قَالَ تَأَذَّيْتُمْ بِي وَلَا بُدَّ لِي مِنَ الْمَاءِ فَإِنْ
أَخَذُوا عَلَى يَدَيْهِ نَجَّوْهُ وَنَجَّوْا أَنْفُسَهُمْ وَإِنْ تَرَكُوهُ أَهْلَكُوهُ وَ
أَهْلَكُوا أَنْفُسَهُمْ ——— رواه البخاری (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مثال ان لوگوں کی جو اللہ کی حدود اور اس کے احکام کے بارے میں مداہنت (یعنی سہل انگاری اور ڈھیلے پن) سے کام لیتے ہیں اور وک ٹوک نہیں کرتے، اور ایسے لوگوں کی جو خود اللہ کی حدود کو پامال اور اس کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں، ایک ایسے گروہ کی سی مثال ہے جو باہم قرعہ اندازی کرکے ایک کشتی پر سوار ہوا تو کچھ لوگوں نے کشتی کے نیچے کے درجہ میں جگہ پائی اور کچھ نے اوپر والے درجہ میں ——— تو نیچے کے درجہ والا آدمی پانی لے کر اوپر کے درجہ والوں پر سے گزرتا تھا، اُس سے انھوں نے تکلیف محسوس کی (اور اس پر ناراضی کا اظہار کیا) تو نیچے کے درجہ والے نے کلہاڑا لیا اور لگا سوراخ کرنے کشتی کے نیچے کے حصے میں (تاکہ نیچے ہی سے دریا سے براہِ راست پانی حاصل کرلے اور پانی کے لیے اوپر آنا جانا نہ پڑے) تو اوپر کے درجہ والے اس کے پاس آئے اور کہا کہ تم کو کیا ہوگیا ہے؟ (یہ کیا کر رہے ہو؟) اُس نے کہا کہ (پانی کے لیے میرے آنے جانے سے) تم کو تکلیف ہوئی (اور تم نے ناراضی کا اظہار کیا) اور پانی تو (زندگی کی) ناگزیر ضرورت ہے (میں دریا سے پانی حاصل کرنے کے لیے یہ سوراخ کر رہا ہوں ———
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) تو اگر یہ کشتی والے اُس آدمی کا ہاتھ پکڑ لیں (اور اس کو کشتی میں سوراخ نہ کرنے دیں) تو اس کو بھی ہلاکت سے بچالیں گے اور اپنے کو بھی، اور اگر اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے (اور کشتی میں سوراخ کرنے

دیں گے، تو اس کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیں گے اور اپنے کو بھی (سب ہی غرقاب ہو جائیں گے) (صحیح بخاری)

(تشریح) حدیث کی بقدر ضرورت تشریح ترجمہ ہی کے ضمن میں کر دی گئی ہے، بڑی ہی عام فہم اور سبق آموز مثال ہے ——— حدیث کا پیغام یہ ہے کہ جب کسی بستی یا کسی گروہ میں اللہ کی حدود پامال کی جاتی ہوں اور اس کے احکام کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہوتی ہو، وہ بداعمالیاں ہوتی ہوں جو خداوند ذوالجلال کے قہر و عذاب کو دعوت دیتی ہیں، تو اگر اُن میں کے اچھے اور نیک لوگ اصلاح و ہدایت کی کوئی کوشش نہیں کریں گے تو جب خدا کا عذاب نازل ہو گا تو یہ بھی اس کی لپیٹ میں آ جائیں گے، اور ان کی ذاتی نیکی اور پرہیز گاری ان کو نہ بچا سکے گی ——— قرآن پاک میں بھی فرمایا گیا ہے "وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً وَاعْلَمُوْا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝ (الانفال ع ۲۵)

(اور اس عذاب سے ڈرو اور بچنے کی کوشش کرو، جو صرف ظالموں، مجرموں ہی پر نہیں آئے گا۔ اور خوب جان لو کہ اللہ کی سزا بڑی ہی سخت ہے۔)

کن حالات میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ذمہ داری ساقط ہو جاتی ہے؟

عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ فِي قَوْلِهِ تَعَالٰى "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ" قَالَ أَمَا وَاللّٰهِ سَأَلْتُ عَنْهَا خَبِيرًا، سَأَلْتُ عَنْهَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَلِ ائْتَمِرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَتَنَاهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ حَتّٰى إِذَا رَأَيْتَ شُحًّا مُطَاعًا وَهَوًى مُتَّبَعًا وَدُنْيَا مُؤْثَرَةً وَإِعْجَابَ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهِ فَعَلَيْكَ بِخَاصَّةِ نَفْسِكَ وَدَعِ الْعَوَامَّ فَإِنَّ مِنْ وَرَائِكُمْ أَيَّامًا الصَّبْرُ فِيهِنَّ مِثْلُ الْقَبْضِ عَلَى الْجَمْرِ لِلْعَامِلِ فِيهِنَّ مِثْلُ أَجْرِ خَمْسِينَ رَجُلًا يَعْمَلُونَ مِثْلَ عَمَلِكُمْ ——— رواه الترمذی

حضرت ابو ثعلبہ خشنی سے روایت ہے انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ارشاد "یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا عَلَیْکُمْ أَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ إِذَا اهْتَدَیْتُمْ" کے بارہ میں (ایک صاحب کے سوال کے جواب میں) فرمایا کہ میں نے اس آیت کے بارہ میں اُس ہستی سے پوچھا تھا جو (اس کے مطلب اور مدعیٰ سے اور اللہ کے حکم سے) سب سے زیادہ باخبر تھی، (یعنی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ (اس آیت سے غلط فہمی میں نہ پڑو) بلکہ تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر برابر کرتے رہو ـــــ یہاں تک کہ جب (وہ وقت آجائے کہ) تم دیکھو کہ بخل اور دولت اندوزی کے جذبہ کی اطاعت کی جاتی ہے، اور (اللہ و رسول کے احکام کے مقابلہ میں) اپنی نفسانی خواہشات کا اتباع کیا جاتا ہے اور (آخرت کو فراموش کرکے) بس دنیا ہی کو مقصود بنا لیا گیا ہے اور ہر شخص خود رائی اور خود بینی کا مریض ہے۔ (تو جب عام لوگوں کی حالت یہ ہو جائے) تو اس وقت بس اپنی ذات ہی کی فکر وا ور عوام کو چھوڑ دو (ان کا معاملہ خدا کے حوالے کرو) کیونکہ تمہارے بعد میں ایسا دور بھی آئے گا کہ صبر اور ثابت قدمی (کے ساتھ دین پر قائم رہنا اور شریعت پر چلنا) ایسا (مشکل اور صبر آزما) ہوگا جیسا ہاتھ میں انگارہ لے لینا۔ ان دنوں میں شریعت پر عمل کرنے والوں کو تمہاری طرح عمل کرنے والے پچاس آدمیوں کے برابر اجر و ثواب ملے گا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے ایک تابعی (ابو امیہ شعبانی) نے سورۂ مائدہ کی اسی آیت ۱۲۵ کے متعلق جس کے بارہ میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا ارشاد اوپر گزر چکا ہے۔ سوال کیا تھا، تو انھوں نے یہ جواب دیا کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارہ میں دریافت کیا تھا (کیونکہ اس کے ظاہری الفاظ سے یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اگر ہم خود اللہ و رسول کی ہدایت کے مطابق چل رہے ہیں تو دوسرے لوگوں کے دین کی فکر اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہماری ذمہ داری نہیں ہے۔) ـــــ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ جواب ارشاد فرمایا جو حدیث میں مذکور ہوا جس کا

حاصل یہ ہے کہ اپنے دین کی فکر کے ساتھ دوسرے بندگان خدا کے دین کی فکر اور اس سلسلہ میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی دینی فریضہ اور خداوندی مطالبہ ہے اس لیے اس کو برابر کرتے رہو ——— ہاں جب امت کا حال یہ ہو جائے کہ بخل و کنجوسی اس کا مزاج بن جائے اور دولت کی پوجا ہونے لگے، اور اللہ و رسول کے احکام کے بجائے بس خواہشات نفس کا اتباع کیا جانے لگے۔ اور آخرت کو بھلا کر دنیا ہی کو مقصود بنا لیا جائے اور خود بینی اور خود رائی کی وبا عام ہو جائے تو اس بگڑی ہوئی فضا میں چونکہ امر بالمعروف اور نہی منکر کی تاثیر و افادیت اور عوام کی اصلاح پذیری کی امید نہیں ہوتی اس لیے چاہیے کہ بندہ عوام کی فکر چھوڑ کے بس اپنی ہی اصلاح اور معصیت سے حفاظت کی فکر کرے۔

آخر میں حضور نے فرمایا کہ بعد میں ایسے دور بھی آئیں گے جب دین پر قائم رہنا اور اللہ و رسول کے احکام پر چلنا ہاتھ میں آگ لینے کی طرح تکلیف دہ اور صبر آزما ہوگا ——— ظاہر ہے کہ ایسے حالات میں خود دین پر قائم رہنا ہی بہت بڑا جہاد ہوگا۔ اور دوسروں کی اصلاح کی فکر اور اس سلسلہ میں امر بالمعروف و نہی المنکر کی ذمہ داری باقی نہیں رہے گی۔ ——— اور ایسی ناموافق فضا اور سخت حالات میں اللہ و رسول کے احکام پر صبر و ثابت قدمی کے ساتھ عمل کرنے والوں کے بارہ میں آپ نے فرمایا کہ اُن کو بچاس بچاس تمھارے جیسے عمل کرنے والوں کی برابر اجر و ثواب ملے گا۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانویؒ کی محفل ارشاد

انتخاب و تلخیص ——— مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

ذکر ہوا کہ ایسا ہوا ہے کہ بعض لوگوں کو مشائخ نے اجازت بیعت کرنے کی دیدی حالانکہ کامل نہ ہوئے تھے۔ فرمایا ہاں ایسا ہوتا ہے۔

خلافت کے بارہ میں فرمایا کہ میں تو دو باتیں دیکھ لیتا ہوں ایک نسبت تامہ، اور یہ کہ اس کو دھن لگی ہوئی ہو۔ اور کمال میرے نزدیک یہی ہے۔ میں نے جس کسی کو اجازت دی ہے بے ساختہ کہتا ہوں کہ خوب ان دونوں باتوں کو دیکھ لیا ہے۔ میں جلدی نہیں کرتا ہوں جب تقاضائے غیبی قلب میں آتا ہے تب اجازت دیتا ہوں۔ اپنے نزدیک پوری تحقیق کر لیتا ہوں اور میں نے اس کی ضرورت سمجھی کہ ان خلفاء کے نام چھاپ دیا کروں تاکہ بعد میں کوئی غیر شخص مدعی نہ ہو سکے۔ چنانچہ چھپتے رہتے ہیں۔

فرمایا رسالہ صراط مستقیم میں دو طریق مذکور ہیں سلوک کے ——— سلوک نبوت اور سلوک ولایت ——— سلوک نبوت مولانا اسمٰعیل صاحب (شہید) کا لکھا ہوا ہے، اور سلوک ولایت مولانا عبدالحئی صاحب (بڈھانوی) کا۔

فرمایا ہمارے بعض حضرات کی نظر بھی بہت وسیع تھی، جیسے مولانا محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ ایک ہزار کتابیں میں نے دیکھی ہیں۔ مولانا ہر وقت کتاب دیکھا کرتے تھے اور ذکی اس قدر تھے کہ کوئی گھنٹہ دو گھنٹے چادر اوڑھ لے تو اس کو سونگھ کر بتا دیتے تھے کہ فلاں نے اوڑھی ہے یا عورت نے ——— پھر ایک دفعہ مولانا گھوڑے سے گر گئے تھے

۱۲۸۱ھ میں مطبع ہاشمی میرٹھ سے نکلا۔

یہاں مثنوی مولانا روم کے چند شعر اور ان کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے، جس سے ترجمہ کے حسن اور معنویت کا اندازہ ہوگا۔

فارسی مثنوی	ترجمہ
بعد ازیں خوں ریز درماں ناپذیر	اس بلا کے بعد جو تھی لادوا
کاندر افتاد از بلائے آں وزیر	یعنی تزویر وزیر پر دغا
یک شہ دیگر ز نسل آں جہود	اک ہوا پیدا یہودی بادشاہ
در ہلاک قوم عیسیٰؑ رو نمود	قوم عیسیٰؑ کو لگا کرنے تباہ
گر خبر خواہی ازیں دیگر خروج	چاہے ہو اس حال پر تجھ کو عروج
سورہ برخواں والسماء ذات البروج	پڑھ لے سورہ والسماء ذات البروج
سنت بد کز شہ اول بزاد	جو طریقہ پہلے نے جاری کیا
ایں شہ دیگر قدم بروے نہاد	دوسرا بھی راہ پر اس کی چلا
ہر کہ او بنہاد ناخوش سنتے	جس نے یہاں جاری کیا ایک کام بد
سوئے او نفریں بود ہر ساعتے	لائق نفریں ہوا وہ تا ابد

مولانا کی طبع زاد مثنویوں میں پہلی مثنوی "بحر الحقیقت" ہے، "بحر الحقیقت" بڑی پر تاثیر اور عارفانہ مثنوی ہے۔ اس میں مثنوی مولانا روم کے طرز پر تمثیلی حکایتوں کے ذریعہ آدمی کو اس کی زندگی کا مقصد یاد دلایا گیا ہے۔ اس مثنوی کی ابتدا ان اشعار سے ہوتی ہے۔

اے خدا اے قادر بے چون و چند	تیرے قبضے میں ہے سب پست و بلند
اے خدا مطلوب جان عاشقاں	کمتریں بخشش تری دونوں جہاں
اے خدا اے خالق ارض و سما	درد سے اپنے مجھے شیدا بنا

یہ مثنوی سنہ بارہ سو بچاس میں لکھی گئی، اور انہی ایام میں شائع ہوئی۔ مطبع قادری میرٹھ سے اس کا ایک ایڈیشن ۱۲۶۶ھ/۱۸۵۰ء میں چھپا تھا مگر یہ پہلا ایڈیشن نہیں ہے یہ مثنوی اس سے پہلے بھی شائع ہو چکی تھی۔

---

[1] صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات محمد عتیق صدیقی صفحہ ۲۲۳ علی گڑھ ۱۹۶۲ء)

مولانا کی مشہور ترین مثنوی "مثنوی گلزار ابراہیم" ہے، اس مثنوی کو مصنف نے مثنوی بحر الحقیقت کا دوسرا دفتر قرار دیا ہے، تقریباً ساڑھے تین ہزار اشعار کی یہ مثنوی ۱۲۵۱ھ میں لکھی گئی، اس میں حضرت ابراہیم بن ادہم کا مشہور زمانہ واقعہ نظم کیا گیا ہے، حضرت ابراہیم کے والد ماجد حضرت ادہم کے بلخ کی شہزادی پر عاشق ہونے کی داستان سے مثنوی شروع ہوتی ہے، اس واردات محبت کی مفصل سرگزشت، پھر اس فقیر بے نوا ادہم کا بادشاہ بلخ ہونا ان کے صاحبزادے ابراہیم کی پیدائش، ان کی تخت نشینی اور اور آخر میں ابراہیم ابن ادھم کے تخت و تاج چھوڑ کر جذب و معرفت کی دنیا میں گم ہو جانے کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

مصنف نے مزے لے لے کر یہ فسانۂ محبت دہرایا ہے، وہ اس کہانی کو بیان کرتے ہوئے ڈوب ڈوب کر ابھرتے ہیں، اور ہر مرتبہ عرفان الٰہی اور حق شناسی کے دُرِّ نایاب لیکر آتے ہیں، اور چھوٹی چھوٹی بظاہر بے حقیقت باتوں سے عجیب نتائج اخذ کرتے ہیں، اور اس قصہ کے ایک ایک جز میں معرفت کا سبق اور عشق و محبت کی چاشنی تلاش کر لیتے ہیں، یہی درس عشق قصۂ ابراہیم سے اب ابراہیم کی طرف لے جاتا ہے، یہاں پہنچکر قاری مادی چیزوں کی بے ثباتی و بے وقعتی اور عشق الٰہی کی خاص کیفیت محسوس کرتا ہے، اور یہی اس مثنوی کا خاص مقصد ہے۔

اس مثنوی کے ذریعہ بہت سے اہل حق معرفت کے کوچہ سے روشناس ہوئے۔ اور سینکڑوں اشخاص کو علم باطن کی دولت ملی، "گلزار ابراہیم" کے اس خاص وصف کا اکابر علماء، اور ممتاز مشائخ نے برملا اعتراف کیا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ۔

"مجھے اس طریق معرفت و سلوک کا ذوق اسی مثنوی سے پیدا ہوا"[۱]

مثنوی گلزار ابراہیم مصنف کی حیات میں کئی بار شائع ہوئی، اور آج تک برابر چھپ رہی ہے، اس کے بے شمار ایڈیشن نکلے اور ہاتھوں ہاتھ لیے گئے، سینکڑوں قلمی نقلیں تیار ہوئیں اور ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئیں، برصغیر ہند و پاک اور یورپ کے متعدد کتب خانوں میں

---

[۱] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ص۳۵ (دوسرا ایڈیشن)

اس کے قلمی نسخے موجود ہیں۔
یہاں یہ اطلاع مناسب ہوگی کہ مذکورہ بالا تینوں مثنویوں کے خطی نسخے مصنف کے قلم سے ہمارے ذخیرہ کتب میں موجود ہیں۔
"مثنوی سمجھ بوجھ" دو سو دو شعروں کی یہ مثنوی گلزار ابراہیم کی طرح مفید و موثر ہے، اس کی سطر سطر میں عشق الٰہی کی لہریں جوش مارتی ہیں۔ یہ مثنوی عرصہ تک سلوک کے ابتدائی نصاب میں داخل رہی۔ مشائخ اپنے مریدین کو اس کو ورد میں رکھنے کی ہدایت و تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اس مثنوی کی ابتدا ان اشعار سے ہوتی ہے:۔

خدا کی حمد کر اے اہل غفلت — کہ تا نازل ہو تجھ پر اس کی رحمت
جو اس کے خوف سے توبہ کرے گا — اسے جنت میں گھر بے شک ملے گا
کرے جو نعت احمد صدق دل سے — خدا عقبیٰ میں راحت اس کو بخشے
وہ مقبول خدائے ذوالمنن ہے — شفیع عاصیاں وہ بے سخن ہے
سب اس کی آل اور اصحاب ہیں نیک — وحید العصر ہے ان میں سے ہر ایک

اور خاتمۂ کلام ان اشعار پر ہوا ہے:۔

سمند خامہ کی اپنی عناں روک — خموشی ہے بھلی کام و زباں روک
سمجھ تجھ تو بھی اس کے مدعا کو — سمجھ بوجھ اس کا ہے نام لے خدا جو

یہ مثنوی پہلی بار مطبع احمدی دہلی سے ۱۲۰۰ھ میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد مختلف مطابع نے متعدد ایڈیشن شائع کیے، غالباً تیس چالیس سال سے اس کا کوئی ایڈیشن نہیں آیا ہے۔
مثنوی خنجر عشق۔ مولانا حسن کی اس مثنوی کا کوئی نسخہ ہماری نظر سے نہیں گزرا ہے، یہ مثنوی ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء میں سعادت یار خاں رنگین کی مثنوی چار باغ کے حاشیہ پر چھپی۔ اس ایڈیشن کے سرورق پر یہ عبارت تھی:۔

"تصنیف سعادت یار خاں رنگین مسماۃ بہ چار باغ، و دیگر مثنوی طبع زاد مولوی ابوالحسن صاحب معروف بہ خنجر عشق۔ حسب فرمائش محمد نظام الدین سوداگر ساکن کول، در مطبع مصطفائی محمد حسن خاں طبع نمود"[1]

---

[1] صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات از جناب محمد عتیق صدیقی ص ۱۹۹ (علی گڑھ ۱۹۶۲ء)

ڈاکٹر گیان چند جین کے قول کے مطابق اس مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے:۔

پہلے ہے حمد خداوند جہاں جس نے سب پیدا کیا کون و مکاں[1]

مولانا ابوالحسن کو حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی سے بے انتہا عقیدت و محبت اور ان کی تحریک جہاد سے بڑی دلچسپی اور گہری وابستگی تھی، مولانا نے حضرت سید صاحب کی سفر حج سے واپسی کے موقعہ پر ایک "طویل قصیدہ" پیش کیا تھا، اور ایک منظوم "رسالہ جہادیہ" بھی تحریر فرمایا تھا، قصیدہ مولانا کے قلم سے ان کی بیاض میں ہے[2] اور رسالہ جہادیہ جناب غلام رسول مہر نے جماعت مجاہدین میں نقل کیا ہے[3]

مولانا ابوالحسن کی بعض یادداشتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے اپنے اردو اور فارسی کلام کے دو دیوان مرتب کیے تھے۔ ان دونوں کا کوئی سراغ نہیں مل سکا، تاہم مولانا کی بیاض میں ان کے کلام کا کچھ حصہ محفوظ ہے۔

مولانا حسن کی نثری تالیفات میں دو کتابوں کا سراغ ملتا ہے: "حل الغوامض" اور "رسالہ بحران" اول الذکر عربی میں تھی دوسری فارسی میں ہے۔

"حل الغوامض" فرائض (میراث) کے موضوع پر نہایت ضخیم اور جامع کتاب تھی مولانا محمد سلیمان کاندھلوی نے اس کا سنہ تالیف ۱۲۲۰ھ بیان کیا ہے[4] اگر ان کی یہ اطلاع درست ہے تو اس سے مولانا حسن کی اعلیٰ علمی استعداد اور ذہنی صلاحیت کا علم ہوتا ہے۔ اس تالیف کے وقت مولانا حسن کی عمر انیس بیس سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ اس عمر میں فرائض کے مشکل موضوع پر ضخیم کتاب کی تالیف ان کی قابلیت و بصیرت کی گواہ ہے۔

---

[1] اردو مثنوی شمالی ہند میں۔ ڈاکٹر گیان چند جین ص۲۰۵ (علی گڑھ ۱۹۶۹ء)

[2] اس قصیدہ کے منتخب اشعار مولوی جعفر تھانیسری نے سوانح احمدی ص۹۲ تا ص۹۶ (سادھورہ) میں جناب غلام رسول مہر نے سید احمد شہید ص۲۴۲ تا ص۲۴۳ جلد اول میں، اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے سیرت سید احمد شہید ص۳۴۶ تا ص۳۵۰ جلد اول (لکھنؤ، ۱۳۷۹ھ) میں نقل کیے ہیں۔

[3] جماعت مجاہدین ص۲۹۹ تا ص۳۰۰ (لاہور)

[4] حالات مفتی الٰہی بخش تالیف و تحریر مولانا محمد سلیمان کاندھلوی م ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء

فرائض پر مولانا کی گہری نظر کا اس تحریر سے بھی اندازہ ہوتا جو مولانا نے حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے ایک فتویٰ میراث کی تصحیح کے لیے لکھی تھی، یہ تحریر حضرت قاضی صاحب کو بھیجی اور درست سہامات سے مطلع کیا، حضرت قاضی صاحب نے اس اصلاح کو قبول فرمایا، قاضی صاحب کا فتویٰ، اس پر استدراک، اور قاضی صاحب کا رجوع، یہ تمام تحریرات مولانا ابوالحسن نے حل الغوامض میں نقل فرمائی ہیں۔ اس اہم کتاب کا کوئی نسخہ ہمارے علم میں نہیں ہے۔

رسالہ بحران ۔ طب یونانی میں بحران کی بحث مشکل اور دقیق بحث سمجھی جاتی ہے، اسکی تحقیق و توضیح کسی ایک کتاب میں نہیں ملتی تھی۔ طب پڑھنے والے اس بحث کی تحقیق و تفصیل کے لیے مولانا ابوالحسن سے رجوع کرتے تھے۔ مولانا نے اس بحث پر معلومات کی کمیابی کو محسوس کیا اور یہ کتاب تالیف فرمائی۔ مولانا نے کتاب کی تمہید میں لکھا ہے کہ:

"اکثر دوستوں کو طب کی تعلیم کا ذوق ہے اور وہ اپنے شبہات دور کرنے کے لیے میرے پاس آتے ہیں، خصوصاً بحران کے سبب، اس کے علاج، اور اس کی تفصیلات معلوم کرنے کا ہر ایک کو شوق ہے، مگر اس کے متعلق انھیں اطمینان اور صحیح معلومات حاصل نہیں ہوتے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک کسی نے بحران کے مسائل کی تحقیق اور اس کے مباحث کی وضاحت نہیں کی، اس لیے اس بے بضاعت نے اس کی تحقیق شروع کی اور کتب متداولہ جیسے سدیدی، نفیسی، نزہۃ الارواح، اور ذخیرہ خوارزم شاہی سے رجوع کیا، اور بعض مباحث کی تحقیق علم ہیئت، علم طبعیات، اور علم ریاضی کے ذریعہ حاصل کی۔ اور والد ماجد مولانا مفتی الٰہی بخش سے اس کے متعلق جو کچھ سنا تھا وہ سب بھی اس تالیف میں جمع کر دیا ہے۔ امید اہل علم کو پسند آئے گی۔"[۱]

اس کتاب میں مصنف نے بحران کی علامات و کیفیات، بحران پیدا ہونے کے اسباب، اس کا موسم اور اس کے علاج پر مفصل بحث کی ہے۔ یہ اہم کتاب غالباً کبھی شائع نہیں ہوئی، مگر کثرت نقل سے بڑی حد تک اشاعت نہ ہونے کے نقصان کی تلافی ہو گئی ہے، مصنف کا نسخہ ہمارے ذخیرہ کتب میں محفوظ ہے۔

---

[۱] اصل عبارت فارسی میں ہے، یہاں اس مقفیٰ اسجع عبارت کا مفہوم پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کریم الدین پانی پتی نے مولانا حسن کی تالیفات مثنوی بحر الحقیقت، اور گلزار ابراہیم کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے :۔

"سننے میں آیا ہے کہ ان کی تصنیف سے اور رسالے بھی اردو میں ہیں" [۱]

مگر اس تحقیق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ان رسائل سے "مثنوی جدو جہد" اور "غنچۂ عشق" مراد ہیں یا کچھ اور بھی رسالے تھے جو ہم تک نہیں پہنچے ؟

تلامذہ

مولانا کے یہاں کم و بیش بیس سال تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر حیرت ہے کہ مولانا کے کسی شاگرد کا تذکرہ نہیں ملتا۔ صرف حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مثنوی مولانا روم میں تلمذ کی روایت ملتی ہے، حضرت حاجی صاحب نے مثنوی کے بعض حصے مولانا سے پڑھے تھے، حضرت حاجی صاحب کا ارشاد ہے :۔

"میں نے مثنوی شریف تین بار حضرت مولانا عبد الرزاق پر عرض کی اور تحقیق بعض مقامات کی مولوی ابو الحسن کاندھلوی سے کی" [۲]

اور مولانا ہدایت اللہ فارسی سورتی کو حضرت مولانا سے اجازت حدیث حاصل تھی۔ [۳]

مولانا ابو الحسن نے ۱۲ر جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ/۲۲ر مارچ ۱۸۵۳ء بروز چہارشنبہ کاندھلہ میں وفات پائی۔ اور اپنے والد ماجد کے قریب دفن ہوئے۔ [۴]

---

[۱] طبقات الشعرائے ہند مولوی کریم الدین ص۴۳۳ (دہلی ۱۸۴۷ء)

[۲] شمائم امدادیہ ص۱۰۰ (لکھنؤ ۱۳۱۴ھ) امداد المشتاق ص۹۱ (تھانہ بھون ۱۳۹۰ھ)

[۳] مولانا ہدایۃ اللہ بن عبد اللہ حنبلی فارسی سورتی ۱۲۵۰ھ میں پیدا ہوئے، مختلف نامور علماء سے تعلیم حاصل کی اور اس دور کے مشہور علما کی ایک بڑی جماعت سے اجازت حدیث حاصل کی۔ متعدد زبانوں سے اہل زبان کی طرح واقف تھے۔ عرب ملکوں، یورپ امریکہ وغیرہ کی سیاحت کی ۱۳۳۵ھ میں حیدرآباد (دکن) میں وفات ہوئی۔ نزہۃ الخواطر ص۵۲۲/۸۔

[۴] سفینۂ رحمانی عبد الرحمن حیرت جھنجھانوی ص۴۳ (لکھنؤ ۱۸۸۳ء) تذکرہ مفتی الٰہی بخش فارسی اشامل اختتام مثنوی مولانا روم (کانپور) نزہۃ الخواطر ص۱۰/۷ (حیدرآباد ۱۳۷۹ھ) اور حالات مشائخ کاندھلہ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی (دہلی) میں مولانا ابو الحسن کے مختصر حالات ملجاتے ہیں۔

دینی تعلیم اور عصری تقاضے

(از حضرت مولانا محمد اشرف خاں ایم اے صدر شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی)

(۷)

علوم عربیہ علوم معاد یا علوم دینیہ کے لیے عربی، بنیاد کا درجہ رکھتی ہے، علوم قرآنیہ ہوں یا علوم حدیث۔ علوم فقہ ہوں یا دیگر علوم دینیہ میں امعان نظر، کمال و رسوخ بغیر علوم و لغات عربیہ اور فنون ادب کی مہارت کے ممکن نہیں۔ معمولی عربی دانی ایک درجہ تک مفید رہ سکتی ہے لیکن قرآن کریم (جس کی صفت "قرآناً عربیاً" اور جس کی شان "لا تنقضی عجائبہ" ہے) کے حقائق و معارف، اس کا اعجاز، وجوہ اعجاز اور ان کا اثبات، اس کے الفاظ و محاورات و معانی، اس کی بلاغت، اس سے احکام و مسائل کا استخراج و استنباط بغیر علوم عربیہ اور ادبیات عربیہ کی مہارت کے ممکن نہیں۔ ہمارے حضرۃ الاستاذ علامہ محمد یوسف البنوری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے شیخ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا یہ قول نقل فرماتے تھے، کہ میری اعجاز القرآن پر تقریر وہی سمجھ سکتا ہے جسے جاہلی شعراء کے دس ہزار اشعار یاد ہوں"۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قرآن دانی کے لیے عربی ادب و لغت و زباں دانی کی کس قدر ضرورت ہے؟ یہی حال دوسرے علوم دینیہ کا ہے، کہ فنون ادب میں مہارت اور عربی زباں دانی کے کمال کے بغیر ہر قدم پر لغزش پا کا اندیشہ ہے، جس کی مثالیں اس دور میں کمیاب نہیں۔ اسی طرح عربی میں موثر تصنیف و تالیف بغیر زباندانی، مہارت فن اور ادیبانہ مہارت کے مشکل ہے۔ اس لیے "دینی نصاب تعلیم" کا تصور عربی کی اعلیٰ و عمیق تعلیم کے بغیر ممکن نہیں۔ مزید برآں موجودہ دور میں جبکہ تمام دنیا مواصلات کی آسانی و کثرت کی وجہ سے انتہائی قریب ہو گئی ہے اسلامی ممالک کے درمیان عربی زبان نے ایک عالمگیر

مشترک زبان کی حیثیت حاصل کر لی ہے۔ علماء کے لیے قدیم عربی میں دسترس بلکہ جدید اور روزمرہ کی عربی میں تقریر و تحریر و محادثہ میں لیاقت بھی ضروری ہو گئی ہے، کہ اگر قدیم عربی زبان و فنون ادب میں مہارت "علوم دینیہ" میں کمال و رسوخ کے لیے لابدی و لازمی ہے تو جدید عربی "عرب ممالک" سے تعلقات اور ان جدید الفاظ و زبان کو جاننے کے لیے ضروری ہے جنھیں تمدنی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی تقاضوں نے وجود بخشا ہے، اور جنھیں ضروریات زندگی کی نئی چیزوں، نئے آلات، نئے طریقوں، جدید علوم و فنون نے جنم دیا ہے، جدید دور میں رہتے ہوئے دین و دعوت کے عالمگیر تقاضوں و ذمہ داری کے پیش نظر علماء کے لیے "جدید عربی" ایک اہم ضرورت بن چکی ہے، زباندانی کا ابلاغ میں جو مقام ہے، اہل نظر اس سے ناواقف نہیں۔ افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثین کے لیے زبان و کلام کی تنگ دامانی عذر نہیں بن سکتی۔ غرض عربی قدیم ہو یا جدید اس میں مہارت اور فنون ادب میں دسترس دینی تعلیم کا ایک اہم تقاضا ہے، مدعا یہ ہے کہ نصاب تعلیم میں عربی زبان و ادب، انشا و تحریر، خطابت و تقریر، محادثہ و تکلم کو وہ اہمیت و مقام دیا جائے۔ جو وقت کی ضرورت و تقاضا ہے" تاہم یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہیے کہ بقول سید الملۃ قدس سرہٗ "ادبی و لسانی عربی ہماری دینی تعلیم و مدارس کا مقصود بالذات نہیں بلکہ بالعرض ہے" مقصود تو علوم دینیہ ہیں۔ اور یہ ادبیات ان کی رونق کا سامان اور علوم دینیہ کی تحریر و تقریر، تالیف و تصنیف، اظہار و بیان کا آلہ، ظاہر ہے کہ آلہ کو ذی آلہ اور اصل کا مقام نہیں دیا جا سکتا، غرض صرف رسوخ علم دین اور خدمت دین ہے، دیگر ہیچ ؎

غرض ز مسجد و میخانہ ام وصال شماست
جز این خیال ندارم خدا گواہ من است

یہاں یہ بات بھی بے محابا واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ "دور زوال" کے ادب اور مقاماتی طرز نگارش" سے بھی جتنا جلد رہائی پا سکیں بہتر ہوگا۔ اہل علم سے مخفی نہیں کہ "احادیث نبویہ" کا اسلوب بیان، فصحائے عرب کا طرز کلام، خطبائے عرب کے خطبات اپنے اندر جو برنائی، شیرینی، فصاحت و بلاغت و جاذبیت و تاثیر رکھتے ہیں بلکہ

۱۲۸۱ھ میں مطبع ہاشمی میرٹھ سے نکلا۔

یہاں مثنوی مولانا روم کے چند شعر اور ان کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے جس سے ترجمہ کے حسن اور معنویت کا اندازہ ہو گا۔

ترجمہ	فارسی مثنوی
اس بلا کے بعد جو تھی لا دوا	بعد ازیں خوں ریز درماں ناپذیر
یعنی تزویر وزیر پر دغا	کاندر افتاد از بلائے آں وزیر
اک ہوا پیدا یہودی بادشاہ	یک شہ دیگر ز نسل آں جہود
قوم عیسیٰؑ کو لگا کرنے تباہ	در ہلاک قوم عیسیٰؑ رو نمود
چاہیے ہو اس حال پر تجھ کو عروج	گر خبر خواہی ازیں دیگر خروج
پڑھ لے سورہ والسما ذات البروج	سورہ برخواں والسماء ذات البروج
جو طریقہ پہلے نے جاری کیا	سنت بد کز شہ اول بزاد
دوسرا بھی راہ پر اس کی چلا	ایں شہ دیگر قدم بروے نہاد
جس نے یہاں جاری کیا ایک کام بد	ہر کہ او بنہاد ناخوش سنتے
لائق نفریں ہوا وہ تا ابد	سوئے او نفریں بود ہر ساعتے

مولانا کی طبع زاد مثنویوں میں پہلی مثنوی "بحر الحقیقت" ہے، "بحر الحقیقت" بڑی پر تاثیر اور عارفانہ مثنوی ہے۔ اس میں مثنوی مولانا روم کے طرز پر تمثیلی حکایتوں کے ذریعہ آدمی کو اس کی زندگی کا مقصد یاد دلایا گیا ہے۔ اس مثنوی کی ابتدا ان اشعار سے ہوتی ہے۔

تیرے قبضے میں ہے سب پست و بلند	اے خدا اے قادر بے چون و چند
کھینچ کشش تیری دونوں جہاں	اے خدا مطلوب جان عاشقاں
درد سے اپنے مجھے شیدا بنا	اے خدا اے خالق ارض و سما

یہ مثنوی سنہ بارہ سو بچاس میں لکھی گئی، اور انہی ایام میں شائع ہوئی، مطبع قادری میرٹھ سے اس کا ایک ایڈیشن ۱۲۶۵ھ/۱۸۵۰ء میں چھپا تھا مگر یہ پہلا ایڈیشن نہیں ہے یہ مثنوی اس سے پہلے بھی شائع ہو چکی تھی۔

ملہ صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات محمد عتیق صدیقی ص ۲۲۳ علی گڑھ ۱۹۶۲ء

مولانا کی مشہور ترین مثنوی "مثنوی گلزار ابراہیم" ہے، اس مثنوی کو مصنف نے مثنوی بحر الحقیقت کا دوسرا دفتر قرار دیا ہے، تقریباً ساڑھے تین ہزار اشعار کی یہ مثنوی [125] میں لکھی گئی، اس میں حضرت ابراہیم بن ادہم کا مشہور زمانہ واقعہ نظم کیا گیا ہے، حضرت ابراہیم کے والد ماجد حضرت ادہم کے بلخ کی شہزادی پر عاشق ہونے کی داستان سے مثنوی شروع ہوتی ہے، اس واردات محبت کی مفصل سرگزشت، پھر اس فقیر بے نوا ادھم کا بادشاہ بلخ ہونا ان کے صاحبزادے ابراہیم کی پیدائش، ان کی تخت نشینی اور اور آخر میں ابراہیم ابن ادھم کے تخت و تاج چھوڑ کر جذب و معرفت کی دنیا میں گم ہو جانے کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

مصنف نے مزے لے لے کر یہ فسانۂ محبت دہرایا ہے، وہ اس کہانی کو بیان کرتے ہوئے ڈوب ڈوب کر ابھرتے ہیں، اور ہر مرتبہ عرفان الٰہی اور حق شناسی کے دُرِّ نایاب لیکر آتے ہیں، اور چھوٹی چھوٹی بظاہر بے حقیقت باتوں سے عجیب نتائج اخذ کرتے ہیں، اور اس قصہ کے ایک ایک جز میں معرفت کا سبق اور عشق و محبت کی چاشنی تلاش کر لیتے ہیں یہی درس عشق قصہ ابراہیم سے رب ابراہیم کی طرف لے جاتا ہے، یہاں پہنچکر قاری مادی جہان کی بے ثباتی و بے وقعتی اور عشق الٰہی کی خاص کیفیت محسوس کرتا ہے اور یہی اس مثنوی کا خاص مقصد ہے۔

اس مثنوی کے ذریعہ بہت سے اہل حق معرفت کے کوچہ سے روشناس ہوئے۔ اور سینکڑوں اشخاص کو علم باطن کی دولت ملی، "گلزار ابراہیم" کے اس خاص وصف کا اکابر علما، اور مشائخ نے برملا اعتراف کیا ہے۔ حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہیؒ ارشاد فرمایا کرتے تھے

"مجھے اس طریق معرفت و سلوک کا ذوق اسی مثنوی سے پیدا ہوا" [126]

مثنوی گلزار ابراہیم مصنف کی حیات میں کئی بار شائع ہوئی، اور آج تک برابر چھپتی رہی ہے، اس کے بے شمار ایڈیشن نکلے اور ہاتھوں ہاتھ لیے گئے۔ سینکڑوں قلمی نقلیں تیار ہوکر اور ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئیں، برصغیر ہند و پاک اور یورپ کے متعدد کتب خانوں میں

---

[126] مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت۔ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ص۴۵ (دوسرا ایڈیشن)

اس کے قلمی نسخے موجود ہیں۔

یہاں یہ اطلاع مناسب ہوگی کہ مذکورہ بالا تینوں مثنویوں کے خطی نسخے مصنف کے قلم سے ہمارے ذخیرۂ کتب میں موجود ہیں۔

"مثنوی سمجھ بوجھ" دوسو دو شعروں کی یہ مثنوی گلزار ابراہیم کی طرح مفید و موثر ہے، اس کی سطر سطر میں عشق الٰہی کی لہریں جوش مارتی ہیں۔ یہ مثنوی عرصہ تک سلوک کے ابتدائی نصاب میں داخل رہی۔ مشائخ اپنے مریدین کو اس کو ورد میں رکھنے کی ہدایت و تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اس مثنوی کی ابتدا ان اشعار سے ہوتی ہے:-

خدا کی حمد کر اے اہل غفلت	کہ تا نازل ہو تجھ پر اس کی رحمت
جو اس کے خوف سے توبہ کرے گا	اسے جنت میں گھر بے شک ملے گا
کرے جو نعت احمد صدق دل سے	خدا عقبیٰ میں راحت اس کو بخشے
وہ مقبول خدائے ذوالمنن ہے	شفیع عاصیاں وہ بے سخن ہے
سب اس کی آل اور اصحاب ہیں نیک	وحید العصر ہے ان میں سے ہر ایک

اور خاتمۂ کلام ان اشعار پر ہوا ہے:-

سمند خامہ کی اپنی عناں روک	خموشی ہے بھلی کام و زباں روک
سمجھ کچھ تو بھی اس کے مدعا کو	سمجھ بوجھ اس کا ہے نام لے خدا جو

یہ مثنوی پہلی بار مطبع احمدی دہلی سے ۱۲۷۰ھ میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد مختلف مطابع نے متعدد ایڈیشن شائع کیے، غالباً تیس چالیس سال سے اس کا کوئی ایڈیشن نہیں آیا ہے۔

مثنوی خنجر عشق۔ مولانا احسن کی اس مثنوی کا کوئی نسخہ ہماری نظر سے نہیں گزرا ہے، یہ مثنوی ۱۲۶۸ھ/۱۸۵۲ء میں سعادت یار خاں رنگین کی مثنوی چار باغ کے حاشیہ پر چھپی۔ اس ایڈیشن کے سرورق پر یہ عبارت تھی:-

"تصنیف سعادت یار خاں رنگین مسماۃ بہ چار باغ۔ و دیگر مثنوی طبع زاد مولوی ابو الحسن صاحب معروف بہ خنجر عشق۔ حسب فرمائش محمد نظام الدین سوداگر ساکن کول، در مطبع مصطفائی محمد حسن خاں طبع نمود" [1]

۱۔ [illegible] مطبوعات از جناب محمد عتیق صدیقی، صفحہ ۱۹۹ (علی گڑھ ۱۹۶۲ء)

ڈاکٹر گیان چند جین کے قول کے مطابق اس مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے[۱]:

پہلے ہے حمد خداوند جہاں جس نے سب پیدا کیا کون و مکاں

مولانا ابوالحسن کو حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی سے بے انتہا عقیدت و محبت اور ان کی تحریک جہاد سے بڑی دلچسپی اور گہری وابستگی تھی، مولانا نے حضرت سید صاحب کی سفر حج سے واپسی کے موقعہ پر ایک "طویل قصیدہ" پیش کیا تھا، اور ایک منظوم "رسالہ جہادیہ" بھی تحریر فرمایا تھا، قصیدہ مولانا کے قلم سے ان کی بیاض میں ہے[۲] اور رسالہ جہادیہ جناب غلام رسول مہر نے جماعت مجاہدین میں نقل کیا ہے[۳]۔

مولانا ابوالحسن کی بعض یادداشتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا نے اپنے اردو اور فارسی کلام کے دو دیوان مرتب کیے تھے۔ ان دونوں کا کوئی سراغ نہیں مل سکا، تاہم مولانا کی بیاض میں ان کے کلام کا کچھ حصہ محفوظ ہے۔

مولانا حسن کی نثری تالیفات میں دو کتابوں کا سراغ ملتا ہے: "حل الغوامض" اور "رسالہ بحران" اول الذکر عربی میں تھی دوسری فارسی میں ہے۔

"حل الغوامض" فرائض (میراث) کے موضوع پر نہایت ضخیم اور جامع کتاب تھی، مولانا محمد سلیمان کاندھلوی نے اس کا سنہ تالیف ۱۲۲۰ھ بیان کیا ہے[۴]، اگر ان کی یہ اطلاع درست ہے تو اس سے مولانا حسن کی اعلیٰ علمی استعداد اور ذہنی صلاحیت کا علم ہوتا ہے۔ اس تالیف کے وقت مولانا حسن کی عمر انیس بیس سال سے زیادہ نہ ہوگی۔ اس عمر میں فرائض کے مشکل موضوع پر ضخیم کتاب کی تالیف ان کی قابلیت و بصیرت کی گواہ ہے۔

---

[۱] اردو مثنوی شمالی ہند میں۔ ڈاکٹر گیان چند جین ص۲۴۴ (علی گڑھ ۱۹۶۹ء)

[۲] اس قصیدہ کے منتخب اشعار مولوی جعفر تھانیسری نے سوانح احمدی ص۱۱۶ تا ص۱۱۹ (سادھورہ) میں جناب غلام رسول مہر نے سید احمد شہید ص۲۴۲ تا ص۲۴۳ جلد اول میں، اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے سیرت سید احمد شہید ص۲۴۶ تا ص۲۴۸ جلد اول (لکھنؤ، ۱۳۹۵ھ) میں نقل کیے ہیں۔

[۳] جماعت مجاہدین ص۲۹۹ تا ص۳۰۴ (لاہور)

[۴] حالات مفتی الٰہی بخش تالیف و تحریر مولانا محمد سلیمان کاندھلوی م $\frac{۱۳۲۵ھ}{۱۹۰۷ء}$

فرائض پر مولانا کی گہری نظر کا اس تحریر سے بھی اندازہ ہوتا ہے جو مولانا نے حضرت قاضی ثناء پانی پتی کے ایک فتوی میراث کی تصحیح کے لیے لکھی تھی، یہ تحریر حضرت قاضی صاحب کو بھیجی درست سہامات سے مطلع کیا، حضرت قاضی صاحب نے اس اصلاح کو قبول فرمایا، قاضی صاحب فتوی، اس پر استدراک، اور قاضی صاحب کا رجوع، یہ تمام تحریرات مولانا ابوالحسن نے حل الغوا میں نقل فرمائی ہیں۔ اس اہم کتاب کا کوئی نسخہ ہمارے علم میں نہیں ہے۔

رسالہ بحران۔ طب یونانی میں بحران کی بحث مشکل اور دقیق بحث سمجھی جاتی ہے، اس تحقیق و توضیح کسی ایک کتاب میں نہیں ملتی تھی۔ طب پڑھنے والے اس بحث کی تحقیق و تفصیل کے لیے مولانا ابوالحسن سے رجوع کرتے تھے۔ مولانا نے اس بحث پر معلومات کی کمیابی کو محسوس اور یہ کتاب تالیف فرمائی۔ مولانا نے کتاب کی تمہید میں لکھا ہے کہ:۔

"اکثر دوستوں کو طب کی تعلیم کا ذوق ہے اور وہ اپنے شبہات دور کرنے کے لیے میرے پاس آتے ہیں، خصوصاً بحران کے سبب، اس کے علاج، اور اس کی تفصیلات معلوم کرنے کا ہر ایک کو شوق ہے، مگر اس کے متعلق انھیں اطمینان اور صحیح معلومات حاصل نہیں ہوتے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک کسی نے بحران کے مسائل کی تحقیق اور اس کے مباحث کی وضاحت نہیں کی، اس لیے اس بے بضاعت نے اس کی تحقیق شروع کی اور کتب متداولہ جیسے سدیدی، نفیسی، نزہۃ الارواح، اور ذخیرہ نوارزم شاہی سے رجوع کیا، اور بعض مباحث کی تحقیق علم ہیئت، علم طبعیات، اور علم ریاضی کے ذریعہ حاصل کی۔ اور والد ماجد مولانا مفتی الٰہی بخش سے اس کے متعلق جو کچھ سنا تھا وہ سب بھی اس تالیف میں جمع کر دیا ہے۔ امید اہل علم کو پسند آئے گی۔[1]

اس کتاب میں مصنف نے بحران کی علامات و کیفیات، بحران پیدا ہونے کے اسباب اس کا موسم، اور اس کے علاج پر مفصل بحث کی ہے۔ یہ اہم کتاب غالباً کبھی شائع نہیں ہوئی مگر کثرت نقل سے بڑی حد تک اشاعت نہ ہونے کے نقصان کی تلافی ہو گئی ہے، مصنف نسخہ ہمارے ذخیرہ کتب میں محفوظ ہے۔

---

[1] اصل عبارت فارسی میں ہے۔ یہاں اس مقفیٰ اسجع عبارت کا مفہوم پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

کریم الدین پانی پتی نے مولانا حسن کی تالیفات مثنوی بحر الحقیقت، اور گلزار ابراہیم کا ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے:-

"سننے میں آیا ہے کہ ان کی تصنیف سے اور رسالے بھی اردو میں ہیں۔"[۱]

مگر اس تحقیق کا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ان رسائل سے "مثنوی جد و جہد" اور "خنجر عشق" مراد ہیں یا کچھ اور بھی رسالے تھے جو ہم تک نہیں پہنچے؟

تلامذہ

مولانا کے یہاں کم و بیش بیس سال تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر حیرت ہے کہ مولانا کے کسی شاگرد کا تذکرہ نہیں ملتا۔ صرف حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے مثنوی مولانا روم میں تلمذ کی روایت ملتی ہے، حضرت حاجی صاحب نے مثنوی کے بعض حصے مولانا سے پڑھے تھے، حضرت حاجی صاحب کا ارشاد ہے:-

"میں نے مثنوی شریف تین بار حضرت مولانا عبد الرزاق پر عرض کی اور تحقیق بعض مقامات کی مولوی ابو الحسن کاندھلوی سے کی۔"[۲]

اور مولانا ہدایت اللہ فارسی سورتی کو حضرت مولانا سے اجازت حدیث حاصل تھی۔[۳]

مولانا ابو الحسن نے ۱۲ر جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ/ ۲۳ر مارچ ۱۸۵۳ء بروز چہارشنبہ کاندھلہ میں وفات پائی۔ اور اپنے والد ماجد کے قریب دفن ہوئے۔[۴]

---

[۱] طبقات الشعرائے ہند مولوی کریم الدین ص۴۳۳ (دہلی ۱۸۴۷ء)

[۲] شمائم امدادیہ ص۱۰ (لکھنؤ ۱۳۱۴ھ) امداد المشتاق ص۹۰ (تھانہ بھون ۱۳۹۰ھ)

[۳] مولانا ہدایۃ اللہ بن عبد اللہ حنبلی فارسی سورتی ۱۲۷۵ھ میں پیدا ہوئے، مختلف نامور علماء سے تعلیم حاصل کی اور اس دور کے مشہور علماء کی ایک بڑی جماعت سے اجازت حدیث حاصل کی۔ متعدد زبانوں سے اہل زبان کی طرح واقف تھے۔ عرب ملکوں، یورپ امریکہ وغیرہ کی سیاحت کی ۱۳۳۵ھ میں حیدرآباد (دکن) میں وفات ہوئی۔ نزہۃ الخواطر ص۲۵۳/۸۔

[۴] سفینہ رحمانی عبد الرحمن حیرت جھنجھانوی ص۱۲۳ (لکھنؤ ۱۹۰۳ء) تذکرہ مفتی الٰہی بخش فارسی، شامل اختتام مثنوی مولانا روم (کانپور) نزہۃ الخواطر ص۱۰/۷ (حیدرآباد ۱۳۷۹ھ) اور حالات مشائخ کاندھلہ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی (دہلی) میں مولانا ابو الحسن کے مختصر حالات ملتے ہیں۔

دینی تعلیم اور عصری تقاضے

(از حضرت مولانا محمد اشرف خاں ایم اے صدر شعبہ عربی پشاور یونیورسٹی)

(۲)

علوم عربیہ علوم معاد یا علوم دینیہ کے لیے عربی، بنیاد کا درجہ رکھتی ہے، علوم قرآنیہ ہوں یا علوم حدیث۔ علوم فقہ ہوں یا دیگر علوم دینیہ میں امعان نظر، کمال و رسوخ بغیر علوم و لغات عربیہ اور فنون ادب کی مہارت کے ممکن نہیں۔ معمولی عربی دانی ایک درجہ تک مفید رہ سکتی ہے لیکن قرآن کریم (جس کی صفت "قرآناً عربیاً" اور جس کی شان "لا تنقضی عجائبہ" ہے) کے حقائق و معارف، اس کا اعجاز، وجوہ اعجاز اور ان کا اثبات، اس کے الفاظ و محاورات و معانی، اس کی بلاغت، اس سے احکام و مسائل کا استخراج و استنباط بغیر علوم عربیہ اور ادبیات عربیہ کی مہارت کے ممکن نہیں۔ ہمارے حضرۃ الاستاذ علامہ محمد یوسف البنوری رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے شیخ حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا یہ قول نقل فرماتے تھے، کہ میری اعجاز القرآن پر تقریر وہی سمجھ سکتا ہے جسے جاہلی شعراء کے دس ہزار اشعار یاد ہوں"۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ قرآن دانی کے لیے عربی ادب و لغت و زباں دانی کی کس قدر ضرورت ہے؟ یہی حال دوسرے علوم دینیہ کا ہے، کہ فنون ادب میں مہارت اور عربی زباں دانی کے کمال کے بغیر ہر قدم پر لغزش پا کا اندیشہ ہے، جن کی مثالیں اس دور میں کمیاب نہیں۔ اسی طرح عربی میں موثر تصنیف و تالیف بغیر زباندانی، مہارت فن اور ادبیانہ مہارت کے مشکل ہے۔ اس لیے "دینی نصاب تعلیم" کا تصور عربی کی اعلیٰ و عمیق تعلیم کے بغیر ممکن نہیں۔ مزید برآں موجودہ دور میں جبکہ تمام دنیا مواصلات کی آسانی و کثرت کی وجہ سے انتہائی قریب ہو گئی ہے اسلامی ممالک کے درمیان عربی زبان نے ایک عالمگیر

و مشترک زبان کی حیثیت حاصل کر لی ہے. علماء کے لیے قدیم عربی میں دسترس بلکہ جدید اور روزمرہ کی عربی میں تقریر و تحریر و محادثہ میں لیاقت بھی ضروری ہو گئی ہے، کہ اگر قدیم عربی زبان و فنون ادب میں مہارت "علوم دینیہ" میں کمال و رسوخ کے لیے لابدی و لازمی ہے تو جدید عربی" عرب ممالک" سے تعلقات اور ان جدید الفاظ و زبان کو جاننے کے لیے ضروری ہے جنھیں تمدنی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی تقاضوں نے وجود بخشا ہے، اور جنھیں ضروریات زندگی کی نئی چیزوں، نئے آلات، نئے طریقوں، جدید علوم و فنون نے جنم دیا ہے، جدید دور میں رہتے ہوئے دین و دعوت کے عالمگیر تقاضوں و ذمہ داری کے پیش نظر علماء کے لیے "جدید عربی" ایک اہم ضرورت بن چکی ہے، زباندانی کا ابلاغ میں جو مقام ہے، اہل نظر اس سے ناواقف نہیں. افصح العرب صلی اللہ علیہ وسلم کے وارثین کے لیے زبان و کلام کی تنگ دامانی عذر نہیں بن سکتی. غرض عربی قدیم ہو یا جدید اس میں مہارت اور فنون ادب میں دسترس، دینی تعلیم کا ایک اہم تقاضا ہے، مدعا یہ ہے کہ نصاب تعلیم میں عربی زبان و ادب، انشاء و تحریر، خطابت و تقریر، محادثہ و تکلم کو وہ اہمیت و مقام دیا جائے۔ جو وقت کی ضرورت و تقاضا ہے" تاہم یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رہنی چاہیے۔ کہ بقول سید الملۃ قدس سرہٗ "ادبی و لسانی عربی ہماری دینی تعلیم و مدارس کا مقصود بالذات نہیں بلکہ بالعرض ہے" مقصود تو علوم دینیہ ہیں۔ اور یہ ادبیات ان کی رونق کا سامان اور علوم دینیہ کی تحریر و تقریر، تالیف و تصنیف، اظہار و بیان کا آلہ، ظاہر ہے کہ آلہ کو ذی آلہ اور اصل کا مقام نہیں دیا جاسکتا۔ غرض صرف رسوخ علم دین اور خدمت دین ہے، دیگر ہیچ ہے

غرض ز مسجد و میخانہ ام وصال شماست
جز این خیال ندارم خدا گواہ من است

یہاں یہ بات بھی بے محابا واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ "دور زوال" کے اسالیب ادب اور مقاماتی طرز نگارش" سے بھی جتنا جلد رہائی پا سکیں بہتر ہو گا۔ اہل علم سے مخفی نہیں کہ "احادیث نبویہ" کا اسلوب بیان، فصحائے عرب کا طرز کلام، خطبائے عرب کے خطبات اپنے اندر جو برنائی، شیرینی، فصاحت و بلاغت و جاذبیت و تاثیر رکھتے ہیں بلکہ

تیسری و چوتھی صدی ہجری بلکہ قرون مابعد کے بعض ادبا میں دورِ زوال سے پیشتر جو زورِ بیان، روانی، برجستگی اور فصاحت پائی جاتی ہے، (مثلاً ہم جاحظ[1]، ابن مقفع ابن قتیبہ وغیرہ کا نام لے سکتے ہیں) وہ بدیع الزماں ہمدانی کے مقاماتی اسلوب' اور حریری کی مرصّع و مسجع عبارت آرائیوں میں کہاں میسر آسکتی ہے؟ جدید نثری ادب بھی اپنے اسالیب میں قدیم ادب کے قریب و مشابہ ہے؛ "مقاماتی ادب" کی طرح پرتکلف نہیں، ترصیع و تنسیق سے عاری اور طبعی، پرکشش و سلیس ہے، ضرورت ہے کہ ہمارے نصاب میں قدیم و جدید جملہ اصناف نثر کی بھرپور نمائندگی ہو۔ اور منتخبات[2] کا ایسا گرانمایہ سرمایہ ادب طلبہ کے مطالعہ میں آئے جو ہر دور کے ادب کی عکاسی کرتا ہو، بلکہ ادب کے ساتھ دینی اقدار کی بھی پرورش کرتا ہو، یا کم از کم دین کے مخالف نہ ہو۔

اسی طرح علوم آلہ میں صرف و نحو میں "تسہیل و اختصار" کی راہ اختیار کی جائے اور ادق و مشکل کتابوں کی بجائے واضح اور آسان کتابیں نصاب میں داخل کی جائیں۔ ممالک عربیہ کی جدید کتابوں سے استفادہ کیا جائے۔ اور جہاں ہمارے غیر اہل زبان ہونے کی وجہ سے حذف و اضافہ کی ضرورت ہو، وہاں اس کا اہتمام کیا جائے۔ علوم بلاغت میں بھی متاخرین کی مغلق کتابوں کی بجائے متقدمین کی سہل و واضح کتابوں یا جدید معیاری کتابوں کو داخل درس کیا جائے، غرض ہمارا "عربی ادب" کا نصاب نظر ثانی کا محتاج ہے، حماسہ ابو تمام اور سبع معلقات کے علاوہ دیگر کتب کی تبدیلی پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے۔

علوم دینیہ علوم معاد یا علوم دینیہ ہمارے دینی مدارس و تعلیم کا اصل سرمایہ و مقصود ہے، بحمد اللہ تعالیٰ جہاں تک فن حدیث کا تعلق ہے، کتب عشرہ یا تسع کا داخل نصاب و درس ہونا بہت ہی باعث سعادت و برکت ہے، جس کے اثرات ظاہرہ باہر ہیں، خدا کرے کہ ہمارے اسلاف کی طرح یہ علم اپنی پورے ما لہ و ما علیہ کے ساتھ عمق و بسط سے

---

[1] جاحظ کی کتاب البیان والتبیین کو بعض اساتذۂ فن نے نثر کا حماسہ کہا ہے،

[2] اس باب میں مخدومی حضرت مولانا ابو الحسن علی الندوی مدظلہ کی مختارات فی الادب العربی وغیرہ ایک اچھی مثال و نمونہ ہے۔

پڑھایا جاتا رہے، تاکہ ہند و پاک میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ سے اس علم شریعت کا جو علم اس خطہ کے ہاتھ میں ہے، وہ اسی طرح بلند رہے، نصاب میں اصول حدیث و رجال کی کتابوں میں اضافہ ہونا چاہیے۔

قرآن کریم کے علوم کی نہایت نہیں، ضرورت ہے کہ قرآن پاک کی تعلیم پر مزید وقت صرف کیا جائے۔ جلالین و بیضاوی کے ڈھائی سیپارے کفایت نہیں کر سکتے، دورۂ حدیث کی طرح دورۂ تفسیر کا تمام بڑے عربی مدارس میں اہتمام کیا جائے۔ جس میں مختلف اہم اور امہات تفاسیر کو سامنے رکھ کر پورے قرآن کریم کی تفسیر کرا دی جائے۔ مختلف تفاسیر سے استفادہ کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے مختلف اجزا کے لیے مختلف تفاسیر کا متعلقہ حصہ نصاب میں رکھا جائے۔ تاکہ مختلف تفاسیر کے مطالعہ کا ذوق اور قرآنی علوم کا شوق طلبہ میں پیدا ہو۔ ہمارے حضرت والا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے آج سے چھتیس سال پہلے ایک جگہ پر ارقام فرمایا تھا۔

"دنیا کے نظری و علمی و اعمالی نفسی و آفاقی حالات میں جو انقلاب آگیا ہے قرآنی علم کلام، قرآنی علم اجتماع، قرآنی علم عمران، قرآنی علم اخلاق، قرآنی آثار و اخبار، اور قرآنی اسماء و اعلام کی تحقیقات میں عظیم الشان تبدیلیاں پیش آگئی ہیں، آج نئے سرے سے نئی صورتوں سے نئی تعبیروں سے اور نئی تقریروں سے اس زمانہ کے نوجوانوں پر قرآن کو پیش کرنا اور ان کے نئے خدشوں اور اعتراضوں کا جواب دینا صرف جلالین اور بیضاوی سے ممکن ہی نہیں .....
...... اس زمانہ میں قرآن پاک کے متعلق جو سوالات دنیا کے سامنے ہیں۔ ایسے تغافل سے نوجوانوں کی نئی نسل کی بربادی کس طرح ہو رہی ہے کیا اب بھی وقت نہیں کہ قرآن پاک کے طریق تعلیم و مباحث تعلیم میں نئی ضروریات کی تکمیل کی طرف کوشش مبذول کی جائے، اور دوسری طرف اس کام کو نامستند، غیر معتمد غیر معتدل مؤلفین و مفسرین کے ہاتھوں سے بچایا جائے۔"

(معارف ج ۵۴ ص ۲۴۴)

عصر جدید اپنی مسحور کن تہذیب و تمدن، علوم و نظریات، ایجادات و انکشافات کے ساتھ سرعت و برق رفتاری سے جدید مسائل و حالات پیش کرتا جاتا ہے، اور دین حق جو صرف اسلام ہے، اس کے لیے فکر و نظر اور عملی زندگی میں ہر روز نئے مسائل پیدا کرتا چلا جا رہا ہے۔ عقائد و پورا نظام زندگی اس کے تابڑ توڑ حملوں کی زد میں ہے، اور یہ حملے صرف مذاہب و ادیان کی طرف سے نہیں بلکہ معیشت و معاشرت، اقتصادیات و سیاسیات، تہذیب و تمدن، سائنس، ٹیکنالوجی، ہر رخ سے ہیں۔ بحمد اللہ تعالیٰ اسلام زندہ ہے اور زندہ رہے گا۔ لیکن عالم اسباب میں ہمیں ایسے رجال کار پیدا کرنے کی ضرورت ہے، جو غزالیؒ و رازیؒ مجدد سرہندیؒ و شاہ ولی اللہؒ وغیرہ کی طرح نہ صرف ان اعتراضات کا جواب دیں بلکہ اسلام کی حقانیت کو ہر اعتبار سے ثابت کر سکیں۔

ظاہر ہے کہ اس کے لیے ہمیں ایسے متکلمین و فقہاء کی ضرورت ہو گی۔ جو سلف کی راہ سے سرمو تجاوز نہ کرتے ہوئے احقاق حق و ابطال باطل کر سکیں اور علماء راسخین کی طرح اسلامی اصولوں کے مطابق "تجدد و مداہنت" سے بچتے ہوئے مسائل کا شافی و وافی جواب دے سکیں۔ فقہ و عقائد و کلام کی موجودہ نصابی کتابیں اس ضرورت کے لیے کافی نہیں ہو سکتیں۔ اس کے لیے جس ہمہ جہتی، مطالعہ، رسوخ علم، ایمان و پختگی، وسعت نظر، فقاہت و مجتہدانہ بصیرت کی ضرورت ہے، وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔ علوم قرآن و حدیث کے عمیق و وسیع علم کے علاوہ فقہ و اصول فقہ، کلام و علم کلام و عقائد کی قدیم و جدید کتب کا مطالعہ، حالات زمانہ اور عصری علوم سے گہری واقفیت ضروری ہے، مزید براں تربیت ایسے محقق و ماہر فنون علمائے ربانیین کی چاہیے۔ جن کے لیے دین کے عقائد و حقائق علم و خبر نہ ہوں، بلکہ حال و حقیقت اور نظر و مسلمات بن چکے ہوں۔ علوم جدیدہ کی چکا چوند و تلمیع انھیں متاثر نہ کر سکے، بلکہ ہر حال میں حق کی حمایت ان کا شیوہ ہو۔ اور دین کی صحیح تمثال پیش کرنا ان کا وطیرہ،

عام نصاب میں تو اس کی گنجائش مشکل ہے، لیکن ابتداءً ایسی ہو کہ "تخصص" میں اس رخ پر تکمیل ہو سکے۔

محولہ بالا گزارشات سے نصاب تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت تو ظاہر ہو چکی ہے۔ مزید براں ہماری دینی تعلیم اور دینی مدارس علم نبوت کے وارث ہیں اور فرائض سہ گانہ نبوت (تلاوت قرآن یعنی دعوۃ بالقرآن[1]) تزکیہ و تعلیم کتاب و حکمت اس کی اصل میراث ہے۔ میراث نبوت کے کسی ایک جز کا فقدان یا کمی یا اس سے اہمال و اعراض "دینی تعلیم" کی شایان شان نہیں۔ دین اور علوم دین کا بنیادی مقصد ہی للہیت و معرفت ربانی، تعلق الہی و احوال مع اللہ، حب و خشیت رحمانی، دل کی اصلاح، باطن کی تعمیر، تزکیہ نفس، اخلاص و تقویٰ، نسبت احسانی، یاد سبحانی، طلب و قرب رضائے حق، اعتماد و اتکال علی اللہ، تفویض و توکل، زہد و قناعت اور دنیا سے بے رغبتی ہے۔

اس مقصود حقیقی کی یافت یا تلاش و جستجو آج کس حد تک ہے، اس کی سنگینی کا احساس اور اس کا مداوا و علاج ہماری دینی تعلیم کا سب سے اہم مسئلہ ہے، ضرورت ہے کہ اہل دل حضرات کی صحبت اور محقق اہل حق صوفیہ کی کتابوں اور ملفوظات کا شوق و رغبت طلبہ کے دلوں میں پیدا کیا جائے۔ کہ تزکیہ کی راہ کشادہ ہو سکے، پرانے بزرگوں کی مسندیں ایک ایک کر کے خالی ہوتی جارہی ہیں، نئے حضرات میں ان کی جگہ کون پُر کر رہا ہے؟

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی

ہمارے مدارس علوم دینی و دنیوی کے عظیم الشان ادارے بن جائیں، علوم جدیدہ و قدیمہ کے سمندر ہوں، علوم باطلہ کے ابطال کے مضبوط قلعے ہوں۔ لیکن اہل مدرسہ کے دل کمال یقین و ایمان، معرفت و للہیت، اخلاص و تقویٰ، حب الٰہی، خشیت ربانی اور فکر آخرت و طلب رضائے حق سے سرشار نہ ہوں تو کیا یہ مدرسے پھر کامل دینی مدارس کہلائے جا سکتے ہیں؟ سوچیے اور فیصلہ کیجیے۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

---

[1] فذکر بالقرآن من یخاف وعید۔ اس معنی کی مؤید ہے۔

انتخاب

رات کے بعد دن

كَلَّا وَالْقَمَرِ ۙ وَاللَّيْلِ إِذْ أَدْبَرَ ۙ وَالصُّبْحِ إِذَا أَسْفَرَ ۙ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ۙ نَذِيرًا لِلْبَشَرِ ۙ لِمَنْ شَاءَ مِنْكُمْ أَنْ يَتَقَدَّمَ أَوْ يَتَأَخَّرَ ۙ كُلُّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ

مدثر ۳۸-۳۲

قسم ہے چاند کی اور رات کی جب وہ جانے لگے اور صبح کی قسم جب وہ روشن ہو جائے۔ وہ دوزخ بڑی بھاری چیز ہے جو انسان کے لیے ڈراوا ہے تم میں سے ہر اس آدمی کے لیے جو آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے رہ جانا چاہے۔ ہر آدمی اپنے کیے میں پھنسا ہوا ہے۔

زمین پر ہر روز ایسا ہوتا ہے کہ یہاں رات آتی ہے اور زمین گہری تاریکی میں ڈوب جاتی ہے۔ اس کے بعد دن نکلتا ہے اور ہر چیز دوبارہ سورج کی روشنی میں دکھائی دینے لگتی ہے۔ یہ واقعہ آخرت کے معاملہ کی تمثیل ہے۔ موجودہ دنیا میں آدمی کی اصل حقیقت چھپی ہوئی ہے، آخرت میں ہر آدمی کی حقیقت کھل کر سامنے آجائے گی۔ آج ہماری زندگی "رات" کے دور سے گزر رہی ہے، موت کے بعد ہم "دن" کے دور میں پہنچ جائیں گے۔

آج آدمی ایک قسم کے پردہ میں ہے۔ وہ دلیل پر قائم نہ ہونے کے باوجود خوش نما الفاظ بول کر لوگوں کو اپنے بارے میں غلط فہمی میں ڈالے ہوئے ہے۔ کسی کی دنیوی شہرت و مقبولیت اس کی مجرمانہ حیثیت کے لیے پردہ بن گئی ہے۔ کسی کے دولت و اقتدار نے اس کو موقع دیا ہے کہ وہ حقیقت کے اعتبار سے مفلس ہونے کے باوجود مادی رونقوں میں اپنے معنوی افلاس کو ڈھانک سکے۔ کوئی اندر سے بے دین ہے مگر کچھ رسمی اعمال کا اہتمام کر کے ظاہر کر رہا ہے کہ وہ خدا پرست اور دیندار ہے۔ لوگ ظلم اور بے انصافی میں جی رہے ہیں مگر اپنی خوشنما تدبیروں سے وہ عوام کو اس دھوکے میں ڈالے ہوئے ہیں کہ وہ عین حق و انصاف پر قائم ہیں۔

مگر جب آخرت کا سورج طلوع ہو گا تو وہ تاریکی کے ان تمام پردوں کو پھاڑ دے گا۔ اس وقت ہر آدمی اپنی اصلی صورت میں دکھائی دینے لگے گا۔ اس وقت صاف نظر آئے گا کہ کون شخص اندر سے جانور تھا اور بظاہر انسانی صورت میں چل رہا تھا۔ کون شخص ناحق پر تھا اگرچہ وہ خوبصورت الفاظ بول کر اپنے کو حق پرست ثابت کیے ہوئے تھا۔ کون شخص اللہ کے سوا دوسروں کی پرستش میں مبتلا تھا اگرچہ زبان سے وہ اللہ کا نام لیتے ہوئے نہیں تھکتا تھا۔ (الرسالہ دہلی)

خدا خیر کرے!

ہمارے علم میں نہیں ہے کہ صحن کعبہ میں کبھی کوئی کانفرنس مسلمانوں کی ہوئی ہو اور اس کی وجہ شاید یہی ہو کہ اس جگہ کوئی کانفرنس کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ شرکائے کانفرنس جو کچھ زبانِ حال یا زبانِ قال سے کہہ رہے ہیں اس پر اللہ کو گواہ بنا رہے ہیں اور یہ اتنی بھاری بات ہے کہ جو بھی اسے سمجھے گا وہ اس سے اجتناب ہی کرے گا۔ الّا یہ کہ کوئی حال طاری ہونے کی کیفیت ہو اور مقصد ہی یہ ہو کہ اللہ کو گواہ بنا کر اپنے عزم و ارادے میں اور مضبوطی پیدا کی جائے۔ بالفاظ دیگر کشتیاں جلادی جائیں۔

پس ہمارے علم کی حد تک یہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ ہے کہ سعودی عرب میں ہونے والی اسلامی سربراہ کانفرنس، جس کا اصل مقام طائف تھا، اس کا پہلا یعنی افتتاحی اجلاس بیت اللہ کے روبرو صحن حرم میں منعقد کیا گیا۔

اگر اس اقدام سے شرکائے کانفرنس اور داعیانِ کانفرنس کا مقصد یہی تھا کہ جن مقاصد کے لیے کانفرنس بلائی گئی ہے ان مقاصد کے لیے اپنے جذبے کی صداقت پر اللہ کو اس کے گھر میں گواہ بنا کر عزم و ہمت کی مزید طاقت اس سے طلب کی جائے تو ہم اس پندرھویں صدی کو پانے والے مسلمان بے حد خوش قسمت ہیں کہ ہم نے ایک دو نہیں اڑتیس ۳۸ ایسے مسلم حکمرانوں اور سربراہوں کو پالیا جن کے اسلامی جذبات کی صداقت اور بے تابی اس معیار پر پہنچی ہوئی ہے جو معجزے دکھا سکتی ہے اور جس نے اسلام کی تاریخ میں بارہا معجزے دکھائے ہیں جو تاریخ کا دھارا موڑ سکتی ہے اور جس نے بڑے بڑے تیز دھارے روکے اور موڑے ہیں۔ وہ تاتاری دھارا جو کہیں رکے نہ رکتا تھا اور خس و خاشاک کی طرح عالم اسلام کو اپنے سیلاب میں بہائے لیے چلا جاتا تھا عین جالوت کے میدان میں ایک شاہ کے جذبے کی صداقت اور بے تابی ہی نے اپنے رب کے آگے سجدہ ریز ہو کر وہ کاری ضرب اس سیل بے بنیاد پر لگانے کی طاقت اپنے بازوؤں میں پائی تھی کہ پھر اسے پیچھے ہی کو جانے کا راستہ ملا آگے کا رُخ وہ اس دن سے بھول گیا۔

اور پھر جذبے کی یہی صداقت اور اسے خدا کے حضور میں نصرت طلبی کے لیے ڈالدینے کی

ادا کی جس نے اسی مصر کے ایک دوسرے سلطان (صلاح الدین ایوبی) کی تلوار کو وہ طاقت بخشی کہ صلیبی یلغار کا منہ موڑ کر فلسطین کی سرزمین کو ان کے قدموں سے پاک کرے۔

غرض ہم لوگ حد سے زیادہ خوش نصیب ہیں اگر اسی طرح کے کسی بے تاب جذبے نے اسلامی سربراہ کانفرنس کا افتتاحی اجلاس صحنِ حرم میں منعقد کرایا۔ اور ہم انتظار کر سکتے ہیں کہ اسلامی تاریخ کی معجز نمائیوں کا کوئی سلسلہ ہم جلد ہی اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔

لیکن خدا نخواستہ، اگر یہ صحنِ حرم کا اجلاس اسی طرح کے کسی جذبے کے زیر اثر نہیں بلکہ — خدا نہ کرے، خدا نہ کرے — محض ایک مذہبی وزن اس کانفرنس کو دینے اور ایک تقدس کا ہالہ اسکے گرد کھینچنے کے لیے رکھا گیا تھا تو پھر ہم سے زیادہ بدنصیب شاید کوئی مسلمان نسل نہ ہوگی کہ اسکے ایک دو نہیں ۳۰-۴۰ سربراہان و سلطانان خانۂ کعبہ کے حضور اس بے ادبی پر راضی ہو جائیں کہ جو بات ان کے دل میں نہیں ہے اس کے ہونے کا تاثر زبانِ حال یا زبانِ قال سے دنیا کو دیں۔

یہ حضرات ویسے عمرہ وغیرہ کرنے کے لیے چاہے اجتماعی طور پر ہی وہاں جاتے تو بات اور تھی اس میں صرف حصول سعادت و برکت کا اظہار تھا۔ مگر کانفرنس کے ایک اجلاس کے عنوان سے وہاں جمع ہونا اس میں لازماً ان مقاصد کے لیے صدق دلی کا اظہار ہے جنکے لیے کانفرنس بلائی گئی ہے اور اگر واقعہ میں یہ صدق دلی حاصل نہیں ہے تو پھر یہ مصنوعی اظہار (چاہے از راہ تکلف اور از راہ پاس و لحاظ ہی ہو) پوری امت کے لیے وبال بن سکتا ہے۔ اور ہمیں اس سے بڑے دن دیکھنے نصیب ہو سکتے ہیں جن دنوں سے نجات پانے کے لیے ہم یہ کانفرنسیں وغیرہ کرتے ہیں۔

ہم کیوں اس بدگمانی کی گنجائش پا رہے ہیں کہ خدا نخواستہ یہ دوسری (بدنصیبی والی) بات نہ ہو؟ اور کیوں حسنِ ظن سے کام نہیں لیتے کہ صدق دلی ہی کے ساتھ لوگ وہاں جمع ہوئے ہوں گے؟ اس لیے کہ ان میں سے ہم بہت کم لوگوں کو جانتے ہیں جو بالکل آزادانہ اور اپنے طور پر بس ایک مسلمان کی طرح عالم اسلام کے لیے سوچنے والے ہوں کہیں بہت صاف اور کہیں چھپے ہوئے اغیار کی زنجیروں کے حلقے ہیں جو لوگوں کی گردنوں میں پڑے ہوئے ہیں کچھ ایسے ہیں جن کے سوچنے کا ڈھنگ سرے سے اسلام اور غیر اسلام کی اصطلاحوں میں ہے ہی نہیں اگر وہ کبھی اس طرح کی بات کرتے ہیں تو قطعی اور بلا شبہ منافقت کرتے ہیں۔ غرض طرح طرح

کے لوگ ہیں جن سے یہ اسلامی کانفرنس عبارت ہے۔ کاش حرم کی مبارک سرزمین اور بیت اللہ کے صحن پاک کو اس سیاست گری سے دور ہی رکھا جاتا۔

کاش خدائے پاک ان لوگوں کو جو حرم کے متولی ہیں فکر اور عمل کا وہ رخ عطا فرمائیں جو حرم کی نسبت سے ان کے شایان شان ہے اس انداز فکر سے بلندی کی ہمت انھیں دیں جس کی بدولت بات یہاں تک آگئی ہے۔

(فروری کے ماہنامہ "فاران لندن" کا اداریہ)

Regd. No. LW/NP-62

Monthly 'ALFURQAN' 31, Naya Gaon West Lucknow (U.P.)

VOL. 49 NO. 4 APRIL 1981 Phone: 45547

معارف الحدیث

یعنی اردو زبان میں

حدیث پاک کی نورانیت
اُسکے اسرار دانش و حکمت
اور دلوں میں پار ہو جانے والی صداقت

کا

ایک نقشِ جمیل

اصل عربی متن	اردو ترجمہ	تشریح و تفہیم

جلد اوّل کتاب الایمان ـــــ قیمت ۱۲/-
ایمان، آخرت، قیامت، حشر، صراط، میزان، حساب، جنت، دوزخ سے متعلق حدیثوں کی تشریح

جلد دوم کتاب الرقاق والاخلاق ـــــ قیمت ۱۴/-
تزکیہ نفس اور اصلاح اخلاق کی حدیثیں اور انکی تشریح

جلد سوم کتاب الطہارۃ والصلوٰۃ ـــــ قیمت ۱۸/-
طہارت اور نماز کے ابواب کی حدیثیں اور ان کی تشریح

جلد چہارم کتاب الزکوٰۃ والصوم والحج ـــــ قیمت ۱۲/-
زکوٰۃ، روزہ، رمضان اور حج کے ابواب کی حدیثیں مع تشریح

جلد پنجم کتاب الاذکار والدعوات ـــــ قیمت ۲۰/-
دعائیں، اذکار نیز توبہ و استغفار سے متعلق حدیثیں مع تشریح

جلد ششم کتاب المعاشرۃ والمعاملات ـــــ قیمت ۱۳/-
معاشرت سے متعلق سواتین سو احادیث کی اُوح پرور تشریح

مکمل سیٹ غیر مجلد ۸۹/- ● مکمل سیٹ مجلد ریگزین ۱۰۷/-

مولانا نعمانی مدظلہ کی دیگر گراں قدر تصانیف

اسلام کیا ہے؟	دین و شریعت	نماز کی حقیقت	کلمہ طیبہ کی حقیقت	قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟	تذکرہ مجدد الف ثانی
ملفوظات مولانا محمد الیاس	آپ حج کیسے کریں؟	برکات رمضان	آسان حج	منتخب تقریریں	تصوف کیا ہے؟
قادیانی کیوں مسلمان نہیں	انسانیت زندہ ہے	فیصلہ کن مناظرہ	میری طالبعلمی	آپ کون ہیں کیا ہیں آپکی منزل کیا ہے؟	
شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ اور علماء حق پر اسکے اثرات		حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات			
بوارق الغیب	مسئلہ علم غیب کا قرآنی فیصلہ	قادیانیت پر غور کرنیکا سیدھا راستہ	تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات		

مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگذشت اور اب میرا موقف

نوٹ: [illegible]

[illegible]

مدیر

محمد منظور نعمانی

ماہنامہ **الفرقان** لکھنؤ

چندہ سالانہ
ہندوستان سے ۱۵/۰
پاکستان سے ہندوستانی سکہ میں ۲۵/۰
بنگلا دیش سے ۱۶/۰

ممالک غیر سے سالانہ
بحری ڈاک سے ۲ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۵ پونڈ
ایک شمارہ کی قیمت ہندوستان میں
۱/۵۰

جلد (۴۹) | بابت مئی ۱۹۸۱ء مطابق جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ | شمارہ (۵)

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آ جانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ اس کی اطلاع مہینے کی ۱۰ تاریخ تک آ جانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات [illegible]

[illegible]

(۴)

مولانا سبحان محمود صاحب (ناظم دارالعلوم کراچی) اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت (مفتی صاحبؒ) دارالعلوم کی خدمت کے لیے لوگوں کے انتخاب میں بہت تحقیق فرماتے، خود بھی استخارہ کرتے اور متعلقہ منتظمین سے بھی کرواتے، باہمی مشورے ہوتے اور جب دل مطمئن ہو جاتا تو اللہ پر بھروسہ کر کے دارالعلوم کی خدمت میں لگا دیتے، لیکن اس کے بعد بھی مسلسل اس کی نگرانی فرماتے اور فرمایا کرتے کہ کسی ذمہ دار کی ذمہ داری اسی پر ختم نہیں ہو جاتی کہ وہ کسی اہل، صالح اور دیانت دار آدمی کا انتخاب کر کے فارغ ہو جائے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ اس کی ذمہ داری میں اس کی پوری نگرانی بھی داخل ہے ــــ اس پر فاروق اعظمؓ کا ذکر فرماتے کہ ایک مرتبہ انھوں نے اہل شوریٰ حضرات صحابہ سے دریافت کیا کہ کیا میں نیک، متقی اور دیانت دار کا انتخاب کر کے اللہ کے نزدیک بری ہو جاؤں گا، یا میرے اوپر اُن کے کاموں کی نگرانی بھی ہے؟ اس پر حضرات صحابہ نے عرض کیا کہ آپ صرف انتخاب سے بری الذمہ نہ ہوں گے بلکہ آپ پر ان کے کاموں کی نگرانی بھی لازم ہے۔" صـ۹۰

(۵)

مولانا عبدالقادر صاحب اپنے مضمون میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک دفعہ فرمایا کہ بعض مدرسین مدرسہ سے تنخواہ تو پوری وصول کر لیتے ہیں مگر مدرسہ کی طرف سے جو کام اُن کے ذمہ ہوتا ہے اس کو پورا نہیں کرتے! کبھی سبق میں دیر سے پہنچتے ہیں، کبھی بلا وجہ درس کا ناغہ کر دیتے ہیں، کبھی سبق میں بے ضرورت اور بے فائدہ باتیں کرتے ہیں جس سے سبق کی کمیت اور کیفیت کا نقصان ہو جاتا ہے۔ یہ سب باتیں امانت و دیانت کے خلاف ہیں خیانت اور تطفیف میں داخل ہیں۔"

صـ۱۱۴

(۶)

مولانا عاشق الٰہی بلند شہری نے اپنے مضمون میں مدارس ہی کے سلسلہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کا بیان فرمایا ہوا یہ واقعہ نقل کیا ہے:-

"شاہ رفیع الدین صاحب مہتمم اول دار العلوم دیوبند عالم نہیں تھے، مگر ان کا علماء سے کام لینے کا طریقہ عجیب تھا، جب دیکھا کہ بعض اساتذہ دیر سے مدرسہ آرہے ہیں، مدرسہ کے دروازے پر چارپائی بچھا کے ہاتھ میں تسبیح لے کے بیٹھ جاتے، جو دیر سے آتا اس کو سلام کرتے، بس ایک دن میں سب کی اصلاح ہو گئی پھر بھی ایک استاد دیر سے آتے رہے تو اُن سے شاہ صاحب نے فرمایا کہ یقیناً آپ کے گھر میں کام ہوتا ہوگا، ادھر طلبہ کا حرج ہوتا ہے میں ایک بیکار آدمی ہوں گھر کے کام مجھے بتا دیں میں کر دیا کروں گا، آپ طلبہ کے نفع کو مدنظر رکھیں۔ —— بس اتنی سی بات سے ان کی بھی اصلاح ہو گئی۔" ص ۹۲

(۷)

اشیائے مدرسہ سے بے تعلقی:-

دار العلوم کراچی کے ناظم مولانا سبحان محمود صاحب رقمطراز ہیں:-

"آپ نے اگرچہ اپنے کو دار العلوم کراچی کے لیے وقف فرما دیا تھا لیکن کبھی دار العلوم سے تنخواہ نہیں لی، ایک مرتبہ مجلس شوریٰ کی منظوری کے بعد چند ماہ تنخواہ وصول کی تھی جس کو جلد ہی واپس کر دیا...... آپ نے دار العلوم سے کوئی ایسی منفعت حاصل نہیں کی جو آپ کے لیے خاص ہو۔ بجلی اور گیس وغیرہ استعمال کرنے کی قیمت بھی بڑی پابندی سے ادا کرتے تھے، اگر دار العلوم کا ٹیلی فون یا کار ذاتی استعمال میں لاتے تو اس کا پورا حساب ادا فرماتے۔" ص ۹۰

(۸)

میرے بعد کون ؟ :-

مولانا عزیز الرحمن صاحب سواتی (استاذ دار العلوم کراچی) اپنے مضمون میں رقمطراز ہیں۔

"حضرتؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو بصیرت عطا فرمائی تھی .... اس کی وجہ سے آپ نے اپنی حیات ہی میں دار العلوم کے مستقبل اور اس کے بقاء واستحکام کے لیے کام شروع کر دیا تھا۔ اس مقصد کے لیے آپ نے حضرات اساتذہ اور متعلقین دار العلوم کی تربیت کے علاوہ خصوصیت سے حضرت مولانا محمد رفیع صاحب اور حضرت مولانا محمد تقی صاحب (جو اپنے علم وعمل میں اپنے والد صاحب کے خلف صالح ہیں) کی تربیت شروع فرما دی تھی، ان دونوں حضرات نے اپنے والد بزرگوار کی زندگی ہی میں اُن کا بہت سا بوجھ ہلکا کر دیا تھا اور دار العلوم کے بارے میں حضرت کے مزاج و مذاق کو سمجھ گئے تھے۔ اس کے باوجود اگرچہ مجلس منتظمہ کے ارکان اور بہت سے احباب نے آپ سے بار بار فرمائش کی کہ اپنے بعد کے لیے کسی کو متعین فرما دیں جو دار العلوم کی ذمہ داری سنبھال سکے۔ شروع میں خود آپ کو اس ضرورت کا احساس ہوا اور اس بارے میں سوچنے لگے لیکن صاحبزادوں کو مدرسہ کی ذمہ داری سونپنا طبعًا انھیں پسند نہ تھا۔ چنانچہ عرصہ تک تردد میں رہے لیکن پھر ایک روز آپ نے فرمایا ــــــ کہ میں خواہ مخواہ اس فکر کو اپنے سر کیوں لوں کہ میرے بعد کون اس ذمہ داری کو سنبھالے، یہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے، وہی اس کا انتظام فرمائیں گے، اب مجھے شرح صدر ہو گیا ہے کہ میں اپنے بعد کے لیے کسی کو نامزد نہ کروں بلکہ مجلس شوریٰ جس کو بھی منتخب کرے انشاء اللہ اسی میں بہتری ہوگی، مسنون طریقہ بھی یہی ہے اور اب مجھے اس بارے میں کوئی تردد نہیں" ــــــ چنانچہ اس معاملہ میں بھی آپ کو اللہ تعالیٰ نے اتباع سنت اور توکل کی توفیق عطا فرمائی اور آپ نے کسی کو نامزد نہیں فرمایا ــــــ اور بالآخر جب حضرت کی وفات کے بعد مجلس منتظمہ کا پہلا اجلاس ہوا تو اس میں حضرت کی جگہ باتفاق رائے عارف باللہ حضرت

ڈاکٹر عبدالحی صاحب مدظلہم کو صدر منتخب کیا گیا.......... ساتھ ہی مجلس منتظمہ نے یہ محسوس کیا کہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی چونکہ بفضلہ تعالیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت کے اثر سے دارالعلوم کے بارے میں آپ کے مزاج و مذاق سے پوری طرح باخبر ہیں اس لیے مہتمم کی ذمہ داری آپ کو سونپی جائے اور مولانا محمد تقی عثمانی نائب مہتمم کی حیثیت سے آپ کی امداد کریں۔" ص۱۰۸

(۹)

دارالعلوم کے بارے میں ایک وصیت :-

مولانا محمد تقی عثمانی نے تحریر فرمایا ہے — کہ

"حضرت والد صاحب رح نے تمام متعلقین کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ ہم نے "دارالعلوم" کی شکل میں کوئی دوکان نہیں کھولی، بلکہ خدمت دین کا ایک ادارہ قائم کیا ہے. جب تک آپ حضرات اس ادارہ کو صحیح اصولوں پر اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق چلا سکیں، چلائیں، اور اگر خدانخواستہ کوئی ایسا وقت آجائے کہ اسے صحیح اصولوں پر چلانا ممکن نہ رہے تو میرے نزدیک اسے بند کر دینا بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ اسے غلط اصولوں پر چلایا جائے۔ ص۱۱۱

(۱۰)

"حب مال اور حب جاہ یہ دونوں قلب کی ایسی بیماریاں ہیں جن کے باعث انسان کی دنیاوی زندگی اور اخروی زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ اور غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسانی تاریخ میں جتنی انسانیت سوز لڑائیاں لڑی گئیں اور جو فساد برپا ہوئے اُن میں سے اکثر و بیشتر کو انہی دو بیماریوں نے جنم دیا۔"

مفتی اعظم نمبر ص۱۲۳ بحوالہ معارف القرآن ۱۶۲/۱

حضرت شیخ الحدیث کے خاص خادم مولانا نصیر الدین صاحب کی رحلت :-

مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے بڑی اعلیٰ صلاحیتیں عطا فرمائی تھیں، اگر یہ کہا جائے کہ وہ اکیلے کم از کم چار پانچ آدمیوں کا کام کرتے تھے تو ذرا مبالغہ نہ ہوگا۔ وہ کتب خانہ یحیوی کے منیجر بلکہ سب کچھ تھے، اور کتب خانہ کا کاروبار خاصا وسیع تھا ــــ پھر کتب خانہ ہی کی ضرورت سے ایک پریس بھی قائم کر رکھا تھا، اس کو بھی دیکھتے تھے ــــ قرآن مجید کی تلاوت اور اس کی با تجوید تعلیم سے اُن کو عشق تھا، تجوید کے ساتھ حفظ و ناظرہ کی تعلیم کا ایک مکتب بھی قائم کر رکھا تھا جس میں چار پانچ معلم اور مدرس کام کرتے تھے، خود ہی اس کی کفالت اور پوری نگرانی کرتے تھے۔

حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے قریباً سب کاموں کے وہی ذمہ دار تھے۔ جاننے والے جانتے ہیں کہ حضرت شیخ کی زیارت و ملاقات اور دینی استفادہ کے لیے آنے والے مہمانوں کی تعداد بسا اوقات سیکڑوں اور کبھی کبھی ہزار اور اُس سے اوپر بھی ہو جاتی تھی، مولانا مرحوم ہی سب کی میزبانی، سب کے کھانے اور چائے پانی کا انتظام کرتے تھے ــــ حضرت شیخ کے سہارنپور قیام کے زمانہ میں کئی کئی مہینے اس طرح گزرتے تھے کہ دونوں وقت بڑی بارات کے سے کھانے کا انتظام ہوتا تھا، میں نے ان کو اس سلسلہ میں کبھی گھبرایا ہوا اور پریشان نہیں دیکھا ــــ مجھے اعتراف ہے کہ وہ جتنا کام کرتے تھے میں اس کا چوتھائی بھی نہیں کر سکتا۔

گزشتہ مہینے مارچ میں صرف دو تین دن کی مختصر علالت کے بعد مولانا مرحوم عالم آخرت کی طرف منتقل ہو گئے انا للہ وانا الیہ راجعون ــــ ان کو دیکھ کر میں نے انکی عمر کا اندازہ کبھی ستر سال سے زیادہ نہیں کیا تھا ــــ لیکن حضرت شیخ الحدیث کے خلف الرشید مولانا محمد طلحہ کاندھلوی کے مکتوب سے معلوم ہوا کہ انھوں نے بیاسی سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ نیز یہ کہ اب سے ستر سال پہلے جبکہ ان کی عمر بارہ سال کی تھی حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری قدس سرہ نے ان کو حضرت شیخ الحدیث کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کی خدمت میں بھیجا تھا، یہیں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی، اسکے بعد زندگی کے آخری دن تک وہ اسی چوکھٹ سے وابستہ رہے، اور یہاں سے بس قبر ہی میں گئے اور اللہ کی شان کہ قبرستان حاجی شاہ میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کے قدموں ہی میں جگہ پائی۔

مرحوم کی اولاد میں صرف تین بیٹیاں ہیں جو بفضلہ تعالیٰ سب صاحب اولاد ہیں ــــ حضرت شیخ الحدیث

عالم اسلام کی بنیادی اور عمومی ضرورت

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

تاریخ اسلام کا وہ مطالعہ جو حکومتوں کی شکست و ریخت اور سیاسی حالات و انقلابات کے سرسری جائزہ پر منحصر نہ ہو بلکہ فلسفہ تاریخ، امت مسلمہ کے عروج و زوال کے حقیقی اسباب کی تحقیق و تجسس پر مبنی ہو، ایک سلیم الطبع اور حقیقت پسند انسان کو حتمی اور لازمی طور پر اس نتیجہ پر پہونچاتا ہے کہ اسلامی معاشرہ کو ہر دور میں ایسے ربّانی، حقّانی، بیدار مغز، عالی ہمت مصلحین اور داعیوں کی ضرورت ہے، جو دعوت الی اللہ اور نفوس قدسیہ کی اصلاح و تقویت کا کام ناسازگار سے ناسازگار ماحول میں انجام دیں، جب اسلامی حکومتیں زیر و زبر ہو رہی ہوں، مادیت اور خواہشات نفسانی کے سیلاب بلا میں لوگ تنکوں کی طرح بہے چلے جا رہے ہوں، مال و دولت کے حصول کی ایک اندھی "ریس" جاری ہو، وہ گرتے ہوئے دلوں کو تھامنے، اللہ تعالےٰ سے ان کو جوڑنے، اور ان میں تازہ ایمان و یقین، محبت و خوف الٰہی، اور اعتماد و توکل پیدا کرنے کے کام میں لگ جائیں، وہ لوگوں کو پست اغراض سے بلند رہنے کا سبق دے رہے ہوں، دنیا کے مال و متاع کی حقارت ان کے دلوں میں جاگزیں کر رہے ہوں، دولت و حشمت اور سلطنت و قوت کے سامنے سرنگوں اور سجدہ ریز ہونے، ضمیر و ملت فروشی اور ملکوں اور قوموں کا سودا کرنے سے بیزار اور بالاتر بنائیں، اور عقیدہ و اصول کے لیے قربانی، اور راہ خدا میں شہادت کی آرزو سینوں میں بیدار کر دیں، ناامیدیوں کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نکال کر رحمت و نصرت الٰہی کی روشنی میں لے آئیں، زوال آمادہ اور کرم خوردہ معاشرہ کو ایسے اہل، طاقتور اور امانت دار اشخاص مہیا کریں جو حکومت کی نازک سے نازک ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں، اور اسلام کی سرحدوں

کی حفاظت و نگہداشت کر سکیں، یہ وہ ربانی، حقانی لوگ ہیں، جو اپنے اپنے معاشرہ و ماحول میں وہ خدمت انجام دیتے ہیں، جو خواجہ حسن بصریؒ نے بنو امیہ کے دور میں اور حافظ ابن جوزیؒ، حجۃ الاسلام غزالیؒ اور سیدنا عبد القادر جیلانیؒ نے عباسیوں کے دور میں اور مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی اور حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ دہلوی نے مغلوں کے عہد میں انجام دی تھی۔

ان ربانی اشخاص کا وجود ہر ملک اور ہر زمانہ کی بنیادی ضرورت ہے، وہ اس وقت کامیاب و بامراد ہوتے ہیں، جب حکومتیں ناکام و نامراد ہو جاتی ہیں[1]، ان کا علم دولت و اقبال اس وقت بلند ہوتا ہے جب حکومتوں اور طاقتوں کے فلک بوس جھنڈے سرنگوں ہو جاتے ہیں۔

اسلامی معاشرہ کے لیے سب سے بڑا خطرہ

اسلامی معاشرہ کے لیے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ وہ ان نفوس قدسیہ سے سراسر محروم ہو جائے، بہت سے وہ اسلامی اور عرب ملک جہاں اللہ تعالیٰ نے رزق اور اپنی نعمتوں کے دہانے کھول دیئے ہیں، وہاں آج بشدت یہ "دعوتی و روحانی خلاء" محسوس ہوتا ہے، یہ خلاء وسیع تنظیمات، عظیم علمی اداروں، سیاسی و اشاعتی سرگرمیوں، فلک شگاف نعروں اور خدمت

---

[1] پروفیسر ہٹی (HITTI) نے (جیسا کہ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے اپنی کتاب "تاریخ مشائخ چشت" میں نقل کیا ہے) اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ:۔

"سیاسی اسلام" کے نازک ترین لمحات میں "مذہبی اسلام" نے بعض نہایت شاندار کامیابیاں حاصل کیں" -(HISTOPY OF THE ARABS P-475)

یعنی اسلام نے ایک دین اور جاوداں پیغام کی حیثیت سے کامیابی و کامرانی حاصل کی جبکہ اسلام ایک نظام حکومت کی حیثیت سے بعض اوقات شکست و ہزیمت سے دوچار ہوا، واضح رہے کہ اسلام میں دین و سیاست کی کوئی تفریق نہیں ہے، جیسا کہ ہٹی کی عبارت سے مترشح ہوتا ہے۔

یہی بات ہالینڈ کے ایک فاضل مؤرخ لوکے گارڈ (FREDE LOKKEGAARD) نے بھی کہی ہے، وہ لکھتا ہے:۔

"گو اسلام کا سیاسی زوال تو بار بار ہوا لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا"

اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور مسلم معاشرہ کی حفاظت و تقویت کے لیے چند معین نقاط۔

دینی دعوت اور اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لیے جو کوششیں دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں میں مختلف انداز سے، اور اپنی اپنی بصیرت، تجربے، اور حالات کے تقاضہ سے ہو رہی ان کو اپنے اپنے مرتبے پر رکھتے ہوئے، اور ان کی کسی نہ کسی درجہ میں افادیت کا اعتراف کرتے ہوئے، اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، کہ اس پندرھویں صدی ہجری میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور مسلم معاشرہ کو مزید انحطاط و زوال کے خطرے سے بچانے اور نئی صدی کے چیلنجوں کا مقابلہ کرنے کے لیے کچھ معین نقاط (POINTS) اور چند واضح خطوط (LINES) (خواہ ان کی حیثیت اشارات اور عنوانات سے زیادہ نہ ہو) پیش کر دیے جائیں، شاید باتوفیق اور بلند حوصلہ کارکنوں، اور اسلام اور مسلمانوں کے لیے فکرمند جماعتوں کو ان سے کچھ روشنی یا مدد حاصل ہو۔

۱۔ مسلم عوام میں ایمان و عقیدہ کو طاقت پہونچانے (جس کی چنگاریاں ان کے خاکستر میں بہرحال موجود ہیں) اور ان کے دینی شعور کو بیدار و متحرک بنانے کی ضرورت ہے، ان مسلم عوام کی اسلام کے ساتھ وابستگی اور اس کے لیے گرم جوشی (خواہ وہ بعض اوقات حالات و حوادث ہی کا نتیجہ ہو) ایک ایسی بلند و مستحکم فصیل اور اسلام کا آہنی حصار ہے جس کی بدولت بہت سی مسلم (یا مدعی اسلام) قیادتوں اور حکومتوں کو کھل کر کفر کا راستہ اختیار کرنے، اور اپنے ملکوں اور ماتحت مسلم قوموں کو کفر و الحاد کی آغوش میں ڈال دینے کی ہمت نہیں ہوتی، اور اسلام ان تمام سازشوں اور منظم اور وسیع منصوبوں کے باوجود جو اس کو ان ملکوں سے بے دخل کرنے کے لیے، اندرون یا بیرون ملک تیار کیے جاتے ہیں، ان ملکوں میں زندہ اور کسی نہ کسی درجہ میں فعال اور مؤثر ہے، خدانخواستہ اگر کسی دن یہ حصار ٹوٹ گیا، اور مسلم عوام کا رشتہ، اور ان کی روحانی اور جذباتی وابستگی اسلام سے ختم ہو گئی، تو پھر ان ملکوں میں اسلام کے بقا اور تحفظ کی کوئی ضمانت، اور ان قیادتوں (LEADERSHIPS) اور حکومتوں کو کھل کھیلنے، اور اپنے ملکوں کو اسپین اور ترکستان بنا دینے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی، پھر یہی عوام وہ نرم اور ہموار زمین ہے جس سے ہر طرح کی قدرتی دولت حاصل کی جا سکتی ہے، اور اس پر ہر طرح کے پرثمر باغات لگائے جا سکتے اور محل تعمیر کیے جا سکتے ہیں، یہ وہ "خام مال" (RAW MATERIAL)

ہے، جس سے بہترین انسانی مصنوعات تیار کی جا سکتی ہیں، اور مردم سازی اور آدم گری کا کام کیا جا سکتا ہے، صد ہا خامیوں، اور قابل اصلاح پہلوؤں کے باوجود یہ وہ انسانی مجموعہ ہے، جس پر پیغمبرانہ توجہات، اور اہل قلوب اور اہل خلوص کی محنتیں صرف ہوئی ہیں، اور وہ آج بھی اپنے خلوص قلب، اپنی محبت اور گرم جوشی، اور ایثار و قربانی کے جذبہ اور صلاحیت میں دوسری انسانی جماعتوں اور مذہبی قوموں سے فائق و ممتاز ہے۔

لیکن اسی کے ساتھ اس کی ضرورت ہے کہ ان مسلم عوام (MASSES) اور مسلم ممالک کی مسلم آبادی میں ان صفات کو بھی پیدا کرنے، اور اس اسلامی سیرت کو بروئے کار لانے کے لیے بھی سخت جد و جہد کی جائے، جن کی بنا پر انسانی نفوس، نصرت آسمانی، اور فتح و کامرانی کے مستحق ہوتے ہیں، اور جن کی وجہ سے مخالفتوں اور رکاوٹوں کے پہاڑ گرد و غبار بن جاتے ہیں، مثلاً صحیح عقیدہ، توحید خالص (جو شرک کے ہر شائبہ سے محفوظ) اسلامی سیرت اور اسلامی معاشرہ (جو جاہلی رسم و رواج اور غیر مسلم اقوام کی تقلید سے پاک ہو) اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مسلم معاشرہ کو اس مرض نفاق اور اس تضاد سے پاک کیا جائے، جو عرصہ سے اس میں سرایت کیے ہوئے ہے، اور جو اسلام کی اصل تعلیمات اور مثالی مسلم معاشرہ کے منافی ہے، اسی طرح ان اخلاق و عادات اور نفس امّارہ اور دولت و طاقت کے ان اثرات سے بھی اس کو بچانے کی کوشش کی جائے، جن کی بنا پر انبیاء سابقین کی بہت سی امتیں مستحق عذاب اور مورد غضب الٰہی ہوئیں، اسی طرح مغربی اقوام کے اس اخلاقی "جذام" سے بھی ان کو محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے جس میں مغربی تہذیب اور اہل مغرب مبتلا ہیں، اور اب وہ چاہتے ہیں کہ مشرقی اقوام اور بالخصوص مسلم ملکوں میں بھی وہ پوری طرح پھیل جائے۔

لیکن یہ اصلاحی کام ادھورا رہے گا، اور اس کے صحیح نتائج ظاہر نہیں ہوں گے جب تک کہ مسلمانوں میں صحیح دینی شعور نہ پیدا کیا جائے، اور ان کی صحیح ذہنی تربیت نہ ہو، ضرورت ہے کہ ان میں حقائق اور مسائل کا صحیح فہم، اور دوست دشمن میں تمیز کی صلاحیت پیدا ہو، ان کا شعور اتنا بالغ اور ان کا دینی فہم اتنا عمیق ہو کہ وہ گھرے

سیاسی مقاصد رکھنے والے رہبروں، سیاسی بازی گروں اور کھوکھلے نعروں سے دھوکا نہ کھائیں، اور عالم اسلام میں پھر ان روح فرسا المیوں (TRADGEDIES) کا اعادہ نہ ہو، جن میں بعض بڑی پرجوش مسلم قومیں اور ممالک، جاہلی قوم پرستی (NAITIONALISM) یا لسانی (LINGUISTIC) اور ثقافتی (CULTURAL) تعصبات کی آندھیوں میں پتوں کی طرح اُڑ گئے، اور آسانی کے ساتھ شاطر قیادتوں، اور غیر ملکی سازشوں کا شکار ہو کر اپنی سادگی اور شعور کی ناپختگی کے بھینٹ چڑھ گئے[1]۔

۲۔ دینی حقائق اور قرآنی و ایمانی اصطلاحات کو نیز دین کے صحیح تصور اور فہم کو ہر طرح کی تحریف سے بچایا جائے، اور ان کو جدید عصری و مغربی تصورات، اور سیاسی و اقتصادی نظاموں کے (بے اعتدالی کے ساتھ) تابع اور مطابق بنانے، اور اسلام کی خالص سیاسی تشریح و تعبیر، اور اسلام کو ایک نظریۂ حیات ثابت کرنے، اور عصری فلسفوں اور سیاسی نظاموں کی سطح پر لے آنے میں شدید احتیاط برتی جائے، اس لیے کہ حکومت و اقتدار، نظام و فلسفہ، تغیر و ترقی پذیر چیزیں ہیں، لیکن یہ دینی حقائق، اور دین کا صحیح عقیدہ اسلام کی دائمی بنیاد اور وہ نقطہ ہے، جس سے اس کا آغاز و انجام مربوط ہے، انبیاء علیہم السلام نے اپنے اپنے زمانہ میں انھیں کی دعوت دی، اور انھیں کے راستہ میں ان کی ساری جد و جہد اور جہاد تھا، اسی طرح ہر ایسی چیز سے احتیاط ضروری ہے جس کی بنیاد "ایمان بالآخرۃ" پر نہ ہو اور جس سے حصول رضائے الٰہی کا جذبہ کمزور اور ایمان و احتساب[2] کی روح مضمحل ہوتی ہو، اور تقرب الی اللہ زندگی کی اصل غایت نہ ٹھہرتی ہو، نیز جس تعلیم و تلقین اور تفہیم و تشریح سے دور جاہلیت کی بت پرستی (جو ابھی زندہ ہے) اور شرک اور اس کے عام اعمال و مظاہر کی قباحت و نفرت کم ہوتی ہو، اور اس کو دور جاہلیت کی ایسی یادگار

---

[1] ملاحظہ ہو مصنف کا رسالہ "لسانی و تہذیبی جاہلیت کا المیہ اور اس سے سبق" شائع کردہ "مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ" (اردو۔ عربی۔ انگریزی۔ بنگالی ایڈیشن)

[2] کسی کام کو محض اللہ کے وعدوں پر یقین اور اس کے موعود اجر و ثواب کے لالچ میں انجام دینے کو "احتساب" کہتے ہیں۔

سمجھنے کا ذہن پیدا ہوتا ہو جس کا زمانہ لد گیا، اور جس کی اب اس ترقی یافتہ دور میں کوئی گنجائش نہیں[1]، حالانکہ بقول اقبال۔ ع

اگرچہ پیر ہے مومن، جواں ہیں لات و منات

۳۔ ذات نبوی (علیہ الف الف سلام) سے مسلمان کے روحانی اور جذباتی تعلق پیدا ہونے اور برقرار رہنے کی کوشش، دل میں آپ کے لیے گہری محبت، اور مسلم معاشرہ میں عشق نبوی پیدا کرنے کی کوشش جو ایک مسلمان کی نظر میں آپ کو اہل و عیال، یہاں تک کہ اپنی ذات سے زیادہ محبوب بنا دے، جیسا کہ صحیح احادیث کے مطابق وہ ایمان کا تقاضہ اور اس کی علامت ہے، اور اس بات پر ذہنی طور پر پورا اطمینان اور اعتقاد کہ آپ "ختم الرسل، مولائے کل، دانائے سُبل" ہیں، اور ایسے تمام افرادت سے احتراز جو محبت کے ان سرچشموں کو خشک و پایاب، سنت پر عمل کرنے، اسوۂ رسول کی پیروی اور سیرت کے مطالعہ کے شغف اور اس کے تاثر کو کمزور کر دیں، یہی وہ وابستگی اور گرویدگی تھی، جس نے عجمی قوموں کو اسلام کے رشتہ سے منسلک اور غیر اسلامی تہذیب اور قومیتوں میں تحلیل ہو جانے سے محفوظ رکھا۔

یہ پہلو اس زمانہ میں ممالک عربیہ کے لیے خاص طور پر اہمیت رکھتا ہے، جہاں پچھلے برسوں میں عرب قوم پرستی کی تحریکوں، عیسائی اور یہودی مصنفین کی کتابوں اور جدید عرب ادیبوں اور ان داعیوں و فضلاء نے جو محبت کے عنصر سے محروم یا مقام "محمد عربی" سے ناآشنا تھے، اس کو اس حد تک کمزور کر دیا ہے کہ اب اس کے دوبارہ احیاء اور تقویت، اور ایک ایسے ایمان افروز و روح پرور اسلامی ادب کی ضرورت پیدا کر دی ہے[2]، جس کے پیش کرنے والے ایک عجمی عاشق رسول (اقبال) کے الفاظ میں کہہ سکیں کہ ؎

سیاہِ تازہ برانگیزم از ولایتِ عشق
کہ در حرم خطرے از بغاوت خرد است

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین" (اردو۔ عربی۔ انگریزی)

[2] ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "الطریق الی المدینۃ" یا اس کا ترجمہ "کاروان مدینہ"

۴۔ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ میں، اور جن کے ہاتھ میں آج ممالک اسلامیہ کی فکری، تعلیمی قیادت اور ذرائع ابلاغ ہیں، اسلام کی ہر زمانہ میں رہنمائی کرنے، نئے نئے مسائل کا سامنا کرنے، نئی نئی گتھیوں کو سلجھانے، اور انسانی قافلہ کو اس کی منزل مقصود پر پہونچانے، اور کشتیٔ حیات کو کنارہ لگانے کی صلاحیت پر اعتماد کی بحالی۔ جو غلط تعلیم اور مغربی افکار کے اثر سے یا تو ختم ہو گیا ہے، یا متزلزل ہو چکا ہے، اس طبقہ نے فرض کر لیا ہے کہ اسلام ایک ایسی بیٹری، یا ٹارچ ہے جس کا مسالہ ختم ہو گیا ہے، یا ایک ایسی بتی ہے جس کا تیل ختم، اور اس کا فتیلہ جل چکا ہے، اس کے دل میں از سر نو یہ اعتقاد اور اعتماد پیدا کرنا کہ اسلام ایک عالمی اور جاوداں پیغام ہے، جس میں زمان و مکان کی کوئی تفریق نہیں، اس کی ہر زمانہ میں کشتیٔ نوح کی حیثیت ہے جو تنہا غرق ہونے سے بچا سکتی ہے۔

اس اعتماد کا اس طبقہ کے دلوں سے بالکل نکل جانا، یا اس کا کمزور پڑ جانا، اس طبقہ کا وہ اصلی مرض ہے، جو اس وقت اس کے اکثر خلافِ اسلام اقدامات، اور "اصلاحات" کا محرک، اور اس ذہنی و تمدنی ارتداد کا سبب ہے، جس نے اس وقت پورے عالم اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، اور جس کی وجہ سے ان رہنماؤں اور اہل حکومت، اور مسلم عوام کے درمیان وہ عمیق اور عریض خلیج پیدا ہو گئی ہے، جو کسی طرح سے پُر نہیں ہوتی، اور جس کی وجہ سے ان ملکوں میں ایک شدید ذہنی، تہذیبی اور معاشرتی کشمکش برپا ہے، جو کبھی کبھی بغاوتوں اور انقلاب پر منتج ہوتی ہے۔

۵۔ اسلامی ممالک میں نظام و نصاب تعلیم کی بنیادی تبدیلی، اور از سر نو تشکیل، جو ان مسلم اقوام و ممالک کے قدو قامت، قدر و قیمت، پیغام و فرائض، اور اغراض و مقاصد سے پوری مطابقت رکھتی ہو، اور جو قطعاً کسی دوسرے ملک یا "کیمپ" سے درآمد نہ کی گئی ہو، بلکہ ان مسلمان ماہرین تعلیم، اور ماہرین فنون کے اجتہاد و مطالعہ، اسلام کے عمیق و جامع فہم اور بصیرت و تجربہ کا نتیجہ ہو، جو قدیم و جدید، اور مشرق و مغرب کے خود ساختہ حدود و خطوط سے بالاتر اور آزاد ہوں، یہ ایک ایسا ضروری کام ہے جس میں مطلق تاخیر کی گنجائش نہیں، اس کے بغیر یہ اسلامی ممالک اپنے پاؤں پر نہ کھڑے ہو سکتے ہیں، نہ اپنے دماغ سے سوچنے کے قابل

ہو سکتے ہیں، نہ اپنے عزم و ارادہ سے ان ممالک کا نظام چلا سکتے ہیں، اور نہ ان ممالک کی دانشگاہیں ادب و صحافت، اور ذرائع ابلاغ، اسلام کے مزاج و روح، اور معاشرہ کی ضرورت کے مطابق فرض انجام دے سکتے ہیں۔[1]

۶۔ ایک ایسی طاقتور، عالمگیر، علمی و تحقیقی تحریک، جو جدید نسل کا اسلام کے علمی ذخیرہ سے رشتہ استوار کر سکے، اسلامی علوم میں نئی روح پھونک سکے، اور اس حقیقت کو ثابت کر سکے کہ اسلامی قانون اور فقہ نہایت وسیع اور ترقی پذیر قانون ہے، اور وہ ایسے ابدی اصولوں پر قائم ہے، جو کبھی فرسودہ اور از کار رفتہ نہیں ہو سکتے، جس میں زندگی کے تغیرات و ترقیات کا ساتھ دینے کی پوری صلاحیت ہے، اور جس کی موجودگی میں کسی وضعی، اور انسانی قانون کی پناہ لینے کی ضرورت نہیں، یہی عصر حاضر کا وہ "تجدیدی" کام ہے، جو اسلامی ملکوں، اور موجودہ اسلامی معاشرہ کو ذہنی و معاشرتی ارتداد سے بچا سکتا ہے، اور مغرب زدگی و تجدد کے اس دھارے کو روک سکتا ہے، جو عالم اسلام میں اس وقت پوری طغیانی پر ہے۔[2]

۷۔ اسلامی ممالک اور مسلم معاشرہ میں اس اسلامی تمدن کی کارفرمائی اور جلوہ نمائی کی کوشش جو اسلام کے اصول و مقاصد، طہارت و عفت، اعتدال، ذوق سلیم، قرآنی تعلیمات، اسوۂ رسول، اور قرون اولیٰ کی اسلامی زندگی، اور اسلام کے مثالی معاشرہ کے بہت سے محاسن کا جامع ہے، کسی ملک اور قوم کا محض عقائد و عبادات سے وابستہ رہنا، اور اس تمدن سے کنارہ کشی اختیار کر لینا جو ان دینی تعلیمات اور ان کے وسیع، جامع اور محکم اصول کے ماتحت پروان چڑھا ہو، اور کسی اجنبی تمدن کا اختیار کر لینا، دین کو عبادت گاہوں، اور مذہبی رسوم (RITUALS) میں محدود، اور ان ممالک کو تہذیبی و معاشرتی ارتداد کے خطرے سے

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مصنف کی اس عنوان پر مستقل تصنیف "نحو التربیۃ الاسلامیۃ الحرّۃ" یا اردو کتاب "مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش" عنوان "مغربی نظام تعلیم" اور "زہر کا تریاق" صفحہ ۲۲۲-۲۳۴

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش "عنوان" قانون اسلامی کی تدوین جدید کی ضرورت" صفحہ ۲۵۱-۲۵۵

دوچار کردینے کے مرادف ہے، جہاں تک ان مسلم ممالک کا تعلق ہے، جو مغربی تہذیب کے زیراثر ہیں، ان میں دانایانِ فرنگ کی سازش پورے طور پر کامیاب ہوگئی ہے، جنھوں نے ان ممالک کو چند عبادات اور اسلامی شعائر کو چھوڑ کر بالکل اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے، اور حکومت کے دفاتر سے لے کر قومی زندگی کے تمام شعبوں اور دائروں، سکونتی مکانات اور ہوٹلوں میں بعض اوقات یہ پہچاننا مشکل ہوجاتا ہے کہ ہم کسی مسلم ملک میں ہیں یا کسی خالص مغربی ملک میں، ملی تشخص، اور دین کے ساتھ زندہ اور طاقتور ربط کے لیے ضروری ہے کہ اسلام کا پیدا کیا ہوا مخصوص تمدن اور طرزِ زندگی بھی ان ملکوں میں کارفرما ہو کہ تمدن اور زندگی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔[1]

۸۔ عالمِ اسلام کی اس وقت ایک بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایک ایسی فکری قیادت ابھرے جو مغربی تہذیب کا جرأت، اعتماد اور قوتِ اجتہاد کے ساتھ سامنا کرے، اور تہذیب جدید کے مختلف سانچوں، مکاتیبِ فکر، اور طریقہائے عمل کے درمیان ایک نیا راستہ پیدا کرے، ایسا راستہ جو تقلید، نقل، غلو اور انتہا پسندی سے محفوظ، ظاہری اشکال، مظاہر اور سطحی نقطۂ نظر سے بلند ہو، حقائق اور وسائل قوت اور مغز کی طرف متوجہ ہوں، اور اس کے ظاہری خول میں نہ الجھے، مغربی تہذیب اور علوم کے ساتھ خام مال (RAW MATERIAL) کا سا معاملہ کرے، اور اس سے ایک نئی طاقتور تہذیب کی عمارت تعمیر، اور زندگی کا ایک ایسا ڈھانچہ تیار کرے جو اس کے مقاصد، اس کے عقیدے، اور اس کے اصولِ اخلاق کے ساتھ ہم آہنگ ہو، یہ وہ انقلاب انگیز اور مجتہدانہ کام ہے، جس کے بغیر عالمِ اسلام حقیقی طور پر آزاد و خودکار نہیں ہوسکتا ہے۔[2]

۹۔ ان حکومتوں کو جو مسلم اکثریت کے ممالک میں دین پسند اور اسلام دوست عناصر سے

---

[1] اس موضوع پر مصنف کا مستقل رسالہ ملاحظہ ہو "اہمیۃ الحضارۃ فی تاریخ الدیانات وحیاۃ اصحابہا" (مذاہب کی تاریخ اور ان کے پیروؤں کی زندگی میں تمدن کی اہمیت) شائع کردہ دارِ عرفات رائے بریلی۔

[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش" عنوان "عالمِ اسلام کا سب سے بڑا خطرہ"

برسرپیکار ہیں، اور وہاں ایک معنوی و اعتقادی نسل کشی (GENOCIDE) کی مہم جاری ہے، اور اس پر اس ملک کے قائدین اور حکمرانوں کی (جو کسی فوجی انقلاب کے نتیجہ میں یا کسی سازش کے ماتحت، حکومت واقتدار میں آگئے ہیں، بہترین توانائیاں صرف ہو رہی ہیں، نیز بعض ان عرب ممالک کے سربراہوں کو، جو دینی حقائق و مفاہیم، اور شرعی احکام و نصوص میں ایسی تبدیلی لانا چاہتے ہیں، جو ان کے سیاسی اغراض، شخصی کمزوریوں یا غیر ملکی منصوبوں کی کامیابی میں مدد کر سکیں، یہ باور کرانے کی کوشش کرنا کہ یہ حکمتِ عملی بے نتیجہ، قومی سالمیت اور استحکام کے لیے مضر، اور انتشار انگیز کوشش ہے، جو ہر مسلم ملک میں ناکام ہو چکی ہے، ان کو ان مقاصد اور کوششوں کی طرف متوجہ کرنا، جو ملک کے لیے حقیقی طور پر مفید اور اس کی طاقت و حفاظت کا ذریعہ ہیں۔

اسی طرح سے ان مسلمان حکومتوں، اور ان کے سربراہوں کو جن کے دل میں اسلام کی عزت و محبت ہے، شریعت اسلامی کے نفاذ، اور اسلامی قوانین کے اجراء پر اور اس مقصد کے لیے مناسب فضا اور ماحول تیار کرنے پر آمادہ کرنا، اور اس بات کا یقین دلانا کہ یہ تبدیلی خدا کی طرف سے فتح و نصرت، اور معاشرہ میں سعادت و برکت پیدا ہونے کا موجب ہوگی۔

اسی کے ساتھ عالم اسلام میں ایک ایسی مرکزی قیادت کے عالم وجود میں آنے کی فکر و سعی جو "شورائیت" کے اسلامی اصول، اور "تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى" کی بنیاد پر قائم ہو، اور اپنی اس کوتاہی اور محرومی پر کم سے کم تأسف و ندامت کہ اس وقت عالم اسلام خلافت کے اس ضروری ادارے، اور اس مبارک نظام سے محروم ہے، جس کے قیام کے مسلمان مکلف بنائے گئے تھے، اور جس سے محرومی کا جرمانہ وہ مختلف شکلوں میں ادا کر رہے ہیں۔

۱۰۔ جہاں تک خالص غیر مسلم ممالک کا تعلق ہے، وہاں اسلام کا ایسا مؤثر اور معقول تعارف، اور اس طرح اسلامی دعوت کا پیش کرنا جو اسلام کے مزاج اور اس زمانہ اور ان قوموں کی نفسیات کے مطابق ہے، اس لیے کہ ان ممالک میں اسلام کھیل دیں

اور روحانی و اخلاقی [illegible]
اسلام کے لیے روشن امکانات پیدا ہو گئے ہیں، اور اس کی اشاعت کا وسیع میدان پایا جاتا ہے۔

جہاں تک ان ممالک کا تعلق ہے، جن میں مسلم اقلیتیں پائی جاتی ہیں، وہاں مسلمانوں کو اپنی نئی نسل کی دینی تعلیم کے آزاد و خود کفیل انتظام، اپنے پرسنل لا کے تحفظ[1]، نئے نئے قوانین کے بارے میں بیدار مغزی، اور خود داری کا ثبوت دینے کے ساتھ، ان ممالک کی اخلاقی قیادت کے خلا کو پُر کرنے کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے، جس کو صرف وہی پُر کر سکتے ہیں، اور جس کے ذریعہ سے وہ نہ صرف اپنی افادیت و ضرورت ثابت کر سکتے ہیں، بلکہ اس بر سر انحطاط معاشرہ، اور ان زوال پذیر ملکوں کے نجات دہندہ اور معمار بن کر ان کے محبوب رہنما، اور محترم قائد بھی بن سکتے ہیں[2]، اور اس طرح اسلام کے لیے خدمت اور ان مسلمانوں کے لیے عزت و اعتماد کا راستہ کھل سکتا ہے، جو مخصوص سیاسی حالات اور گزشتہ تاریخ نے اگر بند نہیں تو سخت دشوار گزار بنا دیا ہے۔

تاریخ انسانی بلکہ درحقیقت نسل انسانی کی اس نئی صدی کے آغاز میں ایسے مردان کار کی طرف نگٹکی لگی ہوئی ہے، جو نہ صرف اسلام بلکہ عصر حاضر کی ان ضرورتوں کی تکمیل کریں، اور ایسے مجتہدانہ اور جرأت مندانہ اقدامات کریں، جو تاریخ کے دھارے کو بدل دے، زمانہ کا حقیقت شناس، فراخ نظر، اور کشادہ دل مؤرخ قلم ہاتھ میں لیے ہوئے اس انتظار میں ہے کہ وہ ان کارناموں کو سنہرے حروف سے لکھے، اور ان کے انجام دینے والوں کو خراج عقیدت ادا کرے۔

---

[1] ملاحظہ ہو دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش، اور مسلم پرسنل لا بورڈ (مونگیر) کی طرف سے شائع کیا ہوا لٹریچر۔
[2] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مصنف کا رسالہ "تحریک پیام انسانیت کے بارے میں ایک اہم انٹرویو" شائع کردہ "حلقۂ پیام انسانیت" لکھنؤ۔

امراض کا روحانی علاج

مولانا سید جلال الدین عمری

دوا ایک ظاہری تدبیر ہے۔ اس تدبیر کو کامیاب بنانا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ چاہے تو کوئی بھی تدبیر کامیاب ہوگی اور نہ چاہے تو کامیاب نہ ہوگی۔ ہم سب کا رات دن کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ بعض اوقات حکیم اور ڈاکٹر صحیح تشخیص ہی نہیں کر پاتے اور تشخیص ہوتی بھی ہے تو اتنی تاخیر سے کہ مرض قابو سے باہر ہو جاتا ہے اور علاج ممکن نہیں رہتا۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بہتر سے بہتر دوا کے باوجود کبھی فائدہ نہیں ہوتا اور جس علاج کو تیر بہدف کہا جاتا ہے وہ بھی ناکام ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دوا اسی وقت کام کرتی ہے جب اللہ تعالیٰ کی مشیئت ہوتی ہے۔ وہ چاہے تو خاک بھی اکسیر بن جائے، اس کی مرضی نہ ہو تو مجرب سے مجرب نسخہ بھی اپنی تاثیر کھو دے اس لیے دوا علاج کے ساتھ مریض کو اللہ تعالیٰ کی طرف زیادہ سے زیادہ متوجہ ہونا چاہیے اور ظاہری تدابیر سے زیادہ اس کی مدد اور کرم پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔

تعلق باللہ اس کے لیے ضروری ہے کہ مریض اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق مضبوط کرے یہ تعلق خود بھی ایک علاج ہے اور بہت بڑا علاج ہے۔ اس سے مریض کو سکون اور راحت ملتی ہے۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا خدا اس کے ساتھ ہے، جو اس کے حالات سے اچھی طرح باخبر اور اس کے دکھ درد سے واقف ہے، جو سراپا رحیم و کریم ہے، جو بڑی حکمتوں اور مصلحتوں والا ہے جس کی قدرت بے پایاں اور لامحدود ہے اور جو چاہے تو آن کی آن میں اسے صحت و تندرستی عطا کر سکتا ہے، یہ احساس اسے مایوسی اور ناامیدی سے بچاتا اور اسے نئی زندگی اور توانائی عطا کرتا اور اس کے

اندر مرض کے مقابلہ کا عزم اور حوصلہ پیدا کرتا ہے۔

قرآن ایک نسخہ شفاء اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے اور اسے بڑھانے کا بہترین ذریعہ قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء کہا ہے۔ اس نسخہ اشفاء سے ہر طرح کے مریض صحت یاب ہو سکتے ہیں۔ ارشاد ہے:۔

وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا	ہم قرآن میں جو نازل کرتے ہیں اس
هُوَ شِفَاءٌ وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ	میں مومنوں کے لیے تو شفاء اور رحمت
وَلَا يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إِلَّا	ہے اور یہ ظالموں کے خسارے ہی میں
خَسَارًا (بنی اسرائیل ۸۲)	اضافہ کرتا ہے۔

امام رازی نے اس آیت کے ذیل میں بڑی اچھی بحث کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن روحانی امراض کے لیے بھی شفاء ہے اور جسمانی امراض کے لیے بھی روحانی امراض کے لیے اس کا شفا ہونا تو بالکل ظاہر ہے۔ اس لیے کہ یہ باطل عقائد اور فاسد اخلاقیات کی اصلاح کرتا ہے اور ان کی جگہ صحیح عقائد اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے۔ باقی رہا، امراض جسمانی کے لیے اس کا شفاء ہونا تو یہ بھی طے ہے۔ اس کی تلاوت کی برکت سے بہت سے امراض دور ہوتے ہیں فلاسفہ اور جادو منتر اور ٹونے ٹوٹکے کرنے والے سب ہی جانتے ہیں کہ بے معنی قسم کے منتروں اور تعویذوں کے بھی اثرات ہیں۔ ان کے ذریعہ فائدہ بھی اٹھایا جاتا ہے اور نقصان سے بچا بھی جاتا ہے، پھر اس قرآن عظیم کی تلاوت جس میں اللہ کے جلال اور کبریائی، ملائکہ مقربین کی عظمت اور سرکش شیاطین کی تحقیر کا بیان ہے، اس سے دین و دنیا کا نفع کیوں نہیں حاصل ہوگا۔ اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:۔

من لم یستشف بالقرآن فلا شفاہ اللہ تعالیٰ[1]	جو شخص قرآن سے اسے حقیر اور بے فائدہ سمجھ کر شفاء نہ طلب کرے اللہ اسے شفاء نہ دے۔

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قرآن طب کی کتاب نہیں ہے، وہ بیماروں کے علاج معالجہ سے بحث نہیں کرتا، اس کا موضوع، انسان کی فکری و اخلاقی اصلاح ہے۔ لیکن اگر اس سے جسمانی مریض بھی صحتیاب ہوتے ہیں تو یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے۔ خدا کے کلام میں ضمناً اس طرح کی تاثیر پائی جا سکتی ہے عقل اس کو ناممکن اور بعید نہیں سمجھتی، پھر یہ کہ احادیث میں صراحت کے ساتھ قرآن کی اس خصوصیت کا ذکر موجود ہے، اس لیے بھی اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت علیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

خیر الدواء القرآن[1] — بہترین دوا قرآن ہے۔

قرآن مجید میں شہد کو بھی شفاء کا سبب بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:-

يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (النحل ۶۹)

شہد کی مکھیوں کے پیٹ سے پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے مختلف رنگ ہیں اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

علیکم بالشفائین العسل والقرآن[2] — دو چیزیں جن میں شفا ہے انھیں نہ چھوڑو یعنی شہد اور قرآن۔

اس حدیث میں گویا قرآن کے ان دونوں بیانات کو جوڑ دیا گیا ہے کہ قرآن شفا ہے اور شہد میں شفا ہے علاج دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک مادی۔ دوسرا روحانی۔ اس حدیث میں دونوں طرح کے علاج کا ذکر ہے۔ شہد کی خوبی یہ ہے کہ وہ غذا بھی ہے اور دوا بھی۔ اس کے بے شمار طبی فوائد ہیں۔ اس لیے مادی علاج کے طور

---

[1] (حاشیہ صفحہ گزشتہ) تفسیر کبیر ۵/۴۴۴ یہ روایت تفسیر کی بعض اور کتابوں میں بھی نقل ہوئی ہے لیکن حدیث کی کسی مستند کتاب میں مجھے نہیں ملی کنز العمال ۱۰/۴ میں دارقطنی کی الافراد کا حوالہ ہے۔ اس کی صحت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ اسی سلسلہ کی دوسری روایات جو آگے آ رہی ہیں ان سے اس کی تائید ضرور ہوتی ہے۔ [2] ابن ماجہ، ابواب الطب باب الاستشفاء بالقرآن۔ [3] ابن ماجہ، ابواب الطب، باب العسل۔ مستدرک حاکم ۴/۲۰۰۔

پر اس کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن شریف سے روحانی علاج ہوتا ہے۔ اور اس سے بھی بیمار شفایاب ہوتے ہیں۔ تجربہ جس طرح مادی علاج سے فائدہ کی شہادت دیتا ہے، اسی طرح اس بات کی بھی شہادت دیتا ہے کہ خدا کے کلام میں تاثیر ہے اور اس سے مریضوں کو فائدہ پہونچتا ہے۔[1]

قرآن کی تلاوت بیماری میں قرآن سے فائدہ اٹھانے کی مختلف صورتیں ہیں، اس کی ایک صورت قرآن کی تلاوت ہے۔ مریض خود بھی تلاوت کرسکتا ہے اور دوسرے بھی اس کے پاس بیٹھ کر پڑھ سکتے ہیں۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حلق میں تکلیف کی شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا تم قرآن پابندی سے پڑھو۔

اسی طرح ابن مردویہ نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سینہ میں درد کی شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا:- قرآن پڑھو (دیکھو) اللہ تعالیٰ نے قرآن کو شفاءٌ لِمَا فِی الصُّدُوْرِ کہا ہے (یعنی اس میں سینوں کے امراض کی شفا ہے)

ابو عبیدہ کی روایت ہے (مشہور تابعی) طلحہ بن مصرف فرماتے ہیں (صحابہؓ کے دور میں) یہ کہا جاتا تھا کہ مریض کے پاس قرآن پڑھنے سے وہ بیماری میں کمی محسوس کرتا ہے۔[2]

یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر کسی مریض کے سامنے خدا کی قدرت وحکمت کا بیان ہو، اس کے لطف وعنایت کا تذکرہ کیا جائے، یہ بتایا جائے کہ وہ مجیب الدعوات مشکل کشا اور حاجت روا ہے، مصائب ومشکلات میں صبر وثبات کا بڑا اجر وثواب ہے تو اس سے وہ قلبی راحت اور سکون محسوس کرتا ہے، اس سے اس کا اضطراب اور بے چینی کم ہوتی اور غم واندوہ کا

---

[1] تفصیلی بحث کے لیے دیکھی جائے علامہ ابن قیم کی کتاب الطب النبوی۔

[2] الاتقان فی علوم القرآن ۲/۱۶۳

بوجھ ہلکا ہوتا ہے ۔ مریض کے لیے اس کی بڑی اہمیت ہے ۔ قرآن شریف کی تلاوت سے یہ مقصد پوری طرح حاصل ہوتا ہے۔

قرآن دم کرنا قرآن شریف پڑھ کر دم کرنا بھی احادیث سے ثابت ہے :۔

عمرہ بنت عبدالرحمن کہتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی طبیعت ناساز تھی۔ حضرت ابوبکرؓ ان کے ہاں تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ ایک یہودی عورت کچھ پڑھ کر پھونک رہی ہے ۔ آپ نے فرمایا :۔

اِرْقِیْھَا بِکِتَابِ اللّٰہِ[1]	اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھ کر پھونکو

یہاں بظاہر کتاب اللہ سے قرآن مجید مراد ہے ۔ توریت بھی ہو سکتی ہے ۔ بشرطیکہ جو حصہ پڑھا جائے اس میں کسی غلط بات کی آمیزش نہ ہو۔

اس روایت کے ذیل میں امام محمد فرماتے ہیں :۔

وبھذا ناخذ لا باس بالرقی بما کان فی القرآن وما کان من ذکر اللہ فاما ماکان لا یعرف من الکلام فلا ینبغی ان یرقی بہ[2]	اسی کو ہم نے اختیار کیا ہے ۔ جو جھاڑ پھونک قرآن سے یا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن جس کلام کا معنی و مفہوم معلوم نہ ہو اس سے جھاڑ پھونک نہیں کرنی چاہیے۔

قرآن کی بعض سورتوں کا اس سلسلہ میں خاص طور پر ذکر آتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے :۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی فاتحۃ الکتاب شفاءٌ من کل داءٍ[3]	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ فاتحہ میں ہر بیماری کی شفا ہے

حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے ۔ ایک روایت حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے

---

[1] موطا، کتاب الجامع، باب التعوذ والرقیہ من المرض۔ [2] موطا، امام محمد ص ۳۰۳ ۔ [3] رواہ الدارمی فی فضائل القرآن، فصل فاتحۃ الکتاب، والبیہقی فی شعب الایمان، مشکوٰۃ، فضائل القرآن۔

بھی اسی مفہوم کی آئی ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہؓ کا ایک چشمہ پر سے گزر ہوا، وہاں ایک قبیلہ رہتا تھا۔ ان لوگوں نے قبیلہ والوں سے درخواست کی کہ وہ انھیں اپنا مہمان بنالیں لیکن انھوں نے انکار کردیا۔ اسی اثنا میں قبیلہ کے سردار کو سانپ یا کسی زہریلے بچھو نے ڈس لیا۔ ایک شخص نے آکر ان سے دریافت کیا کہ تم لوگوں میں کوئی جھاڑ پھونک جانتا ہے؟ ایک صاحب نے جواب دیا کہ میں جانتا ہوں، لیکن تم لوگوں نے ہمیں کچھ کھلایا پلایا نہیں اس لیے جب تک اس کا معاوضہ نہیں دوگے میں زہر نہیں اتاروں گا۔ چنانچہ (تیس۳۰ بکریوں پر) معاملہ طے ہوا۔ انھوں نے سورۂ فاتحہ پڑھ کر پھونکی تو وہ ٹھیک ہوگیا۔ وہ بکریاں لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہونچے تو ان لوگوں نے کہا کہ تم نے کتاب اللہ کی اجرت لی ہے، ہم اسے پسند نہیں کرتے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ مسکرانے لگے اور فرمایا تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ سے جھاڑ پھونک ہوسکتی ہے؟ اسے آپس میں تقسیم کرلو اور میرا بھی حصہ لگاؤ۔[1]

اس حدیث کے ذیل میں امام نووی فرماتے ہیں:۔

فیہ التصریح بانھا رقیۃ فیستحب ان یقرأ بھا علی اللدیغ والمریض وسائر اصحاب الاسقام والعاھات[2]	اس میں صراحت ہے کہ سورۂ فاتحہ ایک رقیہ (دعا) ہے جس شخص کو سانپ یا بچھو ڈس لے اس پر اور جو مریض ہے اس پر

غرض یہ کہ سب ہی بیماروں اور آفت زدہ انسانوں پر اس کا پڑھنا پسندیدہ ہے۔

اسی قسم کی ایک اور روایت خارجہ بن الصلت سے آتی ہے۔ وہ اپنے چچا[3] سے روایت کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ واپسی میں ان کا اور ان کے ساتھیوں کا ایک قبیلہ پر سے گزر ہوا۔ اس قبیلہ میں ایک پاگل تھا جو زنجیروں میں بندھا ہوا تھا۔ قبیلہ والوں نے ان لوگوں سے کہا کہ ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ آپ لوگ اس شخص (نبی صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس سے دین و دنیا کی بھلائی لے کر آئے ہیں۔

---

[1] بخاری، کتاب الطب، باب الرقی بفاتحۃ الکتاب۔ مسلم، کتاب السلام، باب جواز اخذ الاجرۃ علی القرآن۔

[2] شرح مسلم ۲/۲۲۴۔ [3] ان کا نام راجح قول کے مطابق علاقہ بن صحار تمیمی ہے۔

کیا آپ لوگوں کے پاس کوئی دعا یا دوا ایسی ہے کہ اس کا علاج ہو سکے۔ ہم نے کہا ہاں! چنانچہ وہ لوگ اس پاگل کو باندھ کر لائے۔ میں نے تین دن صبح و شام سورۂ فاتحہ اس پر دم کی تو وہ اس طرح ٹھیک ہو گیا جیسے اس سے کھول دیا گیا ہو۔ انھوں نے مجھے سو بکریاں دیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا (تاکہ معلوم ہو کہ ان سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے یا نہیں) آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم نے سورۂ فاتحہ کے علاوہ اور تو کچھ نہیں پڑھا۔ میں نے عرض کیا نہیں! آپؐ نے فرمایا، لوگ باطل قسم کے منتر پڑھ کر اس کا معاوضہ کھاتے ہیں اور تم تو ایک جائز دعا پڑھ کر اس کا معاوضہ کھا رہے ہو۔[1]

سورۂ اخلاص اور معوذتین (قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس) کا مرض اور صحت دونوں حالتوں میں پڑھ کر دم کرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ آدمی انھیں خود بھی اپنے اوپر دم کر سکتا ہے اور دوسروں سے کرا بھی سکتا ہے۔ اس مقصد کے لیے یہ سورتیں بہت ہی موزوں اور مناسب ہیں۔ سورۂ اخلاص میں مشرکانہ تصورات کی بھرپور تردید اور توحید کا مکمل اثبات ہے، یہ اسلام کے عقیدۂ توحید کی بہترین ترجمان ہے، اس کی بار بار تلاوت اور اس پر غور و فکر انسان کو غلط عقائد سے محفوظ رکھ سکتا ہے، معوذتین میں سحر، جادو، ظلمت شب کے مضرات، کسی کے حسد اور اس کے اثرات و نتائج، برے خیالات اور شیاطین جن و انس کے ہر طرح کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کی گئی ہے۔ یہ جامع و مانع اور مکمل استعاذہ ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر لیٹتے تو سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر اپنی دونوں ہتھیلیوں پر پھونکتے اور انھیں اپنے چہرہ پر

---

[1] ابوداؤد، کتاب الطب، باب کیف الرقیٰ۔ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دعا یا آیات کے ذریعہ علاج کر کے اس کا معاوضہ لینا جائز ہے۔ ان واقعات کے علاوہ کوئی اور واقعہ دور رسالت میں ہمیں نہیں ملتا۔ آج کل دعا، تعویذ وغیرہ کا جس طرح کاروبار چل رہا ہے۔ ان واقعات سے اس کے جواز کا حکم لگانا مشکل ہے۔

اور جسم پر جہاں تک وہ پہنچ سکیں پھیرتے تھے، جب آپ بیمار ہوئے تو مجھ سے فرماتے تھے کہ تم ان سورتوں کو پڑھ کر میرے چہرہ اور جسم پر ہاتھ پھیرا کرو۔[1]

ایک اور روایت میں ہے: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز ہوتی تو آپؐ معوذتین پڑھ کر اپنے اوپر پھونکتے اور بدن پر ہاتھ پھیر لیتے۔ مرض الموت میں یہ سورتیں پڑھ کر میں پھونکتی اور اپنے ہاتھ کی جگہ آپؐ کا دست مبارک پھیرتی تھی اس لیے کہ وہ زیادہ بابرکت تھا۔[2]

ایک اور روایت میں فرماتی ہیں کہ آپؐ کے گھر کے لوگوں میں سے جب کوئی بیمار ہوتا تو آپؐ معوذتین پڑھ کر اس پر پھونکتے تھے۔[3]

امام نووی فرماتے ہیں:-

وفی هذا الحدیث استحباب الرقیة بالقرآن وبالاذکار انما رقی بالمعوذات لانهن جامعات للاستعاذة من کل المکروهات جملة وتفصیلاً[4]	اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن اور دوسرے اذکار کا پڑھ کر پھونکنا مستحب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر معوذات اس لیے پڑھ کر پھونکیں کہ یہ جامع استعاذہ

ہیں۔ ان میں اجمالی اور تفصیلی طور پر ہر طرح کے مکروہات سے پناہ طلب کی گئی ہے۔

علامہ قرطبی کہتے ہیں کہ اللہ کا کلام اور اس کے اسماء پڑھ کر دم کرنا جائز ہے اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہو تب تو مستحب ہے۔[5]

(جاری)

---

[1] بخاری، کتاب الطب، باب النفث فی الرقیۃ [2] بخاری، کتاب الطب، باب الرقیٰ بالقرآن والمعوذات۔ مسلم، کتاب السلام، باب استحباب رقیۃ المریض۔ [3] مسلم، حوالہ سابق [4] شرح مسلم ۲/۲۲۳ [5] الاتقان فی علوم القرآن ۲/۱۶۶۔

ایک سفرِ سعادت

مرکز نظام الدین (دہلی)، علی گڑھ، سنبھل

محمد منظور نعمانی

قریباً ۶ سال سے یہ عاجز ایسے حال میں ہے کہ چند قدم چلنے کے لیے بھی دوسرے آدمی کا سہارا لینے کی ضرورت ہوتی ہے، اسی وجہ سے اپنے کو سفر سے معذور قرار دے لیا ہے اور خانہ نشینی پر قناعت کا فیصلہ کر لیا ہے ـــــ اگر کسی سبب سے سفر کرنا ضروری اور ناگزیر ہو تو اُس کے لیے ایسے غیر معمولی انتظامات کرنے پڑتے ہیں جن کو میں اپنے لیے مناسب نہیں سمجھتا۔ اسی وجہ سے اس طویل عرصہ میں اپنے آبائی وطن سنبھل بھی نہیں جا سکا جہاں حقیقی بھائی اور سب اعزہ اقربا ہیں۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں کچھ ایسے مخلص احباب ہیں جن کے بارہ میں راقم سطور کو اپنے معلومات اور اندازوں کی بنا پر خاص درجہ کا حسن ظن ہے اور دل میں ان کی قدر اور ان کے ساتھ قلبی محبت ہے۔ تبلیغی کام سے تعلق کے نتیجہ میں اُن میں آخرت کی فکر اور دین کی طلب ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس راہ میں جدو جہد اور قربانی کی توفیق بھی ملی ہوئی ہے ـــــ ان میں سے ایک عزیز دوست ایک دن آئے اور کہا کہ ہمیں یہ معلوم ہے کہ اب آپ سفر نہیں کرتے، اس کے باوجود ہماری یہ خواہش ہے کہ چند روز آپ کا قیام ہم لوگوں کے ساتھ علی گڑھ رہے، ہم نے یہ طے کیا ہے کہ ہم اپنی گاڑی یہاں لکھنؤ لے آئیں گے۔ اُس سے سفر انشاء اللہ سہولت سے ہو جائے گا۔ یہاں سے چل کر علی گڑھ اپنی قیام گاہ ہی پر انشاء اللہ

اترنا ہوگا۔ راستہ میں اترنے چڑھنے کی ضرورت نہ ہوگی ـــــ انھوں نے یہ بھی کہا کہ آپ بہت زمانے سے مرکز نظام الدین بھی نہیں جا سکے ہیں، اپنی گاڑی ہی کے ذریعہ علی گڑھ سے وہاں جانا آنا آسان ہوگا ـــــ

میں نے اسی امید پر کہ یہ سفر انشاء اللہ میرے لیے خیر وسعادت کا وسیلہ ہوگا ارادہ کر لیا اور اُن سے کہا کہ کار سے اتنے طویل سفر کا تو میں تحمل نہیں کر سکوں گا اگر خدا نے چاہا تو ٹرین ہی سے سفر ہوگا ـــــ پھر اپنی سہولت کے پیش نظر پروگرام یہ بنایا کہ لکھنؤ سے سیدھے دہلی کا سفر ہو پہلے مرکز نظام الدین حاضری ہو، وہاں سے علی گڑھ آیا جائے ـــــ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے گزشتہ مہینے مارچ کے آخری ہفتے میں یہ سفر ہوا۔ ۲۴؍ مارچ کی شب میں "لکھنؤ دہلی میل" سے روانہ ہو کر ۲۵؍ کی صبح نئی دہلی کے اسٹیشن پر اترے۔ اس سفر میں میرے عزیز مولوی محمد زکریا صاحب (جو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں استاذ ہیں) میرے رفیق تھے، الحمد للہ سفر میں وہ سب انتظامات بسہولت ہو گئے جنکی میری معذوری کی وجہ سے ضرورت ہوتی ہے ـــــ جو عزیز دوست اس سفر کے داعی اور محرک تھے وہ گاڑی لیکر پہلے ہی علی گڑھ سے دہلی آگئے تھے اور اسٹیشن پر گاڑی کے ساتھ موجود تھے ـــــ ٹرین سے اتر کے پہلے سیدھے مرکز نظام الدین آئے ـــــ مولانا محمد عمر صاحب پالنپوری کا بیان جو معمولاً نماز فجر کے بعد شروع ہو جاتا ہے جاری تھا، میں حاضرین وسامعین کے مجمع کے ساتھ ایک کنارے بیٹھ گیا، مولانا کے بیان کا جو حصہ بھی نصیب ہوا وہ میرے لیے اکسیر تھا۔ جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

بعد میں حضرت مولانا انعام الحسن صاحب اور دوسرے حضرات کی زیارت و ملاقات اور مجالست کی سعادت نصیب ہوئی ـــــ صرف عصر کے وقت تک وہاں قیام رہا ـــــ پروگرام کے مطابق عصر کی نماز اول وقت اپنے کمرہ میں پڑھ کر ہم لوگ علی گڑھ کے لیے روانہ ہو گئے۔ اور نماز عشاء علی گڑھ اپنی قیام گاہ پہ پہنچ کے ادا کی۔ ۵ راتیں اور ۴ دن وہاں قیام رہا ـــــ قریباً روزانہ ہی ایک دو نشستیں ہوتی تھیں جن میں یونیورسٹی کے حلقہ کے وہ مخلصین اہتمام سے شریک ہوتے تھے جن کا تبلیغی کام سے کچھ تعلق ہے، ان کی تعداد ڈیڑھ دو سو کے لگ بھگ رہتی ہوگی۔ ان میں زیادہ تر یونیورسٹی کے اساتذہ اور مختلف درجہ کے

اصحاب مناصب ہوتے تھے، طلبہ بھی ہوتے تھے ـــــ ان مجلسوں اور نشستوں میں حسب توفیق کچھ دینی باتیں کی جاتی تھیں۔

اپنے بندوں کے باطن کا حال تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے (اور مقبولیت و نامقبولیت کا دار و مدار باطن ہی پر ہے)۔ تاہم اپنی ظاہری آنکھوں نے ان حضرات کا جو حال اور رنگ دیکھا اور جو کچھ محسوس ہوا اُس نے اس عاجز کو بہت متاثر کیا ـــــ ان میں سے متعدد ایسے احباب کے بارے میں جو ایم اے، پی ایچ ڈی اور یونیورسٹی میں استاذ ہیں معلوم ہوا کہ انھوں نے اپنے بچوں کو پہلے قرآن مجید حفظ کرایا ہے، بعض دوستوں کے متعلق معلوم ہوا کہ ان کی بچیاں بھی حافظ قرآن ہیں اور ان کی اولاد یونیورسٹی کے ماحول میں رہتے ہوئے بھی انھیں کے دینی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ یہ ایسی قابل رشک نعمت ہے جس کی اس عاجز کو بھی حسرت ہی ہے۔ (واللہ یختص برحمتہ من یشاء) ـــــ میرے عزیز مولوی محمد زکریا صاحب جو اس سفر میں میرے رفیق تھے، اور وہ ہمارے قریباً سب ہی بڑے دینی مدارس اور دارالعلوموں سے اچھی طرح واقف ہیں، وہ اُن کے طالب علم بھی رہے ہیں اور اب استاذ بھی ہیں ـــــ یونیورسٹی کے اس مجمع کو دیکھ کر انھوں نے مجھ سے کہا کہ اہل اخلاص اور اصحاب صلاح کا ایسا اور اتنا مجمع ہمارے علم میں کہیں اور نہیں ہے ـــــ بہرحال علی گڑھ کے اس سفر سے بڑا سبق ملا۔

---

۱۰ سال بعد ایک راز کا انکشاف

یہ تو معلوم تھا اور بار بار کا ذاتی تجربہ بھی تھا کہ تبلیغی کام اور تبلیغی جماعت کے اکابر نہ صرف یہ کہ اپنے کام اور اس کے نتائج کا اظہار نہیں چاہتے بلکہ اپنے امکان کی حد تک کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے لوگ بھی ان کے کام اور اس کے اچھے نتائج کا چرچا اور تشہیر نہ کریں ـــــ جس طرح ہمارے اس دور کی عام تنظیمیں، جماعتیں اور ادارے دینی بھی اور غیر دینی بھی نشر و اشاعت اور پروپیگنڈے ہی کو اپنی زندگی اور ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھتے ہیں اور اپنے وسائل، وقت اور صلاحیتوں کا بڑا حصہ اسی پر صرف کرتے ہیں، اور بعض جماعتوں کا

تو سارا کاروبار اور تانا بانا بس پروپیگنڈہ ہی ہے) بالکل اسی طرح تبلیغی جماعت کے یہ اکابر اپنی دینی جدوجہد کے لیے اس کو مضر اور مہلک سمجھتے ہیں۔ راقم سطور کو بار بار اس کا ذاتی تجربہ ہوا ہے۔ لیکن علی گڑھ کے اس سفر میں اس سلسلہ کا ایک ایسا واقعہ علم میں آیا جس نے خود مجھے بھی حیرت زدہ کر دیا۔ چونکہ اس واقعہ کا تعلق اس عاجز سے بھی ہے اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اس موقع پر اس کا بھی ذکر کر دیا جائے اور یہ الفرقان میں محفوظ ہو جائے۔

ہمارے ایک بہت ہی مخلص دوست ارشد صاحب تھے (اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی مبارک اور قابل رشک شہادت نصیب فرمائی) یہ پشاور کے رہنے والے تھے، بڑے فہیم و باصلاحیت اعلیٰ تعلیم یافتہ تار و ٹیلی فون کے انجینیر تھے۔ ملک کی تقسیم اور قیام پاکستان سے پہلے سے ان کا تعلق تبلیغی کام اور اس کے مرکز نظام الدین سے تھا اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اس دینی جدوجہد میں ان کا خاص الخاص حصہ تھا۔ وہ پاکستان میں تار و ٹیلی فون کے محکمہ کے افسروں میں تھے، اور اپنی فنی مہارت اور کارکردگی میں بھی ممتاز تھے۔ سعودی حکومت نے پاکستان سے ان کو مانگ لیا تھا اور وہ وہاں کے محکمہ تار و ٹیلی فون کے اعلیٰ افسروں میں تھے، شروع میں کئی سال ان کا قیام جدہ میں اور بعد میں مکہ معظمہ میں رہا تھا۔ ۱۹۶۲ء میں جبکہ ان کا قیام جدہ میں تھا، راقم سطور کو حج کی توفیق ملی، ان کو میری آمد کا علم ہو گیا تھا وہ ہوائی اڈہ پر آ گئے اور مجھ کو اپنی سرکاری قیام گاہ پر لے گئے، اس زمانہ میں ان کے پاس ایک نومسلم جاپانی فاضل (عمر میتا) مقیم تھے، یہ انگریزی جانتے تھے، ارشد صاحب ان کو قرآن مجید کا ترجمہ مختصر تفسیر اور تشریح کے ساتھ انگریزی زبان میں پڑھاتے تھے، وہ اس کو جاپانی میں منتقل کرتے تھے۔

بعد میں معلوم ہوا تھا کہ جاپانی میں قرآن پاک کے ترجمہ اور تفسیر کا یہ کام رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کی طرف سے کرایا جا رہا تھا۔

مجھے کسی ذریعہ سے معلوم ہوا تھا کہ ارشد صاحب نے کسی وقت جاپان کا دورہ کیا تھا اور اس دورہ میں ان کی دعوت اور دعاؤں کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے جاپانیوں کی ایک بڑی تعداد نے ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا تھا جن میں اچھے تعلیم یافتہ فاضل بھی تھے اور

[illegible] مجھ [illegible] واقعہ کی تفصیل خود [illegible]

سے معلوم کرنے کا بڑا اشتیاق تھا ــــــ میں نے اُن سے درخواست کی، انھوں نے غالباً رات کی فرصت میں اُس دورے کی کچھ تفصیل بیان فرمائی۔ اس سلسلہ میں اللہ تعالےٰ کی طرف سے ظاہر ہونے والے بعض غیر معمولی واقعات (خوارق) کا بھی ذکر کیا ــــــ میں نے اُن سے اصرار کیا کہ اس کو میرے لیے قلمبند کردیں ــــــ انھوں نے وعدہ فرما لیا کہ جب موقع ملے گا انشاء اللہ لکھ کے بھیجدوں گا ــــــ میں منتظر رہا اور جب کچھ نہیں آیا تو سمجھ لیا کہ ان کو لکھنے کا موقع نہیں مل سکا ــــــ میری ان کی اس ملاقات پر دو سال بھی نہیں گزرے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے روزہ اور احرام کی حالت میں شہادت سے سرفراز فرما کر ہماری اس دنیا سے اٹھا لیا۔ یفعل اللہ مایشاء و یحکم مایرید۔

اب ۲۰-۲۱ سال کے بعد علی گڑھ کے اس قیام میں ایک دوست نے (جو یونیورسٹی میں استاذ ہیں اور جن کا تبلیغی کام اور اُس کے مرکز نظام الدین سے بہت گہرا تعلق ہے اور وہ میرے بھی خاص عنایت فرماؤں اور مخلصوں میں ہیں) مجھ کو بتلایا کہ ارشد صاحب سے ۱۹۶۳ء کی میری مذکورۂ بالا ملاقات کے بعد اُن کی ملاقات ہوئی تھی اور انھوں نے اپنے دورۂ جاپان کی وہ روداد لکھ کر جس کی میں نے اُن سے فرمائش کی تھی اُن کے سپرد کی تھی اور ہدایت کی تھی کہ پہلے نظام الدین جا کر یہ تحریر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی خدمت میں پیش کریں، وہ ملاحظہ فرمانے کے بعد اگر مناسب سمجھیں اور اجازت دیں تو لکھنؤ محمد منظور نعمانی کو پہنچا دی جائے۔

علی گڑھ والے ان دوست نے بتلایا کہ ارشد صاحب مرحوم کی ہدایت کے مطابق میں نے

۱؎ ۱۳-۱۴ شعبان ۸۳ھ کو مدینہ منورہ میں تبلیغی اجتماع تھا (غالباً مدینہ منورہ میں یہ پہلا اجتماع تھا) ارشد صاحب گویا اس کے روح رواں تھے۔ اجتماع سے فارغ ہو کر شعبان کی پندرھویں شب میں تہجد کے بعد کچھ کھایا پیا اور روزہ کی نیت کرلی، عمرہ کا احرام باندھ لیا اور مسجد نبوی میں فجر کی نماز ادا کر کے جیپ کار سے مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہوگئے۔ راستہ کا زیادہ حصہ طے کرنے کے بعد ایکسیڈنٹ ہوا، ارشد صاحب شدید زخمی ہوئے مگر دس بارہ گھنٹے زندہ رہے انھوں نے وصیت کی کہ مجھے مکہ معظمہ کے قبرستان جنت المعلاۃ میں دفن کیا جائے۔ مدرسہ صولتیہ میں غسل دیا گیا، حرم شریف میں نماز جنازہ ہوئی اور حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہ کے پہلو میں تدفین ہوئی۔ شعبان ۸۳ھ کے الفرقان میں [illegible]

نظام الدین حاضر ہو کر ان کی وہ تحریر حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی خدمت میں پیش کر دی انھوں نے ملاحظہ فرما کر اپنے ہی پاس رکھ لی اور آپ کے پاس بھیجنے کی ان کی رائے نہیں ہوئی، اس وقت اتفاق سے حضرت شیخ الحدیث بھی وہیں تشریف رکھتے تھے، انھوں نے بھی اس کو ملاحظہ فرمایا، اور فرمایا کہ میری تو رائے ہے کہ اس کو بھیج دیا جائے۔ لیکن حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اپنی رائے اور فیصلہ پر قائم رہے اور فرمایا کہ اگر یہ اُن کو بھیجی گئی تو وہ ضرور اس کو الفرقان میں شائع کر دیں گے اور یہ ہمارے لیے اور ہمارے کام کے لیے مضر ہوگا۔

یہ سب کچھ قریباً ۱۸ سال تک اس عاجز کے لیے راز رہا، علی گڑھ کے اس سفر میں پہلی دفعہ علم میں آیا۔ اور دل میں حضرت مولانا محمد یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی قدر و عظمت اور زیادہ بڑھ گئی۔ اللہ تعالیٰ اس سے سبق لینے کی توفیق دے۔

مرحوم ارشد صاحب کے ساتھ ۱۹۶۳ء کی جس ملاقات کا ذکر کیا گیا ہے اس کے قریباً ڈیڑھ سال بعد ہی وہ شہادت سے سرفراز ہوئے، اور اس کے چند ہی مہینے بعد حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بھی واصل بحق ہو گئے۔ اللّٰھم اغفر لھم وارحمھم وانزل علیھم شآبیب رحمتک ورضوانک،

علی گڑھ سے سنبھل:۔

میرا آبائی وطن سنبھل، علی گڑھ سے زیادہ دور نہیں ہے۔ کار سے بس ڈھائی تین گھنٹے کا راستہ ہے۔ اس لیے وہاں جانا بھی پروگرام میں شامل کر لیا تھا —— جو عزیز دوست اس سفر کے اصل داعی اور محرک تھے اور دہلی سے مجھ کو لائے تھے انھوں نے ہی ۳۰ر مارچ کو کار سے سنبھل پہونچایا، خود بھی ساتھ آئے (اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے)——

قریباً چار ہی دن یہاں بھی قیام رہا۔

سنبھل کی آبادی ایک لاکھ سے اوپر ہے۔ جس میں الحمدللہ ستر فیصدی سے زیادہ مسلمان ہیں۔ میرا خیال ہے کہ پوری ریاست اترپردیش میں مسلمانوں کا یہ تناسب سنبھل کے سوا کسی شہر

میں نہیں ہے۔۔۔ لیکن ملک کے دوسرے بہت سے شہروں کی طرح یہاں کی جامع مسجد پر بھی بطور علامت قبوریوں اور تعزیہ داروں کا قبضہ چلا آرہا ہے۔ علاوہ ازیں وہ مسلم اکثریت کے علاقہ میں نہیں ہے۔۔۔ مدت سے اس ضرورت کا احساس تھا کہ شہر کے اُس حصہ میں جہاں تقریبًا خالص مسلم آبادی ہے اہل حق، اہل السنۃ والجماعۃ کی ایک وسیع مسجد ہو جس کی حیثیت اس علاقہ کی جامع مسجد کی ہو۔۔۔ سنبھل کے قدیم ادارہ انجمن معاون الاسلام اور اس کے مدرسہ مدینۃ العلوم کی عمارت اسی علاقہ میں ہے۔ اسی کے ساتھ ایک وسیع قطعہ زمین تھا جو انجمن ہی کی ملکیت میں تھا، اُس میں مسجد کی تعمیر کا فیصلہ کر لیا گیا تھا۔۔۔ یہ عاجز جب ۳۰ مارچ کو وہاں پہونچا تو انجمن اور مدرسہ کے ذمہ داروں نے جماعت کے دیگر عمائد اور اہل الرائے حضرات کے مشورہ سے طے کیا کہ اس عاجز کے قیام کے ان دنوں ہی میں مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں ایک جلسہ کر لیا جائے اور کام کی ابتداء ہو جائے۔ ۳ر اپریل پنجشنبہ صبح دس بجے کا وقت اس کے لیے مقرر کیا گیا۔ جب لوگوں کو اس کی اطلاع ہوئی تو ایک دن پہلے ہی میری ایک قریبی عزیزہ نے (جو طویل مدت سے بیوگی کی زندگی گذار رہی ہیں) اپنے بھائی کے ذریعہ مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں ایک ہزار کی رقم بھیجی اور ازراہِ اخلاص اس کی تاکید کر دی کہ ان کے نام کا اظہار نہ ہو۔۔۔ جب مجھے معلوم ہوا تو میں نے کہا کہ اللہ کی اس مخلص بندی کی دی ہوئی اس رقم کا حق ہے کہ وہ علانیہ سب سے پہلے مجمع کے سامنے دی جائے اور اس کا بھی اظہار کر دیا جائے کہ یہ فلاں بیوہ کی طرف سے ہے۔ اس سے انشاء اللہ دوسروں کو ترغیب ہوگی۔ اور پھر اللہ کے جو بندے اس سے متاثر ہو کر عطیات دیں گے ایک حدیث شریف کے مضمون کے مطابق ان کے ثواب میں بھی اس مخلص بندی کا پورا حصہ ہوگا۔ پھر انشاء اللہ اُن کو اس ایک ہزار کا نہیں بلکہ ہزار ہا ہزار کا ثواب ملے گا۔

پروگرام کے مطابق ۳ر اپریل کو دس بجے مدرسہ مدینۃ العلوم کی عمارت میں مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں اجتماع ہوا۔ راقم سطور نے تقریر کی جس میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام کے ہاتھوں خانہ کعبہ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کے ہاتھوں مسجد نبوی کی تعمیر کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کیا اور بتلایا کہ دنیا کی ساری مسجدیں

خانہ کعبہ اور مسجد نبوی کی بیٹیاں ہیں اور آج جس مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں ہم آپ یہاں جمع ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، یہ بھی انشاء اللہ مکہ مکرمہ کی مسجد الحرام اور مدینہ منورہ کی مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی ہوگی اور اخلاص کے ساتھ اس کی تعمیر میں حصہ لینے والوں کو سیدنا حضرت ابراہیم و اسمٰعیل اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک نسبت نصیب ہوگی ـــــ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو توفیق دے کہ اس کی تعمیر میں ہماری وہی نیت اور خدا پرستی کا وہی جذبہ ہو جس نیت اور جذبہ سے حضرت ابراہیم و اسمٰعیل نے کعبۃ اللہ کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقائے کرام نے مسجد نبوی کی تعمیر کی تھی، اور ہمیشہ کے لیے اس مسجد کی آبادی مقدر فرمائے اور اس کو عبادت کے ساتھ ہدایت کا بھی مرکز بنائے۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا یہ عاجز ۔۔۔ قریبًا ۸ سال کے بعد سنبھل آیا تھا اور اس کے بعد آنے کی کوئی خاص امید نہ تھی (الا ان یشاء اللہ) اس لیے دل نے کہا کہ اپنے اعزہ و اقربا اور اہل وطن کے اس مجمع کا حق ہے کہ بطور وصیت، دین اور آخرت کے لحاظ سے زیادہ اہم اور بنیادی باتوں کی طرف بھی ان کو توجہ دلائی جائے ـــــ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے سامعین کے ساتھ اپنے نفس کو بھی مخاطب کر کے آخرت کی فکر و تیاری، غفلت و معصیت کی زندگی سے توبہ و استغفار اور انابت الی اللہ، اتباع شریعت، اصلاح اخلاق و معاشرت خاصکر حقوق العباد اور صفائی معاملات کے بارہ میں کچھ عرض کیا گیا ـــــ (اللہ تعالیٰ کہنے والے کو بھی عمل کی توفیق عطا فرمائے) آخر میں سب نے ایمانی عہد کی تجدید اور توبہ و استغفار کے بعد مسجد کی تعمیر کی تکمیل اور قبولیت کے لیے دعا کی ـــ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

اس کے بعد اس عاجز نے حاضرین کو بتلایا کہ مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں سب سے پہلے ایک ہزار روپئے ہمارے مرحوم چچا زاد بھائی مولوی عبید اللہ صاحب کی بیوہ نے کل بھیجے تھے، اُن کی تاکید تھی کہ اس کا اظہار نہ ہو کہ یہ رقم کس کی طرف سے آئی ہے۔ لیکن میں نے اُن کے حق میں بھی یہ بہتر سمجھا کہ اس کو ظاہر کر دیا جائے، اس کا دوسروں پر اثر پڑے گا اور ان سے اُن کے اجر و ثواب میں بے حد اضافہ ہوگا ـــــ سب سے پہلے خود مجھ پر اثر پڑا، واقعہ یہ ہے کہ یہاں پہنچکر جب مسجد کی تعمیر کا مسئلہ میرے علم میں آیا تو میں نے اس کے لیے ایک رقم

پیش کرنے کی نیت کر لی تھی اور میں اس وقت اتنی ہی پیش کر سکتا تھا اس سے زیادہ پیش نہیں کر سکتا تھا، لیکن کل جب ان بیوہ بہن کی ایک ہزار کی رقم کا علم ہوا تو میرے دل میں اس سے زیادہ پیش کرنے کا جذبہ پیدا ہوا جس کی میں نے نیت کی تھی اور میں نے طے کیا کہ جو کچھ فی الوقت پیش کر سکتا ہوں وہ اب پیش کر دوں اور باقی اپنے اوپر قرض کر لوں، جب میسر ہوگا انشاء اللہ بھیجدوں گا ــــــ تو اب میں نے جو یہ اضافہ کیا اس کا اجر و ثواب اللہ تعالےٰ ان بیوہ بہن کو بھی عطا فرمائے گا۔

اس کے بعد حاضرین میں سے اور بہت سے حضرات نے مسجد کی تعمیر کے لیے عطیات پیش کیے۔ اللہ تعالیٰ سب کے عطیات کو اپنی شان عالی کے مطابق قبول فرمائے اور دنیا و آخرت میں اپنے فضل خاص سے نوازے۔

علی گڑھ کے اس سفر میں اللہ تعالیٰ نے جو سعادتیں اس عاجز کو نصیب فرمائیں مسجد کی تاسیس میں یہ شرکت بھی انھیں میں سے ہے۔ رب کریم اس کے اجر میں ان مخلص دوستوں کو بھی شریک فرمائے جن کی وجہ سے یہ سفر ہوا۔

انتخاب

ایک سبق آموز واقعہ
خاصکر علماء اور ارباب مدارس کے لیے

شہر فتح پور (یو پی) کے حضرت مولانا، مولوی حاجی حکیم ظہور الاسلام کو گزرے ہوئے کچھ ایسا زمانہ نہیں ہوا ابھی ممدوح کے سیکڑوں دیکھنے والے موجود ہوں گے، ندوہ کے اجلاس کے موقع پر ان سطور کے راقم کو بھی اپنے لڑکپن میں زیارت نصیب ہوئی تھی، بڑے صاحب علم ہونے کے ساتھ بڑے صاحب دل بھی تھے اور تقوی اور خوف خدا کے ایک پیکر مجسم، شہر میں ایک بار ہیضہ پھیلا اور لوگ چٹ پٹ ہونا شروع ہو گئے، مدرسہ (مدرسہ اسلامیہ فتحپور) کے متعلق ایک دارالاقامہ بھی تھا اس کا ایک غریب پردیسی لڑکا دور دراز بنگالہ دیس کا رہنے والا بھی مبتلا ہوا اور مولانا کو اس کی خبر ہوئی، بے قرار ہو گئے، اسپتال بھجوانے کے بجائے خود جا مریض کو جھٹ اپنے گھر اٹھا لائے! ـــــ ہیضہ کا مریض اور وہ بھی کوئی اپنا عزیز نہیں! اسے اپنے گھر اٹھا لانا کوئی معمولی بات تھی؟ موت و ہلاکت کو اپنے وہاں دعوت دینا تھی! اور اب خدمت و تیمار داری مولانا نے خود شروع کی، ہیضہ کے مریض کی جو گندی حالتیں ہو سکتی ہیں ان سب کو تصور میں لے آئیے اور پھر یہ سوچیے کہ مولانا خود اپنے ہاتھ سے اسے دوا پلا رہے ہیں اور ایک ایک خدمت اس کی کرتے جاتے ہیں! گھر والے ایسے موقع پر ساتھ چھوڑ دیتے ہیں اور اچھے اچھے دوست منہ پھیرا جاتے ہیں، یہ مولانا کیا بشر نہ تھے کوئی فرشتہ تھے؟

مریض کی حالت گرتی گئی بگڑتی گئی، ادھر مولانا کی گریہ و زاری بھی بڑھتی گئی بار بار دعائیں اپنے رب اور زندگی و موت دونوں کے خالق سے تھیں کہ "اے اللہ اس پر رحم کر، غریب پردیسی ہے، اپنے باپ کا کلوتا ہے"

سارے کارات دوسرے تیمار دار کہاں تک ساتھ دیتے ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے، اب تنہا،

دنیا کا مالک و مولا تھا اور اس کا یہ وفا شعار غلام اُس سے راز و نیاز میں مصروف، راوی کا بیان ہے کہ پچھلے پہر میری آنکھ کھلی تو دیکھتا کیا ہوں کہ مولانا جانماز پر بیٹھے زار و قطار رو رہے ہیں اور اپنے ناز بردار خالق کے آگے مچل رہے ہیں، سرگوشی کے لہجہ میں رات کے سناٹے میں دعا کے الفاظ کچھ اس طرح کے سنائی دیئے۔

"مالک ہو جو چاہو کرو۔ قادر مطلق ہو جو چاہو کر ڈالو، تمہارا نون قدرت تمہارا اپنا بنا ہوا ہے جب چاہو اسے توڑ سکتے ہو، آخر مجھے تو سرخ رو کرنا ہے، یہ بچہ پردیسی بچے میرے بھروسے پر آیا تھا۔ ماں باپ کا کیا حال ہوگا ...... خیر اگر یوں مجھ گنہگار کی دعا قبول نہیں کرتے تو میری نذر ہی قبول فرمالو، جان کے بدلے جان حاضر ہے ایک میرا اپنا بچہ ہے اسے اس کے عوض میں قبول فرماؤ، وہ بھی تمہارا میں بھی تمہارا۔"

اور یہ بھی سن لیجیے مولانا کے کئی بچے نہ تھے کئی بچوں کے گزر جانے کے بعد یہی ایک سات سال کی عمر کا زندہ تھا، ماں باپ ہی نہیں گھر بھر کے ارمانوں کا مرکز ــــ ایک محض اجنبی کی خاطر نذر اس جگر کے ٹکڑے کی پیش ہو رہی تھی!

امتحان ابراہیمؑ کا نہیں ایک ابراہیمی کے ظرف و تحمل کا در پیش تھا! للہ اللہ!

سحر ہو رہی تھی کہ اچانک مکان کے اندر سے کنڈی کھٹکی، معلوم ہوا کہ بچہ پر وبا (ہیضہ) کا حملہ ہو گیا۔ مولانا اطمینان سے اٹھ کر اندر گئے۔ دوا بیانی نفع خاک نہ ہوا، مولیٰ نے بندہ کی نذر قبول کر لی تھی۔ عبدیت کی کمان سے چھٹا ہوا تیر نشانہ پر پہنچ چکا تھا ادھر وہ پردیسی اچھا ہوتا گیا ادھر یہ نازوں کا پالا اپنا بیٹا گرتا گیا، یہاں تک کہ مولانا اپنے ہاتھوں جا کر اکلوتے جگر گوشہ کو پیوند خاک کر آئے۔[1]

(صدق جدید لکھنؤ)

---

[1] حضرت مولانا ظہور الاسلام صاحبؒ جن کا مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مرحوم کے قلم سے لکھا ہوا یہ سبق آموز واقعہ ناظرین کرام نے پڑھا، سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے ایک صاحب ارشاد شیخ طریقت تھے۔ مدرسہ اسلامیہ فتحپور کے وہی بانی تھے، یہ واقعہ اسی مدرسہ کے ایک بنگالی طالب علم کا ہے، اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات میں بھی مذکور ہے۔ مولانا نے ۱۳۵۳ھ میں وفات پائی، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین۔ الفرقان۔

عصرِ حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح

از حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

ایک فکر انگیز اصولی کتاب، جس کے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ دین کے فہم و تفہیم کا وہ کیا نیا انداز ہے جس سے عبد و معبود کا ہمہ گیر، وسیع و عمیق، جامع تعلق و رشتہ جو اسماء و صفاتِ الٰہی کا صحیح پر تو اور انبیاء علیہم السلام کی جامع تعلیم و تربیت کا قدرتی نتیجہ ہوتا ہے اور جس سے خدا طلبی، محبتِ الٰہی، فکرِ آخرت اور ایمان و احتساب کا صحیح جذبہ پیدا ہوتا ہے "حاکمیتِ الٰہ" اور "سلطانیِ رب" میں محدود ہو کر رہ جاتا ہے اور ایمانیات و عبادات، وسائل و ذرائع نظر آنے لگتے ہیں، جس کے نتیجے میں ایک نیا ذہنی مزاج وجود میں آتا ہے اور فکر و عمل کی گاڑی دعوتِ انبیاء کی پٹری سے ہٹ کر سیاسی و اجتماعی تنظیمات اور مادیت کی پٹری پر پڑ جاتی ہے۔

اُمت کی نشاۃِ ثانیہ کی کوشش کرنے والوں اور دین کی فکر رکھنے والوں کے لیے (خواہ وہ کسی جماعت و تنظیم سے تعلق رکھتے ہوں) غور و فکر، احتسابِ نفس و جماعت کے ساتھ بار بار پڑھنے کی کتاب۔

دوسرا ایڈیشن اضافوں کے ساتھ، نفیس کتابت و طباعت۔ علاوہ محصول ڈاک قیمت سات روپئے۔

ملنے کے پتے

(۱) مجلس تحقیقات و نشریات اسلام۔ پوسٹ بکس ۱۱۹ لکھنؤ

(۲) کتب خانہ الفرقان ۳۱۔ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

اپنے مطالعہ کے لیے انتخاب کیجیے

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
زادسفر مکمل	۲۵/-	کلام صوفی	۲۵/-	تسہیل التجوید	۲/-
الانور	۴۰/-	احکام المیت	۱/-	حقوق والدین	۲/۵۰
خطبات ماجدی	۱۰/-	اختلاف الائمہ	۵/-	جمعہ کے احکام وفضائل	۲/۵۰
وفیات ماجدی	۱۵/-	آئینہ نماز	۲/۵۰	راہ سنت	۱۵/-
معاصرین	۲۰/-	استاذ العربیہ	۱/۲۵	زلزلہ در زلزلہ	۷/۵۰
حیات خلیل	۲۵/-	امام اہلسنت کا پیغام	۱/-	رحمت عالم	۵/-
ولی کامل	۹/-	امت کے لیے لمحۂ فکریہ	۱/۷۵	الحزب الاعظم	۶/-
مقام صحابہ	۱۲/۵۰	اسلام اور عہد حاضر	۱۰/-	مسنون دعائیں	۲/۲۵
اسلامی علوم وفنون کے ممتاز علماء	۱۵/-	انگشت بوسی سے بائبل بوسی تک	۲/۵	دعائیں (از مولانا علی میاں)	۱/۵۰
سوانح حضرت رائے پوری	۱۵/-	احکام الصلوٰۃ	۵/-	ہفت سورہ	۲/۵۰
تعلیم القرآن	۷/۵۰	اکابر علماء دیوبند اتباع سنت کی روشنی میں	۵/	فضائل نکاح	۲/-
گلشن اخلاق	۱۰/-	اعتکاف	۱/۵۰	اصلاحی تقریریں	۳/-
ہمارے حضورؐ	۴/-	اللہ والوں کے پچیس قصے	-/۵۰	شہید مظلوم سیدنا حسین	۷/-
محبتے با اولیاء	۷/۵۰	اکابر کا سلوک واحسان	۵/-	عقد ام کلثوم	۳/-
فریب تمدن	۱۵/-	اسلامی سیاست	۱۱/-	فضائل اخلاق و اخلاص	۱/۷۵
امام اعظم ابوحنیفہؒ	۲۰/-	بیان اللسان	۲۰/-	محکمات	۵/۷۵
تذکرہ حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ	۸/-	بنیادی قرآنی تعلیم	۹/-	مسلمانوں کی پریشانیوں کا بہترین علاج	۲/۵۰
دین کی باتیں	۸/-	تاریخ مشائخ چشت	۱۳/-	نسخۂ کیمیا	۶/۵۰
عرفان محبت	۱۴/-	تجدید تعلیم وتبلیغ	۵/-	نماز کیا ہے	-/۴۰
فتاویٰ فرنگی محل	۱۰/-	تجدید معاشیات	۶/-	اکابر کے خطوط	۳/-
اصلاح الرسوم	۴/-	تاریخ سیدنا حسین	۹/-	اعمال قرآنی	۲/۵۰

ملنے کا پتہ: الفرقان بکڈپو ۳۱ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

Monthly "ALFURQAN" 31, Naya Gaon West [illegible] (U.P.)
VOL. 49 NO 5 MAY 1981 Phone : 54

الفرقان

لکھنؤ

مدیر

محمد منظور نعمانی

مولانا محمد منظور نعمانی کی قابل مطالعہ تالیفات

اسلام کیا ہے؟

نہایت آسان زبان اور دلنشین اور پراثر انداز میں اسلامی تعلیمات کا جامع اور مکمل خلاصہ۔ مولانا موصوف کی وہ کتاب جو اب تک لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے اور جس کی مقبولیت دیکھ کر بعض اخلاقی مجرموں نے مالی منفعت کے پیش نظر بغیر اجازت جعلی طور پر چھاپ لی ہے۔ بہترین کتابت و طباعت اور ۲۵۶ صفحات دیکھ کر اصل کتاب خریدیے۔ قیمت صرف ۸/-

دین و شریعت

اس کتاب میں توحید، آخرت، رسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، اخلاق و معاملات، دعوت و جہاد، سیاست و حکومت اور احسان و تصوف کے مباحث پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ اسلامی تعلیمات کے بارے میں ذہنی اطمینان حاصل کرنے کے لیے اس کا مطالعہ بالکل کافی ہے۔ نیا ایڈیشن معیاری طباعت کے ساتھ۔ قیمت ۱۰/-

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟

قرآنی ہدایات اور اسکی تعلیمات کا جامع مرقع جس میں سیکڑوں عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت مؤثر اور روح پرور تشریحات کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔ نیا ایڈیشن ۲۰×۲۶ سائز پر قیمت صرف ۱۵/-

نماز کی حقیقت

اسلام میں ایمان کے بعد نماز ہی کا درجہ ہے۔ مگر کیا ہم نماز کو اسی اہمیت کے ساتھ ادا بھی کرتے ہیں؟ نہیں۔ اسلیے کہ ہم عام طور پر نماز کی پوری حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ اس کتاب کو آپ اس سلسلے میں بیحد مفید پائیں گے۔ قیمت ۳/-

برکات رمضان

ماہ رمضان اور اسکے خاص اعمال و وظائف، تراویح و اعتکاف وغیرہ کے فضائل و برکات اور ان کے روحانی تاثرات کا نہایت مؤثر اور شوق انگیز بیان حضرت شاہ ولی اللہ جیسے عارفین و محققین کے طرز پر۔ قیمت ۲/-

آپ حج کیسے کریں؟

حج کے موضوع پر اردو زبان میں بیشمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں لیکن یہ کتاب اپنی اس خصوصیت میں اب بھی منفرد و ممتاز ہے کہ بہت آسان اور دلنشین انداز میں حج کا طریقہ اور احکام و مناسک بھی بتاتی ہے اور وہ ذوق و شوق بھی پیدا کرتی ہے جو حج و زیارت کی جان ہے۔ قیمت ۶/-

آسان حج

یہ آسان زبان میں "آپ حج کیسے کریں" کا خلاصہ ہے کم تعلیم یافتہ حضرات کے لیے بہترین سفر و رہنما ہے۔ پاکٹ سائز میں تاکہ ہر وقت ساتھ رکھ سکیں۔ قیمت ۲/۲۵

منتخب تقریریں

مولانا موصوف کی ایمان افروز اصلاحی و تبلیغی تقریروں کا مجموعہ۔ جو اپنے اندر افادیت اور جامعیت کے ہزاروں پہلو سمیٹے ہوئے ہے۔ طرز بیان نہایت سادہ، فطری اور عام فہم ہے، عوام و خواص کے لیے یکساں مفید۔ قیمت ۱۰/-

ناشر: الفرقان بکڈپو ۱۱۴/۳۱ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

(ضمیمہ الفرقان بابت ماہ جون ۱۹۸۱ء)

دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے

چند اہم فیصلے

ناظرین کو معلوم ہے کہ ہماری بدقسمتی سے دار العلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے بعد سے وہاں سخت باہمی اختلاف و خلفشار پیدا ہوگیا تھا جو کبھی فتنہ و فساد کی شکل بھی اختیار کرلیتا تھا ——— وقتاً فوقتاً الفرقان میں بھی اس صورت حال پر اپنے دلی درد و کرب کا اظہار کیا جاتا رہا ہے۔

۳۰-۳۱ مئی و یکم جون ۱۹۸۱ء کو دار العلوم کی مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوا۔ آئین و دستور کے لحاظ سے اس عظیم دینی و تعلیمی ادارے سے متعلق سارے اختیارات مجلس شوریٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں، یہ عاجز راقم سطور بھی اُس کا ایک رکن ہے۔ اگرچہ اپنی معذوری کی وجہ سے سفر میرے لیے سخت مشکل اور تکلیف دہ ہے، لیکن دار العلوم کے بگڑے ہوئے حالات کی وجہ سے میں نے شرکت ضروری سمجھی اور سفر کیا۔ (کل ہی دیوبند سے واپسی ہوئی ہے)

اس اجلاس کی غیر معمولی اہمیت کی وجہ سے مجلس شوریٰ کے تمام ہی ارکان نے شرکت فرمائی۔ ——— اس ناچیز ہی کو اجلاس کا صدر منتخب کرلیا گیا تھا ——— پروگرام کے مطابق تین دن مسلسل اجلاس جاری رہا، صبح، شام اور رات کو روزانہ تین نشستیں ہوتی تھیں ——— اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بہت اہم فیصلے ہوئے اور سب فیصلے تمام ارکان کے اتفاق سے ہوئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذلک ثم الحمد للہ۔

افسوس ہے کہ ملک کی بعض خبررساں ایجنسیوں کو کسی نے مجلس کے فیصلوں کے بارے میں بہت غلط اطلاعات دیں اور وہ اخبارات میں شائع ہوگئیں ——— اس لیے راقم سطور نے ضرورت محسوس کی کہ مجلس کے اہم فیصلوں کو الفرقان میں بھی شائع کردیا جائے۔

(۱) گزشتہ قریبی مدت میں مجلس شوریٰ کے چار ارکان کے انتقال کی وجہ سے جو جگہیں خالی ہو گئی تھیں ــــ ان کے لیے مندرجہ ذیل چار حضرات منتخب کیے گئے۔
حضرت مولانا صدیق احمد صاحب (مہتمم جامعہ عربیہ ہتورا ضلع باندہ) جناب نواب حاجی عبید الرحمٰن خاں شروانی صاحب (علی گڑھ) جناب حاجی علاء الدین صاحب (بمبئی) جناب مولانا محمد عثمان صاحب (دیوبند)

(۲) دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے مجلس شوریٰ میں ایک تحریر پیش فرمائی جس میں اپنی پیرانہ سالی اور فطری ضعف قویٰ کا تفصیل سے ذکر فرما کر اہتمام کی ذمہ داری کا بوجھ ہلکا کر دینے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی ــــ مجلس شوریٰ حضرت ممدوح کی اس تحریر سے بہت متاثر ہوئی اور اس نے طے کیا کہ موجودہ نائب مہتمم (مولانا نصیر احمد خاں صاحب) کے علاوہ ایک اور نائب مہتمم کا تقرر کیا جائے نیز ایک مددگار مہتمم منتخب کیا جائے۔ چنانچہ مولانا محمد عثمان صاحب دیوبندی کو نائب مہتمم اور مجلس کے قدیم رکن مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری کو مددگار مہتمم تجویز کر دیا گیا ــــ اور اس طرح حضرت مہتمم صاحب کا بوجھ ہلکا کر دیا گیا۔
مجلس شوریٰ نے یہ بھی طے کیا کہ حضرت مولانا محمد طیب صاحب اپنے اس فطری ضعف قویٰ کے باوجود اپنی طویل ترین خدمت دارالعلوم کی وجہ سے تاحیات دارالعلوم کے مہتمم رہیں گے۔

(۳) مجلس شوریٰ نے یہ بھی طے کیا ہے کہ ۱۰ شوال ۱۴۰۰ھ کو مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد ہوگا اور اس میں دارالعلوم کے اساتذہ اور طلبہ اور شعبوں کے ملازمین کے لیے الگ الگ ضابطۂ اخلاق تجویز کیا جائے گا اور ہر استاذ، طالب علم اور ہر ملازم سے اس کی پابندی کا عہد لیا جائے گا۔ اور دارالعلوم کا ایک نیا صالح دور شروع کرنے کے لیے تمام ممکن ذرائع استعمال کیے جائیں گے۔

واللہ ولی التوفیق۔

یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے مجلس شوریٰ کے چند اہم فیصلوں کا حاصل اور خلاصہ ہے تجاویز کا اصل متن نہیں ہے۔ اور یہ صرف اس لیے الفرقان میں شائع کیا جا رہا ہے کہ اخبارات کی غلط اطلاعات کا کسی درجہ میں تدارک ہو جائے۔

محمد منظور نعمانی ۱۴ جون ۱۹۸۰ء

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

چندہ سالانہ
ہندوستان سے 15/-
پاکستان سے ہندوستانی سکہ میں 25/-
بنگلہ دیش سے 16/-

ممالک غیر سے سالانہ
بحری ڈاک سے 2 پونڈ
ہوائی ڈاک سے 5 پونڈ
ایک شمارہ کی قیمت ہندوستان میں
1/50

جلد (49) | بابت جون 1981ء مطابق رجب المرجب و شعبان المعظم 1401ھ | شمارہ (6)

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغہ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں۔ اس کی اطلاع مہینے کی 5 تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ پچیس 25 روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ روانہ فرمائیں۔ پاکستانی سکہ میں چالیس روپے ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان 31 نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

دین کا سچا درد رکھنے والے بمبئی کے ایک مخلص دوست ہیں، جن کے بارے میں یہ عاجز جانتا ہے کہ وہ موسم حج میں صرف اللہ کے لیے اور ثواب آخرت کی امید پر، حج کو جانے والوں کی دل و جان سے خدمت کرتے ہیں، اور اس زمانے میں اپنے ذاتی کاموں اور کاروبار کا حرج کر کے زیادہ وقت حاجیوں کی خدمت اور ان کے کاموں کی انجام دہی میں صرف کرتے ہیں ـــــ انھوں نے ایک طویل مکتوب میں لکھا ہے کہ :۔

بعض بظاہر دیندار قسم کے حضرات ہر سال حج بدل میں جاتے ہیں، اور وہاں سے خلاف قانون اور غلط قسم کی چیزیں لاکر یہاں فروخت کرتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے کچھ تاجروں سے ان کا مستقل معاملہ ہے اور اس حج بدل کو انھوں نے اپنا کاروبار بنا لیا ہے ـــــ وہ چونکہ دیندار سمجھے جاتے ہیں اس لیے عوام پر اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔

کبھی کبھی اخباروں میں شائع ہوتا ہے کہ فلاں حاجی صاحب کے بکس کے خفیہ خانہ سے اور فلاں حاجی صاحب کے بستر کی روئی یا تکیے میں سے کسٹم والوں نے فلاں فلاں چیزیں پکڑیں ـــــ اور فلاں حاجی صاحب کے کھجوروں کے ڈبے میں سے فلاں خلاف قانون چیز برآمد کی۔

ان باتوں سے خاص کر غیر مسلموں کی نگاہ میں سب حاجی ذلیل ہوتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ اسی کام کے لیے حج کر جاتے ہیں اور ان کا حج بس یہی ہے۔ اور صرف یہ حاجی لوگ ہی نہیں بلکہ پوری امت ذلیل ہوتی ہے۔

پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس روز حاجیوں کا بحری جہاز آتا ہے تو اُس دن رات کو بعد عشا حاجیوں کے مسافر خانے کی سب منزلوں میں بمبئی کے کچھ خاص تاجر اور غیر ملکی سامان کے متلاشی لوگ پہنچ جاتے ہیں اور خوب خرید و فروخت ہوتی ہے، بالکل بازار اور مارکٹ کی سی کیفیت ہوتی ہے — کسٹم والے کبھی کبھی اُس وقت مسافر خانے پر بھی چھاپہ مارتے ہیں اور ان حاجیوں کا لایا ہوا مال ضبط کر کے لیجاتے ہیں، بعض بے چارے بے گناہ اور بے قصور حاجی بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں، اُن کا نقصان بھی ہوتا ہے اور وہ ذلیل بھی ہوتے ہیں۔ اور کبھی کبھی یہ سب اخباروں میں بھی آجاتا ہے۔

میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ یہ سب کچھ صرف حج بدل والے ہی کرتے ہیں، بہت سے وہ لوگ بھی جو حج بدل میں نہیں جاتے بلکہ اپنے حج کے لیے جاتے ہیں اُن میں بھی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو یہ حرکتیں کرتے ہیں۔ اِن لوگوں کی وجہ سے کسٹم والے سب حاجیوں کے سامان کی چوروں اور مجرموں کی طرح تلاشی لیتے ہیں — سب کو پریشانی بھی ہوتی ہے اور انتہائی ذلت و رسوائی بھی ہوتی ہے۔"

اس خط کے لکھنے والے مخلص دوست نے فرمائش کی ہے کہ اس کے متعلق "الفرقان" میں کچھ لکھا جائے۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسے لوگوں کے بارے میں کیا لکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کو کچھ بھی دینی شعور دیا ہے، یا عقل سلیم ہی دی ہے وہ جانتا ہے کہ حج جیسے مقدس عمل کو اس کاروبار کا ذریعہ بنانا جس کے نتیجہ میں حج کا تقدس مجروح ہو، اپنوں اور غیروں کی نظر میں حجاج ذلیل ہوں، پریشان ہوں، اُن کے ساتھ چوروں اور مجرموں کا سا معاملہ کیا جائے۔ بدترین جرم ہے۔ بعض اعمال اپنی ذات سے خبیث اور حرام نہیں ہوتے لیکن اُن کے بدنتائج اور اُن سے پیدا ہونے والے مفاسد کی وجہ سے شریعت ان کو ممنوع اور حرام قرار دیتی ہے۔ ہمارے اس زمانے میں جو لوگوں نے جس طرح حج کو کاروبار اور دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیا ہے جس سے وہ نتائج اور مفاسد پیدا ہوتے ہیں جن کا اوپر ذکر کیا گیا، وہ اسی قبیل سے ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو توفیق دے کہ حقیر دنیوی منفعت کے لیے حج جیسے مقدس عمل کی عظمت و تقدس کو مجروح اور اسلام کو رسوا نہ کریں۔

"شیعہ سنی اتحاد کی لازمی شرط"

الفرقان کے اس شمارے کے آخر میں (انتخاب کے صفحات میں) اسی عنوان کے تحت رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے منسوب ایک مضمون ماہنامہ فاران لندن سے نقل کیا گیا ہے ——— "فاران" میں مضمون کے لیے کوئی حوالہ نہیں دیا گیا ہے ——— بعد میں معلوم ہوا کہ یہ مضمون دراصل مولانا کی ایک کتاب "دریائے کابل سے دریائے یرموک تک" سے ماخوذ ہے ———

اب سے آٹھ سال پہلے (جون ۱۹۷۳ء میں) مولانا موصوف نے "رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ)" کے ایک وفد کے ساتھ جسکے وہ خود ہی قائد تھے، چھ اسلامی ملکوں کا دورہ کیا جن میں ایران بھی شامل تھا۔ وفد کا قیام ایران میں قریباً دس دن رہا تھا، ایران کے تمام ان مقامات پر وفد گیا جہاں اس کو جانا چاہیے تھا، مساجد اور مزارات اور تعلیم گاہوں کو دیکھا۔ وزراء اور ممتاز علماء و زعماء سے ملاقاتیں کیں ——— وفد ہی کی تقریب سے اجتماعات اور جلسے بھی ہوئے تھے، جن میں سے اکثر میں مولانا نے عربی میں خطاب بھی فرمایا، اپنے احساسات و تاثرات بھی بیان کیے اور مخلصانہ اصلاحی مشورے بھی دیے۔

اس پورے دورہ کی روئداد کیسے یاد داشتیں مولانا نے عربی میں مرتب کی تھی جو اسی زمانہ میں "من نهر كابل الى نهر يرموك" کے نام سے بیروت سے چھپکر شائع ہو گئی تھی، اس کے ساتھ اس کا اردو ترجمہ "دریائے کابل سے دریائے یرموک تک" کے نام سے مجلس تحقیقات و نشریات لکھنؤ سے شائع ہو گیا تھا ——— اس میں ایران کے دورہ کا ذکر قریباً پچاس صفحات پر ہے ——— اس کے آخری حصے میں مولانا نے "عزیب شہر سخنہائے گفتن دارد" کے زیرعنوان ایران اور اہل ایران کے محاسن و مکارم کا کھلے دل سے اعتراف اور اپنے تاثر کا اظہار کرنے کے ساتھ ایک داعی اور مصلح کی حیثیت سے چند مخلصانہ اصلاحی مشورے بھی دیے ہیں۔ انھیں میں سے ایک اہم مشورہ وہ ہے جو "شیعہ سنی اتحاد کی لازمی شرط" کا عنوان قائم کر کے ماہنامہ فاران لندن میں شائع کیا گیا ہے ——— (یہ کتاب کے صفحہ ۱۰۰ سے شروع ہو کر صفحہ ۱۱۱ پر ختم ہوا ہے)

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ ایران کے حضرات علماء و زعماء نے اپنی تقریروں اور نجی گفتگوؤں میں شیعہ سنی اتحاد کی خواہش کا بار بار اظہار فرمایا تھا مولانا کا یہ مخلصانہ مشورہ گویا اس کا جواب ہے۔

محمد منظور نعمانی

معارف الحدیث (مسلسل)

فی سبیل اللہ جہاد و قتال اور شہادت

جیسا کہ معلوم ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام نبی و رسول اسی لیے بھیجے گئے کہ اس کے بندوں کو "دینِ حق" یعنی زندگی کے اُس خدا پرستانہ اور شریفانہ طریقہ کی دعوت و تعلیم دیں اور اُس پر چلانے کی کوشش کریں جو اُن کے خالق و پروردگار نے ان کے لیے مقرر کیا ہے اور جس میں ان کی دنیا و آخرت کی صلاح و فلاح ہے اور جس پر چلنے والوں کے لیے خدا کی رضا و رحمت اور جنت کی ضمانت ہے۔

قرآن مجید کا بیان ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ سب ہی انبیا و رسل علیہم السلام نے اپنے اپنے دور اور دائرہ میں اسی کی دعوت دی اور اسی کے لیے جدوجہد کی۔ لیکن قریباً سب ہی کے ساتھ ایسا ہوا کہ اُن کے زمانے اور ان کی قوم کے شریر و بدنفس لوگوں نے نہ صرف یہ کہ اُن کی دعوتِ حق کو قبول نہیں کیا بلکہ شدید مخالفت و مزاحمت کی اور دوسروں کا بھی راستہ روکا۔ اور اگر اُن کے ہاتھ میں طاقت ہوئی تو انھوں نے اللہ کے نبیوں اور ان پر ایمان لانے والوں کو ظلم و جبر کا بھی نشانہ بنایا۔ ــــــ بلاشبہ انبیا علیہم السلام اور اُن کی دعوتِ حق کے یہ دشمن، انسانوں اور انسانیت کے حق میں سانپوں اور اژدہوں سے بھی زیادہ زہریلے اور خطرناک تھے اس لیے اکثر ایسا ہوا کہ ایسے لوگوں اور ایسی قوموں پر خدا کا عذاب نازل ہوا اور صفحۂ ہستی سے ان کا نام و نشان تک مٹا دیا گیا، اور دوسری

مستحق تھے۔ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ قرآن مجید میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کے شریر و بدنفس مکذبین کے یہ حالات تفصیل سے بیان فرمائے گئے ہیں ——

سب سے آخر میں خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، انبیائے سابقین کی طرح آپ نے بھی قوم کو "دین حق" کی دعوت دی۔ —— کچھ نیک فطرت بندگان خدا نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور کفر و شرک، فسق و فجور اور ظلم و عدوان کی جاہلی زندگی چھوڑ کے وہ خدا پرستانہ پاکیزہ زندگی اختیار کر لی جس کی آپ دعوت دیتے تھے، لیکن قوم کے اکثر بڑوں اور سرداروں نے شدید مخالفت اور مزاحمت کا رویہ اختیار کیا، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ستایا اور آپ پر ایمان لانے والوں پر خاصکر بیچارے غرباء اور ضعفاء پر مظالم و مصائب کے پہاڑ توڑے، مکہ کے یہ اشرار ابوجہل، ابولہب وغیرہ بلاشبہ اس کے مستحق تھے کہ اگلی امتوں کے معذبین کی طرح ان پر بھی آسمانی عذاب آتا اور صفحۂ ہستی کو ان کے وجود سے پاک کر دیا جاتا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سید المرسلین و خاتم النبیین کے علاوہ "رحمۃ للعالمین" بنا کر بھی بھیجا تھا اور اس بنا پر آپ کے لیے طے فرما دیا گیا تھا کہ آپ کے مخالفین و مکذبین اور ستانے والے خبیث ترین دشمنوں پر بھی آسمانی عذاب نازل نہیں کیا جائے گا —— اور بجائے اس کے آپ پر ایمان لانے والوں ہی کے ذریعہ ان کا زور توڑا جائے گا اور "دین حق" کی دعوت کا راستہ صاف کیا جائے گا اور انہی کے ہاتھوں سے ان مجرمین کو سزا دلوائی جائے گی اور اس عمل میں ان کی حیثیت اللہ کے لشکریوں اور خداوندی کارندوں کی ہوگی —— چنانچہ جب وہ وقت آگیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے مقرر تھا تو نبوت کے تیرھویں سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والوں کو مکہ معظمہ سے ہجرت کا حکم ہوا —— یہ ہجرت دراصل دین حق کی دعوت کے اس دوسرے مرحلہ کی ابتدا تھی جس کے لیے ایمان لانے والے حاملین دعوت کو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ وہ مزاحمت کرنے والے اور اہل ایمان پر ظلم و ستم کرنے والے اشرار نابکار کا زور توڑنے کے لیے اور دعوت حق کا راستہ صاف کرنے کے لیے حسب ضرورت اپنی جان اور اپنی ہر چیز قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائیں اور میدان میں آجائیں —— اسی کا عنوان "جہاد و قتال فی سبیل اللہ" ہے۔ اور

س راستہ میں اپنی جان قربان کر دینے کا نام شہادت ہے۔

ناظرین کرام نے اس تمہید سے سمجھ لیا ہوگا کہ کفر و اہل کفر کے خلاف اہل ایمان کی مسلح جدوجہد (خواہ اقدامی ہو یا مدافعانہ) اللہ و رسول کے نزدیک اور شریعت کی زبان میں جب ہی "جہاد و قتال فی سبیل اللہ" ہے جبکہ اُس کا مقصد دین حق کی حفاظت و نصرت یا اس کے لیے راستہ صاف کرنا اور اللہ کے بندوں کو خدا کی رحمت کا مستحق اور جنتی بنانا ہو —— لیکن اگر جنگ اور طاقت آزمائی کا مقصد ملک و مال ہو یا اپنی قوم یا وطن کا جھنڈا اونچا رکھنا ہو تو وہ ہرگز "جہاد و قتال فی سبیل اللہ" نہیں ہے۔

سطور بالا میں جو کچھ عرض کیا گیا اُس سے ناظرین کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں جہاد کا حکم و قانون اس لحاظ سے "بڑی رحمت" ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعوتِ حق کی تکذیب اور مزاحمت کرنے والوں پر جس طرح کے آسمانی عذاب پہلے آیا کرتے تھے، اب قیامت تک کبھی نہیں آئیں گے، گویا "جہاد" کسی درجہ میں اس کا بدل ہے —— واللہ اعلم

اس تمہید کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل ارشادات پڑھے جائیں، جن میں مختلف عنوانات سے جہاد اور شہادت فی سبیل اللہ کے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُولًا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ فَعَجِبَ لَهَا أَبُوْ سَعِيْدٍ فَقَالَ أَعِدْهَا عَلَيَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَأَعَادَهَا عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ وَأُخْرَى يَرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا الْعَبْدَ مِائَةَ دَرَجَةٍ فِي الْجَنَّةِ مَا بَيْنَ كُلِّ دَرَجَتَيْنِ كَمَا بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، قَالَ وَمَا هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ —— رواہ مسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ارشاد فرمایا کہ جس بندے نے دل سے برضا و رغبت اللہ تعالیٰ کو اپنا

مالک و پروردگار، اسلام کو اپنا دین، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اللہ کا رسول و ہادی مان لیا، اس کے لیے جنت واجب ہوگئی ——— (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ بشارت سنکر حدیث کے راوی) ابوسعید خدری کو بڑی خوشی ہوئی اور انھوں نے (حضور سے) عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہی بات پھر ارشاد فرما دیں! چنانچہ آپؐ نے پھر وہی بات دوبارہ ارشاد فرمائی۔ (اسی کے ساتھ مزید یہ بھی) آپ نے فرمایا کہ ایک اور دینی عمل ہے (جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا عظیم ہے کہ) اس عمل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ جنت میں سو درجے بلند فرمائیں گے جن میں سے دو درجوں کے درمیان زمین و آسمان کا سا فاصلہ ہوگا۔ (یہ سنکر) ابوسعید خدری نے عرض کیا کہ حضرت وہ کون سا عمل ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ جہاد فی سبیل اللہ، جہاد فی سبیل اللہ۔　　(صحیح مسلم)

(تشریح) ظاہر ہے کہ جو شخص بشرح صدر اور دل و جان سے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب، اور سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول برحق اور اسلام کو اپنا دین بنالے گا، اس کی زندگی بھی اسلامی ہوگی وہ اپنے رب کا فرمانبردار اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا تابعدار رہے گا ——— آپ نے ایسے بندوں کو بشارت سنائی کہ اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا فیصلہ ہو چکا ہے اور جنت ان کے لیے واجب ہو چکی ہے ——— حضرت ابوسعید خدری کو حضور کی زبان مبارک سے یہ بشارت سنکر بے حد خوشی ہوئی (غالباً اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے یہ دولت ان کو نصیب تھی) انھوں نے اسی وجد و مسرت کی حالت میں حضور سے درخواست کی حضرت اس کو دوبارہ ارشاد فرمادیں ——— آپ نے دوبارہ ارشاد فرمادیا اور اس کے ساتھ مزید ارشاد فرمایا کہ ایک اور عمل ایسا ہے جس کے عامل کو اللہ تعالیٰ جنت میں سو درجے بلند فرمائیں گے۔ حضرت ابوسعید کے یہ دریافت کرنے پر کہ وہ کونسا عمل ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا وہ ہے جہاد فی سبیل اللہ، جہاد فی سبیل اللہ، جہاد فی سبیل اللہ۔

آپ نے جواب میں تین دفعہ ارشاد فرمایا "الجهاد فی سبیل الله" اس سے ہر صاحب ذوق سمجھ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں جہاد کی کیسی عظمت اور

کیسی رغبت و محبت تھی۔ آگے درج ہونے والی حدیث سے یہ بات اور زیادہ واضح ہو جائے گی۔
واضح رہے کہ آخرت اور جنت و دوزخ کے بارہ میں قرآن و حدیث میں جو کچھ فرمایا گیا ہے اس کی پوری حقیقت وہاں پہنچکر معلوم ہوگی، ہماری اس دنیا میں اُس کی کوئی نظیر اور مثال بھی موجود نہیں ہے ـــــ ہمیں بس دل سے مان لینا اور یقین کر لینا چاہیے کہ اللہ و رسول نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ برحق ہے۔ اور جب وقت آئے گا انشا اللہ اس کو ہم بھی دیکھ لیں گے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوْلَاۤ اَنَّ رِجَالًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَا تَطِیْبُ اَنْفُسُهُمْ اَنْ یَّتَخَلَّفُوْا عَنِّیْ وَلَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُهُمْ عَلَیْهِ مَا تَخَلَّفْتُ عَنْ سَرِیَّةٍ تَغْزُوْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اُقْتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ثُمَّ اُحْیٰی ثُمَّ اُقْتَلُ ـــــ رواہ البخاری و مسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اُس پاک ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بہت سے اہل ایمان کے دل اس پر راضی نہیں کہ وہ جہاد کے سفر میں میرے ساتھ نہ جائیں اور میرے پاس اُن کے لیے سواریوں کا انتظام نہیں ہے (اگر یہ مجبوری حائل نہ ہوتی) تو میں راہ خدا میں جہاد کے لیے جانے والی ہر جماعت کے ساتھ جاتا (اور جہاد کی ہر مہم میں حصہ لیتا) قسم اُس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے میری دلی آرزو ہے کہ میں راہ خدا میں شہید کیا جاؤں اور مجھے پھر زندہ کر دیا جائے اور میں پھر شہید کیا جاؤں، اور پھر مجھے زندہ کیا جائے اور میں پھر شہید کیا جاؤں اور پھر مجھے زندگی عطا فرمائی جائے اور پھر میں شہید کیا جاؤں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کا مقصد و مدعا جہاد اور شہادت فی سبیل اللہ کی عظمت اور محبوبیت بیان فرمانا ہے ـــــ حضور کے ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ میرے دل کا داعیہ اور جذبہ تو یہ ہے کہ راہ خدا میں جہاد کے لیے جانے والے ہر لشکر اور ہر دستہ کے ساتھ جاؤں اور ہر جہادی مہم میں میری

شرکت ہو لیکن مجبوری یہ دامن گیر ہے کہ مسلمانوں میں بہت سے ایسے فدائی ہیں جو اس پر راضی نہیں ہو سکتے کہ میں جاؤں اور وہ میرے ساتھ نہ جائیں، اور میرے پاس ان سب کے لیے سواریوں کا بندوبست نہیں ہے، اس لیے اُن کی خاطر میں اپنے جذبہ کو دبا لیتا ہوں اور انتہائی دلی خواہش کے باوجود ہر جہادی مہم میں نہیں جاتا ـــــ آگے آپ نے اس سلسلہ میں اپنے دلی داعیئے اور جذبے کا اظہار فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا اور قسم کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ میری دلی آرزو یہ ہے کہ میں میدان جہاد میں دشمنان حق کے ہاتھوں قتل کیا جاؤں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ مجھے پھر زندہ فرمائے اور میں پھر اس کی راہ میں اسی طرح قتل کیا جاؤں اور پھر اللہ تعالیٰ مجھے زندگی عطا فرما دے اور پھر اسی طرح شہید کیا جاؤں اور پھر مجھے زندگی عطا ہو اور میں پھر اس کو قربان کروں اور شہید کیا جاؤں ـــــ

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ اَحَدٍ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ يُحِبُّ اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا وَلَهٗ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا الشَّهِيْدُ يَتَمَنّٰى اَنْ يَرْجِعَ اِلَى الدُّنْيَا فَيُقْتَلَ عَشْرَ مَرَّاتٍ لِمَا يَرٰى مِنَ الْكَرَامَةِ۔

(رواہ البخاری ومسلم ـ مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں پہنچ جانے کے بعد کوئی شخص کبھی نہیں چاہے گا اور نہیں پسند کرے گا کہ اس کو پھر دنیا میں اس حال میں واپس کر دیا جائے کہ دنیا کی ساری چیزیں اُس کی ہوں (وہ سب کا مالک ہو) البتہ جو راہِ خدا میں شہید ہو کر جنت میں پہنچے گا وہ اس کی آرزو کرے گا کہ اس کو پھر دنیا میں واپس کر دیا جائے اور وہ پھر (ایک دفعہ نہیں) دس دفعہ راہِ خدا میں شہید کیا جائے ـــــ وہ یہ آرزو اس لیے کرے گا کہ جنت میں دیکھے گا کہ اللہ تعالےٰ کی طرف سے شہیدوں کا کیسا اکرام و اعزاز ہے اور وہاں ان کا کیا مقام و مرتبہ ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْقَتْلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُكَفِّرُ كُلَّ شَيْئٍ اِلَّا الدَّيْنَ ـــــ رواہ مسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راہ خدا میں شہید ہونا سب گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے، سوائے قرض کے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ بندے سے اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور حقوق کی ادائیگی میں جو کوتاہیاں اور جو قصور و گناہ ہوئے ہوں گے۔ راہ خدا میں جان کی مخلصانہ قربانی اور فی سبیل اللہ شہادت اُن سب کا کفارہ بن جائے گی۔ شہادت کے طفیل وہ سب معاف ہو جائیں گے ـــــ ہاں اُس پر جو کسی بندے کا قرض ہوگا اور اس کے علاوہ بھی بندوں کے جو حقوق ہوں گے وہ شہادت سے بھی معاف نہیں ہوں گے۔ اس حدیث سے شہادت فی سبیل اللہ کی عظمت بھی معلوم ہوئی اور قرض وغیرہ حقوق العباد کی غیر معمولی سنگینی بھی ـــــ اللہ تعالیٰ اس سے سبق لینے کی توفیق دے۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلشَّهِيْدُ لَا يَجِدُ اَلَمَ الْقَتْلِ اِلَّا كَمَا يَجِدُ اَحَدُكُمْ اَلَمَ الْقَرْصَةِ

ـــــ رواہ الترمذی والنسائی والدارمی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راہ خدا میں شہید ہونے والا بندہ قتل کیے جانے کی بس اتنی ہی تکلیف محسوس کرتا ہے جتنی تکلیف تم میں سے کوئی آدمی چیونٹی کے کاٹ لینے کی محسوس کرتا ہے۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن دارمی)

(تشریح) جس طرح ہماری اس دنیا میں آپریشن کی جگہ کو دوا یا انجکشن کے ذریعہ سن کر کے بڑے بڑے آپریشن کیے جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے آپریشن کی تکلیف برائے نام ہی محسوس ہوتی ہے اسی طرح سمجھنا چاہیے کہ جب کوئی بندہ راہ خدا میں شہید کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس پر ایسی کیفیت طاری کر دی جاتی ہے کہ اس کو اس سے زیادہ

تکلیف محسوس نہیں ہوتی جتنی کسی کو چیونٹی کے کاٹنے سے ہوتی ہے۔

جامع ترمذی ہی کی ایک دوسری حدیث میں ہے کہ جب کوئی بندہ راہ خدا میں شہید کیا جاتا ہے تو اسی وقت جنت میں اس کا جو ٹھکانا ہے وہ اس کے سامنے کر دیا جاتا ہے (یُرٰی مَقْعَدُہٗ مِنَ الْجَنَّةِ) جنت کے اس نظارہ کی لذت و محویت بھی ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے قتل کی تکلیف کا محسوس نہ ہونا قرین قیاس ہے[۱]

عَنْ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَأَلَ الشَّهَادَةَ بِصِدْقٍ بَلَّغَهُ اللهُ مَنَازِلَ الشُّهَدَاءِ وَإِنْ مَاتَ عَلٰى فِرَاشِهٖ ــــ رواہ مسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت سہل بن حُنَیف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ صدقِ قلب سے اللہ تعالیٰ سے شہادت کی استدعا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو شہیدوں ہی کے مقام و مرتبہ پر پہنچا دے گا اگرچہ اپنے بستر ہی پر اس کا انتقال ہو"   (صحیح مسلم)

(تشریح) ہمارے زمانے میں قتال فی سبیل اللہ اور شہادت کا دروازہ گویا بند ہے،

---

[۱] ہمارے ہی زمانے کا واقعہ ہے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری (رحمۃ اللہ علیہ) جو ملک کی تقسیم کے بعد امرتسر سے لاہور منتقل ہو گئے تھے، اور وہاں "جامعہ اشرفیہ" قائم فرمایا، ان کے پاؤں میں ایک زخم تھا جو بڑھتے بڑھتے گھٹنے کے اوپر ران تک پہنچ گیا تھا لاہور کے ڈاکٹروں نے فیصلہ کیا کہ ران کے اوپر کے حصہ سے ٹانگ کاٹ دینا ضروری ہے۔ حضرت ممدوح اس کے لیے آمادہ ہو گئے۔ آپریشن روم میں جب بیڈ پر لٹا دیا گیا تو ڈاکٹروں نے قاعدہ کے مطابق آپ کو بیہوش کرنا چاہا! آپ نے فرمایا کہ بیہوش کرنے کی ضرورت نہیں۔ آپ لوگ اسی طرح اپنا کام کریں۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ بہت غیر معمولی آپریشن ہے کئی گھنٹے لگیں گے اور ہڈی کاٹی جائے گی، اس لیے بیہوش کرنا ضروری ہے۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا بالکل ضرورت نہیں، آپ اپنا کام شروع کریں، اور خود تسبیح ہاتھ میں لیکر دوسری طرف رخ کر کے لیٹ گئے۔ ڈاکٹروں نے آپ کے حکم کی تعمیل میں اسی طرح کام شروع کیا، آپریشن میں تقریباً ڈھائی گھنٹے لگے اور مفتی صاحب اسی طرح لیٹے رہے۔ ڈاکٹروں کو انتہائی حیرت ہوئی کہ یہ چیز ان کی عقل و قیاس سے باہر تھی۔ بعد میں کسی خاص نیازمند نے اصرار کر کے دریافت کیا کہ حضرت یہ کیا معاملہ تھا؟

لیکن اس حدیث نے بتلایا کہ جو بندے شہادت کے مندرجہ بالا فضائل پر نگاہ رکھتے ہوئے سچے دل سے اس کے طالب اور آرزومند ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی طلب اور نیت کی بنا پر ان کو شہیدوں ہی کا مقام و مرتبہ عطا فرمائے گا۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجَعَ مِنْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ فَدَنَا مِنَ الْمَدِيْنَةِ فَقَالَ اِنَّ الْمَدِيْنَةِ اَقْوَامًا مَاسِرْتُمْ مَسِيْرًا وَلَا قَطَعْتُمْ وَادِيًا اِلَّا كَانُوْا مَعَكُمْ قَالُوْا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ ؟ قَالَ وَهُمْ بِالْمَدِيْنَةِ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ

(رواہ البخاری ورواہ مسلم عن جابر) (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک سے جب واپس ہوئے اور مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ مدینہ میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو اس پورے سفر میں تمہارے ساتھ رہے اور جب تم نے کسی وادی کو عبور کیا تو اس وقت بھی وہ تمہارے ساتھ تھے۔ —— بعض رفقاء سفر نے عرض کیا کہ حضرت وہ مدینہ میں تھے (اور پھر بھی سفر میں ہمارے ساتھ رہے؟) آپ نے ارشاد فرمایا، ہاں وہ مدینہ ہی میں رہے، کسی عذر اور مجبوری کی وجہ سے وہ ہمارے ساتھ سفر نہیں کر سکے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں آپ کے صحابہ میں سے کچھ ایسے لوگ تھے جو غزوۂ تبوک کے سفر میں آپ کے ساتھ جانا چاہتے تھے اور اُن کا پکا ارادہ تھا لیکن کسی وقتی معذوری اور مجبوری کی وجہ سے نہیں جا سکے۔ تو چونکہ اُن کی نیت حضور کے ساتھ جانے کی تھی اس لیے اللہ تعالیٰ کے دفتر میں وہ جانے والوں ہی میں لکھے گئے۔ اس حدیث کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں "اِلَّا شَرَكُوْكُمْ فِي الْاَجْرِ" یعنی وہ مومنین مخلصین اپنی صادق نیت کی وجہ سے اس غزوۂ تبوک کے اجر و ثواب میں تمہارے شریک اور حصہ دار قرار پائے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی بندہ کسی نیک عمل میں شرکت کی نیت رکھتا ہو لیکن کسی معذوری اور مجبوری کی وجہ سے وہ بروقت شرکت نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیت ہی پر عملی شرکت کا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔

امراض کا روحانی علاج

مولانا سید جلال الدین عمری

(گزشتہ سے پیوستہ)

قرآنی تعویذ بعض احادیث میں تعویذ سے منع کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے کہ

اِنَّ الرُّقیٰ وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرکٌ [1]

بے شک جھاڑ پھونک، تعویذ اور سحر (جو عورت کی طرف شوہر کو مائل کرنے کے لیے کیا جاتا تھا) شرک ہیں۔

(تمائم) سوراخ دار دانوں کو کہا جاتا ہے جن کو پرو کر جاہلیت میں اس خیال سے بچے کے گلے میں ڈالا یا بازوں پر باندھا جاتا تھا کہ وہ نظر بد سے محفوظ رہے اور کسی مصیبت کا شکار نہ ہو۔ علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:۔

التمائم خرز وخط کانت الجاهلية تجعلها فی العنق والعضد تسترقی بها وتظن انها تدفع عن المرء العاهات وتمد فی العمر [2]

تمائم، سوراخ دار اور نقش والے دانوں کو کہا جاتا ہے جن کو دور جاہلیت میں عرب گلے میں ڈال لیتے یا بازو پر باندھ لیتے تھے۔ اس سے وہ جھاڑ پھونک کا فائدہ حاصل کرتے تھے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ دانے انسان کی مصیبتوں کو دور کرتے اور اس کی عمر میں اضافہ کرتے ہیں۔

---

[1] ابوداؤد، کتاب الطب، باب فی تعلیق التمائم، ابن ماجہ، ابواب الطب، باب فی تعلیق التمائم۔

[2] تاویل مختلف الحدیث ص ۱۳۲۔

علامہ ابن اثیر فرماتے ہیں:۔

کانت العرب تعلقها علے[1] اولادهم یتقون بها العین فابطلها الاسلام

اہل عرب اسے نظر بد سے حفاظت کے لیے اپنے بچوں کے گلوں میں ڈالتے تھے، اسلام نے اسے ختم کر دیا۔

ایک اور حدیث میں ہے:۔

مَنْ عَلَّقَ تَمِیْمَۃً فلا اتمّ اللّٰہُ لَہٗ

جو شخص تعویذ ڈالے اللہ اس کی مراد پوری نہ کرے۔

اس کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

کانهم یعتقدون انها تمام الدوأ والشفاء وانما جعلها شرکا لانهم ارادوا دفع المقادیر المکتوبة علیهم وطلبوا دفع الاذی من غیر الله الذی هو دافعه[1]

گویا وہ یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ مکمل دوا اور شفا ہے۔ آپؐ نے اسے شرک اس لیے قرار دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تقدیر میں جو لکھ دیا ہے اسے وہ اس ذریعہ سے دور کرنا چاہتے تھے اور اللہ تعالیٰ جو تکلیف کو دور کرنے والا ہے اسے چھوڑ کر غیر اللہ سے تکلیف دور کرنے کی درخواست کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں تعویذ کے طور پر جو چیزیں ڈالی جاتی تھیں ان کے پیچھے مشرکانہ تصورات موجود تھے۔ وہ ان کو نظر بد سے بچنے کی تدبیر ہی نہ سمجھتے تھے بلکہ ان کے خیال میں ان سے تقدیر بھی بدلی جاسکتی تھی۔ ان کے نزدیک ان کا استعمال ہی سب کچھ تھا، اس کے بعد کسی چیز کی ضرورت نہیں تھی۔ گویا خدا کی جگہ ان والوں اور تعویذوں نے لے لی تھی۔ اس کے شرک ہونے میں ظاہر ہے کوئی شبہ نہیں ہے۔ لیکن جو تعویذ قرآن کی آیات، اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں پر مشتمل ہو اس کو ناجائز نہیں کہا جاسکتا۔ علامہ قسطلانی اوپر کی حدیث کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

---

[1] النهایه فی غریب الحدیث ۱/ ۱۱۹۔

انما کان ذالک من الشرک لانهم ارادوا دفع المضار و جلب المنافع من عند غیر الله و لا یدخل فی ذالک ما کان باسماء الله وکلامه۔

یہ شرک اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے دفع مضرت اور جلب منفعت غیر اللہ سے چاہی۔ اس میں وہ چیز داخل نہیں ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء اور اس کا کلام ہو۔

(المواہب اللدنیہ مع شرح الزرقانی ۷/۱۲۷)

اس کی تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رض فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں چند کلمات کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان کلمات کو ہم خوف اور گھبراہٹ سے بچنے کے لیے سوتے وقت پڑھتے ہیں۔ وہ کلمات یہ ہیں:

بِسْمِ اللهِ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنَ

اللہ کے نام سے سوتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے کلمات کاملہ کے ذریعہ اس کے غضب سے، اس کے عقاب اور سزا سے، اس کے بندوں کے شر سے، شیاطین کی اکساہٹ سے اور اس بات سے کہ وہ میرے پاس آئیں، پناہ طلب کرتا ہوں۔

حدیث کے راوی فرماتے ہیں:-

کان عبد الله بن عمرو یعلمها من بلغ من ولده ان یقولها عند نومه ومن کان منهم صغیرا لا یعقل ان یحفظها کتبها له فعلقها فی عنقه[1]

عبداللہ بن عمرو رض کے جو بچے اس قابل ہوتے کہ وہ ان کلمات کو سوتے وقت کہہ سکیں انھیں وہ سکھا دیتے تھے، جو بچے چھوٹے ہوتے اور انھیں یاد نہیں کر سکتے تھے انھیں وہ کسی کاغذ پر لکھ کر گلے میں ڈال دیتے تھے۔

---

[1] مسند احمد تحقیق احمد محمد شاکر، اسنادہ صحیح ۱۰/۲۲۳۔ ابوداؤد، کتاب الطب، باب کیف الرقی۔ ترمذی کتاب الدعوات

سب ہی جانتے ہیں کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی اس طرح کے مسائل میں بہت سخت ہیں، وہ اپنی مشہور تصنیف کتاب التوحید میں فرماتے ہیں کہ تعویذ قرآن کی آیات پر مشتمل ہو تو سلف میں سے بعض نے اس کی اجازت دی ہے اور بعض نے اسے ناجائز کہا ہے۔ ان ہی میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی ہیں۔

کتاب التوحید کی شرح ان کے پوتے شیخ عبدالرحمان بن حسن نے کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں کے درمیان ایسے تعویذوں کے بارے میں اختلاف رہا ہے جن میں قرآن کی آیات اور اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات لکھے گئے ہوں، ایک گروہ نے اسے جائز قرار دیا ہے، یہی عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا قول ہے۔ حضرت عائشہؓ سے بھی بظاہر روایت یہی مروی ہے، ابوجعفر باقرؒ کی بھی یہی رائے ہے۔ امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اسی کی تائید میں ہے۔ ان لوگوں نے اس حدیث کو جس میں تعویذ کو شرک کہا گیا ہے ایسے تعویذ پر محمول کیا ہے جس میں کلمات شرک ہوں۔

ایک دوسرے گروہ نے اسے ناجائز کہا ہے۔ یہی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی رائے ہے۔ حضرت حذیفہ، عقبہ بن عامر اور ابن حکیم کی رائے بھی بظاہر یہی ہے۔ یہی رائے تابعین کی ایک جماعت کی ہے جس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ بھی داخل ہیں۔ ایک روایت کے مطابق امام احمد کی بھی رائے ہے۔ اسی کو ان کے بیشتر اصحاب نے اختیار کیا ہے۔ متاخرین نے قطعیت کے ساتھ اسی کو امام احمد کی رائے قرار دی ہے۔ یہ حضرات عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت اور ان کی ہم معنی روایات سے استدلال کرتے ہیں۔ آخر میں کتاب کے شارح نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔[۱]

جب قرآن کی آیات اور احادیث سے ثابت شدہ دعائیں مریض دم کرا سکتا ہے تو بظاہر ان کا تعویذ بھی استعمال کر سکتا ہے۔ اسے ناجائز کہنے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔

---

[۱] فتح المجید شرح کتاب التوحید، تحقیق محمد حامد الفقی ص ۱۲۷-۱۲۸

حضرت سعید بن مسیب کے نزدیک قرآن سے لکھے ہوئے تعویذ کو بانس وغیرہ کی نلکی میں رکھ کر گلے میں ڈالنا جائز ہے۔ البتہ بیوی سے ہم بستری کرتے یا بیت الخلاء جاتے وقت اسے اتار دینا چاہیے۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ بچوں کو جو تعویذ ڈالے جاتے ہیں وہ جائز ہیں۔ ابن سیرین فرماتے ہیں کہ جس تعویذ میں قرآن کی آیات ہوں اسے بچہ ہو یا بڑا سب ہی ڈال سکتے ہیں۔ علامہ آلوسی ان اقوال کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اسی پر تمام ممالک میں قدیم سے اب تک عمل رہا ہے[1]

فقہ حنفی میں بھی اس طرح کے تعویذ کو جائز قرار دیا گیا ہے، اس کے استعمال کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اگر وہ کسی چیز میں لپٹا ہو تو اسے ناپاک شخص اور حیض والی عورت بھی اپنے بازو پر باندھ سکتی ہے[2]

فقہ مالکی میں ہے کہ جس تعویذ میں اللہ تعالیٰ کے اسماء یا قرآن کی آیات لکھی ہوں اس کو مریض، تندرست، حائضہ، نفاس والی اور ناپاک آدمی سب ہی استعمال کر سکتے ہیں۔ جانوروں کو بھی اس طرح کا تعویذ باندھا جا سکتا ہے[3]

قرآن دھو کر پلانا قرآن کی آیات کسی کاغذ یا برتن پر لکھ کر اسے دھو کر پلانا بھی سلف سے ثابت ہے۔

حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے۔ فرماتے ہیں تم میں سے جو شخص شفا چاہتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کوئی آیت کسی کاغذ پر لکھ کر اسے بارش کے پانی سے دھوئے اور بیوی سے ایک درہم اس کی خوشی سے لے کر شہد خریدے (اور اس کے ساتھ ملا کر) پی لے۔ اس سے (ان شاء اللہ) اسے شفا حاصل ہوگی[4]

بیہقی نے کتاب الدعوات میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ جس عورت کی زچگی میں زحمت ہو اسے ایک کاغذ میں یہ لکھ کر پلایا جائے:

---

[1] روح المعانی ج ۱۵/۱۴۶ [2] رد المحتار علی الدر المختار ۵/۳۱۹ [3] الشرح الصغیر ۴/۷۴۹
[4] تفسیر ابن کثیر ۲/۵۰۶

بسم اللہ الذی لا الٰہ الا ھو	اس اللہ کے نام سے جس کے سوا کوئی
الحلیم الکریم سبحان اللہ وتعالیٰ	معبود نہیں ہے، جو بردبار اور کریم ہے
رب العرش العظیم الحمد للہ	ہم اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں، جو
رب العالمین کانھم یوم یرونھا	عرش عظیم کا رب ہے۔ ساری حمد و
لم یلبثوا الا عشیۃ او ضحٰھا	ثنا اللہ رب العالمین کے لیے ہے،
کانھم یوم یرون ما یوعدون	جس روز وہ اسے (قیامت) دیکھیں
لم یلبثوا الا ساعۃ من نھار	گے محسوس کرینگے گویا وہ بس ایک شام یا
بلاغ فھل یھلک الا القوم	ایک صبح رہے۔ جس روز وہ اس چیز
الفاسقون[1]	کو دیکھ لیں گے جس کا وعدہ کیا

جارہا ہے تو یوں محسوس کریں گے گویا دن بھر میں بس ایک گھڑی رہے۔ ہلاک تو نافرمان ہی کیے جاتے ہیں۔

امام احمدؒ کے صاحب زادے عبداللہ کہتے ہیں کہ جس عورت کو ولادت میں دشواری ہوتی امام احمد اسے اوپر والی یہ دعا لکھ کر دیتے تھے۔ حافظ ابو بکر احمد بن علی کہتے ہیں کہ ایک شخص نے امام احمدؒ سے کہا کہ ایک عورت دو دن سے درد زہ میں مبتلا ہے، زچگی نہیں ہو رہی ہے۔ آپ نے اس سے کہا کہ وہ ایک بڑا برتن اور زعفران لائے تاکہ اس پر دعا لکھ کر دیں۔ (اور وہ اسے پلائی جائے) مروزی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ امام نے متعدد آدمیوں کو اس طرح لکھ کر دیا[2]۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں حسن بصریؒ، مجاہدؒ، ابو قلابہؒ اور اوزاعیؒ کے نزدیک قرآن کی آیات کسی برتن پر لکھ کر مریض اسے دھو کر پی سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔ امام نخعیؒ نے اسے ناپسند کیا ہے۔ ہمارے مذہب (شافعی) کا بھی تقاضا یہی ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ قاضی حسین اور امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ اگر قرآن کسی مٹھائی

---

[1] الاتقان ۲/۱۶۵
[2] المواہب اللدنیہ مع الشرح ۷/۱۰۰۔

چیز یا کھانے پر لکھ کر کھایا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے[۱]

علامہ ابن الحاج مالکی فرماتے ہیں کہ کسی کاغذ یا پاک برتن پر قرآن کی کچھ سورتیں یا کسی سورت کا کچھ حصہ یا ایک سورت کی متفرق آیتیں یا مختلف سورتوں کی مختلف آیتیں لکھ کر ان کے ذریعہ علاج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بہت سے شیوخ، قرآن کی آیتوں اور دعاؤں کو لکھ کر مریضوں کو پلاتے تھے، اس سے انھیں شفا ہوتی تھی۔ اس سلسلہ میں بزرگوں کے واقعات اور تجربات بھی انھوں نے بیان کیے ہیں[۲]

فقہ حنفی میں ہے کہ قرآن شریف مریض پر پڑھ کر دم کرنا، سورۂ فاتحہ پڑھ کر سانپ اور بچھو کا زہر اتارنا، کسی کاغذ پر لکھ کر اس کا تعویذ ڈالنا، یا کسی برتن پر لکھ کر اسے دھو کر پلانا اس بارے میں اختلاف ہے۔ لیکن اب اسے جائز سمجھا جاتا ہے، اسی پر عمل ہے اور احادیث و آثار سے اسی کی تائید ہوتی ہے[۳]

علامہ قسطلانی لکھتے ہیں:۔

وقد رخص جماعة من السلف في كتابة بعض القرآن وشربه وجعل ذالك من الشفاء الذي جعل الله فيه[۴]	سلف میں سے ایک جماعت نے اس کی اجازت دی ہے کہ قرآن کا کوئی حصہ لکھ کر پلایا جائے، اسے اس نے اس شفا کا ایک حصہ سمجھا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھ دی ہے۔

لیکن اب جیسا کہ اوپر کی تصریحات سے معلوم ہوا چاروں فقہوں میں اس کا جواز ملتا ہے۔ (جاری)

---

[۱] الاتقان فی علوم القرآن ۲/۶۶
[۲] المدخل: ۴/۱۲۱-۱۲۲
[۳] رد المحتار علی الدر المختار ۵/۲۱۹
[۴] المواہب اللدنیہ ۷/۱۰۰

ہندوستان میں مستشرقین کا علوم اسلامیہ اور علماء کو نیا چیلنج

ڈاکٹر مولوی ماجد علی خاں
(ایم، ایس، سی۔ فاضل درس نظامی۔ پی ایچ، ڈی، ڈی ای، ڈی، ٹی ایچ، علیگ)

موجودہ دور میں جو لوگ یونیورسٹیوں میں تعلیم پا رہے اور دے رہے ہیں ان کے دماغوں میں اسلام کے ماضی کی طرف سے بدگمانی اور علوم اسلامیہ کے بنیادی ماخذ کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنے اور "اصلاح مذہب" "اسلام کی تشکیل جدید" "اصلاح فقہ وقانون اسلامی" اور اس سے بھی آگے "اصلاح دین اسلام" جیسے عنوانات سے اسلامی عقائد وحقائق کو مسخ کرنے کی تحریکوں کی پشت پر ان مغربی اسکالرز کا ہاتھ ہے جنہوں نے علوم اسلامیہ کو مسخ کرنے کی غرض سے اسلامیات اور تاریخ اسلام کے مطالعہ کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دی ہیں۔ ان لوگوں کو عام طور پر مستشرقین (ORIENTALISTS) کہا جاتا ہے۔ موجودہ دور میں ان میں یہود ونصاریٰ دونوں شامل ہیں۔

دراصل استشراق کی تاریخ بہت پرانی ہے۔ یہ تحریک تیرھویں صدی عیسوی میں جبکہ عیسائی دنیا صلیبی جنگوں میں ناکام ہوئی، شروع ہوئی۔ اس کے محرکات سیاسی بھی تھے اور اقتصادی بھی اور اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنے کے لیے یہ ایک حربہ کے طور پر استعمال کی گئی۔ اس کا ایک بڑا مقصد مذہب عیسوی کی اشاعت وتبلیغ اور اسلام کی ایک ایسی تصویر پیش کرنا ہے جس سے مسیحیت کی برتری اور ترجیح خود بخود ثابت ہو اور نئے تعلیم یافتہ اصحاب اور نئی نسل کے لیے مسیحیت میں کشش پیدا ہو۔ چنانچہ عیسائی مبلغین (MISSIONARIES)

اور اسی طرح یہودی علما کی اسلامیات کے مطالعہ کے لیے وقف ہو گئے۔ اس طرح مستشرقین کی بڑی تعداد اصلاً پادری ہے یا یہودی علماء۔ اس تحریک کے سیاسی مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد مشرق میں مغربی حکومتوں اور ارباب اقتدار کو علمی کمک اور رسد پہنچانا تھا وہ اپنی حکومتوں کو مشرقی اقوام وممالک کے رسم ورواج، اُن کی طبیعت ومزاج ان کی زبان وادب یہاں تک کہ جذبات ونفسیات کے متعلق معلومات بہم پہنچاتے رہے تاکہ اہل مغرب کو مشرق میں اپنا اقتدار قائم رکھنا آسان ہو۔

یہ مستشرقین قرآن وحدیث، سیرت نبوی، فقہ اسلامی اور اخلاق وتصوف کا گہرا مطالعہ اس مقصد سے کرتے ہیں کہ ان علوم میں خامیاں نکالی جائیں اور ان کو اپنے مذہبی وسیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے۔ اپنے اس دجالی مقصد کی وجہ سے ان کو علوم اسلامیہ میں صرف غیر صحت مند چیزیں ہی نظر آتی ہیں جس طرح رنگین چشمہ لگانے والے کو ہر چیز اسی رنگ میں نظر آتی ہے جس رنگ کا وہ چشمہ استعمال کر رہا ہوتا ہے۔ ان مستشرقین کے کام کا ایک خطرناک پہلو یہ ہے کہ وہ اپنی تمام صلاحیتوں کو معقول وغیر معقول طریقہ پر ان کمزوریوں کی نشاندھی اور ان کو نہایت مہیب شکل میں پیش کرنے میں صرف کرتے ہیں جن کو وہ خود خوردبین سے دیکھتے ہیں اور اپنے قارئین کو دوربین سے دکھاتے ہیں۔ رائی کا پربت بنانا ان کا ادنیٰ سا کام ہے۔ وہ اسلام کی تاریک تصویر پیش کرنے میں ایسی چابک دستی، ہنرمندی اور صبر وسکون سے کام لیتے ہیں جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔ وہ پہلے ایک دجالی اور شر انگیز مقصد تجویز کرتے ہیں اور ایک بات طے کر لیتے ہیں اور پھر اس مقصد کے لیے ہر طرح کے رطب ویابس مذہب وتاریخ، حدیث وسیرت یہاں تک کہ افسانہ وشاعری کے غیر مستند ذخیرہ سے مواد فراہم کرتے ہیں اور جس سے ذرا بھی مطلب براری ہوتی ہو خواہ وہ صحت واسناد کے اعتبار سے کتنا ہی مشکوک ومجروح اور بے قیمت وبے حیثیت ہو اس کو بڑی آب وتاب کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور ہماری یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے بھائی اور پڑھانے والے اساتذہ اس کو سائنٹفک تحقیق کا عنوان دیکر ہضم کر جاتے ہیں۔ پھر یہی لوگ مستشرقین کی آواز بن کر ان کے خیالات کی پوری ترجمانی کرتے ہیں۔

قرآن، حدیث، سیرت نبوی، فقہ وکلام، سیرت صحابہ، تابعین، ائمہ مجتہدین، محدثین، فقہاء وقضاۃ، مشائخ وصوفیہ، رواۃ حدیث، فن جرح وتعدیل، اسماء الرجال، حدیث کی حجیت، تدوین حدیث، جمع قرآن، فقہ اسلامی کے مآخذ، فقہ اسلامی کا ارتقاء ان میں سے ہر ایک موضوع کے متعلق مستشرقین کی کتابوں اور نام نہاد تحقیقات میں اتنا تشکیکی مواد پایا جاتا ہے جو ایک ایسے ذہین وحساس آدمی کو جو اس موضوع پر وسیع اور گہری نظر نہ رکھتا ہو پورے اسلام سے منحرف کردینے، اس کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کردینے اور علماء وسلف صالحین کی شخصیتوں کو مجروح کردینے کے لیے کافی ہے۔ اس مشکوک ومشتبہ لٹریچر کو ان لوگوں نے سائنٹیفک وسسٹمیٹک (اصولی اور باقاعدہ) اسٹڈی (مطالعہ) کا عنوان دیا ہے۔ یونیورسٹیوں میں پڑھنے پڑھانے والے اور مغربی ممالک میں تعلیم حاصل کرنے والے اکثر لوگ اس بھنور میں پھنس چکے ہیں اور سیلاب کی اس رو میں بہہ رہے ہیں۔ اور ان نام نہاد مستشرقین کے دجل وفریب میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

اس صدی کے شروع تک مستشرقین نے قرآن، حدیث، سیرت، فقہ اسلامی، تاریخ اسلامی وغیرہ پر براہ راست حملے کیے اور ان علوم پر بے لاگ تنقید کی، ان میں تحریف کی اور اسلام وپیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو مسخ کرکے پیش کیا۔ ان کی تحریرات یوروپی زبانوں میں ہوتی تھیں۔ اور مغربی ممالک جن جن ممالک پر قابض تھے اور ان کا وہاں پر اقتدار تھا وہاں شائع ہوتی تھیں۔ ہندوستان کے بعض علماء نے ان کے مدلل جوابات دیے اور ان کی فاحش غلطیوں سے عامۃ المسلمین کو روشناس کرایا۔ ان میں سیرت کے سلسلہ میں مولانا شبلی نعمانی کا نام سرفہرست ہے۔ گو کہ سرسید احمد خاں کے زیادہ تر مذہبی خیالات سے علماء متفق نہیں تھے پھر بھی سرسید نے بدنام زمانہ ولیم میور کے سیرت نبوی پر کیے گئے اعتراضات کے جس انداز میں جوابات دیے اور اس مقصد کے لیے انھوں نے انگلستان کا سفر کیا اس سے علماء وعوام الناس سب ہی متاثر ہوئے۔ سیرت پر ان کا یہ کام انگریزی واردو دونوں زبانوں میں شائع ہو چکا ہے۔

جلد ہی مستشرقین نے محسوس کیا کہ ان کے طریق کار میں بنیادی غلطی ہے۔ جس کی وجہ

سے ان کی جدوجہد کا پورا نتیجہ نہیں نکل رہا ہے اور بعض اوقات اس کے علاوہ اسلامی حلقوں اور اداروں میں شدید رد عمل اور اشتعال پیدا ہو جاتا ہے۔ جو ان کے مفسدانہ مقاصد پر ضرب کاری کی حیثیت رکھتا تھا۔ وہ برابر اپنی شیطانی کوششوں کا جائزہ لیتے رہے اور بالآخر یہ طے کیا کہ ان کو اپنے رویہ اور طریق کار میں بنیادی تبدیلی کرنا چاہیے۔ ان کے طریقۂ کار میں تبدیلی کے سلسلے میں ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی (مرحوم) اپنی مشہور کتاب "المستشرقون والاسلام" میں اسلامی اصلاحی تحریکوں کے سلسلہ میں ایک مستشرق ہیری گیلارڈ ڈارمن (HARRY GAYLORD DARMON) کا ایک اقتباس نقل کرتے ہیں:۔

"—— اصلاحی تحریکیں، دینی تعلیمات کے موجودہ تجربوں کی روشنی میں از سر نو تشریح کرنے کی مخلصانہ کوششیں ہوتی ہیں۔ یا ان کے ذریعہ نئے تجربوں کو دینی تعلیمات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے، اس لیے وہ (مسیحیت کے) ایک مبلغ کے لیے اولین اہمیت رکھتی ہیں۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ ہر نئی تحریک جس کو کہ چند خبطی مسلمان شروع کر دیں وہ اس کا استحقاق رکھتی ہے کہ اس کا سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے، ہماری مراد ان (مسلم) تحریکوں سے ہے جن کی حیثیت موجودہ زندگی کے سچے دینی اظہار کی ہے۔ اور جو روز مرہ کے تجربہ کی روحانی تشریح کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور پھیلتی جارہی ہیں، اور جن میں روحانی قوتیں حقائق سے نبرد آزما ہیں —

بہت ممکن ہے کہ ان میں سے ایک اصلاحی تحریک (قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ کون سی تحریک ہو سکتی ہے ـ ماجد) حضرت عیسیٰ کو سمجھنے کے سلسلہ میں بالآخر بڑی اہم ثابت ہو جتی کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آئندہ چند سالوں میں اسلامی ممالک میں (مسیحی) تبلیغ کا اصل کارنامہ مسلمان افراد کی اصلاح و احیا سے زیادہ خود اسلام کی تجدید و احیاء کا ہو، بہر حال یہ کام کا ایک میدان ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور جس سے غفلت نہیں برتی جا سکتی۔ میدان کھلا ہوا ہے، یہ ان معذرت پسندوں کی مثال سے ظاہر ہے جو عیسائیوں اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کرنے کا خیر مقدم

کرتے ہوئے نظر آتے ہیں"

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی آگے لکھتے ہیں:-

"اس نصف صدی کے اندر عالم اسلام میں اصلاح و ترقی (درحقیقت تجدد و مغربیت) کے جتنے علم بردار پیدا ہوئے ان کے خیالات، اعلانات اور ان کے طریق کار میں مستشرقین کی اس دعوت و تلقین کا عکس صاف نظر آئے گا۔ یہاں تک کہ مستشرقین کے ان خیالات کو ان "مصلحین و زعماء" کے فکر و عمل کی اساس قرار دیا جاسکتا ہے اور ان کو ان کا مشترک منشور کہا جاسکتا ہے۔ ان مستشرقین نے ایک طرف اسلام کے دینی افکار و اقدار کی تحقیر کا کام کیا اور مسیحی مغرب کے افکار و اقدار کی عظمت ثابت کی اور اسلامی تعلیمات و اصول کی ایسی تشریح پیش کی کہ اس سے اسلامی اقدار کی کمزوری ثابت ہو اور ایک تعلیم یافتہ مسلمان کا رابطہ اسلام سے کمزور پڑ جائے اور وہ اسلام کے بارے میں متشکک ہو جائے۔ کم از کم یہ سمجھنے پر مجبور ہو کہ اسلام موجودہ زندگی کے مزاج کا ساتھ نہیں دے سکتا اور اس زمانہ کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرنے سے عاجز ہے۔ ایک طرف انھوں نے بدلتی ہوئی زندگی اور تغیر پذیر اور ترقی یافتہ زمانہ کا نام لیکر خدا کے آخری اور ابدی دین اور قانون پر عمل کرنے کو روایت پرستی، رجعت پسندی اور قدامت و دقیانوسیت کا مرادف قرار دیا۔ اور دوسری طرف اس کے بالکل برعکس انھوں نے ان قدیم ترین تہذیبوں اور زبانوں کے احیاء کی دعوت دی جو اپنی زندگی کی صلاحیت اور ہر طرح کی افادیت کھو کر ماضی کے ملبہ کے نیچے سینکڑوں، ہزاروں برس سے دفن ہیں۔ اور جن کے احیاء کا مقصد مسلم معاشرہ میں انتشار پیدا کرنے اسلامی وحدت کو پارہ پارہ کرنے، اسلامی تہذیب و عربی زبان کو نقصان پہنچانے اور جاہلیت قدیمہ کو زندہ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ انہی کی تحریروں کے اثر اور انہی کے شاگردان رشید کے ذریعہ مصر میں "فرعونیت"، عراق میں "آشوریت"، شمالی افریقہ میں "بربریت"، فلسطین و لبنان کے ساحل پر مبنی تہذیب و زبان کی احیاء کی تحریکیں شروع ہوئیں اور ان کے مستقل

داعی پیدا ہو گئے۔ اور انہی مستشرقین اور ان کے شاگردوں نے شد و مد کے ساتھ یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآن کی عربی زبان "فصحیٰ" اس زمانہ کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتی اس کے بجائے عوامی (COLLOQUIAL) اور مقامی زبانوں کو رواج دینا چاہیے اور انہی کو اخبارات اور کتابوں کی زبان بنانا چاہیے ......"

اس سے بھی آگے بڑھ کر یورپ اور امریکہ و کناڈا میں مستشرقین کے قائم کردہ نام نہاد اسلام کی تحقیق کے اداروں کے دروازے مسلمانوں کے لیے کھول دیے۔ اور بڑے بڑے وظیفے دے کر مسلمانوں کے ذہین اور تعلیم یافتہ طبقہ کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور نام نہاد سائنٹیفک و سسٹ میٹک تحقیق کے عنوان سے ان کا ذہن مسموم کیا اور ان کو اپنے سانچہ میں ڈھال لیا۔ ان میں سے بعض انہی مستشرقین کا آلۂ کار بنے۔ عموماً تین سال میں ڈگری، اور پانچ سال میں تحقیقی سند (پی۔ ایچ۔ ڈی) کرا کر مسلسل ان لوگوں کے ذہنوں کو اسلام کے اصول و عقائد کے سلسلہ میں متشکک بنایا۔ مستشرقین کے یہ چیلے جب مشرقی ممالک (بالخصوص ہندو پاک اور مصر و لبنان) میں آئے تو انھوں نے اپنے زہریلے قلم اور زبان سے اپنے استادوں کی ترجمانی کی اور علمی اداروں و یونیورسٹیوں کے ماحول کو اسلامی تعلیمات کے حق میں خراب کیا۔ انھوں نے اپنے آپ کو روشن خیال، تجدد پسند، مصلح دین وامت، محقق و مفکر ظاہر کیا اور اپنے دجالی طریقہ کار کو سائنٹیفک اور سسٹ میٹک بتایا اور اس کے بالمقابل علماء حقانی، سلف صالحین اور مصلحین و مجددین کے طریقہ کو دقیانوسی، انتہا پسندانہ، نامعقول اور غیر سائنٹیفک و غیر سسٹ میٹک بتایا۔

اس سے بھی آگے بڑھ کر اس تحریک کے زیر اثر ہندوستان کی کچھ یونیورسٹیوں میں اسلامک اسٹڈیز کے نام سے ادارے اور تحقیقی مراکز قائم کیے گئے۔ حالانکہ چند یونیورسٹیوں میں دینیات یا اسلامیات یا علوم مشرقیہ یا السنۂ شرقیہ کے نام سے اسلامی علوم کی تعلیمات دی جاتی تھیں جن میں تفسیر و حدیث، تاریخ اسلام، فقہ وغیرہ کی مستند کتابوں (کے متون) کو پڑھایا جاتا تھا۔ اس کے باوجود ان یونیورسٹیوں میں بھی اسلامک اسٹڈیز کے نام سے شعبے قائم کیے گئے۔ اسلامک اسٹڈیز کے نصاب کو یہود و نصاریٰ مستشرقین کے

امریکی و مغربی اداروں کے نصاب کے مطابق رکھا گیا۔ قرآن، حدیث و فقہ کے متون (TEXTS) کو نکال دیا گیا اور اس کی جگہ قرآن، حدیث و فقہ کی تدوین کی تاریخوں پر ہی اکتفا کر کے نصاب کو علوم اسلامیہ کی جگہ تاریخ اسلام کا نصاب بنا دیا گیا اور ان میں یہود و نصاریٰ مستشرقین کی کتابوں کو جگہ دی گئی ـــــ اس کے پیچھے کس اسلام مخالف عالمی تنظیم کا ہاتھ ہو سکتا ہے اس کا اندازہ قارئین ہی کر سکتے ہیں۔

ان اداروں کا مقصد "فری انکوائری" (آزاد جستجو) اور سائنٹیفک وسسٹمیٹک ریسرچ (اصولی و باقاعدہ تحقیق) کے نام سے سلف صالحین اور علماء حقانی کے خیالات پر پابندی لگانا اور اسلام کی تعلیمات کو مسخ کرنا ہی قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں بر صاف طور پر کہا جاتا ہے کہ اسلامی تحقیقات کو عقائد سے آزاد ہو کر کیا جائے۔ اور اسلام و قرآن کا کیمسٹری (کیمیا) اور بائیلوجی (حیاتیات) کی طرح مطالعہ کیا جائے۔ سیرت کو اس عقیدے سے الگ ہو کر پڑھا اور پڑھایا جائے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے (آخری) نبی و رسول ہیں۔ وغیرہ۔

یہ ادارے گاہ بگاہ سیمینار یں اور مجالس مذاکرات منعقد کرتے رہتے ہیں ان سیمینارں میں اسلامی عقائد و تعلیمات پر دل کھول کر تنقید کی جاتی ہے بلکہ ان کو ذبح کیا جاتا ہے۔ علماء کا مذاق اڑایا جاتا ہے ان کی تحقیق و علم کی تحقیر کی جاتی ہے، ان کو مسجد کا ملّا، منبر کا واعظ، کٹر اور دقیانوسی بتایا جاتا ہے۔ ان اداروں کے صدر اکثر ایسے لوگ ہیں یا رہے ہیں جو مستشرقین کے خاص شاگرد تھے اور جن میں سے بعض کے پاس صدر اور پروفیسر بننے کے بعد ان کے استاد مستشرقین کے تہنیت نامے اور مبارکباد کے خطوط بھی آئے۔ یہ لوگ اپنے نام نہاد استادوں کے نہ صرف ترجمان ہوتے ہیں بلکہ انہی کے طرز کو اسلام کی تعلیمات اور اس کے عقائد کو مسخ کرنے میں استعمال بھی کرتے ہیں۔ ان لوگوں کی مجالس میں "عالم" کا لفظ تحقیر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اور یہ علماء کو اپنا سب بڑا دشمن قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض منافقانہ طور پر علماء کے سامنے "ملّا" اور ترقی پسندوں کے سامنے "مفکر و محقق" بن کر دوسروں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتے ہیں۔

تاکہ عام لوگ ان کو پہچان نہ سکیں اور یہ اپنی بدعقیدگی کا زہر آسانی سے پھیلا سکیں۔
بہرحال ان کا ذاتی کردار کچھ بھی ہو ان کا بنیادی کام اسلامی عقائد و تعلیمات کو مسخ کرنا اور ان میں شکوک و شبہات پیدا کرنا ہے اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے شاید ایسے ہی لوگ متعین کیے گئے ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ ہندوستان میں یہ سب کچھ خود مسلمان ہی کر رہے ہیں یا اس طرح کہیے کہ مسلمانوں سے کرایا جا رہا ہے۔
یہود و نصاریٰ مستشرقین کے ان شاگردوں کا ہندوستان میں ایک جدید نعرہ "اجتہاد" ہے۔ ان کے مطابق مسلمان ہندوستان اور دوسرے ممالک میں جہاں مسلمان آباد ہیں (یا ان کی حکومتیں ہیں) موجودہ مسائل کا حل اجتہاد کے ذریعہ کریں۔ جہاں تک نئے مسائل کو قرآن و حدیث کی روشنی میں حل کرنے کا سوال ہے اس سے کسی کو اختلاف نہیں ہو سکتا یہ اجتہاد تو علمائے دین کے فرائض و واجبات میں سے ہے۔ لیکن یہ ہندی مستشرقین کہتے ہیں کہ اجتہاد کا حق ہر اس مسلمان کو بلکہ ہر اس شخص کو حاصل ہے جو کہ قرآن کریم کے ترجمے کو کسی بھی زبان میں پڑھ سکتا ہو۔
ان ہندی مستشرقین کے مطابق مجتہد کو عربی زبان، صرف و نحو، لغتِ قرآن، علم تفسیر، احادیث، آثار صحابہ، علم فقہ، علم عقائد، اصول فقہ، ناسخ و منسوخ وغیرہ علوم جاننے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ نہ ہی یہ دیکھنے کی ضرورت ہے کہ کسی کے اندر ان علوم کے جاننے کے باوجود نئے مسائل کے استنباط کی صلاحیت بھی ہے یا نہیں۔ اگر کوئی شخص عربی زبان و دیگر علوم ضروریہ حاصل کیے بغیر صرف ترجمۂ قرآن کی مدد سے آیات قرآنیہ میں اپنی رائے زنی کر سکتا ہے تو وہ مجتہد ہو سکتا ہے اور فقہ اسلامی میں اپنی ٹانگ اڑا سکتا ہے۔——— حال میں اس ملک میں اسلامیات کی تحقیق کا ایک بڑا ادارہ قائم ہوا ہے جس میں فقہ اسلامی پر تحقیق کا شعبہ بھی ہے۔ اس کے صدر ایک جدید قانون کے پروفیسر (یعنی وکیل صاحب) جو اپنی مسلم پرسنل لا دشمنی کے لیے مشہور ہیں اور ان کی نگرانی میں جو لوگ تحقیق کر رہے ہیں ان کو عربی زبان، قرآن و دیگر اسلامی علوم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔ یہ ادارہ کروڑوں روپیہ کی لاگت سے دہلی میں ہندوستان کے ایک بڑے ٹرسٹ کے تحت قائم ہوا ہے۔
یہ ہندی مستشرقین اب اپنے ناپاک ارادوں کو ایک تحریک کی صورت میں پیش

کر رہے ہیں اور اس قسم کے مزید ادارے و شعبے قائم کرنے کی زبردست جدوجہد کر رہے ہیں۔ علمائے کرام کی اس سلسلہ میں جو ذمہ داری ہے اس کا وہ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

جہاں تک یونیورسٹیوں میں اسلامی علوم کی تعلیم کا سوال ہے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کا نصاب اب بھی بی اے و ایم اے، دینیات کے نصابات کے لیے معمولی اصلاحات کے بعد ایک نمونہ بن سکتا ہے۔ ذاتی طور پر سرسید احمد خاں مرحوم کے کچھ مذہبی خیالات اس امت کے سواد اعظم سے اور علماء سے کتنے ہی مختلف کیوں نہ ہوں لیکن علی گڑھ میں جب انھوں نے شعبۂ دینیات قائم کیا تو اُن ہی علماء کو رکھا جن پر امت کے سواد اعظم کا اعتماد تھا۔ چنانچہ یہ بات مشہور ہے (گو کہ اس وقت راقم السطور کے پاس کوئی تحریری ثبوت نہیں ہے) کہ انھوں نے علی گڑھ کے شعبۂ دینیات میں تعلیم دینے کے لیے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سے آدمی مانگا تھا انھوں نے اس کام کے لیے اپنے داماد مولانا عبداللہ انصاری صاحب کو آمادہ کر دیا تھا جو کہ علی گڑھ میں دینیات کے پہلے ناظم مقرر ہوئے تھے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کے علاوہ عرب ممالک کی اسلامی یونیورسٹیوں کے نصابات کو بھی سامنے رکھا جا سکتا ہے۔ خود ہمارے ملک میں دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جن کا معیار تعلیم کسی عرب یونیورسٹی میں پڑھائے جانے والے علوم اسلامیہ کے معیار سے کم نہیں ہے (یا) ان جیسی دوسری درسگاہوں کے نصاب کو بھی سامنے رکھا جا سکتا ہے۔

اس سلسلہ میں میں علماء کرام سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ اس طرف متوجہ ہوں اور اس ملک میں اسلامی علوم مسخ کرنے کی جو دجالی سازش کی جا رہی ہے اس کو بے نقاب کریں اور اس سلسلہ میں کوئی مناسب قدم اٹھائیں۔ ہمارے علماء نے ہر مسئلہ میں اس ملک میں بسنے والی ملت کی قیادت کی ہے۔ اس سلسلہ میں بھی ان کی قیادت اور عملی اقدام کی سخت ضرورت ہے اور یہ وقت کا اہم تقاضا ہے۔

پاکستان میں کیا ہو رہا ہے

علماء کی طرف سے حکومت کا احتساب اور اصلاحی تجاویز

(ماہنامہ "الحق" (پاکستان) کا افتتاحیہ اس کے مدیر مولانا سمیع الحق کے قلم سے)

۲۰ اپریل ۱۹۸۱ء کی رات کو ملک کے مختلف مکاتب فکر کے ۲۴ افراد پر مشتمل جید علماء کا ایک نمائندہ وفد صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب سے ملا اور یہ ملاقات تین گھنٹے تک جاری رہی۔ بعض اہل درد اور مخلص حضرات کی تحریک و تجویز اور جدوجہد سے ایسا بھاری نمائندہ وفد تشکیل پایا۔ ملاقات سے قبل ملک بھر کے دو ڈھائی سو جید علماء نے اپنے اجتماع میں ملک کی ملکی و دینی حالات پر اظہار خیال کیا۔ ملاقات کے لیے محضر نامہ مرتب کرنے کے لیے اپنی تجاویز و احساسات سے وفد کو آگاہ کیا۔ چنانچہ دینی و ملی اہم مسائل پر نہایت احتیاط سے ۲۰ نکات پر مشتمل ایک یادداشت مرتب کی گئی، جس میں مداہنت و خوشامد اور تملق کے انداز سے کلی احتراز کرتے ہوئے، مگر وقار و متانت، دل سوزی اور خلوص و للہیت کو ملحوظ رکھ کر دینی و علمی حلقوں کے اضطراب و پریشانی اور اسلامی نظام کی طرف پیش رفت کی رفتار پر دلی بے اطمینانی ظاہر کی گئی تھی اور صدر پاکستان سے ان نکات پر فوری عمل درآمد کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ یہ ملاقات اس پس منظر میں ہوئی کہ ایک طرف صدر پاکستان کا اسلامی نظام سے وابستگی، اعلانات اور دعاوی، دوسری طرف اس میدان میں عملی طور پر نہایت سست روی۔ تیسری طرف ملک و ملت کے دشمنوں اور لادینی قوتوں کا از سر نو متحرک اور سرگرم ہو کر اشتراکی سازشوں اور منصوبوں کے لیے راہ ہموار کرنے کے عزائم اور سرگرمیاں، ان سب امور نے دینی علماء اور مسلمانوں کو شدید اضطراب اور تذبذب کی شکل

میں ڈال دیا تھا۔ اور وہ صدر پاکستان سے لگی لپٹی بغیر دو اور دو چار کی طرح دو ٹوک بات کرنا چاہتے تھے کہ ایسے میں وفاقی شرعی عدالت کے کتاب و سنت کی تشریعی عظمتوں اور اسلامی فقہ و قوانین کی تفاصیل سے بے خبر ججوں نے ایک فیصلہ میں رجم کو حد قرار دینے کے خلاف فیصلہ دیا۔ یہ فیصلہ ایک طرف کتاب و سنت کی قطعی نصوص اور اجماع امت کے خلاف قطعی بغاوت تھا تو دوسری طرف "شرعی عدالت" کے نام پر قائم کیے جانے والے عدالت کی بھی کھلی توہین تھا۔ اور یہ ستم ظریفی نہ تھی تو کیا تھا کہ کسی عدالت کے ججوں نے خود ہی جن کا ذہن کتاب و سنت کے بارہ میں مؤمنانہ نہیں تھا جس کے شواہد ان کے دیے گئے فیصلہ میں موجود ہیں۔) کھلے بندوں اپنی ہی عدالت جو "شرعی" کہلاتی تھی کہ ایسی گستاخانہ توہین کی، دوسری طرف عبوری آئین میں قادیانی فرقے سے متعلق ترمیم کو نظر انداز کر دینے سے اور بھی جذبات میں اشتعال پیدا ہوا۔ ایسے حالات میں صدر پاکستان سے ملاقات ہوئی۔ احقر بھی شریک وفد تھا۔ محضر نامہ من وعن پڑھ کر سنایا گیا جسے صدر پاکستان نے پوری توجہ و انہماک سے سنا۔ اس کے بعد مندرجہ نکات اور عام دینی حالات پر وفد میں سے منتخب چند افراد کو اظہار خیال کا بھی موقعہ ملا۔ احقر نے بھی از راہ نصح و خیر خواہی جذبات و احساسات کو مختصراً ظاہر کیا۔

صدر محترم نے آخر میں مختصراً ان نکات پر اظہار خیال کیا اس سلسلہ میں شرعی عدالت میں علماء کی شمولیت اور از سر نو تشکیل، عبوری آئین میں قادیانیت سے متعلق ترمیم کے بروقت فیصلے کیے گئے، دینی مدارس کے نصاب و نظام کے سلسلہ میں صدر صاحب نے قومی کمیٹی کی رپورٹ کو واپس لینے اور کسی طرح بھی مداخلت نہ کرنے کا اعلان کیا سود وغیرہ کے بارہ میں بہت جلد اقدامات کے وعدے کیے جس کے ایفاء اور جلد از جلد تعمیل کا ملک پوری شدت سے انتظار کر رہا ہے، خدا کرے اس سمت میں صدر پاکستان رکاوٹوں پر جلد از جلد قابو پا سکیں اور جرأت پر مبنی مؤمنانہ فیصلے فرما کر عملی طور پر اسلام کی برکتوں سے ملک کو مالا مال کر سکیں۔ دینی و ملکی حالات علماء مخلصین کا حکومت کے ساتھ رویہ و طرز عمل، موجودہ خدشات اور اضطرابات پر محضر نامہ کی تمہید میں جامع انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ محضر نامہ بھی علماء کرام کا اس ملک میں نظام اسلام کے نفاذ و اظہار حق کے مساعی کے سلسلہ کا ایک تاریخی حصہ ہے اس لیے ہم پیش کردہ محضر نامہ کو نذر قارئین کر رہے ہیں ——

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

محضر نامہ جو صدر پاکستان کو ۲۹ علماء کے وفد نے پیش کیا

یادداشت بگرامی خدمت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر مملکت پاکستان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

پچھلے تین سال میں پاکستان کے مسلمانوں بالخصوص علماء کرام کی ہمدردیاں اس امید پر آپ اور آپ کی حکومت کے ساتھ رہی ہیں کہ آپ اپنے بیشمار اعلانات کے مطابق اپنے دورِ حکومت میں نفاذِ شریعت کی کم از کم بنیادیں رکھ کر اس ملک کو اس منزل کی طرف گامزن کر دیں جس کے لیے وہ وجود میں آیا تھا۔ اسی امید پر ملک کے علماء اور سنجیدہ دینی حلقے آپ کی حکومت کے ساتھ مقدور بھر تعاون بھی کرتے رہے ہیں اور ان میں سے کچھ نے اپنی ذاتی اور جماعتی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر اور آپ کے مخالفین کی طعن وملامت سہ کر دین کی خاطر آپ کی حکومت کا دفاع بھی کیا ہے۔ لیکن اب صورتحال اس مرحلے پر پہنچ چکی ہے کہ اس پر خاموش رہنے کو علماء بدترین مداہنت، ملک وملت کے ساتھ بے وفائی اور اپنے پروردگار کے حضور گناہ عظیم سمجھتے ہیں۔

پچھلے ساڑھے تین سال کے دوران نفاذ شریعت کے بنیادی کام بدستور معرض التوا میں پڑے رہے ہیں اور جو چند اقدامات اس سمت ہوئے چونکہ ان کے ضروری لوازم پورے نہیں ہو سکے اس لیے معاشرے پر ان کے عملی اثرات ظاہر نہیں ہوئے اور عام نظروں میں وہ بے معنیٰ اور بے وقعت ہو چکے ہیں اور اس سے باہمی بداعتمادی اور نفاذ شریعت کے بارے میں مایوسی پیدا ہو رہی ہے۔

اس صورت حال میں ایک طرف ہم سنگین اجتماعی گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ دوسری طرف اس سے ملک میں عام بے چینی پیدا ہو رہی ہے۔ اور اس سے تخریب پسند عناصر فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس موقع پر ہر مکتب فکر کے بچاس علماء ۲۱ مارچ کو اس مقصد کے لیے جمع ہوئے کہ وہ ان حالات میں اپنے فرائض پر غور کریں اور ایک مرتبہ پھر ایسی تجاویز آپ کی خدمت میں پیش کریں جن سے صرف قومی طور پر نہیں بلکہ عملی طور پر ملک کا اسلامی رخ متعین ہو جائے۔

خیال یہ تھا کہ اگر آپ کی طرف سے یہ ٹھوس اقدامات کرلیے گئے تو موجودہ حکومت کے اسلامی کردار سے خود مطمئن ہونے اور عوام کو مطمئن کرنے کے بعد علما، اور عوام ان عناصر کا علی وجہ البصیرت مقابلہ کرسکیں گے جو ملک میں افراتفری پھیلانے کے درپے ہیں۔ چنانچہ علمائے کرام کے تمام مکاتیب فکر کے پچاس نمائندگان کی طرف سے بیس نکات پر مشتمل ایک یادداشت مرتب کی گئی اور طے کیا گیا کہ ایک نمائندہ وفد یہ یادداشت آپ کو پیش کرے گا۔ لیکن افسوس ہے کہ پچھلے دنوں سے سرکاری حلقوں کی طرف سے پے درپے چند ایسے اقدامات ہوئے جنھوں نے صرف علماء کے نہیں ملک کے تمام مخلص مسلمانوں کے دینی جذبات کو بری طرح زخمی کرکے رکھ دیا۔
اب تک علما، اور عوام کو شکوہ یہ تھا کہ نفاذ شریعت کے کام میں دیر ہو رہی ہے۔ لیکن ان اقدامات نے شریعت میں تحریف وترمیم کا دروازہ چوپٹ کھول کر یہ اضطراب انگیز احساس دلوں میں پیدا کردیا کہ اب ہم نے نفاذ شریعت کی طرف آگے بڑھنے کے بجائے اور پیچھے ہٹنا شروع کردیا ہے۔ کیونکہ اب بات بے عملی کی حد تک محدود نہیں رہی بلکہ دین کے انکار کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا ہے۔ اور اگر اس سلسلہ کو روکا نہ گیا تو دین کا حلیہ بگڑ کر رہ جائے گا اور ظاہر ہے کہ اس صورت حال کو اس ملک کے علما، اور دین کے نام پر مرمٹنے والے مسلمان کسی قیمت پر برداشت نہیں کرسکتے۔ لہٰذا ایسا ہی ایک اجتماع آج ۸ر اپریل ۱۹۸۱ء کو راولپنڈی میں منعقد ہوا جس میں ہر مکتب فکر کے تقریباً ۵ صد سے زائد علماء نے شرکت کی۔ اس اجتماع میں طے کیا گیا کہ قبل اس کے کہ ان سنگین اقدامات کے خلاف عوامی جذبات احتجاج کی صورت اختیار کریں اور میدان کار استحصال پسندوں کے ہاتھوں میں آجائے۔ آپ سے ملاقات کرکے ان مسائل کی سنگینی اور ان کے بارے میں ملت کے جذبات سے آپ کو آگاہ کیا جائے اور آپ سے درخواست کی جائے کہ ان بیس نکات میں سے جو اجتماع لاہور میں طے ہوئے تھے مندرجہ ذیل اقدامات پر آپ بلا تاخیر اور فوری طور سے عمل فرمائیں اور خدا کے لیے اس قوم کو جو پہلے ہی صدمات سے نڈھال ہے۔ مزید افتراق وانتشار سے بچالیں۔

صدر محترم! اس ملک کے مخلص مسلمانوں اور علماء کو آپ سے دین کی خاطر ہمدردی ہے۔ ہم ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ اس نازک موقع پر جب کہ انتشار پسند عناصر ملک میں افراتفری پھیلانا

چاہتے ہیں۔ کوئی مزید انتشار پیدا ہو یا علماء کے کسی عمل سے ان عناصر کو فائدہ پہنچے لیکن دین کے خادموں کی حیثیت سے یہ بات ہمارے لیے ممکن نہیں ہے کہ ایک اسلامی حکومت میں اسلام ہی کے نام پر اسلام کے اجماعی مسلمات کو ذبح ہوتا ہوا دیکھیں اور خاموش رہیں۔ قرآن و سنت کو عدالتوں میں موم کی ناک بنا کر انھیں بدلا جھٹلایا جائے اور ہم لوگوں سے یہ کہیں کہ ملک میں اسلام کا بول بالا ہو رہا ہے۔ ملک کے عبوری آئین سے قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے والی دفعہ حذف کی جائے اور ہم لوگوں کو یہ باور کرائیں کہ ختم نبوت کا عقیدہ پوری طرح محفوظ ہے۔ بینکوں میں اسلامی معیشت کے نام پر لوگوں کو سود کھلایا جائے اور ہم یہ اعلان کریں کہ ملک میں اسلامی معیشت کا احیاء ہو رہا ہے۔

لہٰذا آج ہم آپ سے یہ گذارش کرنے آئے ہیں کہ انتظار و اشتیاق اور تاخیر و تعویق کا وقت اب گذر چکا ہے۔ خدا کے لیے ان اکیس نکات پر فوری طور سے عمل درآمد کرائیے اور ان اکیس نکات میں سے بھی خاص طور پر درج ذیل امور کا آج ہی فیصلہ فرما دیجیے۔ ان امور کی انجام دہی میں ہم ہر قسم کا تعاون پیش کرتے ہیں۔

۱۔ سب سے پہلا اہم مسئلہ وفاقی شرعی عدالت کا ہے، علماء مدت سے یہ کہتے آئے ہیں کہ ان عدالتوں میں قرآن و سنت کے علوم میں ماہر علماء کو جج مقرر کیا جائے۔ ورنہ اس عدالت کے ذریعہ شریعت میں تحریف و ترمیم شروع ہو جائے گی۔ یہ اندیشہ اب عملاً انتہائی تشویشناک صورت میں سامنے آچکا ہے۔ حدود آرڈیننس کے قوانین کو بحمد اللہ پوری قوم کی سرگرم تائید و حمایت حاصل تھی، لیکن وفاقی شرعی عدالت کے رجم کے بارے میں حالیہ شرمناک فیصلے کے ذریعہ ملک میں شدید اضطراب پیدا کر دیا ہے۔ اور یہ صورت حال درحقیقت اس بات کا نتیجہ ہے کہ وفاقی شرعی عدالت جیسے اہم منصب پر ان جج صاحبان کو مقرر کر دیا گیا ہے، جنھوں نے قرآن و سنت، فقہ اور متعلقہ علوم کی ابجد بھی کسی سے نہیں سیکھی۔ کس قدر ظلم کی بات ہے، کہ کسی قانون کے قرآن و سنت کے مطابق یا مخالف ہونے کا فیصلہ وہ حضرات کریں جو قرآن کریم کی ایک آیت کا ترجمہ کرنے پر بھی قادر نہ ہوں اور جو حدیث کا کوئی ایک جملہ صحیح طور پر پڑھ نہ سکیں، یا حدیث کی حجیت ہی کے قائل نہ ہوں۔

اگر چہ حکومت نے اس فیصلے کے خلاف اپیل کرنے کا فیصلہ کیا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ سپریم کورٹ میں جو جج صاحبان یہ اپیل سنیں گے وہ بھی "انگریزی" قانون کے خواہ کتنے ماہر ہوں لیکن قرآن وسنت کو سمجھنے اور اس کے بارے میں قابلِ اعتماد بات کہنے سے قطعی معذور ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جب تک شریعت کے بارے میں ایسے اہم فیصلے ایسے ہاتھوں میں رہیں گے جو قرآن وسنت کے معاملہ میں صاف گوئی معاف۔ قطعی طور پر نا اہل ہیں۔ اس وقت تک اسی طرح کے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے۔ آج رجم جیسے اجماعی مسئلہ کو جو چودہ سو سال سے مسلم چلا آرہا ہے اور جس پر قرآن وسنت کے بیشمار دلائل موجود ہیں، اسلام کے منافی قرار دینے کی جسارت کی گئی ہے۔ کل سود کو حلال قرار دیا جائے گا، پرسوں اشتراکیت کو عین اسلام قرار دینے کی کوشش کی جائے گی، اور پھر دین کا حلیہ بگاڑنے کا یہ سلسلہ کسی حد پر نہیں رک سکے گا۔

یہ صورتِ حال تمام مسلمانوں کے لیے ناقابلِ برداشت ہے، اور اس سے جو انتشار پیدا ہوگا اس کا اس وقت تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ لہذا اگر اس خرابی کا سدباب کرنا ہے تو اس کا کوئی راستہ اسکے بغیر نہیں کہ وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شرعی بنچ (ان اہل علم پر مشتمل ہو) جنکی قرآن وسنت میں مہارت، علم وفضل اور تقوی پر امت کو اعتماد ہو، پھر اسی عدالت کے ذریعہ اس فیصلہ پر نظر ثانی کرائی جائے، ہمیں معلوم ہے کہ موجودہ عدلیہ اس تجویز کی شدید مخالف ہے، لیکن اگر ان کی مخالفت کے علی الرغم عبوری آئین کی حالیہ دفعات نافذ ہو سکتی ہیں تو اس سراسر معقول اور حق وانصاف پر مبنی مطالبے کو بھی بروئے کار لایا جاسکتا ہے اس صورت میں انشاء اللہ پوری قوم اس اقدام کی بھرپور تائید کرے گی

۲۔ چند روز قبل جو نیا عبوری آئین نافذ ہوا ہے۔ اس میں یہ تشویشناک صورت حال سامنے آئی ہے کہ ۱۹۷۳ء کے آئین کی دفعہ ۲۶۰ بھی حذف کر دی گئی ہے، حالانکہ یہی وہ دفعہ ہے جس میں قادیانیوں اور ان کے لاہوری گروپ کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی صراحت تھی، آپ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ آئین کی دفعہ پاکستان کے مسلمانوں نے کن بیش بہا قربانیوں اور کس متواتر جدوجہد کے بعد منظور کرائی تھی اور اسے دستور میں درج کرانے کے لیے ملک میں کتنی عظیم تحریک برپا ہوئی تھی۔ ہمیں اندازہ نہیں ہے کہ کن عناصر نے اپنی شرارت اور ملک دشمن پوشیدہ

کے ذریعہ اس نازک مرحلہ پر ایسی حساس دفعہ کو حذف کرنے کی جسارت کی۔ آپ کو یقیناً اندازہ ہوگا اس دفعہ کے حذف ہو جانے سے ملک میں کیسی نازک صورت حال پیدا ہو سکتی ہے اور اس کے کیسے سنگین نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ ہمارا گمان یہ ہے کہ آئین سے اس دفعہ کا اخراج آپ کے علم کے بغیر ہوا ہے۔ اس لیے ہم اس یادداشت کے ذریعہ یہ اضطراب انگیز صورت حال آپ کے علم میں لا رہے ہیں تاکہ آپ فوری طور پر اس کا تدارک بھی فرمائیں اور ان عناصر کو قرار واقعی سزا دیں جنھوں نے اس دفعہ کو حذف کر کے ملک میں انتشار پھیلانے کی مذموم کوشش کی ہے۔

ممکن ہے کہ اس دفعہ کو حذف کرنے کی یہ تاویل کی جائے کہ یہ دفعہ انتخاب کے ضمن میں آئی تھی، اور انتخاب سے متعلق تمام امور معطل ہوئے ہیں۔ اس لیے یہ دفعہ بھی معطل ہو گئی ہے۔ لیکن ہم واضح الفاظ میں یہ عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ تاویل قطعی طور پر ناقابل قبول ہے، اول تو انتخاب کے ملتوی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ انتخاب سے متعلق تمام دفعات حذف کر دی جائیں، دوسرے اگر انتخابات والی دفعات کو کسی وجہ سے معطل کرنا ضروری سمجھا گیا تھا تو قادیانیوں کو اقلیت قرار دینے کے لیے کسی نئی دفعہ کا اضافہ ضروری تھا۔ مثلاً دفعہ ۲۶۰ کے اخیر میں یہ تشریح بڑھائی جا سکتی تھی کہ:

"قادیانی اور لاہوری گروپ جو اپنے آپ کو احمدی کہتے ہیں وہ اس دفعہ کے تحت غیر مسلم کی تعریف میں داخل ہیں۔"

لہٰذا براہِ کرم قبل اس کے کہ یہ مسئلہ عوامی احتجاج کی صورت اختیار کرے فوری طور پر یا تو دفعہ ۱۰۶ شق ۳ کو بحال کیا جائے یا دفعہ ۲۶۰ میں مذکورہ تشریح کا اضافہ کیا جائے۔ ایسے ہی ایک المناک صورت حال حالیہ مردم شماری کے دوران سامنے آئی کہ ایک غیر مسلم اقلیت یعنی قادیانیوں نے اپنا نام مسلمان کی حیثیت سے درج کرایا جبکہ ایسا کرنا آئین پاکستان کی کھلی خلاف ورزی تھی، اور جس سے اس اقلیت کو اپنے مذموم، اسلام دشمن مقاصد کی تکمیل کے راستے کھل گئے۔ اور یہ اس وجہ سے ہوا کہ مردم شماری کا طریقۂ کار وضع کرتے وقت اس نزاکت کا نہ صرف کوئی خیال نہیں رکھا گیا بلکہ ان کی غلط بیانی کو عملاً سند جواز دی گئی، لہٰذا اس کے ازالہ کے لیے ضروری ہے کہ اس اقلیت کی مردم شماری کالعدم قرار دے کر ان کی غلط بیانی پر مقدمہ

چلایا جائے اور اس کی دوبارہ مردم شماری کرائی جائے۔

۳۔ تیسرا مسئلہ بینکوں میں غیر سودی کاؤنٹرز کا ہے۔ یہ بات اب بالکل واضح ہو چکی ہے کہ ان کاؤنٹرز کے کاروبار کو غیر سودی قرار دینا محض ایک فریب ہے۔ اس مسئلہ میں علماء اور ماہرین معاشیات کے مختلف مقالے اخبارات ورسائل میں شائع ہو چکے ہیں لیکن ابھی تک حکومت کی طرف سے اس طریقۂ کار کو بدلنے کے لیے کوئی ابتدائی اقدام بھی سامنے نہیں آیا بلکہ نیشنل بنک کے جنرل منیجر کی طرف سے تمام شاخوں کو یہ ہدایت بذریعہ اخبار کی گئی ہے کہ پی، ایل، ایس اکاؤنٹ کے تمام ممبران کو آٹھ فیصد کے حساب سے متعین منافع (سود) ادا کیا جائے۔)

۴۔ جن جرائم کی سزا حدود آرڈیننس میں طے کی گئی ہے۔ اُن سے متعلق مجموعۂ تعزیرات پاکستان کی دفعات کو منسوخ کر کے اُن کے قابل تعزیر جرائم کو حدود آرڈیننس ہی میں شامل کیا جائے۔

۵۔ سرکاری ملازمین، بالخصوص افسران کے تقرر اور ترقی میں اُن کے اسلامی کردار کو بنیادی اہمیت دی جائے اور اس مقصد کے لیے اُن کی خفیہ سالانہ رپورٹوں میں ضروری معلومات کا اندراج کیا جائے۔

۶۔ مخلوط تعلیم کو ختم کیا جائے۔

۷۔ تمام سول، فوجی اور پیشہ ورانہ تربیتی اداروں میں بنیادی اسلامی تعلیم کو لازمی قرار دیا جائے۔

۸۔ ملک کے تمام دینی مدارس کی آزادی اور خود مختاری کو برقرار رکھا جائے۔ اور اس سلسلے میں وزارت تعلیم اور وزارت مذہبی امور کی مجوزہ تعلیمی اسکیم کو فی الفور واپس لیا جائے۔

۹۔ غیر اسلامی عائلی قوانین کو فوری طور پر منسوخ کیا جائے۔

۱۰۔ آئندہ تمام قوانین کی زبان اردو قرار دی جائے اور سابقہ قوانین کو بھی اردو میں تبدیل کیا جائے۔

۱۱۔ سربراہ مملکت سے سرکاری عمال تک سب کو سادہ قومی لباس اور سادہ اسلامی بود وباش کا پابند بنایا جائے۔

۱۲۔ مرزائیوں کے بارے میں ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم کے مطابق قانون سازی کی جائے۔ اور اس

اقلیت کے علاحدہ مذہبی تشخص کو واضح کرنے اور اسلام سے اس کے التباس کو دور کرنے کے لیے مؤثر اقدامات کیے جائیں۔

۱۳۔ ذرائع ابلاغ کے لیے دینی تعلیمات کی روشنی میں واضح رہنما اصول مرتب کر کے ان کو ان اصولوں کا پابند بنایا جائے۔ اور ایک ایسی بااختیار مانیٹرز کمیٹی مقرر کی جائے جو دینی مذاق رکھتے ہوں۔ اور پھر اُن کو یہ اختیار دیا جائے کہ ذرائع ابلاغ کی طرف سے اگر ان اصولوں کی خلاف ورزی ہو تو وہ اُس پر براہ راست متعلقہ ذرائع سے باز پرس کر سکے۔

۱۴۔ قومی تعلیمی کونسل میں ایسے ماہرین اور علماء کو شامل کیا جائے جو اس کو صحیح معنی میں اسلامی سانچے میں ڈھال سکیں۔

۱۵۔ تعلیمی اداروں کو ملحدانہ اور غیر اسلامی نظریات کے حامل اساتذہ سے پاک کیا جائے۔

۱۶۔ سرکاری تقریبات میں ہر قسم کی فضول خرچی سے مکمل اجتناب کیا جائے اور فی کس اخراجات کی حد مقرر کی جائے۔

۱۷۔ سرکاری ملازمین کے درمیان تنخواہوں اور درجات کے غیر معمولی تفاوت کو کم تر کیا جائے۔

۱۸۔ عوام کی معاشی حالت کو بہتر بنانے کے لیے موثر اقدامات کیے جائیں۔

۱۹۔ انصاف کے آسان اور بلا تاخیر حصول کو ممکن بنانے کے لیے موجودہ طویل اور پیچیدہ عدالتی نظام کو تبدیل کیا جائے۔

۲۰۔ عدالتوں میں وکلاء کو بحیثیت مشیر عدالت مقرر کیا جائے اور جانبدارانہ وکالت کے نظام کو ختم کیا جائے۔

۲۱۔ شرعی حدود پر عملدرآمد کے لیے ڈویژن، ضلع اور سب ڈویژن کی سطح پر بااختیار قاضیوں کا تقرر عمل میں لایا جائے۔ جو قرآن و سنت اور فقہ کا علم رکھتے ہوں۔ نیز جرائم اور بدعنوانیوں کے انسداد کے لیے بااختیار محکمۂ احتساب متعلقہ قاضی کی سربراہی میں قائم کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ آپ کو ملک میں نفاذِ شریعت کے سلسلے میں عملی اقدامات کی توفیق مرحمت فرمائے، اور اس معاملے میں آپ کو ہمت و قوت عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

انتخاب

شیعہ سنی اتحاد کی ایک لازمی شرط

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

اگر اثنا عشری حضرات خلوص دل سے چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کے مختلف فرقے ایک دوسرے سے قریب آئیں، اور وہ صاف دل سے متحد ہو کر ایک مرکز پر جمع ہوں تو انھیں صحابہ کرام اور امہات المومنین کے بارے میں اپنے طرز فکر میں تبدیلی کرنی ہوگی، اس لیے کہ افراد اور جماعتوں کی محبوب و محترم شخصیتوں کا جب تک احترام نہ کیا جائے گا، اس وقت تک یک جہتی کی کوئی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ دو آدمی ایک مقصد کے لیے جوش و خلوص صاف دلی اور جذبہ تعاون سے آپس میں مل بیٹھیں، لیکن ایک ساتھی دوسرے ساتھی کے مثالی محبوب و محترم، اور محبت و عقیدت کی مرکزی شخصیت کو نامناسب الفاظ میں یاد کرے، طنز و تشنیع اور بے سروپا الزامات لگانے کو خدا کے یہاں تقرب کا ذریعہ خیال کرے، ہم میں سے ہر شخص کو اس کا تجربہ ہے، جب اساتذہ و شیوخ، اور آباء و اجداد کے بارے میں ہمارا یہ تجربہ ہے۔ تو بھلا ان پاک نفوس کے بارے میں ہمارا کیا حال ہوگا، جن کو انسان اپنے آباء و اجداد اور اساتذہ و شیوخ سے کہیں زیادہ افضل و برتر سمجھتا ہے اور ان پر اپنی جان نثار کرنے کے لیے تیار رہتا ہے، اور ان کو دین کا سچا خادم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جان نثار و فدائی خیال کرتا ہے۔ اور یہ سمجھتا ہے کہ صحابہ کرام نے خدا کی راہ میں جہاد کیا ہے اور دعوت کے میدان میں بیش بہا خدمات انجام دی ہیں، اور دنیا کی زندگی میں زہد و قناعت اور ایثار و قربانی کے لازوال نقوش چھوڑے ہیں۔

اس جذباتی پہلو سے قطع نظر اس مسئلہ کی بہت بڑی تبلیغی اہمیت اور علمی قدر و قیمت ہے لوگ کسی دعوت کی صداقت، اور کسی مذہب کی تعلیمات کی خوبیوں کا فیصلہ اس سے کرتے ہیں

کہ اس دعوت نے کیسے اخلاقی نمونے اور عملی مثالیں پیش کیں، اس دعوت نے اپنے ابتدائی دور میں کس طرح کی نسل تیار کی، اور آدم گری و مردم سازی کا کیا کمال دکھایا، صاحب دعوت کو اپنی دعوت و تربیت میں کہاں تک کامیابی حاصل ہوئی؟ اساتذہ و معلمین، قائدین و مصلحین اور ماہرین فن صناعوں کی کامیابی کا بھی ہمیشہ سے یہی پیمانہ رہا ہے، اگر ان کو اپنی کوششوں میں معتد بہ کامیابی حاصل ہوئی اور انھوں نے خاصی تعداد میں ایسے لوگ تیار کیے جن سے ان کے کمال فن کا اظہار ہوتا تھا۔ اور ان کی محنت ٹھکانے لگتی تھی، تو ان کی فنی مہارت اور ان کا امتیاز بے چون وچرا تسلیم کر لیا گیا۔ اور ان کو اس فن کا امام اور اپنے مقصد میں کامیاب مان لیا گیا، لیکن اگر ان کی کوششوں کے نتائج برائے نام، اور کامیابی بہت محدود پیمانے پر ہوتی ہے، یا اپنے شاگرد ہوں اور ماننے والوں کی تعلیم و تربیت میں ان کی جدوجہد ضائع ہو جاتی ہے۔ اور یہ شاگرد اپنے اساتذہ اور مربیوں کے اس دنیا سے جاتے ہی ان کی جدوجہد کو ناکام ثابت کر دیتے ہیں، اور ان کی تربیت کے اثرات بہت جلد زائل ہو جاتے ہیں۔ تو ان اساتذہ اور مربیوں کو اپنی تعلیم و تربیت کی مہم میں ناکام سمجھا جاتا ہے۔

اس موقعہ پر لوگ یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہوتے ہیں، کہ جب یہ دعوت اپنے سب سے بڑے داعی کے ہاتھوں اپنے دور عروج میں کوئی دیرپا اور گہرے نقوش مرتسم نہ کر سکی اور جب اس دعوت پر ایمان لانے والے ابتدا ہی میں اسلام کے وفادار اور امین نہ رہ سکے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس صراط مستقیم پر صحابہ کرامؓ کو چھوڑا تھا، ان میں سے معدودے چند آدمی ہی اس پر گامزن رہ سکے، تو ہم کیسے تسلیم کر سکتے ہیں کہ اس کے اندر نفوس کے تزکیہ کی صلاحیت ہے اور وہ انسان کو حیوانیت کی پستی سے نکال کر انسانیت کی بلند چوٹی تک پہنچا سکتی ہے۔

دعوت و تبلیغ کی ایک اہم ضرورت، نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی اور آپ کی سیرت و تاریخ کی عظمت کو ثابت کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم صحابہ کرامؓ کے محاسن کا اعتراف کریں، ان کے کارنامے کی عظمت و اہمیت، ان کی وفاداری، باہمی محبت و تعاون علی الحق کے نقوش کو اجاگر کریں، اور اس تابناک تاریخ کا یہ روشن ورق دنیا کے سامنے پیش کریں ـــــ ان کی بھول چوک، اور بشری کمزوریوں کی حقیقت تاریخ کے صاف شفاف

صفحہ پر ایک سیاہ نقطہ سے زیادہ نہیں، صحیح منطق اور عقل سلیم بھی اس موقف کو قبول کرتی ہے۔ اور قرآن مجید اور مستند تاریخ سے بھی یہی موقف درست ثابت ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے بھی سابقین اولین اور سلف صالحین کے متعلق اسی روش کو قابلِ تعریف قرار دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (الحشر ۱۰)

اور واسطے ان لوگوں کے جو آئے ان کے بعد کہتے ہوئے اے رب بخش ہم کو اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان میں داخل ہوئے اور نہ رکھ ہمارے دلوں میں بیر ایمان والوں کا، اے رب! تو ہی نرمی والا مہربان ہے۔

گذشتہ قوموں کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ ان کے انبیاء علیہم السلام کے حواری اور رفقاء مخلوقِ خدا میں سب سے بہترین لوگ ہیں، یہ قومیں اپنے پیغمبروں کے حواریوں، اور رفیقوں کی محبت وعقیدت میں معروف ومشہور تھیں، اس لیے ہمیں صحابہ کرامؓ سے اور زیادہ محبت وعقیدت ہونی چاہیے، جو اس نبی کے رفیق وحواری ہیں، جس نے اس دنیا پر سب سے زیادہ گہرا اور لافانی اثر ڈالا ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الجمعہ ۲)

وہی ہے جس نے بھیجا ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں کا، وہ پڑھ کر سناتا ہے، ان کو اللہ کی آیات اور سنوارتا ہے، اور سکھلاتا ہے، ان کو کتاب وحکمت اور اس سے پہلے وہ پڑے ہوئے تھے صریح بھول میں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۔ (الفتح ۲۸)

وہ اللہ ایسا ہے کہ اس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا ہے تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے اور اللہ کافی گواہ ہے۔

اگر ہم مختلف مسلک کے لوگوں کو قریب کرنے کے لیے خلوصِ دل سے کوشش کرنا چاہتے

ہیں تو پھر یہ کوشش خلوص اور فطری بنیاد پر ہونی چاہیے، اس نفسیاتی او فطری راستہ کے علاوہ جو کوشش بھی کی جائے گی وہ ناکام اور غیر فطری ہوگی، ہم نے ایک موقعہ پر علامہ تقی القمی (جو اس مقصد کے لیے تیس سال سے کام کر رہے ہیں) کی مجلس میں عرض کیا تھا کہ ہمارے یہاں اُردو کی ایک مثل ہے کہ "تالی ایک ہاتھ سے نہیں بجتی" میں اس میں اتنا اضافہ کرتا ہوں کہ صرف دو ہاتھ بھی کافی نہیں، ان میں خلوص، عزم اور سنجیدگی بھی ہونی چاہیے، اور کسی ہاتھ میں ڈھیلا پن اور سستی ہوگی، تو تالی نہیں بج سکتی، میں نے یہ بھی کہا تھا کہ:

> تقریب بین المذہب کوئی مشینی عمل نہیں، زبان سے زیادہ اس کا تعلق دل سے ہے، اور خارجی مسئلہ سے زیادہ اس کا تعلق اندرونی مسئلہ سے ہے، ابھی کسی ایسے گوند کی ایجاد نہیں ہوسکی جس سے کاغذ کی طرح دل بھی جڑ جائیں، اس لیے یہ خواہش اور جد وجہد دل سے اٹھنی چاہیے، اور اس میں اتنی روانی اور ابال ہونا چاہیے کہ دل اس کی قوت اور حرارت محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے، اس کے لیے آپس میں مفاہمت کرنی ہوگی، کچھ چیزوں سے دست بردار ہونا، اور کچھ کسر و انکسار سے کام لینا پڑے گا۔

لیکن ایک بار جب ہمارے دل اس کو قبول کرنے پر تیار ہو جائیں گے، تو پھر محبت و اعتماد کے سیل رواں کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہر سکے گی۔ اس لیے کہ محبت اپنی راہ کی ہر رکاوٹ اور بغض و عداوت کی ہر کدورت کو بہائے جاتی ہے۔ (بشکریہ "قامان لندن")

الفرقان — لکھنؤ میں ایک شیعہ صاحب ہیں جو شیعہ سنی اتحاد کے لیے "اتحاد بین المسلمین" کے عنوان سے ایک اخبار میں مسلسل مضامین لکھ رہے ہیں لیکن ان کا موقف یہ ہے کہ وہ سنیوں کی طرف سے صحابہ کرام کی مدح و منقبت، اور تبرائی شیعوں کی طرف سے صحابہ کرام کے خلاف تبرا کو ایک سطح پر رکھتے ہیں۔ کیا کوئی معقولیت پسند ان کو مخلص باور کر سکتا ہے۔

مطالعۂ قرآن کے اصول و مبادی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تازہ ترین تالیف

یہ کتاب قرآن مجید سے متعارف کرانے اس کے اصل مقاصد اور مرکزی مضامین سے آشنا بنانے، اس سے صحیح طور پر استفادہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے اور ان کی غلطیوں اور کمزوریوں سے آگاہ کرنے میں مدد کرتی ہے جو قرآن سے استفادہ کی راہ میں حجاب بنتی اور اس کے اثرات و برکات سے محروم رکھتی ہیں۔ نیز اس سے بہت سی ان مفید باتوں کا علم ہوگا جو قرآن مجید کے مطالعہ میں مدد و معاون ہیں۔

اس کتاب میں اعجاز قرآن کے بعض ایسے پہلو سامنے آئیں گے جو شاید اس تفصیل و وضاحت کے ساتھ اردو کتابوں میں ابھی تک نہ آئے ہوں — اعلیٰ کاغذ پر آفسٹ کی شاندار طباعت سے مزین۔ قیمت -/۱۲

پندرھویں صدی ہجری ماضی و حال کے آئینہ میں

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

نئی صدی ہجری کا تحفہ — مولانا موصوف کی اس موضوع پر تقریباً ایک سو صفحے کی اپنی پراثر مختصر تبصرہ ایک جائزہ اور ایک پیغام ہے جس میں گذشتہ چودہ اہم صدیوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے۔ رنگین عکسی طباعت۔ قیمت ۱/۵۰

تفسیر معارف القرآن

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی مشہور عالم تصنیف جو ریڈیو پاکستان سے بارہ سال تک نشر ہوئی، آٹھ جلدوں میں مکمل۔ مجلد قیمت -/۳۵۰

تفسیر حقانی مکمل

اپنی شہرت و مقبولیت کی وجہ سے تعارف سے بے نیاز ہے

۳ جلدوں میں مکمل -/۱۲۵

تفسیر ابن کثیر

جلیل القدر محدث مفسر علامہ ابن کثیر کی معتبر ترین تفسیر قرآن۔ علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ اس کے بعد کی تمام تفاسیر میں اس سے استفادہ کیا گیا ہے۔ تین جلدوں میں مکمل مجلد -/۲۴۰

تفسیر بیان القرآن

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی مشہور و مقبول تفسیر بڑے سائز پر دو ضخیم جلدوں میں

قیمت غیر مجلد -/۱۵۰

سیرت النبیؐ

سیرت کے موضوع پر علامہ شبلی نعمانیؒ و علامہ سید سلیمان ندویؒ کی بے نظیر تصنیف۔ سات جلدوں میں مکمل

قیمت مکمل سیٹ مجلد -/۲۰۸

تدبر قرآن حصہ اول

از مولانا امین احسن اصلاحی

قیمت مجلد -/۳۳

ملنے کا پتہ: الفرقان بک ڈپو۔ ۳۱ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

ہماری چند اہم اور قابل مطالعہ مطبوعات

تجلیات ربانی

ترجمہ و تلخیص مکتوبات مجدد الف ثانیؒ

از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

ان مکتوبات میں احسان و تصوف، تمیز باطل حق و باطل میں امتیاز، جہاد فی سبیل اللہ اور اقامت دین، ترویج شریعت کی ترغیب اور امت مسلمہ کی عام رہنمائی کا وہ سامان ہے جو چار صدیوں سے امت کی رہنمائی کر رہا ہے۔ جلد اول ۱۵/- جلد دوم ۱۴/-

تذکرہ حضرت مولانا محمد یوسفؒ

ماہنامہ الفرقان کی ایک خاص اشاعت حضرت جی نمبر، جو بے انتہا مقبول ہوئی جس میں حضرت مولانا مرحوم کی غیر معمولی دینی اور ایمانی خصوصیات کا تذکرہ ہے۔ اب کتابی ایڈیشن میں دستیاب ہے۔ یہ ان کی مشہور تبلیغی دعوت فکری اور عملی پہلوؤں کو سمجھنے کا بہترین ذریعہ اور امت محمدیہ کیلئے ایک انقلاب آفریں پیغام ہے۔ قیمت ۱۱/-

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

مرتبہ: مولانا محمد منظور نعمانی

آج مولانا مرحوم اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن اگر کوئی انہیں جاننا اور ان کی باتیں اور ہدایتیں سننا چاہے تو حضرت مرحوم کے ان ملفوظات کا مطالعہ کرے جو دین کے حقائق اور معارف کا عجیب و غریب گنجینہ ہے۔ اس سے یہ بھی اندازہ ہو جائے گا کہ تفقہ فی الدین اور معرفت و یقین میں مولانا کا مقام کتنا بلند تھا۔ قیمت ۵/۵۰

مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ - از مولانا نسیم احمد فریدی

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادے اور خلیفہ خواجہ محمد معصومؒ کے مکتوبات کا ذخیرہ جو حضرت خواجہ کے ارشاد و ہدایت کے کام کا آئینہ دار ہے۔ آخر میں شہنشاہ عالمگیر کا مختصر تذکرہ ہے۔ قیمت ۱۲/-

بوارق الغیب یعنی مسئلہ علم غیب نبوی اور قرآن مجید

علم غیب نبوی کی تردید میں مولانا محمد منظور نعمانی کی معرکۃ الآرا و محققانہ تصنیف جس میں چالیس قرآنی آیتوں سے بریلوی جماعت کے اس عقیدے کا باطل اور خلاف قرآن ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت ۱/۵۰

فیصلہ کن مناظرہ

اکابر علماء دیوبند پر بریلوی احمد رضا خاں بریلوی کے سنگین تکفیری الزامات کا تحقیقی جواب۔ مولانا محمد منظور نعمانی کے قلم سے۔ قیمت ۵/-

مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف

اس کتاب میں مولانا نعمانی نے (جو کہ جماعت اسلامی کے قیام کے بہت پہلے سے مودودی صاحب سے گہرا تعلق رکھتے تھے اور جماعت اسلامی کی تاسیس میں ان کے شریک اور پہلے رفیق تھے) مودودی صاحب کی ان باتوں اور نظریات کی نشاندہی کی ہے جو امت کے لیے اور بالخصوص ان کے متبعین کے لیے زیغ و ضلال اور فتنہ کا باعث بن سکتے ہیں۔ کتاب کے شروع میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کا بصیرت افروز پیش لفظ ہے۔ قیمت ۹/-

ملنے کا پتہ:- الفرقان بکڈپو۔ ۳۱ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد)، لکھنؤ

Regd. No. LW|NP-62

Monthly 'ALFURQAN' 31, Naya Gaon West Lucknow (U. P.)

VOL. 49 NO. 6 JUNE 1981 Phone : 45347

مدیر

محمد منظور نعمانی

ماہنامہ

الفرقان لکھنؤ

چندہ سالانہ

ہندوستان میں ۲۰/-
پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۵۰/-
بنگلہ دیش سے ۲۲/-

ممالک غیر سے سالانہ

بحری ڈاک سے ۳ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۷ پونڈ
ایک شمارہ کی قیمت ہندوستان میں ۲/-

جلد (۴۹)	بابت جولائی ۱۹۸۱ء مطابق رمضان المبارک ۱۴۰۱ھ	شمارہ (۷)

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آ جانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اس کی اطلاع مہینے کی ۵ تاریخ تک آ جانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ ۳۰ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ روانہ فرمائیں۔ پاکستانی سکہ میں ۵۰ روپے ناظم ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و اڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ناظرین کرام کی خدمت میں

آپ حضرات کو یاد ہوگا، اب سے صرف پونے دو سال پہلے اُس وقت تک کی کاغذ کی گرانی کا ذکر کر کے اکتوبر ۱۹۴۹ء کے شمارے میں لکھا گیا تھا کہ

"کاغذ کی قیمت میں اس بے حساب اضافہ کا نتیجہ یہ ہے کہ الفرقان کے ایک پرچہ کی تیاری اور اندرون ملک روانگی پر اس وقت ڈیڑھ روپے سے کچھ زیادہ صرف ہوتا ہے اور خریدار حضرات سے ۱۵/- روپے سالانہ یعنی فی شمارہ صرف سوا روپیہ وصول ہوتا ہے۔ اور انجمنیوں سے اس سے بھی کم۔ ایک اچھی خاصی تعداد میں ہدیۃً بھی جاتا ہے ـــــ جو رسالے یا اخبارات، جماعتوں یا اداروں کی طرف سے نکلتے ہیں اُن کے مصارف تو ان اداروں یا جماعتوں کے لاکھوں کے بجٹ کا جز ہوتے ہیں اور اُن کے لیے آمدنی کے مختلف ذرائع ہوتے ہیں ـــــ لیکن ظاہر ہے کہ الفرقان کی یہ نوعیت نہیں ہے (اس کے مصارف کی ذمہ دار کوئی جماعت یا کوئی ادارہ نہیں ہے) اِن بعض مخلصین کے عطیات سے اس کو سہارا ملتا رہتا ہے (اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) اور خسارہ کا باقی بوجھ کتب خانہ الفرقان اٹھاتا ہے ـــــ اس طرح یہ گاڑی اب تک چل رہی ہے"

پھر اس کے تین ہی مہینے بعد کاغذ کی قیمت میں مزید اضافہ سے مجبور ہو کر الفرقان کے صفحات، بجائے ۶۴ کے ۴۸ کر دیے گئے تھے، اور اس تخفیف سے اُس وقت مسئلہ کسی حد تک قابو میں آگیا تھا ـــــ لیکن ہمارے ملک میں جس طرح زندگی کی عام ضروریات کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے (اور ہم میں سے ہر ایک کو اس کا تجربہ ہو رہا ہے) اسی طرح کاغذ کی قیمت میں بھی اضافہ کا سلسلہ برابر جاری ہے، پھر عام گرانی کی وجہ سے دفتر کے ملازمین کی تنخواہوں میں بھی اضافہ کرنا پڑا ہے اسی طرح دوسرے مصارف میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

عزیزم محمد حسان سلمہٗ جو ایک مدت سے دفتر الفرقان کے انتظامی اور مالی معاملات کی ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں انھوں نے ابھی پچھلے، گزشتہ رمضان مبارک ۱۳۶۹ھ سے اب تک کا پورا حساب میرے سامنے رکھا جس سے معلوم ہوا کہ اس پورے سال میں الفرقان کے سلسلہ میں تقریباً پینتیس (۳۵) ہزار روپئے خرچ ہوئے جس میں الفرقان

کی تیاری کے علاوہ ملازمین دفتر کی تنخواہیں اور ڈاک وغیرہ کے مصارف بھی شامل ہیں) ـــــ اور اندرون ملک اور بیرون کے خریدار حضرات سے زرتعاون (سالانہ چندہ) کے حساب میں جو رقم دفتر الفرقان کو اس پوری مدت میں وصول ہوئی اس کی مجموعی مقدار تیس "۳۰" ہزار کے قریب ہے اس طرح قریباً پانچ ہزار کی کمی رہی ـــــ انھوں نے یہ بھی بتلایا کہ چونکہ کاغذ کی قیمت میں اضافہ کے تناسب سے کتابوں کی قیمتوں میں اضافہ نہیں کیا جا سکا اور نہیں کیا جا سکتا اس لیے کتاب خانہ کی آمدنی میں بھی کمی ہوئی اور بظاہر آئندہ اور زیادہ کمی ہوگی، اس وجہ سے اب تک کتب خانہ سے "الفرقان" کو جو مدد مل جاتی تھی آئندہ اسکی امید نہیں کی جا سکتی ـــــ

اس صورت حال کو سامنے رکھ کر انھوں نے تفصیلی حساب لگا کر بتلایا کہ اب یہ ناگزیر ہے کہ اندرون ملک کے لیے الفرقان کا چندہ بجائے -/۱۵ روپئے کے -/۲۰ روپیے سالانہ کر دیا جائے ـــــ انھوں نے یہ بھی بتلایا کہ اسی جولائی سے غیر ملکی ڈاک کے محصول میں بھی حکومت کی طرف سے قریباً دوگنا اضافہ کر دیا گیا ہے اسکی وجہ سے بیرون ملک سے ہوائی ڈاک سے منگوانے والے خریدار حضرات کے لیے اب سالانہ چندہ بجائے -/۵ پونڈ کے -/۸ پونڈ، اور بحری ڈاک کے لیے بجائے ڈو پونڈ کے تین پونڈ کرنا ناگزیر ہوگا۔

پاکستان کے خریدار حضرات اگر کسی ذریعہ سے ہندوستانی سکہ میں یہاں بھیج سکیں تو آئندہ سے -/۲۰ روپئے روانہ فرمائیں، ورنہ پاکستانی سکہ میں پچاس روپئے "ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگس۔ لاہور" میں جمع فرمائیں۔

واقعہ یہ ہے کہ اس عاجز کے لیے "الفرقان" کے زرتعاون میں اس غیر معمولی اضافہ کا تصور بھی باعث تکلیف ہے لیکن اگر الفرقان کو جاری رکھنا ہے تو اس صورت حال میں یہ اضافہ ناگزیر ہے ـــــ امید ہے کہ الفرقان سے محبت کرنے والے مخلص احباب جس طرح زندگی کی دوسری ضروریات (خوراک، پوشاک وغیرہ) کی قیمتوں میں اضافہ برداشت کر رہے ہیں، اسکو بھی برداشت کریں گے ـــــ لیکن جن دوستوں کے لیے اسکا تحمل مشکل ہو وہ بے تکلف خریداری سے معذرت کر دیں، اور اسکی اطلاع دفتر "الفرقان" کو دیدیں۔

یہاں اس واقعہ کا اظہار بھی نامناسب نہ ہوگا کہ یہ عاجز راقم سطور "الفرقان" کے لیے جو کچھ لکھتا ہے یا اسکی ترتیب وغیرہ کا کام کرتا ہے اسکے حساب میں کم از کم بیس سال سے ایک پیسہ بھی نہ لیا ہوگا، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے مجھے اس سے مستغنی فرما دیا ہے۔ فللہ الحمد ولہ الشکر۔ محمد منظور نعمانی ۵ ارشعبان المعظم ۱۳۹۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

دار العلوم دیوبند، اس کا دستور اور مجلس شوریٰ:-

الفرقان کے گزشتہ شمارے میں دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۳۰-۳۱ مئی و یکم جون ۱۱ اور اس کے بعض اہم فیصلوں کا ذکر کیا گیا تھا۔ اور وہ بھی خلاف معمول صرف اس لیے کیا گیا تھا کہ ملک کی بعض خبر رساں ایجنسیوں کی طرف سے اخبارات میں مجلس شوریٰ اور اُس کے فیصلوں سے متعلق بہت غلط رپورٹ شائع ہو گئی تھی —— یہ بھی ذکر کر دیا گیا تھا کہ سارے فیصلے تمام ارکان کے اتفاق رائے سے ہوئے جس کو دار العلوم کے موجودہ ناخوشگوار حالات میں اللہ تعالیٰ کی توفیق و رحمت ہی کا کرشمہ کہا جا سکتا ہے۔ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللهُ۔

لیکن اس اجلاس کے بعد مختلف مقامات سے ایسے خطوط بھی آئے جن سے اندازہ ہوا کہ بہت سے لوگ دار العلوم کی مخصوص و ممتاز نوعیت —— اس کے دستور و آئین —— اور اسکی مجلس شوریٰ کی حیثیت سے بالکل واقف نہیں ہیں، اور اس ناواقفی کی وجہ سے عجیب و غریب خیالات و آراء کا اظہار کرتے اور مشورے دیتے ہیں اور ان پر اصرار فرماتے ہیں۔

راقم سطور نے ان میں سے کسی خط کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا، البتہ اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ایسے لوگوں کی واقفیت کے لیے الفرقان ہی کے ذریعہ چند باتوں کی وضاحت کر دی جائے۔

(۱) دارالعلوم کوئی مقامی اسلامی مدرسہ نہیں ہے بلکہ وہ دینی تعلیم اور خدمت دین کا بین الاقوامی مرکز ہے ـــــ اس کے سالانہ مصارف کا اوسط اب چالیس لاکھ کے قریب پہنچ چکا ہے۔

(۲) اس کا ایک باضابطہ دستور و آئین ہے۔ اس کے چھوٹے بڑے سارے کارپرداز اساتذہ اور ارباب انتظام، اور مجلس شوریٰ کے ارکان بھی اس دستور کے پابند ہیں۔ اس کی حیثیت قانونی ہے اور ہم میں سے کسی کو بھی من مانی کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

(۳) یہ دستور و آئین موجودہ مجلس شوریٰ کا وضع کیا ہوا نہیں ہے۔ اب سے قریباً ۲۵ سال پہلے یہ دستور مرتب اور منظور ہوا تھا ـــــ اُس وقت مجلس شوریٰ کے ارکان یہ حضرات اکابر تھے۔ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ۔ حضرت مولانا احمد سعید صاحبؒ۔ حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ۔ حضرت مولانا حکیم محمد اسحاق صاحب کٹھوریؒ۔ حضرت مولانا مشیت اللہ صاحب بجنوریؒ۔ حضرت مولانا حکیم محمد یٰسین صاحب نگینویؒ۔ جناب حاجی رشید احمد صاحبؒ (تاجر اسلحہ میرٹھ)۔ جناب حکیم مقصود علی خاں صاحبؒ (حیدرآباد) جناب نواب عبدالباسط صاحب مرحوم (حیدرآباد) جناب شیخ ضیاء الحق صاحب مرحوم (دیوبند) یہ سب منتخب ارکان تھے۔ ان کے علاوہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ بحیثیت صدر المدرسین اور حضرت مولانا محمد طیب صاحب بحیثیت مہتمم مجلس شوریٰ کے رکن تھے ـــــ یہ عاجز راقم سطور صرف ایک دو سال پہلے رکن منتخب ہوا تھا۔ یاد ہے کہ دستور و آئین مرتب کرنے اور مسودہ تیار کرنے کا کام حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کے سپرد کیا گیا تھا اور حضرت ممدوح ہی نے اس کو مجلس کے لیے تیار کیا تھا۔ اس کے بعد دو تین برس تک برابر مجلس شوریٰ کے جلسوں میں اس پر غور ہوتا رہا اور یہ کام ۱۳۶۵ھ میں شروع ہو کر ۱۳۶۶ھ میں ختم ہوا ـــــ

بہرحال دارالعلوم کا موجودہ دستور و آئین ان اکابر مرحومین کا وضع کردہ اور منظور کیا ہوا ہے۔ مجلس شوریٰ کے اُس زمانے کے ارکان میں سے اب دو ہی بقید حیات ہیں ـــــ ایک حضرت مولانا محمد طیب صاحب (جو اس وقت بھی بحیثیت مہتمم دارالعلوم مجلس شوریٰ کے رکن تھے) اور دوسرا یہ عاجز راقم سطور جو اُس وقت بھی مجلس شوریٰ میں ہر حیثیت سے سب سے چھوٹا تھا اور اب بھی وہی ہے۔

(۴) جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا دارالعلوم کے سارے نظام کی طرح مجلس شوریٰ بھی اس دستور و آئین کی پابند ہے، اس کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ دستور کو نظر انداز کر کے کوئی کارروائی کر سکے — ہاں اس کو یہ اختیار ہے کہ دارالعلوم کی مصلحت اور وقت کے تقاضے کے مطابق کسی دفعہ کو منسوخ یا اس میں ترمیم کر دے — یہ کام ہوتا رہا ہے اور ہوتا رہے گا اور دستور ہی نے اس کو یہ اختیار دیا ہے بلکہ اس کی ذمہ داری عائد کی ہے۔

(۵) اس دستور و آئین کے مطابق دارالعلوم کے نظم و نسق سے متعلق سارے اختیارات (جس میں چھوٹے بڑے تمام عہدہ داروں کا نصب و عزل بھی شامل ہے) مجلس شوریٰ کے ہی ہاتھ میں ہیں اور وہ چندہ دہندگان کی "وکیل شرعی" ہے۔

(۶) مجلس شوریٰ کے کسی رکن کی وفات یا استعفے کی وجہ سے خالی ہونے والی جگہ پر دوسرے رکن کا انتخاب بھی دستور کی واضح ہدایت کے مطابق مجلس شوریٰ ہی کرتی ہے۔ مجلس کے ارکان ہمیشہ اسی طرح منتخب ہوتے رہے ہیں — ایک مہینہ پہلے ہونے والے مجلس شوریٰ کے جلسہ میں چار خالی جگہوں کے لیے ارکان کا انتخاب ہونا تھا — اس عاجز راقم سطور نے تمام ارکان کی خدمت میں عرض کیا کہ اس وقت بدقسمتی سے ہماری دارالعلومی برادری میں دو گروپ ہو گئے ہیں۔ میری عاجزانہ گزارش ہے کہ اس نازک وقت میں ایسے حضرات کو منتخب کیا جائے جن کے بارے میں فیما بیننا و بین اللہ ...... ہم کو اطمینان ہو کہ وہ خدا ترس، باوقار اور معاملہ فہم ہیں اور دارالعلوم کے معاملات میں وہ کسی کی جانب داری نہیں کریں گے بلکہ ہمیشہ اللہ کو اور دارالعلوم کے مفاد کو سامنے رکھیں گے — میں نے عرض کیا کہ میں نے اس سلسلہ میں بہت غور کیا ہے اور مشورے بھی کیے ہیں۔ میں چار نام پیش کرتا ہوں، آپ ان پر غور فرمائیں — اس کے بعد میں نے حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی، جناب نواب حاجی عبیدالرحمٰن صاحب شروانی، جناب حاجی علاء الدین صاحب (بمبئی) اور مولانا محمد عثمان صاحب دیوبندی کے نام پیش کیے — الحمد للہ سب ارکان نے اس عاجز کی تجویز سے اتفاق فرمالیا۔

یہاں یہ عرض کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب سے چند برس پہلے بھی بالکل ایسا ہی ہوا تھا۔ مجلس شوریٰ کے لیے چار ہی ارکان کا انتخاب ہونا تھا — اس عاجز نے اپنے اسی

اصول و معیار کے مطابق چار نام پیش کیے (حضرت مولانا مفتی ابوالسعود صاحب (بنگلور)، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری۔ مولانا حکیم محمد زماں صاحب حسینی (کلکتہ) مولانا حکیم انعام اللہ صاحب۔ اس وقت بھی تمام ارکان نے میری اس تجویز سے اتفاق فرمالیا تھا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ایسے اہم مسئلہ میں مختلف الخیال حضرات ارکان نے مجھ پر اعتماد کیا اور میری تجویز کو منظور فرمالیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس حسن ظن اور اعتماد کی بہتر جزا عطا فرمائے۔ اور میری تجویز دارالعلوم کے حق میں مفید ہو۔

(۷) اجلاس صد سالہ کے بعد سے ہماری دارالعلومی برادری میں اختلاف و کشمکش کی جو انتہائی بدنما صورت پیدا ہوگئی تھی جس نے جماعت کے وقار بلکہ دین کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے وہ بلاشبہ "نزغۂ شیطانی" تھا۔ لیکن حالیہ مجلس شوریٰ کے بعد سے اس کی امید بندھی ہے کہ اگر توفیق الٰہی شامل حال رہی تو ۱۰ر شوال کو ہونے والے مجلس شوریٰ کے جلسہ کے نتیجہ میں یہ شقاق و اختلاف انشاء اللہ ختم ہو جائے گا۔ تمام متعلقین و ہمدردان دارالعلوم اور عام ناظرین کرام خاصکر رمضان مبارک کے خاص اوقات میں اس کے لیے دعا بھی فرمائیں اور جس کے لیے اس مقصد کے سلسلہ میں جو سعی و تدبیر ممکن ہو اُس سے دریغ نہ کرے۔

دونوں فریقوں سے تعلق رکھنے والے حضرات سے عاجزانہ گزارش ہے کہ کم از کم ۱۰ر شوال تک کے لیے آپ اپنے پر پابندی عاید کرلیں کہ ایسی کوئی بات نہ بولیں نہ لکھیں جس سے اصلاح ذات البین کے امکان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو —— خاصکر دونوں طرف کے اہل علم حضرات سے گزارش ہے کہ اس معاملہ میں بجائے اپنے نفس کے اپنی روح ایمانی اور اُس علم سے رہنمائی اور روشنی حاصل کریں جو ورثۂ نبوی ہے۔

اَللّٰھُمَّ اَلْھِمْنَا مَرَاشِدَ اُمُوْرِنَا وَقِنَا شُرُوْرَ اَنْفُسِنَا

ضروری اعلان

ناظرین کرام نوٹ فرمالیں، یہ شمارہ جولائی مطابق رمضان المبارک کا ہے اسکے بعد اگست و ستمبر کا مشترک شمارہ انشاء اللہ شروع ستمبر میں شائع ہوگا۔

ناظم دفتر الفرقان

محمد منظور نعمانی

معارف الحدیث (مسلسل)

فی سبیل اللہ جہاد و قتال اور شہادت (۲)

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّۃِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ (رواہ مسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "جنت کے دروازے تلواروں کے سائے تلے ہیں" (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ میدانِ جہاد میں جہاں تلواریں سروں پر کھیلتی ہیں اور اللہ کے راستہ میں جان کی بازی لگانے والے مجاہد شہید ہوتے ہیں، وہیں جنت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں، جو بندہ راہ خدا میں شہید ہوتا ہے وہ اسی وقت جنت کے دروازے سے اس میں داخل ہو جاتا ہے ـــــ صحیح مسلم میں اس حدیث کی جو روایت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کسی جہاد کے میدان میں ایسے وقت سنایا تھا جب میدان کارزار گرم تھا ـــــ آگے روایت میں ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی زبان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنکر اللہ کا ایک بندہ کھڑا ہوا جو دیکھنے میں خستہ حال سا تھا، اس نے کہا کہ اے ابو موسیٰ کیا تم نے خود حضور کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے؟ انھوں نے کہا ہاں میں نے خود حضور کی زبان مبارک سے یہ سنا ہے، تو وہ شخص اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہا کہ میں تم کو آخری سلام کرنے آیا ہوں، میرا رخصتی سلام لو

اس کے بعد اُس نے اپنی تلوار کا نیام توڑ کے پھینک دیا۔ اور ننگی تلوار لیکر دشمن کی صفوں کی طرف بڑھتا چلا گیا، پھر وہ شمشیر زنی کرتا رہا یہاں تک کہ شہید ہو گیا، اور اپنی مراد کو پہنچ گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جنت کے دروازے سے داخلِ جنت ہو گیا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُجَاهِدِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ الصَّائِمِ الْقَائِمِ الْقَانِتِ بِآيَاتِ اللّٰهِ لَا يَفْتُرُ مِنْ صِيَامٍ وَلَا صَلَاةٍ حَتَّى يَرْجِعَ الْمُجَاهِدُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ـــــ رواہ البخاری ومسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجاہد فی سبیل اللہ (اللہ کے نزدیک) اُس بندہ کی مانند ہے جو برابر روزے رکھتا ہو، اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر عبادت کرتا ہو اور آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرتا ہو اور اس روزے اور نماز سے تھک کر سستاتا نہ ہو ـــــ وہ جب تک گھر واپس آئے (اللہ کے نزدیک اسی حال میں ہے)

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جو بندہ راہ خدا میں جہاد کے لیے گھر سے نکلا وہ گھر واپس آنے تک اللہ کے نزدیک مسلسل عبادت میں ہے اور اس عبادت گذار بندے کی طرح ہے جو مسلسل روزے رکھتا ہو اور اللہ کے حضور میں کھڑے ہو کر نماز پڑھتا اور اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہو۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَيْنَانِ لَا تَمَسُّهُمَا النَّارُ عَيْنٌ بَكَتْ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَعَيْنٌ تَحْرُسُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ـــــ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آنکھیں ایسی ہیں جن کو دوزخ کی آگ چھو بھی نہیں سکے گی

ایک وہ آنکھ جو اللہ کے خوف سے روئی ہو۔ اور دوسری وہ آنکھ جس نے جہاد میں (رات کو جاگ کر) چوکیداری اور پہرہ داری کی خدمت انجام دی ہو۔

(جامع ترمذی)

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَغَدْوَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْرَوْحَۃٌ خَیْرٌ مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا۔ رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک صبح کو راہ خدا میں نکلنا یا ایک شام کو نکلنا، دنیا وما فیہا سے بہتر ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ راہ خدا میں تھوڑے سے وقت کا نکلنا بھی اللہ کے نزدیک دنیا و ما فیہا سے بہتر ہے اور یقین کرنا چاہیے کہ آخرت میں اس کا جو اجر ملے گا اس کے مقابلہ میں یہ ساری دنیا اور جو کچھ اس میں ہے ہیچ ہے۔ دنیا و ما فیہا فانی ہے اور وہ اجر لافانی۔

عَنْ اَبِیْ عَبْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اغْبَرَّتْ قَدَمَا عَبْدٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَمَسَّہُ النَّارُ۔ رواہ البخاری (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو عبس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی بندے کے قدم راہ خدا میں چلنے سے گرد آلود ہوئے ہوں پھر ان کو دوزخ کی آگ چھو سکے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) اس حدیث کا مضمون کسی توضیح و تشریح کا محتاج نہیں البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ حضرت ابو عبس کی اس حدیث کو امام ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔ اس میں یہ اضافہ ہے کہ اس حدیث کے ایک راوی یزید بن ابی مریم نے بیان کیا کہ میں جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے (جامع مسجد کی طرف) جارہا تھا تو مجھے عبایہ بن رفاعہ تابعی ملے اور انھوں نے مجھ سے فرمایا۔

اَبْشِرْ فَاِنَّ خُطَاکَ ھٰذِہٖ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ سَمِعْتُ اَبَا عَبْسٍ یَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اغْبَرَّتْ قَدَمَاہُ	تم کو بشارت ہو کہ تمھارے یہ قدم (جن سے چل کر تم جامع مسجد کی طرف جا رہے ہو) یہ راہ خدا میں ہیں اور میں نے ابو عبس رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ بیان کرتے

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَھُمَا حَرَامٌ عَلَی النَّارِ۔	تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس بندے کے قدم راہ

خدا میں گرد آلود ہوئے تو وہ قدم دوزخ پر حرام ہیں (یعنی دوزخ کی آگ ان کو چھو بھی نہ سکے گی)

عبایہ بن رفاعہ تابعی کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ اُن کے نزدیک "فی سبیل اللہ" جہاد و قتال ہی سے مخصوص نہیں ہے بلکہ اُس میں وسعت ہے۔ نماز ادا کرنے کے لیے جانا اور اسی طرح دین کی خدمت اور اللہ کی مرضیات کے لیے دوڑ دھوپ کرنا بھی اس کے وسیع مفہوم میں شامل ہے۔

اسی طرح اس سے پہلی حضرت انس والی حدیث (لَغَدْوَۃٌ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ رَوْحَۃٌ الخ) کے بارے میں بھی سمجھنا چاہیے کہ اللہ کے لیے اور دین کی خدمت کے سلسلہ کی ہر مخلصانہ جد وجہد اور دوڑ دھوپ کرنے والوں کا بھی اس بشارت میں حصہ ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَ لَمْ یَغْزُ وَ لَمْ یُحَدِّثْ بِہٖ نَفْسَہٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَۃٍ مِنْ نِفَاقٍ　　رواہ مسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے اس حال میں انتقال کیا کہ نہ تو کبھی جہاد میں عملی حصہ لیا اور نہ کبھی جہاد کو سوچا (نہ اس کی نیت کی) تو اس نے ایک قسم کی منافقت کی حالت میں انتقال کیا۔　　(صحیح مسلم)

(تشریح) قرآن پاک سورۂ حجرات میں فرمایا گیا ہے:۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۰ (آیت ۱۵)	اصلی ایمان والے بس وہی بندے ہیں جو ایمان لائے اللہ اور اس کے رسول پر پھر ان کے دل میں کوئی شک شبہ نہیں آیا اور انھوں نے اپنے جان و مال سے راہ خدا میں جہاد کیا، بس وہی سچے پکے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ راہ خدا میں جہاد ایمان صادق کے لوازم میں سے ہے اور سچے پکے مومن وہی ہیں جن کی زندگی اور جن کے اعمالنامہ میں جہاد بھی ہو (اگر عملی جہاد نہ ہو تو کم از کم اس کا جذبہ اور اس کی نیت اور تمنا ہو) پس جو شخص دنیا سے اس حال میں گیا کہ نہ تو اُس نے جہاد میں عملی حصہ لیا اور نہ جہاد کی نیت اور تمنا ہی کبھی کی تو وہ "مومن صادق" کی حالت میں دنیا سے نہیں گیا بلکہ ایک درجہ کی منافقت کی حالت میں گیا ——— بس یہی اس حدیث کا پیغام اور مدعا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَقِیَ اللّٰهَ بِغَیْرِ اَثَرٍ مِنْ جِهَادٍ لَقِیَ اللّٰهَ وَفِیْهِ ثُلْمَةٌ

(رواہ الترمذی و ابن ماجہ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ اس حال میں اللہ کے حضور پیش ہوگا کہ اس میں جہاد کا کوئی اثر اور نشان نہ ہو تو اُس کی یہ پیشی ایسی حالت میں ہوگی کہ اُس میں (یعنی اس کے دین میں) نقص اور رخنہ ہوگا۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) حضرت ابو ہریرہؓ ہی کی اوپر والی حدیث کی تشریح میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اُسی سے اس حدیث کی بھی تشریح ہو جاتی ہے ——— اس حدیث اور اس طرح کی دوسری حدیثوں کے مطالعہ کے وقت یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے کہ قرآن و سنت کی زبان میں "جہاد" صرف قتال اور مسلح جنگ ہی کا نام نہیں ہے بلکہ دین کی نصرت و خدمت کے سلسلہ میں جس وقت جس قسم کی جدوجہد کا امکان ہو، وہی اُس وقت کا جہاد ہے اور جو بندے اخلاص و للہیت کے ساتھ اُس دور میں وہ جدوجہد کریں اور اس کے سلسلہ میں اپنے جان و مال اور اپنی صلاحیتوں کو قربان کریں وہ عند اللہ المجاہدین فی سبیل اللہ ہیں ——— عنقریب ان شاء اللہ اس موضوع پر کسی قدر تفصیل سے عرض کیا جائے گا۔

عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ جَهَّزَ غَازِیًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَقَدْ غَزَا وَمَنْ خَلَفَ غَازِیًا فِیْ

اَهْلِهٖ فَقَدْ غَزَا (رواہ البخاری ومسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت زید بن خالد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کسی نے راہ خدا میں جہاد کرنے والے کسی غازی کو سامانِ جہاد فراہم کیا تو (اللہ کے نزدیک) اُس نے بھی جہاد اور غزوے میں حصہ لیا، اور جس کسی نے جہاد میں جانے والے کسی غازی کے اہل وعیال کی اس کی نیابت میں خدمت کی اور خبر لی اس نے بھی جہاد میں عملی حصہ لیا (یعنی ان دونوں آدمیوں کو بھی جہاد کا ثواب حاصل ہوگا اور اللہ کے دفتر میں وہ بھی مجاہدین میں لکھے جائیں گے۔)

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے یہ اصولی بات معلوم ہوئی کہ دین کی کسی بڑی خدمت کرنے والوں کے لیے اُس کا سامان فراہم کرنے والے، اور اسی طرح خدمت دین اور نصرتِ دین کے سلسلہ میں باہر جانے والوں کے اہل وعیال کی خبر گیری کرنے والے اللہ کے نزدیک دین کی اُس خدمت ونصرت میں شریک اور پورے اجر کے مستحق ہیں — ہم میں جو لوگ اپنے خاص حالات اور مجبوریوں کی وجہ سے دین کی نصرت وخدمت کے کسی بڑے کام میں براہ راست حصہ نہیں لے سکتے وہ دوسروں کے لیے اُس کا سامان فراہم کر کے اور اُن کے گھر والوں کی خدمت اور دیکھ بھال اپنے ذمہ لے کے دین کے خدام وانصار کی صف میں شامل ہو سکتے ہیں اور اس کا پورا اجر حاصل کر سکتے ہیں — اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ جَاهِدُوا الْمُشْرِكِيْنَ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَلْسِنَتِكُمْ

— رواہ ابوداؤد، والنسائی، والدارمی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاد کرو مشرکوں سے اپنے جان ومال اور اپنی زبانوں سے۔

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن دارمی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ کفار ومشرکین کو توحید اور دین حق کے راستہ پر لانے اور اُن کا

زور توڑ کے دعوتِ حق کا راستہ صاف کرنے کے لیے جیسا موقع اور وقت کا تقاضا ہو اپنے جان و مال سے جدوجہد کرو اور ان کی قربانی دو اور زبان و بیان سے بھی کام لو ——— اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعوت حق کے راستہ میں پیسے خرچ کرنا اور زبان و بیان (اور اسی طرح قلم) سے کام لینا بھی جہاد کے وسیع مفہوم میں شامل ہے ———

جہاد کے بارے میں ضروری وضاحت :

ہماری اُردو زبان میں "جہاد" اُس مسلح جنگ ہی کو کہتے ہیں جو اللہ و رسول کے حکم کے مطابق دین کی حفاظت و نصرت کے لیے دشمنانِ حق سے کی جائے۔ لیکن اصل عربی زبان اور قرآن و حدیث کی اصطلاح میں "جہاد" کے معنیٰ حریف کے مقابلہ میں کسی مقصد کے لیے پوری جدوجہد اور امکانی طاقت صرف کرنے کے ہیں۔ جو احوال و ظروف کے لحاظ سے جنگ و قتال کی شکل میں بھی ہو سکتی ہے اور دوسرے طریقوں سے بھی ——— (قرآن مجید میں جہاد کا لفظ جابجا اسی وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے)۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منصب نبوت پر سرفراز ہونے کے بعد قریباً ۱۳ برس مکہ معظمہ میں رہے۔ اس پوری مدت میں دین کے دشمنوں، کافروں، مشرکوں سے نہ صرف یہ کہ جہاد بالسیف اور جنگ و قتال کی اجازت نہیں تھی، بلکہ اس کی ممانعت تھی اور حکم تھا كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ ...... (یعنی جنگ اور قتال سے اپنے ہاتھ روکے رکھو) ——— سورۃ "الفرقان" اسی مکی دور میں نازل ہوئی ہے، اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ "فَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا" (آیت ۵۲) مطلب یہ ہے کہ اے ہمارے نبی و رسول آپ اِن منکروں کافروں کی بات نہ مانئے اور ہمارے نازل کیے ہوئے قرآن کے ذریعہ اِن سے بڑا جہاد کرتے رہیے! ظاہر ہے کہ اس آیت میں جس جہاد کا حکم ہے اُس سے مراد جہاد بالسیف اور جنگ و قتال نہیں ہے، بلکہ قرآن کے ذریعہ دعوت و تبلیغ کی جدوجہد ہی مراد ہے، اور اُسی کو اس آیت میں صرف "جہاد" نہیں بلکہ "جہاد کبیر" اور "جہاد عظیم" فرمایا گیا ہے۔

اسی طرح سورۂ "عنکبوت" بھی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ ہی کے زمانۂ قیام میں نازل ہوئی ہے، اس میں فرمایا گیا ہے" وَمَنْ جَاهَدَ فَإِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهِ إِنَّ اللَّهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ" (آیت ۶) مطلب یہ ہے کہ جو بندہ (راہ خدا میں) جہاد کرے گا وہ اپنے ہی نفع کے لیے کرے گا (خدا کو اُس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا) خدا سب سے بے نیاز ہے۔

اور اسی سورۂ عنکبوت کی آخری آیت ہے" وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللَّهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ" یعنی جو بندے ہماری راہ میں یعنی ہماری رضا حاصل کرنے کے لیے جہاد و مجاہدہ کریں گے اور مشقتیں جھیلیں گے اُن کو ہم اپنے راستوں (یعنی اپنے قرب و رضا کے راستوں) کی ہدایت کی نعمت سے نوازیں گے ——— ظاہر ہے کہ سورۂ عنکبوت کی ان دونوں آیتوں میں بھی "جہاد" سے جہاد بالسیف مراد نہیں لیا جا سکتا۔ بلکہ راہ خدا میں اور اس کے قرب و رضا کے لیے جد و جہد اور محنت و مشقت ہی مراد ہے جس صورت میں بھی ہو ———

بہر حال دین کی راہ میں اور اللہ کے لیے ہر مخلصانہ جد و جہد، اور جان و مال اور عیش و آرام کی قربانی اور اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی صلاحیتوں کا بھرپور استعمال، یہ سب بھی اپنے اپنے درجہ میں جہاد فی سبیل اللہ کی شکلیں ہیں، اور ان کا راستہ ہر وقت اور دنیا کے ہر حصے میں آج بھی کھلا ہوا ہے۔

ہاں جہاد بالسیف اور قتال فی سبیل اللہ بعض پہلوؤں سے اعلیٰ درجہ کا جہاد ہے، اور اس راہ میں جان کی قربانی اور شہادت مومن کی سب سے بڑی سعادت ہے جس کے لیے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دلی شوق اور تمنا کا اظہار فرمایا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے۔

آگے درج ہونے والی حضرت فضالہ بن عبید کی حدیث بھی جہاد کے مفہوم کی اس وسعت کی ایک مثال ہے۔

عَنْ فُضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ۔

——— رواہ الترمذی (جامع ترمذی)

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ ارشاد فرماتے تھے کہ مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے "اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ" (یعنی انسان کا نفس برائی اور گناہ کا تقاضا کرتا ہے) پس اللہ کا جو بندہ اپنی نفسانی خواہشات سے جنگ کرے ان کی پیروی کے بجائے احکام الٰہی کی تابعداری کرے اس کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فرمایا کہ وہ "اصل مجاہد" ہے — اسی طرح اسی سلسلہ معارف الحدیث کتاب المعاشرت میں والدین کی خدمت کے بیان میں وہ حدیث ذکر کی جاچکی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کی خدمت کو بھی "جہاد" قرار دیا ہے۔ (ففیہما فجاہد)

شہادت کے دائرہ کی وسعت :۔

پھر جس طرح "جہاد" کے مفہوم میں یہ وسعت ہے اور وہ جہاد بالسّیف میں محدود نہیں ہے، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی ہے کہ "شہادت" کا دائرہ بھی وسیع ہے اور بہت سے وہ بندے بھی اللہ کے نزدیک شہیدوں میں شامل ہیں جو جہاد بالسیف اور قتال کے میدان میں اہل کفر و شرک کی تلواروں یا گولیوں سے شہید نہیں ہوتے بلکہ ان کی موت کا سبب کوئی ناگہانی حادثہ یا کوئی غیر معمولی مرض ہوتا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَعُدُّوْنَ الشَّهِيْدَ فِيْكُمْ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ، قَالَ اِنَّ شُهَدَاءَ اُمَّتِيْ اِذًا لَقَلِيْلٌ مَنْ قُتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ وَمَنْ مَاتَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَهُوَ شَهِيْدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الطَّاعُوْنِ فَهُوَ شَهِيْدٌ، وَمَنْ مَاتَ فِي الْبَطْنِ فَهُوَ شَهِيْدٌ — رواہ مسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے (ایک روز صحابہ کو مخاطب کر کے) فرمایا کہ تم لوگ اپنے میں کس کو "شہید" شمار کرتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت (ہمارے نزدیک تو) جو بندہ راہ خدا میں قتل کیا گیا وہی شہید ہے ـــــ آپ نے فرمایا اس صورت میں تو میری امت کے شہدا، تھوڑے ہی ہوں گے ـــــ (سنو!) جو بندہ راہ خدا میں شہید کیا گیا وہ شہید ہے، اور جس بندہ کا انتقال راہ خدا میں ہوا (یعنی جہاد کے سفر میں جس کو موت آگئی) وہ بھی شہید ہے، اور جس بندہ کا طاعون میں انتقال ہوا، وہ بھی شہید ہے، اور جس بندے کا پیٹ کے مرض میں مبتلا ہو کر انتقال ہوا (جیسے کہ ہیضہ، تخمہ، اسہال، استسقا وغیرہ) وہ بھی شہید ہے

(صحیح مسلم)

(تشریح) واقعہ یہ ہے کہ حقیقی "شہید" تو وہی خوش نصیب بندے ہیں جو میدان جہاد میں اہل کفر و شرک کے ہاتھوں شہید ہوں (شریعت میں اُن کے لیے خاص احکام ہیں، مثلاً یہ کہ ان کو غسل نہیں دیا جاتا اور وہ اپنے اُن کپڑوں ہی میں دفن کیے جاتے ہیں جن میں وہ شہید ہوئے) لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت نے بعض غیر معمولی امراض یا حادثوں سے مرنے والوں کو بھی آخرت میں شہید کا درجہ دینے کا فیصلہ فرمایا ہے جن میں سے کچھ کا ذکر اس حدیث میں اور بعض کا آئندہ درج ہونے والی حدیثوں میں کیا گیا ہے۔ امتیاز کے لیے پہلی قسم کے شہداء کو "شہید حقیقی" اور دوسری قسم والوں کو "شہید حکمی" کہا جاتا ہے۔ غسل اور کفن کے معاملہ میں اُن کا حکم وہ نہیں ہے جو حقیقی شہداء کا ہے بلکہ عام اموات کی طرح ان کو غسل بھی دیا جائیگا اور کفن بھی۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ اَلْمَطْعُوْنُ وَالْمَبْطُوْنُ وَالْغَرِيْقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِيْدُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔

رواہ البخاری ومسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا "شہداء" پانچ (قسم) ہیں۔ طاعون میں مرنے والا، اور پیٹ کی بیماری میں مرنے والا، اور ڈوب کے مرنے والا اور عمارت وغیرہ ڈھے جانے کے نتیجہ میں مرنے والا اور راہ خدا میں (یعنی میدان جہاد میں) شہید ہونے والا۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَوْتُ غُرْبَةٍ شَهَادَةٌ ——— رواہ ابن ماجہ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسافرت کی موت شہادت ہے۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) ان حدیثوں میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن بندوں کی موت کسی بھی ناگہانی حادثہ میں یا کسی دردناک اور قابل ترحم مرض میں ہو، اُن سب کو اللہ تعالیٰ اپنے خاص رحم و کرم سے کسی درجہ میں شہادت کا اجر عطا فرمائے گا ——— ظاہر ہے کہ اس میں اس طرح مرنے والوں کے لیے بڑی بشارت اور ان کے متعلقین اور پسماندگان کے لیے تسلی کا بڑا سامان ہے۔ اللہ تعالیٰ یقین نصیب فرمائے ——— ہمارے اس زمانہ میں موٹروں وغیرہ کے اکسیڈنٹ میں یا ریلوں، ہوائی جہازوں کے حادثوں میں، اسی طرح قلبی دورے جیسے مفاجاتی امراض کے نتیجہ میں، جن بندگان خدا کی زندگیاں ختم ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پوری امید ہے کہ ان سب کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا معاملہ یہی ہوگا۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بیحد وسیع ہے۔

دین کو تحریف سے اور دین کی دعوت و خدمت کرنے والوں کو غلو اور تصادم سے بچانے کے لیے ایک اہم اصول

از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی

دین کا جو حصہ ہم تک پہونچا ہے اس کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں۔ ایک تو وہ حصہ ہے جو اپنی خاص ہئیت و شکل کے ساتھ ہم تک پہونچا ہے اور اس کی ہئیت و شکل مطلوب ہے، اس کو ہم "منصوص بالوضع" کہہ سکتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہہ سکتے ہیں۔ .... کہ یہ وہ دینی امور ہیں جو اپنی خاص ہئیت و صورت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ (مثلاً) ارکان دین اور بہت سے ایسے فرائض جن کو نہ صرف جناب رسول اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے بتایا بلکہ ان کی شکلیں زبانی بھی بتائیں اور خود کر کے بھی دکھلائیں (مثلاً) نماز، حج، وضو، وغیرہ۔

دین کا دوسرا حصہ وہ ہے جس میں نفس شئی مطلوب ہے لیکن بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر (اور زمانہ کے تغیر اور امت کے لیے وسعت اور سہولت کا خیال کر کے) آپ نے ان کی شکلیں متعین نہیں کیں۔ صرف شئے بتلا دی کہ یہ مقصود ہے، یہ چیزیں خود منصوص ہیں۔ لیکن ان کی کوئی خاص وضع و ہئیت منصوص نہیں (مثلاً) جہاد فی سبیل اللہ، دعوت

الی اللہ، علم و دین کے سلسلہ کو چلانا اور احکام کا امت تک پہونچانا، یہ سب امت سے مطلوب ہے اگر امت ان کو چھوڑ دے اور بالکل ترک کر دے تو وہ گنہگار ہوگی، لیکن صرف یہ اعمال مقصود ہیں۔ ان کی کوئی خاص شکل اور طریقہ متعین نہیں کیا گیا بلکہ اس بارے میں امت کی عقل سلیم پر اعتماد کیا گیا ہے اور ان فرائض کی ادائیگی کو اس کی صلاحیتوں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

غیر منصوص بالوضع کی واضح مثال لباس کا مسئلہ ہے۔ لباس ساتر ہو، ٹخنوں سے اونچا ہو، گھٹنوں سے نیچا ہو، تفاخر اور تکبر کا لباس نہ ہو، کوئی حرام و ناجائز (مثلاً مردوں کے لیے ریشم) نہ ہو، بس لباس بھی منصوص اور اس کی یہ شرائط بھی منصوص ہیں۔ لیکن لباس کی شکل، لباس کا رنگ اور اس کی قطع وغیرہ، غیر منصوص ہیں۔ اسی میں امت کے لیے بہت سی سہولتیں ہیں اس کو امت کی تمیز اور عقل عام پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

دوسری مثال مساجد کی ہے۔ مساجد بھی مطلوب ہیں اور مساجد کی نظافت بھی مطلوب ہے اور یہ بھی مطلوب ہے کہ ان میں ذکر اللہ ہو اور وہ دوسرے مقامات سے ممتاز ہوں۔ مگر ان کی کوئی خاص طرز تعمیر مطلوب نہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ عالم اسلام میں مساجد مختلف وضع کی پائی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ مینارے اور گنبد بھی مساجد کے لیے شرائط میں نہیں تھے۔ ہندوستان کی مسجدوں میں دو میناروں کا رواج ہے، الجزائر و مراکش کی مساجد میں ایک مینار ہوتا ہے اور دنیا کی سب سے بڑی اور پہلی مسجد (بیت اللہ) کا کوئی مینار نہیں۔

اب دعوت الی اللہ کی مثال لیجیے، اللہ کی طرف اور اس کے دین کی طرف بندوں کو بلانا فرض ہے۔ انفرادی ہو یا اجتماعی، تقریر سے ہو یا تحریر سے، علانیہ ہو یا خلوت میں، اس میں کوئی شکل معین نہیں۔ نوح علیہ السلام کی زبان سے قرآن پاک میں واضح کر دیا گیا ہے کہ دعوت کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں۔ قَالَ رَبِّ إِنِّي دَعَوْتُ قَوْمِي لَيْلًا وَنَهَارًا (حضرت نوحؑ نے (اللہ کی بارگاہ میں) عرض کیا اے میرے رب میں نے اپنی قوم کے سامنے رات میں بھی دین کی اور توحید کی دعوت رکھی اور دن میں بھی) ثُمَّ إِنِّي دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا (پھر میں نے خوب پکار کر اور چیخ کر بھی ان کو بلایا)۔ ثُمَّ إِنِّي أَعْلَنتُ لَهُمْ وَأَسْرَرْتُ لَهُمْ إِسْرَارًا" (پھر

میں نے بالاعلان بھی آپ کا پیغام ان کو پہنچایا اور چھپ چھپ کر تنہائیوں میں بھی ان سے آپ کی بات کہی) —— لہذا دعوتِ دین کا کام کرنے والے ہر فرد و جماعت کو اختیار ہے کہ وہ جس ماحول میں اپنے لیے جو طریقہ صحیح جانے وہ مقرر کرے اور اپنی سعی و جہد کا جو طرز مناسب اور مفید سمجھے وہ اختیار کرے، اس میں کسی کو جائز اور ناجائز کہنے یا کوئی روک ٹوک لگانے کا حق حاصل نہیں ہے۔ جب تک کہ اس میں کوئی ایسا عنصر شامل نہ ہو جائے جو شرعی طور پر منکر یا مقاصد دینیہ کے لیے مضر ہو۔

بعض عوامی حلقوں میں اس وقت دین کے ان دونوں حصوں کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے، منصوص کو غیر منصوص کا درجہ دیدیا جاتا ہے اور غیر منصوص کو منصوص کے مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں اور مختلف اداروں اور دعوتوں میں اکثر تنازعہ کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر ہم ان چیزوں میں فرق سمجھ لیں تو بہت سی مشکلات حل ہو جائنگی سینکڑوں تنازعوں کا سدباب ہو جائے گا اور بہت سی ذہنی الجھنیں ختم ہو جائیں گی۔

چیزوں کی اصلی حیثیت سمجھنے اور ان کو ان کے صحیح مقام پر رکھنے کا یہ پیمانہ ہمارے ہاتھ آگیا۔ اس کے بعد صحیح اصول پر چلنے والی اور مخلصانہ دینی دعوتوں، دینی اداروں اور حلقوں کے درمیان تقابل، تصادم اور اختلاف کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔ فرق جو رہ جاتا ہے وہ صرف اپنے اپنے تجربوں اور حالات کے مطالعہ کا ہے کہ کام کی کونسی شکل اور طریقہ زیادہ موثر اور نتیجہ خیز ہے اور کس سے وہ نتائج و مقاصد حاصل ہوتے ہیں جو اس کام سے مطلوب ہیں؟

دعوت الی اللہ کی مخصوص شکل اور طرز کی افادیت و تاثیر کی وضاحت کی جا سکتی ہے، لیکن کسی کو اپنے تجربہ اور مطالعہ کا اس طرح پابند نہیں کیا جا سکتا، جیسے احکام قطعیہ اور نصوص قرآنیہ کا، دین کی خدمت کرنے والی کوئی جماعت اگر کسی خاص طریقہ کار کو اختیار کرتی ہے (بشرطیکہ وہ دین کے اصول اور سلف صالحین کے متفقہ مسلک اور طرز فکر کے مخالف نہ ہو) تو وہ اپنے فیصلہ میں حق بجانب ہے۔ ہم اپنے مخصوص طرز کار کو اگر بہتر اور احیاء دین کے لیے زیادہ مفید سمجھتے ہیں تو یہ اپنی جگہ ٹھیک ہے۔ ہم اپنے طرز کار کو دوسری دعوتوں اور دین کی خدمت کرنے والے دوسرے حلقوں کے سامنے بہتر سے بہتر طریقہ پر پیش کر سکتے

ہیں۔ لیکن اگر صرف طرز کار کے فرق کی وجہ سے ہم ان کو غلط کار سمجھیں، یا ان کی دینی مساعی اور مشاغل کی نفی کریں جن کو انھوں نے اپنے تجربہ ومطالعہ اور زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر اختیار کیا ہے، اور ان کی افادیت واقعات اور برسوں کے تجربہ سے ان پر واضح ہو چکی ہے، اور کتاب وسنت اور سیرت نبوی اور حکمت دینی کے وسیع دائرہ میں اس کے لیے ان کے پاس شواہد و دلائل پائے جاتے ہیں، تو یہ ہماری غلطی اور زیادتی ہوگی۔ ہم صرف اتنا کرسکتے ہیں کہ ان سے دوبارہ غور کرنے اور نتائج کو دیکھنے اور ان کا موازنہ کرنے کی درخواست کریں لیکن ان کی تحقیر و تردید کرنا، ان کو غلط کار اور گمراہ سمجھنا غلط ہے۔ اور خدمت دین اور دعوت الی الخیر کے دروازے کو محدود اور تنگ بنانے اور امور دین کے رشتہ کو زمانہ اور ماحول سے منقطع کرنے کے مرادف ہوگا۔

دعوتوں اور طریق کار میں بعض چیزیں وہ ہوتی ہیں جن کی ہمیں شریعت نے سختی کے ساتھ تاکید کی ہے، بعض انتظامی امور ہوتے ہیں جو حدیث و قرآن سے استنباط کیے جاسکتے ہیں۔ وہ اصولی طور سے صحابہ کرامؓ کی زندگی میں ملیں گے لیکن خاص اس ہیئت میں نہیں ملیں گے۔ یہ سب چیزیں اجتہادی اور تجربی ہیں ان چیزوں پر یا ان خاص شکلوں پر ہر جگہ اور ہر شخص سے منصوص چیزوں کی طرح اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔

سب سے مشکل چیز اعتدال ہے۔ انبیاء علیہم السلام میں اعتدال بدرجہ اتم ہوتا ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ پچاس برس کے بعد اللہ کے کچھ بندے پیدا ہوں، جو صاحب نظر بھی ہوں اور اللہ کے ساتھ ان کا تعلق ہو اور دعوت کے طریقہ میں زمانہ کی ضرورت اور تقاضے کے لحاظ سے تبدیلیاں کریں۔ اس وقت اگر ایک جامد طبقہ اس کی مخالفت محض اس بناء پر کرے کہ ہمارے بزرگ ایسا کرتے تھے تو اس کا رویہ غلط ہوگا۔ اس کا اصرار ہٹ دھرمی ہوگا۔ کبھی کبھی ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ایک طبقہ یہ سمجھنے لگا ہے کہ یہی طریقہ کار اور یہی طرز، دین کی خدمت اور احیاء کے لیے ہمیشہ کے واسطے اور ہر جگہ کے لیے ضروری ہے اور اس کے علاوہ سب غلط ہے، جب تک اس مخصوص طریقہ پر کام نہ ہو تو سمجھا جاتا ہے کہ ساری جدوجہد رائیگاں گئی اور جو کچھ ہوا سب فضول ہوا۔ یہ

تدالی ہے اور یہ رویہ خطرناک ہے، اسی طرزِ فکر کے نتیجہ میں مختلف مذاہب اور فرقے امت میں
ہوئے۔ اصل حقیقت صرف اتنی ہے کہ اب تک غور اور تجربوں نے ہمیں یہاں تک پہنچایا
ہم نے اس کو مفید پایا ہے، پس جب تک یہ چیزیں فائدہ مند معلوم ہوتی ہیں ہمیں اس وقت
ان کو جاری رکھنا چاہیے لیکن اگر کوئی خاص طریقہ ایک رسم بن جائے تو یہ ایک مذہب
جائے گا اور ایک بدعت قائم ہو جائے گی اور اس وقت کے ربانی مصلحین کا فرض ہوگا کہ
کی اصلاح کے لیے جد و جہد کریں اور ان رسومات کو مٹائیں، بہت سی چیزیں صحیح مقاصد اور
مصلحتوں سے شروع ہوتی ہیں لیکن آگے چل کر غلط صورت اختیار کر لیتی ہیں، ایسے
ع پر حقیقت و رسم، سنت و بدعت، فرض و مباح میں تمیز کرنا تفقہ فی الدین ہے اور کہنے
لے نے کہا ہے کہ ؎

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی!

انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تربیت اور ان کی مساعی جمیلہ کے لیے جن کی پشت پر تائید
ی اور ارادۂ الٰہی ہوتا ہے، جہاں مضر اور ایک طرح سے حریف و رقیب کفر، الحاد و غفلت
صیت ہے، جو ان کے پیروؤں کو ان کی دعوت کے برکات اور ان کی تعلیم و تربیت اور
لیغ و دعوت کے اثرات سے محروم کرنے کا کام انجام دیتا ہے وہاں "بے روح رسمیت"
ہی ہے، اول الذکر طاقتیں اگر بیرونی دشمن کی حیثیت رکھتی ہیں، جو باہر سے حملہ آور
دتا ہے، تو یہ اندرونی بیماری ہے جو گھن کی طرح اس جماعت کو لگ جاتی ہے (جو ان کی
لیم و دعوت سے پیدا ہوتی ہے) اور اس کو اندر اندر کھوکھلا کر دیتی ہے، اس کے نتیجہ میں
قائد بے اثر اور اعمال و عبادات بے روح اور بے نور بن جاتے ہیں، وہ ایک رسم کی طرح
ا کیے جاتے ہیں، ان میں نفس و ماحول کی ترغیبات اور شیطان کی تسویلات کا مقابلہ کرنے
طاقت نہیں رہتی، اور ان کی کیمیا اثری اور انقلاب انگیزی جاتی رہتی ہے، یا بہت
زور ہو جاتی ہے، یہ عموماً نتیجہ ہوتا ہے موثر و صحیح دعوت و تربیت کے فقدان یا انقطاع کا، یا
وثر اصلاحی و تربیتی شخصیتوں سے محرومی کا، یا ایسے مواقع اور میدانوں کے صدیوں تک
پیش نہ آنے کا جن میں شرکت سے ایمان میں تحریک پیدا ہوتی ہے، دلوں کے زنگ دور

ہوتے ہیں اور نفس کی مخالفت کی طاقت اور ایثار و قربانی کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، اسی وقت کوئی ایسی دعوت و تحریک (الہام ربانی اور انتظام خداوندی سے جو اس دین کا ہمیشہ سے رفیق رہا ہے) سامنے آتی ہے جو اس "رسمیت" پر ضرب لگاتی ہے، دلوں کا زنگ دور کرتی ہے، امت کو صورت سے حقیقت، اور رسمیت سے ایمان و احتساب کی کیفیت کی طرف لاتی ہے، اسلام میں تجدید و اصلاح کی تاریخ، اور مجددین مصلحین کے مستند تذکروں کے مطالعہ سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ ان کا نشانہ یہی "رسمیت" تھی جو مسلم معاشرہ میں سرایت کر گئی ہوتی ہے، اور دیمک کی طرح اس کے سرسبز و شاداب درخت کو چاٹ چکی ہوتی ہے اور امت بعض اوقات

واذا رأیتھم تعجبك اجسامھم	اور جب تم ان (کے تناسب اعضاء) کو دیکھتے ہو تو ان کے جسم تمھیں (کیا ہی)
وان یقولوا تسمع لقولھم کانھم	اچھے معلوم ہوتے ہیں اور جب وہ گفتگو
خشب مسندۃ	کرتے ہیں تو تم ان کی تقریر توجہ سے سنتے ہو (مگر فہم و ادراک سے خالی) گویا لکڑیاں ہیں جو دیوار سے لگائی گئی ہیں۔

کا ایک حد تک نمونہ بن جاتی ہے، وہ ہدایت خداوندی اور کتاب و سنت کے عمیق و مخلصانہ مطالعہ کے اثر سے کوئی ایسی دعوت یا طریق کار پیش کرتے ہیں جس سے اس "رسمیت" کا شکنجہ ڈھیلا ہو جاتا ہے، جسم امت میں ایک نئی روح ایک نئی ایمانی کیفیت، رضاء الٰہی کے حصول کا ایک زندہ و تازہ جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس کی قوت عمل بڑھ جاتی ہے، اس کو بڑی سے بڑی قربانی آسان معلوم ہونے لگتی ہے اور بعض اوقات "قرون اولیٰ" کی یاد تازہ کرنے والے واقعات سامنے آتے ہیں اور ایمان کی روح پرور باد بہاری کے جھونکے آنے لگتے ہیں۔

لیکن یہ بھی تاریخ اصلاح و دعوت کا واقعہ و المیہ ہے اور فطرت انسانی کی کارفرمائی کہ خود اس اصلاح [illegible] ہوتی اور اس طریق کار میں مرور زمانہ سے "رسمیت" دبے پاؤں داخل ہو جاتی ہے اور جو چیز رسم کو توڑنے اور دل و دماغ کو جگانے کو آئی تھی وہ بھی اپنی روح، اندرونی جذبہ اور تازگی کھو دیتی ہے، اور ایک "رسم" ضابطہ اور ROUTINE بن کر رہ جاتی ہے اور اسی کو خود ایک نئی اصلاحی دعوت اور ایک طاقتور شخصیت کی ضرورت پیش آ جاتی ہے

جو اس خواب آلودہ، اور لکیر کے فقیر نظام اور طریق کار کی اصلاح کرے، اور اس میں جو بدعات مفاسد، غلو اور جمود پیدا ہو گیا ہے اس کو توڑے، اور اس معاشرہ میں کسی اور طریقہ سے جو کتاب و سنت سے ماخوذ اور اصول و مقاصد کے مطابق ہو معاشرہ کی "رسمیت" کو دور کرے اور ایمان و ایثار اور قوت عمل پیدا کرے۔

اسی صورت حال کو سمجھنے کے لیے ایک مثال پیش کی جاتی ہے جو ایک لطیفہ کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اس سے بڑا سبق حاصل کیا جا سکتا ہے، راقم سطور کے ایک فاضل دوست نے بتایا کہ دریا کے کنارے پر واقع ہونے کی وجہ سے ان کے کتب خانہ میں جلد جلد دیمک لگ جاتی تھی اور قیمتی کتابیں تلف ہو جاتی تھیں، وہ پریشان تھے کہ اس کا کیا علاج کریں، ایک تجربہ کار دوست نے بتایا کہ اگر اونٹ کی ہڈی اس کتاب خانہ میں رکھ دی جائے تو دیمک نہیں لگے گی، انھوں نے بڑی مشکل سے اونٹ کی ہڈی حاصل کی لیکن ان کی حیرت و پریشانی کی کوئی حد نہ رہی جب انھوں نے ایک دن دیکھا کہ اونٹ کی اس ہڈی میں خود دیمک لگ گئی۔

یہاں ایک باریک بات سمجھ لیں وہ یہ کہ ایک نبی ہوتا ہے اور ایک مجدد، اور ایک مصلح ہوتا ہے۔ نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے بتائے ہوئے طریقہ کے بغیر نجات ہی نہیں ہو سکتی اور اس کی ہدایت حاصل کیے بغیر اللہ کی رضا اور کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی اس میں کسی قسم کی مخالفت یا تساہل کی گنجائش نہیں ہے، لیکن مجددین اور مصلحین کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ ہر مجدد اور ہر ربانی مصلح کی پیروی سے دین کو اور دین کے طالبوں کو نفع پہنچتا ہے۔ مثلاً کسی مجدد کے طریقہ سے قربانی کے جذبات بڑھتے ہیں۔ لہذا اس کے طریقہ کی پیروی سے قربانی کے جذبات بڑھیں گے اور ایک دوسرے مجدد کے طریقہ سے انفاق فی سبیل اللہ کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ لہذا اس کے اثر سے انفاق و ایثار کے جذبات پیدا ہوں گے۔ ایک دوسرے مجدد کے طریقہ سے اخلاق کی اصلاح اور صفائی کے معاملات کا اہتمام پیدا ہوتا ہے۔ تو اس سے تعلق و وابستگی خاص طور سے اس میں موثر ہوگی۔

بہر حال نبی کے طریقہ پر نجات کا انحصار ہوتا ہے اور بالکل اسی طریقہ پر چلنا لازم لیکن

کسی مجدد و مصلح کا معاملہ یہ نہیں۔ خاص خاص ترقیاں تو ان کی اتباع اور وابستگی سے ہوتی ہیں، لیکن نجات اس پر منحصر نہیں ہوتی۔

ایک بات یہ بھی جاننی چاہئے کہ امت میں طبقات کا اتنا اختلاف ہے اور اذہان کا اتنا تفاوت ہے اور حالات اتنے مختلف ہیں کہ کوئی دعوت تحریک اور کوئی اصلاحی جدوجہد یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ وہ تمام طبقات کو متاثر کرسکتی ہے اور اُن کی تسکین کا سامان کرسکتی ہے اور ان کی استعداد کے مطابق دینی غذا فراہم کرسکتی ہے۔ کوئی ذہن تقریر سے متاثر ہوتا ہے، کسی پر لٹریچر اثر انداز ہوتا ہے اور کوئی کسی دوسرے ذریعہ سے متاثر کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح واحد طریق کار سے ہر جگہ ہر ماحول میں اور ہر حالت میں کامیابی مشکل ہے، اس حقیقت کو نہ سمجھنے اور اس کے مطابق نہ چلنے سے لوگوں سے بڑی غلطیاں ہوتی ہیں، بہت سے لوگ قابل قدر اور بڑے مخلص ہیں لیکن ان لوگوں کا اس وقت تک دل خوش نہیں ہوتا جب تک کہ ہر شخص اسی مخصوص طرز پر کام نہ کرے جس کو اس نے اختیار کیا ہے، حالانکہ عمومی اصلاحی وانقلابی تحریکوں اور دعوتوں کا معاملہ یہ نہیں ہوتا، وہاں ہر چیز اس کے صحیح مقام پر رکھی جاتی ہے اور ٹھیک یوکلیٹس بٹھائی جاتی ہے ہر شخص سے وہی کام لیا جاتا ہے جس کا وہ زیادہ اہل ہو اور اس میں دوسروں سے ممتاز ہو اور جس کو دوسروں سے بہتر طریقہ پر انجام دے سکتا ہو۔

یہ اللہ کی طرف سے انتظام سمجھنا چاہیے کہ کچھ لوگ اِس راستہ سے دین تک آجائیں اور کچھ اُس راستہ سے آجائیں، اپنے طریق کار کو مناسب طریقہ سے اُن کے سامنے اکثر بیشتر پیش کرتے رہنا چاہیے لیکن اس طرح نہیں کہ اس میں دین کے دوسرے کاموں اور دینی و اصلاحی مساعی کی نفی اور تحقیر ہوتی ہو اور اخلاص سے کام کرنے والوں کی ہمت شکنی اور انھیں مایوسی اور بددلی پیدا ہو، اس طرح امت کے مختلف طبقات اور جماعتوں میں تعاون علی البر والتقویٰ کی روح بیدار ہوگی جو عرصے سے مفقود ہوچکی ہے اور جس کی اس زمانہ میں جبکہ باطل مختلف شکلوں میں اور نت نئے حربوں کے ساتھ حملہ آور ہے اور اہل باطل مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُوْنَ (ہر ٹیلے اور ٹاپو سے اپلے چلے آرہے ہیں) سخت ضرورت ہے۔

امراض کا روحانی علاج

مولانا سید جلال الدین عمری

(گزشتہ سے پیوستہ)

نماز سے استعانت قرآن میں نماز اور صبر کے ذریعہ مشکلات میں استعانت کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:-

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ	مدد طلب کرو صبر سے اور نماز سے۔ بیشک
وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ	نماز بھاری ہے گراں لوگوں پر جو اللہ
الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا	کے سامنے جھکنے والے ہیں اور جو سمجھتے
رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ	ہیں کہ انھیں اپنے رب سے ملنا ہے اور وہ
(البقرة: ۴۵، ۴۶)	اسی کی طرف پلٹ کر جائیں گے۔

آدمی اگر اپنی مشکلات میں نماز پڑھ کر اللہ سے دعا کرے تو حدیث میں آتا ہے کہ اس کی دعا قبول کی جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کسی کو کوئی حاجت درپیش ہو، اس کا تعلق چاہے اللہ تعالیٰ سے ہو یا اس کے کسی بندہ سے، تو وہ اچھی طرح وضو کرکے دو رکعت نماز پڑھے، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجے، اس کے بعد یہ دعا پڑھے۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ	نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ جو بردبار
سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ	اور بخشنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پاکی
وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ	ہے جو عرش عظیم کا پروردگار ہے،

أَسْأَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ إِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا إِلَّا غَفَرْتَهُ وَلَا هَمًّا إِلَّا فَرَّجْتَهُ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا إِلَّا قَضَيْتَهَا يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ[1]	ساری حمد و ثنا اللہ رب العالمین کے لیے ہے، اے اللہ میں تجھ سے ایسے اعمال کی توفیق طلب کرتا ہوں جس سے تیری رحمت نازل ہو اور ایسے اعمال کی توفیق چاہتا ہوں جن کی وجہ سے تیری بخشش مجھے حاصل ہو۔ میں تجھ سے ہر نیکی کا فائدہ اور ہر برائی سے حفاظت کا طالب ہوں۔ میرے ہر گناہ کو تو بخش دے،

میری ہر پریشانی کو دور کر دے اور ہر ضرورت کو جس میں تیری رضا ہو، اے ارحم الراحمین تو اسے پوری کر دے۔

ایک روایت میں اتنا اضافہ اور ہے:۔

ثم يسئال الله من امر الدنيا والآخرة ماشاء فانه يقدر[2]	پھر وہ دنیا و آخرت کے امور میں سے جو چاہے اللہ سے مانگے۔ وہ اس کے لیے مقدر کی جائے گی۔

اس حدیث میں ایک عمومی بات کہی گئی ہے کہ آدمی نماز پڑھ کر کسی بھی حاجت کے سلسلہ میں دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت پوری کرے گا۔ اس طرح کی دعا جہاں اور حاجتوں میں ہو سکتی ہے اسی طرح صحت کے لیے بھی ہو سکتی ہے۔

نماز تہجد بھی اس سلسلہ میں مفید ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رات جیسے جیسے

---

[1] ترمذی، ابواب الوتر، باب ما جاء فی صلوٰۃ الحاجہ۔ اس کے ایک راوی فائد بن عبدالرحمان کے بارے میں امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حدیث میں وہ ضعیف سمجھا جاتا ہے لیکن اسی مفہوم کی ایک روایت حضرت ابو درداءؓ سے مسند احمد میں ہے وہ صحیح ہے، اس میں اس دعا کا تو نہیں صرف نماز کا ذکر ہے۔ مرقاۃ المفاتیح ۳/۱۸۱

[2] ابن ماجہ، کتاب الصلوٰۃ، باب ما جاء فی صلوٰۃ الحاجہ۔

گزر جاتی ہے اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی طرف خاص توجہ فرماتا ہے اس وقت ان کی دعائیں سنی جاتی ہیں۔ مرادیں پوری کی جاتی ہیں، توبہ قبول ہوتی ہے اور مغفرت کی جاتی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ینزل ربنا تبارک وتعالیٰ کل	ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات جب
لیلۃ الی السماء الدنیا حین یبقی	کہ اس کا آخری تہائی حصہ باقی رہتا ہے
ثلث اللیل الآخر یقول من	آسمان دنیا پر اترتا ہے اور کہتا ہے!
یدعونی فاستجیب لہ من	کون مجھے پکارتا ہے کہ میں اس کی پکار
یسألنی فاعطیہ من یستغفرنی	سنوں؟ کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں
فاغفر لہٗ[1]	اسے عطا کروں؟ کون مجھ سے مغفرت چاہتا ہے کہ میں اس کی مغفرت کروں؟

اس حدیث میں رات کے آخری تہائی حصہ کا ذکر ہے لیکن مسلم کی ایک روایت میں ہے "حین مضیٰ ثلث اللیل الاول (جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزر جاتا ہے) ایک اور روایت میں "اذا مضیٰ شطر اللیل اوثلثاہ" کے الفاظ ہیں (یعنی جب آدھی یا دو تہائی رات گزر جاتی ہے) یہ کیفیت حتی یضئ الفجر صبح کے طلوع ہونے تک باقی رہتی ہے۔ ایک اور روایت میں پوری رات ہی کا ذکر ہے[2]

ان سب روایتوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رات میں اور وہ بھی ایک تہائی رات کے بعد اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا خصوصی نزول شروع ہو جاتا ہے اور صبح تک جاری رہتا ہے۔ اس وقت انسان دنیا اور آخرت کی بھلائی کی جو دعا بھی کرتا ہے وہ سنی جاتی ہے، ایک روایت میں بیماری سے شفا کا بھی خصوصیت سے ذکر ہے چنانچہ اوپر والی روایت ان الفاظ کے ساتھ بھی آئی ہے ا۔

اذا مضیٰ ثلث اللیل الاول ھبط اللہ	جب رات کا پہلا تہائی حصہ گزر جاتا ہے
تعالیٰ الی السماء الدنیا فلم	تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر اترتا ہے۔

[1] بخاری، ابواب التہجد، باب الدعاء والصلوٰۃ فی آخر اللیل۔ [2] مسلم کتاب الصلوٰۃ، باب صلوٰۃ اللیل

ينزل هناك حتى يطلع الفجر	اور طلوع فجر تک وہیں رہتا ہے ایک
فيقول قائل الا سائل يعطى	اعلان کرنے والا اس کی طرف سے
الا داع يجاب الا سقيم	اعلان کرتا ہے کیا کوئی سائل نہیں
ليستشفي فيشفي الا مذنب	ہے کہ اسے دیا جائے، کیا کوئی دعا
يستغفر فيغفر له[1]	کرنے والا نہیں ہے کہ اس کی دعا سنی

جائے، کیا کوئی بیمار نہیں ہے جو شفا چاہے اور اسے شفا دی جائے، کیا کوئی گناہ گار نہیں ہے جو مغفرت چاہے اور اسے معاف کر دیا جائے۔

نماز تہجد کے علاوہ مطلق نفل نماز بھی اس سلسلہ میں مفید ہے۔ حدیث سے اس کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ مجاہد، حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے لیٹے ہوئے دیکھا۔ میرے پیٹ میں تکلیف تھی۔ آپؐ نے فرمایا یا اباہریرہ اشکمت درد؟" اے ابو ہریرہ! کیا پیٹ میں درد ہے؟ (گویا یہ فارسی جملہ آپؐ نے استعمال فرمایا) میں نے عرض کیا۔ ہاں، آپ نے فرمایا:-

قم فصل فان في الصلوٰة شفاء[2]	اٹھو، نماز پڑھو، نماز میں شفا ہے۔

صدقہ وخیرات بیماری میں صدقہ وخیرات بھی مفید ہے۔ اس سے کمزوروں، بے کسوں کی دعائیں حاصل ہوتی ہیں۔ یہ خود بھی ایک علاج ہے، انسانوں

---

[1] مسند احمد تحقیق احمد محمد شاکر ۱۳/۲۵۰-۲۵۱۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی یہی روایت بعض روایات علیٰؒ میں بھی موجود ہے۔

[2] ابن ماجہ ابواب الطب، باب الصلوٰۃ شفاء، اس کے ایک راوی داؤد بن عتبہ کو ابن معین وغیرہ ۲/۲۰۳ نے ضعیف قرار دیا ہے لیکن ابن نمیر نے اسے صدوق کہا ہے اور امام ابو داؤد نے اس کے علم وفضل کا اعتراف کیا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی حدیث لکھی جاتی ہے (تہذیب الکمال) امام ابن قیم فرماتے ہیں۔ یہ حدیث موقوف بھی روایت کی گئی ہے یعنی حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت مجاہد سے یہ بات کہی تھی۔ یہی صحیح معلوم ہوتا ہے۔ الطب النبوی ۱۶۳-۱۶۴۔ یہ روایت مسند احمد ۲/۴۰۳،۴۰۲ میں بھی ہے لیکن اس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر حضرت ابو ہریرہ نے کہا کہ پیٹ میں درد نہیں ہے۔ نماز کا حکم اس میں بھی ہے۔

کی حق تلفی، ان کے ساتھ ظلم و زیادتی اور بدسلوکی سے جس طرح اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے اسی طرح ان کے ساتھ حسن سلوک، غم خواری اور مواسات سے اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے حدیث میں آتا ہے:-

دَاوُوْا مَرْضَاكُمْ بِالصَّدَقَةِ[1] — اپنے مریضوں کا صدقے کے ذریعہ علاج کرو

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ صدقہ وخیرات سے خدا کا غضب ٹھنڈا ہوتا ہے اور اس کے فیصلہ کے تحت موت آہی جائے تو بری حالت میں مرنے سے انسان محفوظ رہتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

إن الصدقة لتطفئ غضب الرب وتدفع ميتة السوء[2] — بیشک صدقہ اللہ کے غضب کو بجھاتا ہے اور بری حالت میں موت آنے نہیں دیتا۔

مسنون دعائیں

اس سلسلہ کی آخری لیکن بہت ہی اہم چیز وہ دعائیں ہیں جو کسی بھی تکلیف یا بیماری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ ان میں بڑی تاثیر ہے۔ اگر پورے خلوص اور یقین کے ساتھ یہ دعائیں پڑھی جائیں تو انشاء اللہ ضرور ان سے فائدہ پہونچے گا۔

یہ دعائیں تین طرح کی ہیں ایک تو وہ دعائیں ہیں جن میں کسی بھی مصیبت میں اللہ کی حمد و ثنا، اس کی تسبیح و تہلیل اور اپنی کمزوری اور بے بسی کا اعتراف ہے۔ یہ طلب و التجا کا بہترین اسلوب ہے۔ یہ خدائے رحیم و کریم کے دربار میں کچھ کہے بغیر سب کچھ کہہ دینا ہے، اس میں صراحت نہ ہونے کے باوجود سب سے بڑی صراحت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:-

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يقول عند الكرب لا إله إلا الله العظيم الحليم لا إله — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکلیف کے وقت فرمایا کرتے تھے لا الٰہ ..... الخ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ جو عظمت والا اور

---

[1] رواہ ابن حبان والطبرانی وغیرہ عن ابی امامۃ باسناد حسن التیسیر بشرح الجامع الصغیر ۲/۲

[2] ترمذی، کتاب الزکوٰۃ، باب ما جاء فی فضل الصدقۃ۔

اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْاَرْضِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ [۱]	بردبار ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ جو عرش عظیم کا مالک ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ جو آسمانوں کا رب ہے، زمین کا رب ہے اور عرش کریم کا رب ہے۔

حضرت ابوبکرہؓ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مصیبت میں گھر گیا ہو اُسے یہ دعا کرنی چاہیے:۔

اَللّٰھُمَّ رَحْمَتَکَ اَرْجُوْ فَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ وَاَصْلِحْ لِیْ شَاْنِیْ کُلَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ [۲]	اے اللہ تیری رحمت ہی کی امید رکھتا ہوں تو ایک لمحہ کے لیے بھی مجھے میرے نفس کے حوالہ نہ فرما اور میرے سارے حالات ٹھیک کر دے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

حضرت اسما بنت عمیسؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کچھ کلمات کی تعلیم دی۔ تکلیف اور پریشانی کے وقت میں انھیں پڑھتی ہوں۔ وہ کلمات یہ ہیں:۔

اَللّٰہُ اَللّٰہُ رَبِّیْ لَا اُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا [۳]	اللہ! اللہ میرا رب ہے، میں اس کے ساتھ کسی بھی چیز کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

یہ دعائیں بہترین تمہید بھی ہیں۔ ان کے بعد آدمی اصل مقصد کے لیے الگ سے بھی دعا کرسکتا ہے۔

بعض دعائیں وہ ہیں جن میں اپنی غفلت اور کوتاہی کے اعتراف، گناہوں سے توبہ و استغفار، غلطیوں پر ندامت، تضرع اور آہ وزاری کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس لیے کہ تکلیف اور آزمائش ہماری بے عملی اور بدعملی کا بھی نتیجہ ہو سکتی ہے۔ حضرت یونسؑ نے مچھلی کے پیٹ میں جب اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی اس فروگذاشت کا اعتراف کیا کہ انھوں نے اپنی قوم

---

[۱] بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعا عند الکرب، مسلم، کتاب الذکر، باب دعاء المکروب

[۲] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی التسبیح عند النوم۔ مسند احمد ۵/۴۲

[۳] ابن ماجہ، کتاب الدعوات باب الدعا عند الکرب۔

کو چھوڑنے میں جلدی کی تھی تو وہ معجزانہ طور پر اس سے باہر نکل آئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

دعوۃ ذی النون إذ دعا بہا وھو فی بطن الحوت "لا إلٰہ إلا أنت سبحانک إنی کنت من الظالمین" لم یدع بہا رجل مسلم فی شیء قط إلا استجاب اللہ لہ[1]	حضرت یونسؑ کی دعا جو انھوں نے اس وقت کی تھی جب کہ وہ مچھلی کے پیٹ میں تھے (یہ تھی لا الٰہ الا انت الخ: نہیں ہے کوئی معبود مگر تو، تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے۔ بے شک میں ہی ظلم کرنے والوں میں سے تھا۔ (آپ نے فرمایا)

جب بھی کوئی مسلمان اپنی کسی بھی تکلیف میں یہ دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور قبول فرمائے گا۔

بیمار کے لیے بھی یہ دعا مفید ہے۔ حدیث میں آتا ہے :۔

ایما مسلم دعا بہا فی مرضہ اربعین مرۃ فمات فی مرضہ ذالک أعطی اجر شہید وان برأ برأ وقد غفر لہ جمیع ذنوبہ[2]	جو مسلمان بھی اپنے مرض میں چالیس بار یہ دعا پڑھے اور اپنے اس مرض میں مرجائے تو اسے ایک شہید کا اجر ملے گا۔ اگر صحتیاب ہو جائے تو اس طرح صحتیاب ہوگا کہ اس کے سارے گناہ معاف ہو چکے ہوں گے۔

توبہ و استغفار کے ساتھ شفا بھی طلب کی جا سکتی ہے۔ حضرت ابو درداءؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سنا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص خود یا اس کا کوئی بیار بھائی ہو تو یہ دعا پڑھے، اسے صحت ہوگی۔ انشاء اللہ۔ وہ دعا یہ ہے:۔

---

[1] ترمذی ۲/ ابواب الدعوات۔ مستدرک حاکم ۱/ ۵۰۵ مسند احمد میں تفصیل سے یہ بھی ہے کہ حضورؐ نے یہ ارشاد کب فرمایا تھا ۱/ ۱۷۰۔

[2] مستدرک حاکم ۱/ ۵۰۴

رَبُّنَا الَّذِیْ فِی السَّمَاءِ تَقَدَّسَ	اے ہمارے رب! جو آسمان میں ہے۔
اِسْمُكَ، اَمْرُكَ فِی السَّمَاءِ	تیرا نام پاک ہے۔ تیرا حکم آسمان پر بھی
وَالْاَرْضِ كَمَا رَحْمَتُكَ	چلتا ہے اور زمین پر بھی۔ جس طرح
فِی السَّمَاءِ فَاجْعَلْ رَحْمَتَكَ	تیرا رحم وکرم آسمان پر ہے اسی طرح
فِی الْاَرْضِ اِغْفِرْ لَنَا حُوْبَنَا	اپنا رحم وکرم زمین پر بھی نازل فرما۔
وَخَطَايَانَا اَنْتَ رَبُّ الطَّيِّبِيْنَ	ہمارے گناہوں اور لغزشوں کو معاف
اَنْزِلْ رَحْمَةً مِنْ رَحْمَتِكَ	فرما تو نیک لوگوں کا رب ہے۔ اپنی
وَشِفَاءً مِنْ شِفَائِكَ عَلٰى	رحمت اور شفاء کا ایک حصہ اس بیمار
هٰذَا الْوَجَعِ[1]	پر بھی نازل فرما۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی بہت سی دعاؤں میں صراحت کے ساتھ بیماری سے شفاء بھی طلب کی گئی ہے، پریشانی میں اللہ تعالیٰ کو پکارنا اُس سے التجاء کرنا اور اپنا دکھ درد اس سے بیان کرنا عبودیت کی علامت ہے۔ ذیل میں اس طرح کی دو چار دعائیں نقل کی جاتی ہیں:۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی مریض لایا جاتا یا آپ کسی کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو یہ دعا فرماتے:۔

اَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ	اے اللہ! انسانوں کے پروردگار!
اِشْفِهٖ اَنْتَ الشَّافِیْ لَا شِفَاءَ	تکلیف کو دور فرما، اسے شفا دے تو
اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ	ہی شفا دینے والا ہے۔ تیری ہی شفا
سَقَمًا[2]	شفا ہے اس کے علاوہ کوئی شفاء
	نہیں ہے، ایسی شفا دے جو کسی مرض کو باقی نہ رکھے۔

---

[1] ابوداؤد، کتاب الطب، باب کیف الرقیٰ

[2] بخاری، کتاب المرضیٰ، باب دعاء العائد للمریض۔ مسلم، کتاب السلام، باب استحباب رقیۃ المریض۔

عثمان بن العاص ثقفی بیان کرتے ہیں اسلام لانے کے بعد سے ان کے جسم میں ایک تکلیف تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انھوں نے اس کا ذکر کیا تو آپؐ نے فرمایا! جہاں تکلیف ہے وہاں اپنا ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ بسم اللہ کہو اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھو۔

أَعُوذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهِ مِنْ	میں پناہ طلب کرتا ہوں اللہ کی ذات
شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ	اور اس کی قدرت سے اس تکلیف سے

جو مجھے اس وقت ہے اور جس سے میں ڈرتا ہوں۔

فرماتے ہیں، میں نے اس پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری یہ تکلیف دور فرمادی، چنانچہ میں اپنے گھر والوں کو اور دوسرے لوگوں کو اس کی تعلیم دیتا ہوں[۱]

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان کسی کی عیادت کرے اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھے تو اگر اس کی موت ہی کا وقت نہیں آگیا ہے تو اللہ تعالیٰ اس مرض سے اسے عافیت دے گا۔ وہ دعا یہ ہے:۔

أَسْأَلُ اللّٰهَ الْعَظِيمَ رَبَّ	اللہ بزرگ و برتر اور عرش عظیم کے پروردگار
الْعَرْشِ الْعَظِيمِ أَنْ يَشْفِيَكَ[۲]	سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تمھیں شفا دے

بیماری اور مصیبت سے محفوظ رہنے کے لیے بھی دعائیں بتائی گئی ہیں۔ حضرت عثمانؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص صبح تین مرتبہ یہ دعا پڑھے تو شام تک اور شام تین مرتبہ پڑھے تو صبح تک کوئی چیز اسے نقصان نہیں پہونچائے گی۔ ایک روایت میں ہے کہ اس پر اچانک کوئی مصیبت نہیں آئے گی۔ وہ دعا یہ ہے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهِ	اللہ کے نام سے کہ جس کے نام کے ساتھ زمین
شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ	اور آسمان کی کوئی بھی چیز نقصان نہیں
وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔	پہنچاتی۔ وہ سننے اور جاننے والا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے صاحب زادے اِبان پر فالج کا حملہ ہوا تھا۔ وہی یہ روایت

---

[۱] مسلم، کتاب السلام، باب استحباب وضع یدہ علی موضع الالم عند الدعاء [۵] ترمذی کتاب الطب۔

[۲] ابوداؤد، کتاب الجنائز، باب الدعاء للمریض عند العیادہ۔ ترمذی، ابواب الطب۔

بیان کر رہے تھے ایک شخص نے تعجب سے انھیں دیکھا تو انھوں نے فرمایا تعجب کیوں کر رہے ہو۔ نہ تو میں نے عثمانؓ کی طرف اور نہ عثمانؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھوٹ منسوب کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جس دن مجھ پر اس کا حملہ ہوا تو یہ دعا پڑھنی میں بھول گیا اور اللہ نے تقدیر میں جو لکھا تھا وہ پورا ہوا۔[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طلب عافیت کی دوسروں کو بھی تلقین کرتے اور خود بھی اس پر عمل فرماتے تھے۔ آپ صبح و شام جو دعائیں کرتے تھے ان میں سے ایک دعا ان الفاظ میں مروی ہے :۔

اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ بَدَنِيْ اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ سَمْعِيْ اَللّٰهُمَّ عَافِنِيْ فِيْ بَصَرِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ[2]	اے اللہ مجھے بدن کی تکلیفوں سے عافیت میں رکھ، اے اللہ، مجھے کان کی تکلیفوں سے عافیت میں رکھ، اے اللہ مجھے آنکھ کی تکلیفوں میں سے عافیت میں رکھ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح و شام کبھی یہ دعا ترک نہیں فرماتے تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَافِيَةَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَاَهْلِيْ وَمَالِيْ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِيْ وَاٰمِنْ رَوْعَاتِيْ اَللّٰهُمَّ احْفَظْنِيْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ وَعَنْ يَمِيْنِيْ وَعَنْ شِمَالِيْ وَمِنْ	اے اللہ! میں تجھ سے دنیا اور آخرت میں عافیت طلب کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ سے عفو و درگزر اور عافیت کا طالب ہوں اپنے دین اور دنیا میں اور اپنے اہل و عیال اور مال میں۔ اے اللہ! میرے عیوب پر پردہ ڈال دے مجھے جو خوف لاحق ہیں ان سے محفوظ رکھ، اے اللہ میری حفاظت فرما،

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی التسبیح عند النوم ترمذی، کتاب الدعوات، باب ما جاء فی الدعا اذا اصبح و امسیٰ

[2] ابوداؤد، کتاب الادب، باب ما یقول اذا اصبح۔

فَوْقِيْ وَاَعُوْذُ بِعَظَمَتِكَ اَنْ　　میرے آگے سے، پیچھے سے، دائیں
اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِيْ [1]　　سے، بائیں سے اوپر سے، اور میں اس

بات سے تیری عظمت کی پناہ طلب کرتا ہوں کہ مجھے میرے قدموں کے نیچے سے اچک لیا جائے۔

یہاں سلسلہ کی چند دعائیں ہیں۔ اس طرح کی اور بہت سی دعائیں آتی ہیں۔ ان دعاؤں کا پڑھنا سنت ہے ان کی افادیت کا ہر دور میں بے شمار انسانوں نے تجربہ کیا ہے۔ اگر خلوص کے ساتھ انھیں پڑھا جائے تو آج بھی ان کی افادیت آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے۔ اگر کسی کام کے اسباب فراہم نہ ہوں یا وہ بے سود ثابت ہونے لگیں یا مخالف اسباب جمع ہو جائیں تو مادی ذہن رکھنے والے انسانوں پر مایوسی اور ناامیدی طاری ہونے لگتی ہے اور وہ خود کو بے سہارا محسوس کرنے لگتا ہے۔ لیکن جب انسان خدا کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اس کا دل اس سکون سے بھر جاتا ہے کہ اس نے اپنا معاملہ مسبب الاسباب کے سامنے رکھ دیا ہے۔ وہ چاہے تو غیب سے اسباب فراہم کر سکتا ہے۔ اسے ایک ایسا سہارا ہاتھ آگیا ہے کہ دنیا کے سارے سہارے ٹوٹ بھی جائیں تو وہ ٹوٹ نہیں سکتا۔ دعا خدا پر اپنے بھرپور توکل اور اعتماد کا اظہار ہے۔ جو خدا پر پورا بھروسہ کرے اس کا قانون ہے کہ وہ اسے کبھی ناکام و نامراد نہیں چھوڑتا۔ بظاہر اس کا مقصد پورا نہ بھی ہو تو اسے دل کے سکون سے نوازتا ہے اور دل کا سکون وہ نعمت ہے جس کا اس دنیا میں کوئی بدل نہیں ہے۔

(صاحب مضمون اور ماہنامہ "برہان دہلی" کے شکریہ کے ساتھ)

---

[1] ابوداؤد، کتاب الادب

انتخاب

مولانا ظفر علی خاں کے آخری ایام اور سانحہ وفات

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

[آغا شورش کاشمیری مرحوم کی کتاب "مولانا ظفر علی خاں" کا ایک اقتباس کسی قدر اختصار و تلخیص کے ساتھ]

——— "ہمارا قافلہ منزل مقصود تک پہنچ چکا ہے اس کے بعد تمنائے راہ پیمائی تو ہے، مگر قوتِ راہ پیمائی نہیں۔ کبھی ہم تماشائی تھے اور دنیا تماشا۔ اب ہم تماشا ہیں اور دنیا تماشائی، جہاں چڑھتے ہوئے سورج کی پوجا ہوتی ہو، وہاں ڈوبتے ہوئے آفتاب کو کون پوچھتا ہے اور ہم تو ڈوبتے ہوئے ستاروں کی طرح دنیا پر نظر ڈال رہے ہیں۔"

(اُردو کانفرنس پنجاب یونیورسٹی ۱۹۴۹ء میں مولانا ظفر علی خاں کی تقریر جو انھوں نے پڑھ کر سنائی تھی)

پنجاب یونیورسٹی کے وسیع و عریض ہال میں جب مولانا یہ الفاظ پڑھ رہے تھے تو ان کا لہجہ کانپ رہا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں رعشہ آچکا تھا۔ ان کی کمر کو عمر رفتہ کے بار نے جھکا دیا تھا۔ وہ کھڑے تھے لیکن کھڑے نہ ہو سکتے تھے۔ مولانا عبدالحق صدر انجمن ترقی اُردو اس اجلاس کے صدر تھے۔ انھوں نے ایک طویل خطبہ پڑھا تھا لیکن مولانا کے ان چند الفاظ نے حاضرین کو تڑپا دیا......

——— اس کے بعد انھوں نے کسی عوامی تقریب میں حصہ نہ لیا۔ گویا یہ ان کی ہنگامہ آرا زندگی کا حرفِ آخر تھا۔ رفتہ رفتہ روزمرّہ کے اختیاری اشغال سے بھی دستکش ہو گئے، انیسر چھوٹی حقّہ چھوڑا، ایک روز قدرے انقباض محسوس کیا۔ پھر جو بیمار پڑے تو ایک نامور طبیب کا تیار کیا ہوا کشتہ، جو اس پر فالج بن کر گرا، ان آخری دنوں میں وہ خود زندگی بسر نہیں کر رہے تھے، بلکہ زندگی نے انھیں بسر کرنا شروع کر دیا تھا، پہلے کان جواب دے گئے، پھر آواز گئی۔

آخر زندگی سے ان کا ناطہ اسی قدر رہ گیا کہ لوگ دیکھتے تو سراپا حیرت ہو کر پوچھتے، یہی وہ ظفر علی خاں ہیں، جو برصغیر کی نصف صدی پرانی تاریخ ہیں جن کے قلم البرز شکن نے کبھی بڑے بڑے سومنات سر کیے تھے۔

——— ۲۷ر نومبر (۱۹۵۶ء) کو گیارہ بجے دن کے قریب میری بیٹی خالدہ نے مجھے بتایا چودھری مولاداد نے دفتر زمیندار سے فون کیا ہے کہ مولانا ظفر علی خاں وفات پا گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

میں اور حمید نظامی، لاہور سے ملک اسلم حیات ایڈووکیٹ اور گوجرانوالہ سے آغا سعید احمد خاں کو لے کر کرم آباد روانہ ہو گئے، راستہ بھر مولانا ہی کا تذکرہ رہا۔

مر گئے ہم تو زمانے نے بہت یاد کیا

——— ایک ایک تصویر آنکھوں کے سامنے گھومتی چلی گئی۔ جب حافظہ کی تمام گرہیں کھل کر بکھر گئیں تو ہم کرم آباد سے قریب تھے۔ وزیرآباد کا قصبہ جگمگا رہا تھا۔

——— ہمارے کرم آباد پہنچنے سے نصف گھنٹہ پیشتر مولانا اپنی اہلیہ کے پہلو میں دفن ہو چکے تھے۔ معماران کی قبر کو پختہ اینٹیں لگا رہا تھا۔ ایک اتنے بڑے آدمی کی اتنی سنسان موت! نئی سوچ کے زاویے بدلنے لگے۔ ایک زمانہ تھا ان ظفر علی خاں کے جلوس کی گاڑی کو پنجابی رؤسا کے بچوں نے اپنے بازوؤں سے کھینچا تھا اور اس برصغیر کے لاکھوں لوگ ربع صدی تک ان کے لیے آنکھیں بچھاتے رہے تھے۔ آج ان کا جنازہ ایک بیٹے، دو پوتوں تین بھائیوں اور چار ملازموں کے کاندھوں پر اٹھا اور اسی احاطہ میں پانچ گز کے فاصلہ پر سپرد خاک کر دیے گئے۔

(مولانا ظفر علی خاں از آغا شورش کاشمیری) ماخوذ از "ایشیا لاہور" ۲۵ر جنوری ۱۹۸۰ء

مجھے آخرت تک جانا ہے

مولانا اشرف علی تھانوی ایک بار ٹرین سے سفر کر رہے تھے۔ ان کو اعظم گڑھ جانا تھا۔

ملہ کرم آباد مولانا ظفر علی خاں مرحوم کا مسکن اور پھر مدفن

ایک ریلوے گارڈ جوان کا معتقد تھا اسٹیشن پر ان سے ملنے کے لیے آیا۔ اتنے میں ایک دیہاتی آدمی بھی آگیا۔ اس نے گنّے کا ایک گٹھا تحفہ کے طور پر مولانا کو پیش کیا۔ مولانا نے قبول کر لیا اور اپنے ساتھی سے کہا کہ ان گنوں کا وزن کرا کے ان کو بُک کرا لو۔ گارڈ نے کہا: بُک کروانے کی کیا ضرورت ہے۔ اس ٹرین سے جو گارڈ جا رہا ہے میں اس سے کہہ دیتا ہوں۔ وہ خیال رکھے گا۔ مولانا نے کہا تمہارا گارڈ تو اسی ٹرین تک ساتھ رہے گا اور مجھے آگے جانا ہے۔ گارڈ نے سمجھا کہ مولانا کو آگے کسی اسٹیشن پر یہ ٹرین بدل کر دوسری ٹرین پکڑنا ہے۔ اس نے کہا: کوئی ہرج نہیں۔ میں گارڈ کو بتا دیتا ہوں وہ آگے والے گارڈ سے بھی کہہ دے گا اور آپ کو کوئی زحمت نہ ہوگی۔ مولانا نے کہا: مجھے اس سے بھی آگے جانا ہے۔ گارڈ نے حیرت سے پوچھا: آخر آپ کہاں تک جائیں گے۔ ابھی تو آپ نے فرمایا تھا کہ آپ اعظم گڑھ جا رہے ہیں۔ مولانا نے کسی قدر خاموشی کے بعد کہا: مجھے آخرت تک جانا ہے، وہاں تک کون سا گارڈ میرے ساتھ جائے گا۔"

یہ معاملہ محض ریل کے سفر کا نہیں بلکہ تمام معاملات کا ہے۔ آدمی کا ہر معاملہ آخرت کا معاملہ ہے۔ دنیا میں کوئی "گارڈ" وقتی طور پر آپ کا ساتھ دے سکتا ہے۔ مگر آخرت کی منزل پر پہنچ کر کوئی گارڈ ساتھ دینے والا نہیں۔ جس کا ذہن یہ ہو کہ مجھے آخرت تک جانا ہے وہ ہر اس چیز کو بے قیمت سمجھے گا جو آخرت میں بے قیمت ہو جانے والی ہو، خواہ آج وہ کتنی ہی قیمتی نظر آئے۔ اسی طرح وہ ہر اس چیز کو وزن دینے پر مجبور ہوتا ہے جو آخرت میں باوزن ثابت ہونے والی ہو، خواہ آج کی دنیا میں بظاہر وہ کتنی بے وزن دکھائی دے۔ (بشکریہ "الرسالہ دہلی")

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاسؒ

جن لوگوں نے حضرتؒ کو نہیں پایا وہ ان ملفوظات کے مطالعہ سے آپ کو پوری طرح سے جان اور سمجھ سکتے ہیں۔

قیمت ۵/۵۰

کلمہ طیبہ کی حقیقت

اسلام کے کلمۂ دعوت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی ایمان افروز تشریح۔ قیمت ۲/۲۵

نماز کی حقیقت

نماز کے مقام اور اس کی روح وحقیقت سے واقف ہونے کے لیے نیز اپنی نماز میں خشوع کی کیفیت پیدا کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ انتہائی مفید ہے۔ قیمت ۳/۵۰

برکات رمضان

ماہ رمضان اور اس کے خاص اعمال روزہ، تراویح و اعتکاف وغیرہ کے فضائل و برکات اور ان کی روحانی تاثیرات کا نہایت موثر اور شوق انگیز بیان۔ قیمت ۳/۰

منتخب تقریریں

مولانا نعمانی مدظلہ، کی ایمان افروز اصلاحی و تبلیغی تقریروں کا مجموعہ جو اپنے اندر افادیت کے ہزاروں پہلوؤں کو سمیٹے ہوئے ہے۔ قیمت ۱۰/۰

آپ کون ہیں کیا ہیں؟ —— اور آپ کی منزل کیا ہے؟

مولانا نعمانی کی ایک تقریر جس میں دینی مدارس کے طلباء کے لیے ایک جامع پیغام ہے۔ قیمت ۱/۵۰

میری طالب علمی

مولانا موصوف نے اس کتاب میں اپنی تعلیمی زندگی کے مختصر حالات بیان کیے ہیں۔ قیمت ۱/۰

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف پروپیگنڈہ اور ہندوستان کے علمائے حق پر اسکے اثرات

شیخ محمد بن عبدالوہاب کے خلاف ان کے مذہبی و سیاسی دشمنوں کے عالمی پروپیگنڈے اور اس کے علمائے حق پر اثرات نیز انکشافِ حقیقت کے بعد شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں ان کی رائے میں تبدیلی کی پوری تفصیل —— تاریخی حقائق و شواہد کی روشنی میں۔ قیمت ۵/۵۰

قادیانی کیوں مسلمان نہیں؟

ردّ قادیانیت پر لاجواب کتاب جو عام و خاص سب کے لیے یکساں تسلی بخش ہے۔ قیمت ۴/۵۰

قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ

قادیانیت پر مولانا کا یہ مختصر رسالہ دریا بہ کوزہ کا مصداق اور قادیانیت کے زہر کا مجرب تریاق ہے۔ قیمت ۱/۵۰

بوارق الغیب

"علم غیب نبویؐ" کی تردید میں مولانا نعمانی مدظلہ کی معرکۃ الآراء محققانہ تصنیف جس میں چالیس قرآنی آیتوں سے بریلوی مبتدعین کے اس عقیدے کا باطل اور خلاف قرآن ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ قیمت ۱۳/۰

فیصلہ کن مناظرہ

اکابر علمائے دیوبند پر مولوی احمد رضا خاں بریلوی کے سنگین تکفیری الزامات کا تحقیقی جواب۔ قیمت ۵/۰

شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات

حضرت شاہ شہیدؒ جیسی مقدس ہستی پر معاندین اہل بدعت کے مکروہ الزامات کا تسلی بخش اور مدلل جواب۔

قیمت ۳/۰

مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف

مولانا محمد منظور نعمانی کی تازہ ترین تصنیف

اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے ـــــ جس میں مولانا موصوف نے (جو کہ "جماعت اسلامی" کے قیام سے بہت پہلے سے مودودی صاحب سے گہرا تعلق رکھتے تھے، اور جماعت اسلامی کی تاسیس میں ان کے شریک اور پہلے رفیق تھے) مودودی صاحب کی ان باتوں اور نظریات کی نشاندہی کی ہے جو امت کے لیے اور بالخصوص اُن کے متبعین کے لیے زیغ و ضلال اور فتنہ کا باعث بن سکتے ہیں۔

کتاب کے شروع میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا بصیرت افروز پیش لفظ ہے۔

قیمت -/۹

تبلیغی جماعت جماعت اسلامی اور بریلوی حضرات

اس کتاب میں درج ذیل ۵ انتہائی اہم مضامین جمع کر دیے گئے ہیں۔ (۱) تبلیغی جماعت کی اصل دعوت بنیادی مقصد اور طریق کار کی وضاحت (۲) تبلیغی جماعت سے متعلق ایک سی، آئی، ڈی افسر کے ایسے سوالات کا جواب جو بہت دلوں میں پیدا ہوتے ہوں گے (۳) مولانا مودودی کا ایک مضمون جس میں انھوں نے اپنا یہ تأثر پورے زور قلم کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ اس زمانہ میں احیاء دین کی جدوجہد کا صحیح طریقہ وہی ہے جو تبلیغی جماعت کا طریقہ ہے (۴) تبلیغی جماعت پر جماعت اسلامی کے حضرات کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات کا جواب (۵) بریلوی جماعت کی تاریخ اور تبلیغی جماعت کے خلاف بریلوی حضرات کی طرف سے لگائے جانے والے الزامات اور بہتانوں کی حقیقت۔

قیمت صرف -/۲

دیگر مصنفین کرام کی گراں قدر تصانیف

تجلیات ربانی

تلخیص و ترجمہ مکتوبات مجدد الف ثانی رح

از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت مجدد الف ثانی کے ان مکتوبات میں احسان و تصوف، تعمیر باطن، حق و باطل میں امتیاز، جہاد فی سبیل اللہ، اقامت دین و ترویج شریعت کی ترغیب اور امت مسلمہ کی عام رہنمائی کا وہ سامان موجود ہے جو چار صدیوں سے امت کی رہنمائی کر رہا ہے۔

جلد اول -/۱۵ جلد دوم -/۱۳

مکتوبات خواجہ محمد معصوم رح

از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت مجدد الف ثانی کے صاحبزادے اور خلیفہ خواجہ محمد معصوم رح کے مکتوبات کا ذخیرہ۔ جو حضرت خواجہ کے ارشاد و ہدایت کے پورے کام کا آئینہ دار ہے۔ آخر میں شاہ ہند عالمگیر رح کا مختصر تذکرہ بھی شامل کتاب ہے۔ قیمت -/۱۲

تذکرہ خواجہ باقی باللہ

مع خلفاء و صاحبزادگان

مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ، ان کے دونوں صاحبزادگان خواجہ عبداللہ و خواجہ عبیداللہ۔ اور اکابر خلفاء، تاج العارفین شیخ تاج سنبھلی، خواجہ الہ داد، خواجہ ابرار شیخ حسام الدین کی سوانح حیات، صفات و امتیازات اور کمالات کی تفصیل قیمت -/۵۰

تذکرہ حضرت مولانا محمد یوسف رح

حضرت مولانا مرحوم کی غیر معمولی دینی اور ایمانی خصوصیات کا مرقع ان کی مشہور تبلیغی دعوت کے فکری اور عملی پہلوؤں کو سمجھنے کا مستند ذریعہ اور امت کے لیے ایک انقلاب آفریں پیغام۔

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کی خصوصی اشاعت، نیا ایڈیشن عمدہ طباعت اور خوبصورت کور سے مزین۔ قیمت -/۱۱

قرآن مجید، حمائلیں اور پارے وقاعدے

قرآن مجید مترجم اشرفی حوالہ ۲۱ مترجمہ مولانا اشرف علی تھانویؒ رنگین طباعت مجلد پلاسٹک ۲۰/- مجلد ریگزین ۲۳/-

---

قرآن مجید مترجم ومحشی، ترجمہ از مولانا محمود الحسن صاحب حاشیہ پر تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی مجلد ریگزین ۲۰×۳۰/۸ سائز ۵۰/-

---

حمائل شریف معری عکسی پریس والی حوالہ ۵۲۶ ہدیہ ۱۹/-

قرآن مجید ۱۳ سائز ۲۰×۳۰/۸ (مجلد ریگزین) ۳۲/-

قرآن مجید حافظی ۱۲۶ سائز ۲۰×۲۲/۸ ۲۴/-

حمائل شریف ۲۳ عکسی ۵۵۲ صفحات، سائز ۳۰×۲۲/۱۶ ۲۰/-

پارہ عم خورد کلاں ۱/-

پارہ الم 〃 〃 ۱/-

پارہ سیقول 〃 〃 ۱/-

پارہ تلک رسول 〃 〃 ۱/-

پارہ لن تنالو 〃 〃 ۱/-

یسرنا القرآن ۱/۲۵

[illegible] -/۲۵

تفاسیر قرآن اور علوم قرآنی

تفسیر بیان القرآن مکمل غیر مجلد ۱۶۰/-

تفسیر ماجدی تا پارہ ۱۱ ۴۰/-

معارف القرآن مکمل ۸ جلدیں ۳۵۰/-

تفسیر رشیدی ۳/-

فضائل قرآن ۳/-

لغات القرآن ۸۰/-

تعلیم القرآن ۶/۵۰

تیسیر القرآن ۱۰/-

التفسیر البیضاوی (عربی) ۲۱/-

قصص القرآن ۸۰/-

تدبر قرآن اول ۳۲/-

ارض القرآن مکمل ۲۳/-

قرآن مجید کی پہلی کتاب ۲/۲۵

حدیث وعلوم حدیث

ترجمان السنہ مکمل ۱۰۰/-

شمائل ترمذی مع خصائل نبوی ۲۰/

〃 〃 〃 خورد ۱۵/-

مسند امام اعظم ۲۰/-

تقریر بخاری اول ۱۵/- دوم ۱۳/۵۰

زاد سفر اول ۱۶/ دوم ۲۰/-

مؤطا امام مالک عربی ۴۵/-

بزم پیغمبر ۲/۵۰

انتخاب الترغیب والترہیب اول ۲۰/

〃 〃 〃 دوم ۲۰/

فقہ وفتاویٰ

فتاویٰ رحیمیہ اول ۳۰/-

〃 〃 دوم ۳۰/-

〃 〃 سوم ۳۰/-

جواہر الفقہ اول ۲۵/-

〃 〃 دوم ۲۶/-

علم الفقہ ۴۰/-

تاریخ فقہ اسلامی ۱۹/-

تاریخ علم فقہ ۵/-

فتاویٰ فرنگی محل ۱۰/-

مسئلے مسائل

بہشتی زیور ۲۵/-

حیرۃ الفقہ ۱/۵۰

ارکان اسلام ۵/-

معاشرتی مسائل ۱۲/-

مسائل وضو ۲/-

اعتکاف فضائل مسائل ۱/۵۰

رویت ہلال کے بارے میں ریڈیو اور ٹیلی فون کا شرعی حکم ۵/-

فضائل ومسائل رمضان

برکات رمضان ۳/-

فضائل رمضان ۳/-

رمضان اور اس کے روزے ۱/-

اکابر کا رمضان ۲/۵۰

ماہ رمضان ۴/-

سیرت نبوی

کتاب	قیمت
سیرۃ النبی مکمل، جلدیں	۲۱۸/-
اسوۂ حسنہ	۵/-
نبی رحمتؐ	۳۵/-
آداب النبی	۴/
پہلی تقریر سیرت	۵/-
دوسری تقریر سیرت	۶/۵۰
شمائل ترمذی	۲۰/-
رسالت مآبؐ	۳۰/-
رحمت عالمؐ	۵/-
مُہر نبوت	۲/۵۰
محسن عالمؐ	۱/۵۰
وفات النبیؐ	۳/۵۰
ہمارے حضور	۴/-
کاروان مدینہ	۱۳/-
نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب (ورلڈ اسلامک)	۹/-
〃 〃 کلاں	۱۳/-
پیغمبر اسلام	۱/۷۵
پیغمبر انسانیت	۱/-
رسول عربی	۴/۵۰
نغمۂ عنبریہ بذکر میلاد خیر البریہ	۳/-
رسول اللہؐ	۴/-
سیرت الرسول	۳/-
شان مصطفیٰ	۴/-

سیر و سوانح

کتاب	قیمت
الفاروق	۲۰/-
المامون	۱۰/-
الغزالی	۱۰/-
حکمائے اسلام اول -/۲۰ دوم	۱۴/-
خلفائے راشدین	۱۶/-
سیرت عمر بن عبدالعزیز	۸/-
مولانا حیدر حسن خاں	۳/-
امت مسلمہ کی مائیں	۴/-
الانور	۴۰/-
تابعین	۲۰/-
تبع تابعین	۲۰/-
رسول اللہ کی صاحبزادیاں	۴/۵۰
چار ستارے	۸/-
سوانح مولانا محمد یوسفؒ	۲۰/-
حیات خلیل	۲۵/-
سیرت سید احمد شہیدؒ	۵۰/-
صحابہ کی انقلابی جماعت	۴/-
مولانا عبدالماجد حیات و خدمات	۵/-
صدر یار جنگ	۱۵/-
پرانے چراغ اول -/۱۸ دوم	۲۵/-
تاریخ دعوت و عزیمت مکمل	۸۳/-
جب ایمان کی بہار آئی	۱۲/-
جارج برنارڈ شا	۸/-
ذکر زبیر	۲/-
سیرت حضرت علی زین العابدینؒ	۵/-

تذکرے

کتاب	قیمت
تذکرۃ الخلیل	۱۸/۵۰
تذکرہ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ	۲/۵۵
تذکرہ خواجہ باقی باللہؒ	۶/۵۰
تذکرہ مجدد الف ثانیؒ	۱۵/-
تذکرہ مولانا فضل رحمانؒ	۶/-
تذکرہ مولانا اویس ندوی	۱۰/-
تذکرہ مولوی محمد ہارون کاندھلویؒ	۳/-
تذکرہ امام مسلم	۱/۵۰

تاریخی کتابیں

کتاب	قیمت
اسلام اور عربی تمدن	۱۶/-
اسلام کا سیاسی نظام	۱۳/-
اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں	۲۰/-
بزم تیموریہ اول -/۲۰ دوم	۱۲/-
بزم مملوکیہ	۱۴/-
بزم صوفیہ	۲۵/-
تاریخ اسلام مکمل (از شاہ معین الدین صاحب)	۶۹/-
تاریخ ادبیات ایران	۲۸/-
خلافت راشدہ کا اقتصادی جائزہ	۱۳/-
اسلام اور غیر اسلامی تہذیب	۱۰/
تاریخ اندلس	۱۹/-
عروج و زوال کا الٰہی نظام	۹/-
بزم رفتہ کی سچی کہانیاں اول	۶/-
دوم	۸/-

نعتیہ مجموعے اور دعائیں

کتاب	قیمت
بادۂ وحدت	۱/-
حمد باری	-/٦٠
تجلیات	٥/-
مدینہ کی گلیاں	۱/۲٥
سرورِ جاوداں	٥/-
ظہور قدسی	۱/۲٥
گلدستہ ذوق	-/٨٠
منتخب سلام	۱/۲٥
نور یزداں	۱/۲٥
رسول اللہ کی نعتیں وسلام	۳/٥٠
زمزمۂ نعت	۱/-
گلزار مدینہ	-/٦٠
شان حضورؐ	-/٥٠
عقیدت کے پھول	-/٦٠
عرفان محبت	۱۴/-
عرش	۱/-
گلدستہ نعت	۱/-
زاد الصلوٰۃ	۲/-
مسنون دعائیں	۱/٧٥
مسنون ومقبول دعائیں	۲/-
دعائیں (مولانا علی میاں)	۱/٥٠
صبح وشام کی دعائیں	۱/-
مسنون دعائیں (انگریزی)	٧/-
الحزب الاعظم حوالہ ۱۱۲	٧/٥٠
" " حوالہ ۱۱۱	٦/٥٠

ردِ شرک وبدعت

کتاب	قیمت
انگشت بوسی سے بائبل بوسی تک	۲/٥٠
اصلاح المسلمین	۱/٧٥
اغلاط العوام	۲/٥٠
اسلام اور کفر کی حقیقت	۱۲/-
اصلاح الرسوم	۴/-
تحریک وہابیت پر ایک نظر	-/٧٥
بہار تعزیہ وبدعات مروجہ	-/۳٠
چراغ سنت	۴/-
بدعت کیا ہے؟	٩/٥٠
بدعت کی باتیں	۱٠/-
مسلمان اور قبر پرستی	۱/-
گلدستہ توحید	۳/٥٠
وہابی کی پہچان	-/۴٠
علم غیب	٥/-
دیوبند سے بریلی تک	۱٠/-
زلزلہ در زلزلہ	٧/٥٠
ماحی شرک وبدعات	۱/۲٥
ہمارا دین حق	۳/-
شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور معاندین اہل بدعت کے الزامات	۳/-
فیصلہ کن مناظرہ	٥/-
بوارق الغیب	۱۲/-
حق نما	-/٨٠
بلاغ المبین	٧/٥٠
راہ سنت	۱٥/-

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی کچھ گرانقدر تصانیف

کتاب	قیمت
نبی رحمت ۳٥/- انگریزی	۴٥/-
سیرت سید احمد شہیدؒ مکمل	٥٠/-
نقوش اقبال ۱۴/- انگریزی	۲٥/-
کاروان مدینہ	۱۲/-
ارکان اربعہ ۲٠/- انگریزی	۳٥/-
پرانے چراغ اول ۱٠/- دوم	۲٥/-
دریائے کابل سے یرموک تک	۱۴/-
مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں ۴/- انگریزی	٦/-
مذہب وتمدن ٧/- انگریزی	٨/-
تاریخ دعوت وعزیمت مکمل	٨۳/-
" " انگریزی	٧٥/-
جب ایمان کی بہار آئی	۱۳/-
دو ہفتہ مغرب اقصیٰ مراکش میں	٦/-
نئی دنیا امریکہ میں صاف صاف باتیں	٧/-
" " انگریزی	۱٠/-
عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح	٧/-
معرکہ ایمان ومادیت ٦/- انگریزی	۱٥/-
ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں ٥/- انگریزی	۱٥/-
انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر	۱٥/-
" " انگریزی	۳٠/-
پاجا سراغ زندگی	۱۳/-
حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب	٦/-
تزکیہ واحسان یا تصوف وسلوک	۱٠/-
مطالعۂ قرآن کے اصول ومبادی	۱۲/-

مختلف موضوعات پر اہم کتابیں

آپ تقریر کیسے کریں اول ۲/۵۰
" " دوم ۳/۵۰
ام الامراض ۵/-
احکام الصلوٰۃ ۵/-
اصلاحی تقریریں ۳/-
اکابر کا سلوک و احسان ۵/
قرآن پاک اور احترام ملکیہ ۲/۲۵
امت کے لیے لمحۂ فکریہ ۱/۷۵
ادلۂ کاملہ ۱/-
اعتکاف ۱/۵۰
تبرکات ۵/-
بیان اللسان ۴۰/-
بنیادی قرآنی تعلیم ۶/-
پردے کے شرعی احکام ۲/۵۰
پڑوسی کے حقوق ۱/۲۵
تاجدار مدینہ کی شہزادیاں ۳/-
تبلیغی چالیس سبق -/۵۰
تقریر کیسے کریں اول ۳/-
تعلیم الدین ۳/۵۰
حیات فخر الاسلام ۶/-
حیات امام ابوداؤد سجستانی ۳/-
حقوق الاسلام -/۵۰
تمدن اسلام کی کہانی ۱/۵۰
مذہب اور سائنس ۱۴/-
روداد چمن ۱۵/-

حقوق والدین ۲/۵۰
حضرات انبیاء کرام اور صحابہ عظام مودودی صاحب کی نظر میں -/۷۵
خلاصہ و تسہیل قصد السبیل ۱/۵۰
دین فطرت کا چیلنج ۳/۵۰
کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے -/۴
وعظ بے نظیر ۴/-
عربی بول چال (عربی، اردو، انگریزی) ۶/-
۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ -/۴
احکام المیت -/۴۰
تسہیل الصرف اول ۴/۷۵
" " دوم ۲/-
تسہیل المنطق ۱/۴۰
تسہیل التجوید ۲/-
فن اسماء الرجال ۳/۵۰
کلام صوفی ۲۵/-
سلاسل طیبہ ۱/۲۵
گلشن اخلاق ۱۰/-
مفاوضات رشیدیہ ۳/-
عربی میں نعتیہ کلام ۱۰/-
حسن معاشرت ۳/۵۰
المائدہ (آسمانی مائدہ) ۱/-
فرحت الناظرین ۱۴/-
فضائل استغفار -/۷۵
اصلاح نیت ۳/-

اعمال قرآنی ۴/۵۰
اسلام کی بہادر بیٹیاں ۴/-
اسلام کی باتیں ۴/-
رویت ہلال رمضان وعید کے مسائل و دلائل ۱/-
ایمان کی باتیں ۵/-
دوزخ کا کھٹکا عکسی ۸/-
حقوق البیت ۲/
جنت کی کنجی ۸/-
جنت کی ضمانت ۳/-
تعلیم الدین ۳/۵۰
رسول اللہ کے معجزات ۴/-
ہماری دعا کیوں قبول نہیں ہوتی ۴/-
وفات النبی ۳/۵۰
وفات سرور کائنات ۲/۵۰
مسنون دعائیں ۱/۷۵
مستند مقبول دعائیں ۴/-
معلم القرآن ۴/۲۵
مسئلہ تعدد ازدواج ۱/۲۵
مسائل وضو ۲/-
تبلیغی نصاب اول سادہ ۲۰/-
" " انگریزی ۲۲/۵۰ پلاسٹک ۲۵/-
" " دوم پلاسٹک ۲۴/-
فضائل ذکر ۵/-
فضائل تبلیغ ۱/۵۰

فضائل رمضان ۳/-
فضائل قرآن مجید ۳/-
فضائل درود شریف ۴/-
فضائل نماز ۳/-
فضائل حج ۷/-
ارکان اسلام ۵/-
حل المشکلات ۳/۵۰
میری نماز ۲/۵۰
میدان حشر ۵/-
مسلمان خاوند ۴/-
مرنے کے بعد کیا ہوگا ۸/۵۰
عورتوں کی نماز ۲/-
حکایات صحابہ ۵/-
تبلیغی جماعت پر اعتراضات کے جوابات ۷/-
تبلیغی سات نمبر ۴/-
مسلمان بیوی ۴/-
حضرت جی کی یادگار تقریریں ۵/-
بہشتی زیور (ہندی) ۱۵/-
اسلام میں پردے کی حقیقت ۲/۵۰
اصلاح معاشرت ۲/-
اصلاح انقلاب ۱/۷۵
تبلیغی تقریریں ۲/۵۰
جنت کا ٹکٹ ۲/۷۵
چھ باتیں ۲/۵۰
خدا کی جنت غیر مجلد ۳/- مجلد ۳/۷۵
دس جنتی ۲/-

مردوں اور عورتوں کے مخصوص مسائل ۲/۵۰
فیض الخالق ۱/۲۰
خطبات ماجد ۱۰/-
وفیات ماجد ۱۵/-
المنجد (عربی اردو ڈکشنری) ۶۵/-
نماز اور دیگر ضروری مسائل ۱/۵۰
نماز مترجم پاکٹ سائز -/۶۰
مزید المجید ۳/-
مواعظ حضرت مولانا مسیح اللہ ۵/-
نماز کیا ہے؟ -/۴۰
قرآن اور حدیث ۴/۵۰
زلزلۂ قیامت ۳/-
عقلیات اسلام ۲/-
تعمیر ملت ۲/-
تبلیغی نصاب (ہندی) ۴۰/-
اسلام دین فطرت ۲/-
تاریخ کا سبق ۲/-
دین کیا ہے؟ ۱/۵۰
تجدید دین ۲/-
الیس منکم رجل رشید ۴/-
قاتلان حسین کی خانہ تلاشی ۳/-
شریعت اور طریقت ۱۵/-
گوہرین نامہ ۲/-
ارواح ثلثہ ۱۵/-
شیخ الاسلام کے حیرت انگیز واقعات ۱۸/-
حضرت معاویہ اور تاریخی حقائق ۱۸/-

ارشادات شیخ الاسلام ۴/-
فوائد مکیہ ۱/۵۰
بلوغ المرام ۸/-
شہید اعظم ۴/-
البدائع ۱۸/-
فضائل نکاح ۱/۵۰
فضائل اخلاق و اخلاص ۱/۷۵
فرقہ وارانہ فسادات اور مسلمان ۲/-
خاصان خدا ۴/-
مفتاح التبلیغ ۶/۵۰
معرفت الٰہیہ ۲۵/-
مزاروں کی جھلکیاں ۳/۵۰
نسخۂ کیمیا ۸/۵۰
خدا کا ذکر ۳/-
ارواح ثلثہ ۱۵/-
الکلام الحسن ۳/۷۵
اکابر کا تقویٰ ۸/-
فضل الباری ۵/۵۰
شیخ حسن البنا
علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے ۲/۵۰
اول ۵۰/۳ دوم ۱۰/-
السنۃ الجلیۃ فی الچشتیۃ العلیہ ۱۰/-
ایک نہایت عجیب و عبرتناک واقعہ ۱/-
حقیقت کی روشنی ۲/۵۰
حضرات صحابہ کا معیار حق ۱/-
بیاض یعقوبی ۱۲/- بیاض اشرفی ۹/-

Regd. No. LW/NP-62

Monthly 'ALFURQAN' 31, Naya Gaon West Lucknow (U. P.)

VOL. 49 NO. 7 JULY 1981 Phone : 45547

مدیر

محمد منظور نعمانی

۴۲

تاریخ میلاد

از: مولانا حکیم عبد الشکور صاحب مرزاپوری

یہ نہایت دلچسپ علمی کتاب ہے۔ اس میں مروجہ مجلس میلاد کی مفصل تاریخ لکھی گئی ہے کہ اس کو کب، کس نے اور کیوں ایجاد کیا تھا کس نے اس پر پہلی کتاب لکھی، یہ لوگ کس مذہب و مسلک کے تھے اب تک اس میں کیا کیا تبدیلیاں و ترقیاں ہوئیں اور ہر زمانہ کے علماء نے اس کے متعلق کیا خیالات کن دلائل کی بنا پر ظاہر کیے نیز اس مسئلہ میں نقطۂ اعتدال کیا ہے۔

قابل دید کتاب ہے جو ۳۰ سال سے نایاب تھی اب اہتمام سے دوبارہ طبع ہوئی ہے۔ قیمت مجلد ۸/۰

۴۱

شاہ اسمٰعیل شہید اور معاندین اہل بدعت کے الزامات

از: مولانا محمد منظور نعمانی

حضرت شاہ اسمٰعیل جیسی مقدس ہستی پر جس نے اعلاء کلمۃ اللہ کے
خون کا کفن پہنا، معاندین اہل بدعت نے خوف خدا سے بے نیاز ہو کر
جو گردو الزامات لگائے ہیں ان کا تسلی بخش اور مدلل جواب ۔ قیمت

معرکۃ القلم یا فیصلہ کن مناظرہ

اکابر علماء دیوبند پر مولوی احمد رضا خاں بریلوی کے سنگین تکفیری
الزامات کا تحقیقی جواب ـــ کتاب کے مقدمہ میں بریلی کے سنگین تکفیری
کی حقیقت اور تاریخ بیان کی گئی ہے نیز یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اب اہل
اس سے کیسے نمٹنا چاہیے۔ قیمت ۵/۰

۴۰

تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی اور ـــــ بریلوی حضرات

مرتبہ: مولانا محمد منظور نعمانی

اس کتاب میں درج ذیل پانچ اہم مضامین جمع کر دیے گئے ہیں۔

(۱) تبلیغی جماعت کی اصل دعوت، بنیادی مقصد اور طریقۂ کار کی وضاحت

(۲) تبلیغی جماعت سے متعلق ایک سی آئی ڈی افسر کے ایسے سوالات کا جواب جو بہت سے دلوں میں پیدا ہوتے ہوں گے۔

(۳) مولانا مودودی کا ایک مضمون جس میں انہوں نے بتلایا ہے کہ اس زمانہ میں احیائے دین کی جدوجہد کا صحیح طریقہ وہی ہے جو تبلیغی جماعت کا ہے۔

(۴) تبلیغی جماعت پر جماعت اسلامی کے حضرات کی طرف سے کیے جانے والے اعتراضات کا جواب۔

(۵) بریلوی حضرات کی تاریخ اور تبلیغی جماعت کے خلاف بریلوی حضرات کی طرف سے لگائے جانے والے الزامات اور بہتانوں کی حقیقت۔ قیمت ۳/۰

۳۹

مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگز اور اب میرا موقف

از: مولانا محمد منظور نعمانی

اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے۔ جس میں مولانا موصوف نے
"جماعت اسلامی" کے قیام سے بہت پہلے سے مودودی صاحب
گہرا تعلق رکھتے تھے اور "جماعت اسلامی" کی تاسیس میں ان کے
اور پہلے رفیق تھے) مودودی صاحب کی ان باتوں اور نظر
کی نشاندہی کی ہے جو امت کے لیے اور بالخصوص ان کے متب
کے لیے زیغ و ضلال اور فتنہ کا باعث بن سکتے ہیں۔

کتاب کے شروع میں مولانا سید ابوالحسن علی ندو
بصیرت افروز پیش لفظ ہے۔ قیمت ۹/۰

جلد (۴۹) | بابت شوال و ذیقعدہ سنہ ۱۴۰۱ھ مطابق اگست و ستمبر سنہ ۱۹۸۱ء | شمارہ (۸-۹)

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغہ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کردیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اس کی اطلاع مہینے کی ۱۵ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ ۲۰ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ روانہ فرمائیں۔ پاکستانی سکہ میں ۵۰ روپے ناظم ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

... لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

جیسا کہ ناظرین کرام کو معلوم ہے، ایک مدت سے دارالعلوم دیوبند میں بہت ہی افسوسناک قسم کا باہمی اختلاف و خلفشار پیدا ہو گیا تھا اب سے تین مہینے پہلے ۳۰-۳۱ مئی اور یکم جون کو اس کی مجلس شوریٰ (انتظامیہ) کا جلسہ ہوا تھا، جس کا تذکرہ جون کے شمارہ میں بھی کیا گیا تھا۔ اس اجلاس میں متعدد دوسرے فیصلوں کے ساتھ ایک فیصلہ یہ بھی کیا گیا تھا کہ شوال میں جبکہ دارالعلوم کھلا ہوا ہو گا اور اساتذہ و طلبہ سب موجود ہوں گے اس خلفشار کو ختم کرنے ہی کے لیے مجلس شوریٰ کا خصوصی اجلاس بلایا جائے اور اس موقع پر مجلس شوریٰ کے اعیان ارکان اساتذہ اور طلبہ سے الگ الگ خطاب کریں اور دونوں کے لیے ضابطۂ اخلاق مرتب کیا جائے اور اس کی پابندی کا عہد لیا جائے ــــ اس کے لیے ۱۰ر شوال کی تاریخ بھی طے ہو گئی تھی۔

چنانچہ ۱۰-۱۱-۱۲ر شوال (۱۱ر ۱۲ر ۱۳ر اگست ۱۹۸۰ء) کو مجلس شوریٰ کا وہ اجلاس ہوا۔ اس دفعہ بھی اس عاجز ہی کو صدر بنا دیا گیا تھا۔ دوسرے دن ۱۱ر شوال کو دارالعلوم کے تمام تحتانی و فوقانی اساتذہ کا اجتماع ہوا ــــ سب سے پہلے دارالعلوم کے مہتمم حضرت مولانا محمد طیب صاحب نے مختصر تمہیدی تقریر فرمائی جو ان کے شایانِ شان تھی، اس کے بعد رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے خطاب فرمایا جو اس مجلس کا سب سے اہم اور موثر ترین خطاب تھا، اس عاجز نے بھی کچھ عرض کیا بعض دوسرے حضرات نے بھی کچھ فرمایا۔ ان خطابات و بیانات کا اہم نکتہ (جو یہاں قابلِ ذکر ہے) یہ تھا کہ اس قسم کے اختلافات کو ختم کرنے کرانے کی دو ہی صورتیں سوچی جا سکتی ہیں ــــ ایک یہ کہ ایک مسلّمہ عدالت قائم ہو اور ہر فریق کو موقع دیا جائے کہ دوسرے فریق کے متعلق اپنی شکایات اور الزامات پیش کرے، پھر دوسری طرف ان کے جوابات

اور جوابی الزامات پیش ہوں، اس طرح الزامات اُن کے جوابات اور پھر جوابی الزامات کا چکر چلے۔
ظاہر ہے کہ یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا، اس سے اختلاف کی خلیج اور زیادہ وسیع ہوگی، اور دل صاف ہونے کے بجائے دلوں کے زخم اور زیادہ گہرے ہوں گے، اور اس خانہ جنگی کی وجہ سے دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کی جو بے آبروئی اور رسوائی ہوئی ہے جس نے ہم کو کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا ہے اور جس نے جماعت اور مسلک کے دشمنوں کو ہم پر اور ہمارے اکابر پر حملہ کرنے کے لیے بے حساب مواد اور میگزین فراہم کر دیا ہے اس میں اور اضافہ ہوگا۔ یقین ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی اس کو پسند نہیں کرے گا۔

دوسرا طریقہ اس باہمی اختلاف و خلفشار کو ختم کرنے کا وہ ہے جو قرن اول میں (جو ہمارے لیے مثالی قرن ہے) سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنایا تھا — حضرت علی مرتضیٰ کی شہادت کے بعد بلاشبہ خلیفۂ راشد تھے، اَحَقّ بالخلافہ تھے ان کے ساتھ لڑنے والی فوج تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے انھوں نے محسوس کیا کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد سے باہمی اختلاف و خانہ جنگی اور اُس میں خونریزی کا جو سلسلہ چل رہا ہے جس میں ہزارہا صحابۂ کرام اور تابعین عظام شہید ہو چکے ہیں، اس سے دین کو اور امت مسلمہ کو صرف نقصان پہنچا ہے اور اس کے جاری رکھنے سے کسی خیر کی امید نہیں، اس احساس اور غور و فکر کے بعد انھوں نے بس اللہ کی رضا اور دین اور دین والی امت کی خیر خواہی کو سامنے رکھ کر بطور خود فیصلہ فرما لیا کہ اختلاف اور خانہ جنگی کے اس سلسلہ کو بہرحال ختم ہونا چاہیے — اس فیصلہ کے بعد انھوں نے اسکو بالکل نظر انداز کر کے کہ ہم دونوں میں سے کون فریق برسر حق ہے اور کون ناحق پر ہے حضرت معاویہ کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھا دیا (جن سے وہ بہرحال افضل تھے) اور خود پہل کر کے مصالحت اور حالت جنگ کو ختم کرنے کا پیام بھیجدیا — اسی طرح حضرت معاویہ نے بھی اب تک جو کچھ ہو چکا تھا اس کے بارہ میں کوئی بحث نہیں کی اور کوئی سوال نہیں اٹھایا بلکہ صلح کے لیے بڑھا ہوا حضرت حسن کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس طرح باہمی اختلاف اور خانہ جنگی کا دور ختم ہو کر امت کی وحدت و یگانگت کا نیا مبارک دور شروع ہو گیا، اور پوری امت نے اسکو سیدنا حضرت حسن کی زندگی کا سب بڑا کارنامہ سمجھا۔

فی الحقیقت اس طرح کے باہمی اختلافات اور ان کی مضرتوں کو ختم کرنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ دونوں فریق (جو ایک ہی کنبہ ایک ہی "دار" کے افراد ہیں) ماضی کی باتوں کو نظر انداز کر کے بلکہ بھلا کے مصالحت و یگانگت کا نیا دور شروع کرنے کا فیصلہ کریں۔

جیسا کہ حضرات اساتذہ کی بلند مقامی سے امید تھی ان حضرات نے اسی مجلس اور اسی نشست میں سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اس سنت کو اپنانے کا فیصلہ اور اعلان فرمایا ـــــ اساتذہ کے ایک حلقہ کی طرف سے مولانا وحید الزماں صاحب نے اور دوسرے حلقہ کی طرف سے مولانا محمد سالم صاحب نے تقریر فرمائی اور بہت ہی اچھے جذبات اور بہت ہی مبارک عزائم کا اظہار فرمایا، دونوں حضرات نے اعلان فرمایا کہ ابتک کے اپنے اختلافات کو ہم نے ختم کردیا اور دفن کر دیا۔

واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی تقریروں نے ہم سب کو بہت مطمئن اور مسرور کیا اور سب نے اُس رب کریم کا شکر ادا کیا جس کی توفیق اور کرم سے یہ سب کچھ ہوا۔

اسی نشست میں راقم سطور نے اساتذہ کے لیے ضابطۂ اخلاق کا مسودہ پڑھ کر سنایا جس کے بارہ میں اس وقت رائے یہ ہوئی کہ یہ نامکمل ہے، اس پر نظر ثانی اور کچھ اضافہ و ترمیم کی ضرورت ہے، چنانچہ یہ کام رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے سپرد کر دیا گیا۔ موصوف نے اگلے دن صبح کو اصلاح و ترمیم کے بعد وہ مجھے عنایت فرما دیا، لیکن اب اس کا موقع نہیں تھا کہ وہ حضرات اساتذہ کے سامنے پیش کیا جا سکے، اس لیے دوسرے بہت سے ضروری کاموں کی طرح وہ بھی محرم میں ہونے والے مجلس شوریٰ کے آئندہ اجلاس کے لیے رہ گیا۔

طلبہ کے لیے بھی ضابطۂ اخلاق مرتب کیا گیا تھا، جب وہ مجلس میں پیش کیا گیا تو حضرت مہتمم صاحب اور نائب مہتمم مولانا نصیر احمد خاں صاحب نے فرمایا کہ یہ سب باتیں طلبہ کے داخلہ وغیرہ کے فارموں میں موجود ہیں جن کا ہر طالب علم سے عہد لیا جاتا ہے۔ چنانچہ دفتر سے وہ فارم منگوائے گئے اور ان کو دیکھا گیا تو معلوم ہوا کہ ان میں سب کچھ موجود ہے، اسکے بعد طلبہ کیلئے کسی الگ "ضابطۂ اخلاق" کی ضرورت نہیں۔

چونکہ طلبہ اُس وقت تک بہت ہی کم تعداد میں پہنچے تھے اسلیے اُنکے اجتماع اور ان سے خطاب کا کام بھی ملتوی رہا۔

اس سے پہلی مجلس شوریٰ منعقدہ ماہ رجب کی طرح اس مجلس میں بھی تمام فیصلے ارکان شوریٰ کے اتفاق رائے سے ہوئے لیکن افسوس اور قلق ہے کہ ایک مسئلہ پر اتفاق نہیں ہو سکا، اور بالآخر دستور و معمول کے مطابق کثرت آراء کی بنیاد پر فیصلہ کرنا پڑا۔ موجود ارکان میں سے ۸ حضرات کی رائے تجویز کے حق میں تھی اور ۴ حضرات کی مخالف تھی۔ یقین کرنا چاہیے کہ ہر رکن نے دارالعلوم کے حق میں جو بہتر اور مفید تر سمجھا وہی رائے دی۔

(اس سلسلہ میں آخری صفحہ بھی دیکھا جائے)

دار العلوم دیوبند کے

حضرات اساتذہ ارباب انتظام اور عزیز طلبہ کی خدمت میں

دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کی رکنیت کے لیے جن ۴ حضرات کا انتخاب ۳۰ر ۳۱ر مئی و یکم جون کو منعقد ہونے والے اجلاس شوریٰ میں ہوا تھا ان میں ایک حضرت مولانا صدیق احمد صاحب دامت فیوضہم ہیں ——— جو ہمارے زمانہ کے علمائے ربانیین میں سے ہیں ——— مولانا مدظلہ جب مجلس شوریٰ کے حالیہ اجلاس (منعقدہ ۱۰ر ۱۱ر ۱۲ر شوال) میں شرکت کے لیے دیوبند تشریف لے گئے تھے تو اساتذۂ دار العلوم اور ارباب انتظام اور طلبہ کے سامنے پیش کرنے کے لیے کچھ ضروری باتیں لکھ کر لے گئے تھے ———

حضرت والد ماجد مدظلہٗ نے جب یہ تحریری افادات دیکھے تو فرمایا کہ یہ بہت مفید اصلاحی تحریر ہے اور اس کا حق ہے کہ یہ صرف دار العلوم کی حد تک محدود نہ رہے بلکہ ہمارے مدارس دینیہ کی پوری برادری کے سامنے آجائے۔

ناظرین! ذیل میں حضرت مولانا صدیق احمد صاحب مدظلہ کے اس تحریری خطاب کا مطالعہ کریں گے ——— مدارس کے ذمہ دار حضرات سے خصوصیت سے اس کا مطالعہ کرنے اور طلبہ کو سنانے کا اہتمام فرمانے کی گذارش ہے۔

اللّٰھم اجعلنا من الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ

——— سجاد نعمانی ندوی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لائق صد احترام حضرات اساتذہ کرام!

چھوٹا منہ بڑی بات معلوم ہوتی ہے، یہ سیہ کار ہرگز اس کا تصور نہیں کرسکتا تھا کہ اپنے بڑوں کی موجودگی میں بڑوں کے بارے میں کچھ لب کشائی کرے اگر وقت کی نزاکت اور یہاں کی موجودہ صورت حال نے ملک میں جو مسموم فضا پیدا کر دی ہے جس سے دارالعلوم کی عظمت صرف مجروح ہی نہیں بلکہ اس کی عزت خاک میں مل رہی ہے، پوری جماعت رسوا اور ذلیل ہورہی ہے اُسی نے آپ حضرات کی خدمت میں چند معروضات پیش کرنے پر مجبور کیا۔

(۱) یہ حقیقت مسلّمہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت خاصہ سے دارالعلوم کے آغاز ہی سے اس کو ایسے حضرات کی سرپرستی اور اس قسم کے اساتذہ کرام کی خدمات حاصل رہی ہیں جو علمی رسوخ، عملی پختگی، بلند کرداری، دیانت وتقویٰ، شب بیداری اور آہ سحر گاہی جیسے اوصاف وکمالات کی بنا پر مرجع خلائق تھے۔ ان کے زمانے میں کسی فتنہ نے اگر سر اٹھایا بھی تو ان کے اخلاص اور للّٰہیت نے اس کا فوراً ہی سدباب کردیا اور دارالعلوم پر کسی قسم کی آنچ نہیں آنے دی۔ ان کا اختلاف اللہ ہی کے لیے ہوتا تھا اس لیے اس کے دور ہونے میں کبھی دیر نہیں لگتی تھی۔ انھوں نے کبھی بھی اپنی عزت اور وقار کے لیے دارالعلوم کی عزت کو قربان نہیں کیا ـــــ لیکن افسوس کے ساتھ اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ آج وہ جوہر نمایاں طور پر نہیں نظر آرہا، اللہ پاک نے دارالعلوم جیسے مرکز کی خدمت کی نعمت آپ حضرات کے حوالہ کی ہے۔ اگر اس نعمت کی قدر دانی نہ کی گئی اور اس کا حق نہ ادا کیا گیا تو بہت اندیشہ ہے کہ یہ نعمت کہیں چھین نہ لی جائے، جو ذات نعمت دینے پر قادر ہے وہ ناقدری کی بنا پر لینے پر بھی قادر ہے۔

تاریخ کے واقعات اس پر شاہد ہیں جن کا آپ حضرات کو مجھ سے زیادہ علم ہوگا، اس لیے گزارش ہے کہ مندرجہ ذیل باتوں پر اچھی طرح دھیان دیا جائے۔

۱ ـــــ اپنے اندر کسی قسم کے استحقاق کا دعویٰ نہ ہو، جو خدمت بھی سپرد کی جائے اس کو انعام خداوندی سمجھ کر اخلاص کے ساتھ محض رضاء خداوندی کے لیے پوری دیانت کے ساتھ

انجام دیا جائے ـــــ اللہ پاک کے یہاں مناصب اور اقتدار کی کوئی قدر نہیں وہاں سے جو کچھ ملتا ہے اخلاص اور قربانی پر ملتا ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد اپنے اکابر واساتذہ سے بار ہا سنا گیا ہے کہ ہم کو تو دین کی خدمت کرنی ہے ہم سے چاہے کوئی بغدادی قاعدہ پڑھوائے یا بخاری شریف۔

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ اگر کوئی طالب علم دین ہمارے سر پر جوتے لگائے لیکن وہ ہم سے علم دین حاصل کرنے پر راضی ہو تو ہم یہ سودا کرنے کے لیے تیار ہیں ـــــ غور فرمایا جائے اکابر کے ان فرمودات میں ہمارے لیے اخلاص وللہیت اور تواضع و بے نفسی کا کیسا سبق ہے ـــــ یقین کیجیے تکبر اور جاہ پسندی کی بنیاد پر جو فتنہ پیدا ہوتا ہے وہ کبھی کبھی ختم نہیں ہوتا۔

۲ ـــــ اتحاد اور اتفاق اور ایک دوسرے کا احترام رکھتے ہوئے کام کریں،

اختلاف اور انتشار کے ساتھ خداوند کریم کی تائید باقی نہیں رہتی، اس کی نحوست قرآن و حدیث میں آپ حضرات پڑھتے پڑھاتے رہتے ہیں۔ خود ہم اپنے دلوں کا جائزہ لیں، کیا اختلاف کے بعد جو احترام ایک عالم دین اور خادم دین کا ہونا چاہیے وہ باقی رہتا ہے؟ کیا ضمانت ہے کہ ہم حدود سے تجاوز نہ کریں گے۔ اب تک کے تو واقعات اس کے خلاف کی شہادت دے رہے ہیں، وہ کونسا رذیلہ ہے جس کا اس موقع پر ارتکاب نہ کیا گیا ہو، کیا صفحات کے صفحات اور اخباروں کے کالم کے کالم ایک دوسرے کے عیب اچھالنے اور افترا پردازی میں نہیں رنگے گئے، کیا ہم نے دینی جلوت اور خلوت کے قیمتی اوقات غیبتوں اور عیب جوئی میں نہیں صرف کیے۔ ہم تو وہ وہ حرکتیں کی ہیں جس کی ایک عامی اور جاہل بھی ہمت نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ خدا اور آخرت کو بالکل نہ بھلا دے۔

(۳) طلبہ کے ساتھ شفقت اور نرمی کا معاملہ کیا جائے، یہ بگڑے ہوئے ماحول سے آتے ہیں بہت سے ایسے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں جن کو اس سے پہلے علم دین کی ہوا بھی نہیں لگی اس کے برعکس ڈاکہ زنی، چوری، بدکاری ان کا پیشہ رہا ہے اور اب بھی ہے، علاقے کے علاقے دین سے ناآشنا ہیں، ان پر محنت کر کے ان کو کسی قابل بنانا ہے، تحمل اور صبر کے ساتھ ان کو تنہائی میں

بلاکر ان کی غلطیوں پر آگاہ کر کے راہ راست پر لانا ہے۔ اللہ پاک کی ذات سے بہت بکہ امید ہے کہ ہمارے تھوڑے سے مجاہدے اور نفس کشی سے ان کی زندگی بن جائے گی۔ اور اپنے اپنے علاقے کے لیے وہ دین کے محافظ و خادم بن جائیں گے، ہمارے آپ کے اکابر نے یہی کیا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد "اِنَّمَا اَنَا لَکُم مثل الوالد لولدہٖ"[۱] آپ کے سامنے ہے، یہ ارشاد پاک ہم کو دعوت دیتا ہے کہ استاد اور مربی کے اندر باپ جیسی شفقت ہونی چاہیے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ استاد کو بردبار اور حلیم الطبع ہونا چاہیئے۔

ایک بزرگ کا ارشاد ہے کہ معلم کو مہر و محبت کا مجسمہ ہونا چاہیے۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "جب تک تیرا غصہ باقی ہے اپنے آپ کو اہلِ علم میں شمار نہ کر"

ایک عارف کامل کا ارشاد ہے کہ جو استاد و مربی طلبہ کی اخلاقی برائیوں کو حسن خلق کے ذریعہ رفع کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا وہ استاد کہلانے کا مستحق نہیں۔

استاذ الکل حضرت مولانا مملوک علیؒ کا حال یہ تھا کہ جب طالب علم بیمار پڑتا تو اس کی قیام گاہ پر جاکر عیادت کرتے اور اس کی ہر طرح دلجوئی کرتے، حالانکہ اس زمانہ میں طلبہ ایک جگہ نہیں رہتے تھے مختلف مساجد اور مکانوں میں قیام ہوتا تھا۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے حالات میں ہے کہ ایک مرتبہ صحن مسجد میں درس دے رہے تھے بارش ہونے لگی اور طلبہ اپنی اپنی کتابیں لے کر اندر چلے گئے۔ حضرت نے ان سب طلبہ کے جوتے اٹھائے اور حفاظت کی جگہ رکھ دیے۔

امام سفیان ابن عیینہ ایک مرتبہ کسی بات پر طلبہ سے ناراض ہو گئے اور فرمایا "نقد

---

[۱] یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے، مطلب یہ ہے کہ میں تمہارے لیے ایسا ہی ہوں جیسا باپ اپنی اولاد کے لیے ہوتا ہے (تم سب میری دینی و روحانی اولاد ہو) "الفرقان"

همت ان لا احدثك شهراً (میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ ایک ماہ تک درس نہ دوں)
یہ سن کر ایک طالب علم نے عرض کیا "یا ابا محمد الن جانبك وحسن قولك وتأس بصالحي سلفك واجمل مجالسة جلسائك فقد اصبحت بقية الناس وامينا لله ورسوله على العلم۔ (اے ابو محمد آپ نرمی اختیار فرمائیے اور قول حسن فرمائیے، اپنے اسلاف کرام کی پیروی کیجیے اپنے حلقہ نشینوں کے ساتھ اچھا سلوک کیجیے، کیونکہ آپ بقیۃ السلف ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول کے علم کے امین ہیں۔

امام ابن عیینہ نے جب یہ بات سنی تو نرم پڑ گئے اور رقت طاری ہو گئی بہت دیر تک روتے رہے اور یہ شعر پڑھا:۔

خلت الديار فسدت غير مسود
ومن البلاء تفردي بالسودد

(بستیاں خالی ہو گئیں تو میں بغیر اس کے کہ مجھے سردار بنایا جاتا سردار بن گیا اور تنہا میری سرداری میرے لیے بڑی آزمائش ہے۔)

محترم حضرات! اگر دار العلوم کے اساتذہ اور ارباب انتظام جو واقعی بقیۃ السلف اور اللہ اور اس کے رسول کے امین ہیں۔ یہ اسلاف کا نمونہ نہیں بن سکتے تو پھر کن سے امید کی جائے۔ یہاں کا خیر اور شر دونوں ہی متعدی ہیں۔ آپ حضرات اگر سلف صالحین کا نمونہ بنے ان جیسے اخلاق اپنے اندر پیدا کیے تو دنیا کے لیے اچھا نمونہ بن سکتے ہیں اور آپ کے تلامذہ اور شاگرد اسی کی پیروی کریں گے۔

محترم حضرات مجھے اس کا احساس ہے کہ میں نے اپنی حد سے آگے بڑھ کر یہ گستاخی کی ہے لیکن میرے دل کی سوزش اور اللہ کے حضور میں جواب دہی کی فکر نے مجھے اس کے لیے مجبور کیا ہے، امید ہے کہ آپ مجھے معذور سمجھ کر معاف فرما دیں گے۔

آخر میں پھر گزارش ہے کہ اگر اس وقت آپ حضرات نے ایثار اور قربانی سے کام لیا، نفس کو دبا کر بلکہ نفس کو کچل کر آپس میں صلح اور صفائی کر لی۔ ادنیٰ درجہ کی بھی جس سے جس کو اذیت پہونچی ہے ان سب کی معافی تلافی کر کے ایک دل ہو گئے، جو منصب اور

استحقاق کا وسوسہ اس وقت اس کے لیے رکاوٹ بنا ہوا ہے اس سے آنکھ بند کر کے اللہ اور رسول کو خوش کرنے کے لیے دارالعلوم اور اس کی جماعت کے کھوئے ہوئے وقار کو واپس لانے کے لیے، امت سے ذلت اور رسوائی کا دھبہ دور کرنے کے لیے نفس کشی سے کام لیا تو انشاء اللہ آپ کی عزت کا سکہ دلوں میں بیٹھ جائے گا اور اللہ پاک وہ تمام چیزیں بھی عطا فرمادے گا جن کو آپ چاہتے ہیں، جو اللہ کے واسطے اپنی عزت قربان کرتا ہے۔ اللہ پاک دونوں جہاں میں اس کو سرخروئی عطا فرماتا ہے۔ جو اللہ کے لیے کچھ کرتا ہے اللہ پاک اس کے لیے سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہے" یہ سنۃ اللہ اور اس کا وعدہ ہے ——— خدا کے واسطے اسی مجلس میں اپنے سینوں کو صاف کر لیجیے اور شیطان کی ساری کوششوں کو خاک میں ملا کر۔ دنیا کو دکھا دیجیے کہ اگر ہم سے بربنائے بشریت تو وہ ہوسکتا ہے جواب تک سنا اور دیکھا گیا تو ہم خدا کی اطاعت اور فرمانبرداری کا بھی اپنے اندر جذبہ رکھتے ہیں، ہم دین محمدی کے لیے اور اپنے اکابر کی روایات کو زندہ رکھنے کے لیے ہر قربانی کے لیے تیار ہیں، ہم آپس میں ایک ہونا بھی جانتے ہیں اور دوسرے کی عزت پر اپنی عزت کو قربان کرنا بھی جانتے ہیں۔

خدا کی قسم اگر آپ حضرات نے یہ نمونہ دکھا دیا اور اس پر صدق دل سے عمل کیا تو نہ صرف یہ کہ آپ کی عزت دوبالا ہوگی بلکہ دارالعلوم کے وقار میں چار چاند لگ جائیں گے اور ہم سب دنیا کے سامنے منھ دکھانے کے لائق ہو جائیں گے۔ اور کہہ سکیں گے کہ دارالعلوم اب بھی اپنے دامن میں ایسے قیمتی جواہر رکھتا ہے۔ جن کی بے نفسی، ایثار و قربانی، نفس کشی اور اخلاص و للہیت کا جذبہ دنیا کے لیے نمونۂ ہدایت ہے۔

میرے محترم بزرگو! اللہ پاک نے تو آپ کے ہاتھ میں دنیا کی زمام قیادت رکھی ہے، آپ کو پوری دنیا میں کام کرنا ہے اور اپنی ذات کو ساری مخلوق کے لیے بہترین نمونہ بنانا ہے آپ نے دارالعلوم کی سیادت و قیادت اور اس کے مناصب ہی کو صرف اپنی عزت اور وقار کا مسئلہ کیوں بنا رکھا ہے آپ کی عظمت اور جلالتِ شان دارالعلوم کے کسی منصب کی محتاج نہیں۔ آپ جیسے حضرات بھی اگر فانی مناصب کے لیے رسہ کشی کریں گے تو پھر دنیا والوں کو بے نفسی تواضع اور اخلاص و للہیت کا سبق کون دے گا۔ آپ حضرات اساطین امت ہیں اپنے کو سنبھال لیجیے اور دوسروں کو بچائیے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عزیز طلبہ سے خیر خواہی کی باتیں:

میرے عزیز بھائیو۔ آپ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ دنیا میں ہر چیز کے حاصل کرنے کے لیے کچھ ضوابط ہیں کچھ چیزیں ایسی ہوتی ہیں جو اس شئی کے لیے موقوف علیہ کا درجہ رکھتی ہیں جن کے بغیر اس کا حصول نہیں ہو سکتا ان امور میں اساتذہ کا احترام اولیت کا درجہ رکھتا ہے۔ تمام شرائط موجود ہوں لیکن جس طالب علم کے اندر اس کا فقدان ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "علم حاصل کرو اور علم کے لیے متانت اور وقار پیدا کرو۔ جس سے علم حاصل کرو اس سے خاکساری برتو۔"

ایک حدیث میں ہے کہ استاد کی عزت کرنا تعظیم خداوندی میں داخل ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اس کا غلام ہوں جس نے مجھے ایک حرف سکھایا اگر وہ چاہے تو مجھے فروخت کر دے اگر چاہے تو غلام رکھے یا آزاد کر دے۔

میرے بھائیو! حضرت علیؓ تو ایک حرف سکھانے والے استاد کو اپنے اوپر ہر طرح کا اختیار دیں خود کو اس کا غلام سمجھیں۔ اور جن اساتذہ سے ہم نے کئی کئی برس میں ہزارہا صفحات کتابوں کے پڑھے ہیں ان کی ایک بات برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ان کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ ادب کی وجہ سے اپنے استاد کا نام نہ لیتے تھے اور ہم اپنے اساتذہ کی ہجو میں قصیدے لکھتے ہیں۔ ان کی توہین میں کوئی کسر نہیں باقی رکھتے۔ نشہ میں اس طرح سرشار ہو جاتے ہیں کہ ہم کو اپنے سوء خاتمہ کا بھی اندیشہ نہیں ہوتا۔ حضرت حمادؒ امام ابوحنیفہؒ کے استاد ہیں خود حضرت حماد کی ہمشیرہ عاتکہ فرماتی ہیں کہ جس وقت امام ابوحنیفہ ہمارے بھائی سے پڑھتے تھے اس زمانے میں ہمارے گھر کا سب کام کرتے تھے حتیٰ کہ ہمارے گھر کی روئی تک دھنتے تھے۔ اسی خدمت نے ان کو امامت کے منصب پر فائز کیا تھا۔ پہلے آدمی کسی کا غلام

بنتا ہے پھر دنیا کا امام ہوتا ہے۔

جو طلبہ اپنے استاد کا ادب کرتے ہیں اس کی خدمت کو سعادت سمجھتے ہیں اللہ پاک ان کو دینی اور دنیوی عزت سے سرفراز کرتا ہے ایسے ہی طلبہ فراغت کے بعد دین کی اشاعت کرتے ہیں جن سے ہزاروں بندگان خدا کو ہدایت نصیب ہوتی ہے۔ وہ زمین پر مانند ستاروں کے ہوتے ہیں ان کی صحبت میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ برسہا برس کا پاپی گناہوں سے توبہ کرکے خداوند تعالیٰ کی معرفت کا نور قلب کے اندر پیدا کرتا ہے۔ وہ اساطین امت ہوتے ہیں جن پر آسمان و زمین فخر کرتے ہیں۔ وہ جس زمین پر قدم رکھتے ہیں گمراہی دور ہوجاتی ہے اور ہدایت کی راہیں کھل جاتی ہیں۔

آج بھی اللہ پاک جن حضرات سے دین کی خدمت لے رہا ہے ان کی طالب علمی کا زمانہ اگر دیکھا جائے تو یہ جوہر ان میں نمایاں نظر آئے گا کہ انھوں نے ہمیشہ اپنے اساتذہ کا ادب ملحوظ رکھا ہے۔

حضرت معن ابن عیسیٰ امام مالکؒ کے بڑے شاگردوں میں ہیں اپنے زمانہ کے بڑے محقق اور مفتی تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ مقام اپنے استاد کی خدمت سے ملا ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ایک شاگرد بنگالی جو اس وقت اپنے علاقہ کے شیخ الاسلام ہیں وہ خود فرماتے تھے کہ میں نہ تو ذہین تھا اور نہ پڑھنے ہی میں محنت زیادہ کی تھی۔ البتہ حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت کرتا تھا، ان کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ اللہ پاک نے یہ منصب عطا فرمایا ہے۔

آج اساتذہ کی خدمت تو در کنار خود ان کو مدارس کی خدمت سے علاحدہ کرنے کی اسکیمیں طلبہ بناتے ہیں۔

میرے بھائیو آپ کے والدین نے آپ کو دارالعلوم اس لیے نہیں بھیجا کہ یہاں کے نظم و نسق میں آپ دخیل ہوں، آپ یہاں علم دین حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں اس مقصد کو ہر وقت سامنے رکھئے ایسی کوئی حرکت نہ کیجیے جس سے اس میں رخنہ پڑے۔ آپ کا وقت بڑا قیمتی ہے اگر اس قسم کے خرافات میں ضائع کیا تو پھر اس کی تلافی نہیں ہوسکتی۔ دارالعلوم اللہ کا

بہت بڑا انعام ہے جو مقبولین کی دعاؤں اور گریہ وزاری کے نتیجے میں امت کو عطا کیا گیا ہے جو بھی اس کو نقصان پہونچانے کی کوشش کرے گا اس کو دونوں جہان کا خسارہ اٹھانا پڑے گا۔

آپ حضرات نے اپنی ضد اور ہٹ کے سامنے اپنے انجام کو نہ سوچا۔ موت۔ قبر۔ حشر سب ہی کو بھلا دیا۔ آپ نے اپنے اساتذہ اور محسنوں کے ساتھ وہ رذیل حرکتیں کیں جو ایک عامی اور جاہل اپنے دشمن کے ساتھ نہیں کرتا۔ کیا دارالعلوم کے احسانات اور اساتذہ کی خدمات کا یہ صلہ ہونا چاہیے۔ آپ کی ان حرکات کی بنا پر پوری ملت اضطراب میں ہے۔ سب کی گردنیں غیروں کے سامنے نیچی ہوئیں۔ سب کو ذلت اور رسوائی اٹھانی پڑی۔ آپ حضرات سے تو یہ توقع تھی کہ امت کے لیے اچھا نمونہ بنیں گے لیکن ' اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

آپ دیانتداری سے اپنے بارے میں خود فیصلہ کریں کہ ان حالات میں آپ کا دارالعلوم کے مطبخ سے کھانا کھانا، دارالعلوم کے کمروں میں رہنا، یہ دارالعلوم اور پوری امت کے ساتھ خیانت ہے یا نہیں۔

قوم دارالعلوم میں اپنی رقم اس لیے دیتی ہے کہ ان طلبہ پر خرچ کی جائے جو علم دین حاصل کر رہے ہیں اور خود کفیل ہونے کی استطاعت نہیں رکھتے جو دارالعلوم سے نکل کر قوم کے لیے ہدایت کا ذریعہ ثابت ہوں۔ ان لوگوں کے لیے نہیں بھیجتی جو دارالعلوم میں رہ کر فساد برپا کریں جس سے پوری ملت رسوا اور ذلیل ہو۔ اگر آپ کے کچھ مطالبات ہیں تو کیا ان کے لیے یہی طریقہ ہے جو اختیار کیا گیا، اس سے پہلے طلبہ کیا اپنی اپنی درخواست نہیں پیش کیا کرتے تھے کیا طلبہ کے جائز مطالبات کو پورا نہیں کیا گیا؟ ـــــ آپ ادب و احترام کے ساتھ اپنی عرضداشتیں بڑوں کے سامنے رکھتے اگر وہ وقتی طور پر نہ بھی پوری کی جاتیں تو سمجھتے کہ ہمارے مطالبات صحیح نہیں، ہماری مصلحت ہمارے بڑے بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ چھوٹا بن کر رہتے تو کیا آپ کے بڑے آپ کی ضروریات کا لحاظ نہ کرتے۔

میرے بھائیو! ذرا ماضی پر نگاہ ڈالیے کیا آپ کو ایسے طلبہ کا حال نہیں معلوم جنھوں نے مولی کے پتے کھا کر علم حاصل کیا ہے۔ رات رات بھر سڑکوں کی لالٹینوں کی روشنی میں کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ سردی کے زمانے میں مسجد کی چٹائیوں میں لپٹ کر رات گذاری ہے۔ زمانہ نے پھر دیکھا کہ ان حضرات نے ایک ایک علاقہ کو سیراب کیا دنیا میں وہ آفتاب

اور مایتاب بن کر چمکے۔ آج دروازہ بند نہیں ہو گیا، لیکن اپنے اندر ایسے اوصاف تو پیدا کیے جائیں۔

آج مدارس میں جس قدر آسایش اور راحت کا انتظام کیا جاتا ہے اس پر بجائے شکر کرنے کے اس کی ناقدری کی جاتی ہے

اب اس میں غفلت نہ برتیے جو ہوا اس پر ندامت ہو جس کو کبھی آپ سے کچھ تکلیف پہونچی ہو اس سے معاملہ صاف کرنے میں تاخیر نہ کیجیے جب تک اس کو راضی نہ کر لیں اس وقت تک کھانا پینا حرام سمجھیے اس سے بڑھ کر غم اور دکھ کی اور کیا بات ہوگی کہ آپ کی ناعاقبت اندیشی سے دارالعلوم کی عظمت میں بٹہ لگا۔ وابستگان دارالعلوم کو انتہائی ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ آئندہ کے لیے خداوند کریم سے عہد کیجیے کہ تازندگی اس قسم کی کوئی حرکت نہ کریں گے۔ طالب علم اگر واقعی طالب علم بن کر رہے تو اس کی ضروریات توغیب سے پوری ہوں، مدارس والے کیا پوری کر سکتے ہیں ان کے بس میں کیا ہے —— آپ اپنے اندر وہ اوصاف کیوں نہیں پیدا کرتے اور خدا سے لینا کیوں نہیں سیکھتے —— مگر آپ یہ جوہر کس طرح پیدا کر سکتے ہیں آپ کو تو دن رات اسکیمیں بنانے، بڑوں کو گالیاں بکنے نظام کو درہم برہم کرنے اور ہنگامہ برپا کرنے ہی سے فرصت نہیں —— یاد رکھیے ادنیٰ ترین مخلوق کو ستانے والا انعام خداوندی کا مستحق نہیں ہو سکتا تو پھر اساتذہ اور اکابر کی بے حرمتی کرنے والے کا کیا حشر ہوگا اس کا جواب آپ کا ضمیر دے گا۔

ہو سکتا ہے آپ کو میری یہ مخلصانہ باتیں ناگوار ہوئی ہوں جنکی میں آپ سب حضرات سے معافی چاہتا ہوں لیکن خدا کے واسطے آپ اپنے اساتذہ اور اکابر سے معافی مانگ کر اور ہر ممکن تدبیر سے ان کو خوش کر کے اپنی زندگی بنا لیجے اور ساری امت کو ذلت کے گڑھے سے نکالیے!

خطاب عید

[دارالعلوم ندوۃ العلماء کی وسیع مسجد لکھنؤ شہر میں نماز عید کا ایک اہم مرکز ہے۔ حضرت والد ماجد دامت برکاتہم کا معمول وہیں نماز کی ادائیگی اور مجمع سے کچھ خطاب فرمانے کا ہے ـــــ جس کی اکثریت وہاں خاص طور پر اسی مقصد سے آتی ہے ـــــ الفرقان کے قارئین کی خدمت میں تا امکان یہ تقریر باہتمام پیش کرنے کا معمول ہے ـــــ چنانچہ گزشتہ عید الفطر کی تقریر جو ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے قلمبند کر لی گئی تھی، حضرت والد ماجد مدظلہ کی نظر ثانی کے بعد ہدیۂ ناظرین کی جا رہی ہے ـــــ سجاد نعمانی ندوی]

خطبۂ مسنونہ اور حمد و صلوٰۃ کے بعد،

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

"كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعُ الْغُرُورِ"

میرے عزیز بھائیو، دوستو اور بزرگو!

ایک یہ دنیا ہے جس میں ہم آپ جی رہے ہیں، کھا پی رہے ہیں، جاگ رہے ہیں، سو رہے ہیں، اور بلاشبہ یہ دنیا ایک حقیقت ہے، خواب نہیں ہے ـــــ ہم اس دنیا کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کا علم ہمیں خود اپنے مشاہدہ اور تجربہ سے ہے ـــــ اس دنیا میں آنے سے پہلے ہم سب نے ایک مدت ماں کے پیٹ میں گذاری تھی، ہم میں سے کسی کو اس دنیا میں رہنا یاد نہیں لیکن پھر بھی اس حقیقت میں ہمیں کوئی شبہ نہیں کہ وہ دنیا برحق ہے اور ہم سب اللہ کے مقرر کیے ہوئے وقت کے مطابق وہاں رہ کر آئے ہیں ـــــ اس دنیا کا علم بھی مشاہدہ اور تجربہ ہی سے ہم کو حاصل ہے۔

لیکن ہماری اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی آنے والی ہے اس عالم کے بعد ایک اور

عالم آنے والا ہے، ہماری یہ زندگی موت پر ختم ہو جائے گی، جو ہر ایک کو آنے والی ہے۔ اور وہ زندگی شروع ہوگی جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔ وہ عالم کبھی فنا نہیں ہوگا۔ اللہ کی ہر کتاب اور اللہ کے ہر پیغمبر نے یہ حقیقت انسانوں کو بتائی، اور سب سے آخر میں اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید نے اور آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سیکڑوں بلکہ ہزاروں بار یہ بات بتلائی، اور اس زندگی کی کیفیات اور اس کی تفصیلات کھول کھول کر بیان فرمائیں۔

انھوں نے جو کچھ بتایا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے انسانو! تم اپنی اس دنیاوی زندگی کو اصلی زندگی نہ سمجھ بیٹھنا، اصلی زندگی تو موت کے بعد شروع ہوگی۔ جو کبھی ختم نہیں ہوگی، اور جس میں اس دنیاوی زندگی میں کیے گئے تمہارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا، اور کامیاب وہ ہوگا جو اُس عالم میں جہنم سے بچ جائے اور جنت میں چلا جائے۔

میرے بھائیو! اللہ تعالےٰ نے ہمیں اور اس پوری وسیع و عریض کائنات کو محض ایک تماشے کے طور پر نہیں پیدا کیا ہے۔ ہم نے آپ نے بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھا ہے۔ بچے ریت کے گھروندے بناتے ہیں اور تھوڑی دیر بعد انھیں توڑ ڈالتے ہیں۔ بچے چھوٹ موٹ کے باغ لگاتے ہیں اور ذرا دیر میں انھیں مسل ڈالتے ہیں۔

اگر آخرت کی زندگی نہ ہو، جہاں نیکوں کو ان کی نیکی کی جزا اور بُروں کو ان کی بُرائیوں کی سزا دی جائے تو یہ ساری دنیا بھی بس بچوں کے کھیل تماشے کی طرح ایک تماشہ بن جائے گی۔ اللہ نے ہمیں اس دنیا میں دراصل اس لیے پیدا کیا ہے کہ ہم یہاں آگے آنے والی زندگی کی تیاری کر لیں۔ اور ان نعمتوں کے لینے کا استحقاق پیدا کر لیں جو اللہ نے ان انسانوں کے لیے رکھی ہیں جو اپنے کو اپنے خالق کا تابعدار بنا دیں —— جو لوگ اس زندگی سے غافل ہیں، جو اس زندگی کو بھولے ہوئے ہیں وہ بڑے بدنصیب ہیں، بڑے محروم ہیں۔

میرے بھائیو! آخرت کی زندگی پر ہمارا ایمان ہے جو کچھ میں نے بیان کیا، ہم میں سے کوئی نہیں جس کا اس پر ایمان نہ ہو، اور جو اس میں سے کسی چیز کا منکر ہو۔ جنت پر ہمارا ایمان ہے دوزخ پر ہمارا ایمان ہے۔ روزمرہ کی باتوں میں ہم جنت، دوزخ کا نام لیتے رہتے ہیں لیکن ہماری آپ کی بدنصیبی یہ ہے ہماری آپ کی بیماری یہ ہے کہ ہم اس زندگی کو بھولے ہوئے ہیں۔ اس کی

جو یاد اس کی جو تیاری ہونی چاہیے ہم اس سے غافل ہیں۔ ہماری فکروں کا، ہماری محنتوں کا، ہماری صلاحیتوں کا تقریباً سارا استعمال اس دنیا میں زیادہ سے زیادہ راحت اٹھانے اور یہاں کی تکلیفوں سے نجات پانے کی غرض سے ہو رہا ہے۔

ہم قرآن پڑھتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پڑھتے اور سنتے ہیں۔ وعظ سنتے ہیں۔ تقریریں سنتے ہیں، لیکن میرے بھائیو! ہمارے دل ایسے سخت، اور ایسے پتھر ہو گئے ہیں کہ ہم پر اثر نہیں ہوتا۔ ہم میں کوئی تبدیلی نہیں آتی، اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں، لیکن سبق نہیں لیتے۔

قرآن مجید میں بنی اسرائیل کا بہت تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ جا بجا قرآن نے اس قوم کی گمراہیوں، اور بیماریوں سے ہمیں آگاہ کیا ہے، اور ان کے انجام سے باخبر کیا ہے، تاکہ ہم ان بیماریوں سے چوکنا رہیں۔ ان کی جن بیماریوں کا جن کی وجہ سے آخر کار وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے، اور ان پر ذلت و خواری مسلط کر دی گئی، قرآن نے صراحت اور وضاحت سے ذکر کیا ہے ان میں سے ایک ان کی سنگدلی ہے۔ فرمایا:

ثم قست قلوبهم من بعد ذٰلك فهي كالحجارة أو أشدّ قسوةً، وإنّ من الحجارة لما يتفجّر منه الانهار، وانّ منها لما يشقق فيخرج منه الماء، و إنّ منها لما يهبط من خشية الله —

اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جب طرح طرح کی نشانیاں اور دلائل دیکھنے کے بعد بھی انھوں نے سبق نہ لیا، اور راہ راست پر نہ چلے تو پھر ان کے دل سخت ہو گئے، اور پتھر کی طرح ہو گئے، یا پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ انسان کا دل جب بگڑتا ہے، جب بیمار ہو جاتا ہے، جب اس میں کجی آجاتی ہے اور جب اس میں گمراہی راسخ ہو جاتی ہے تو وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔

قرآن نے اتنا ہی نہیں کہا، اسی پر بس نہیں کیا، اس کے بعد فرمایا کہ پتھر بھی کچھ ایسے ہوتے ہیں جن سے نہریں پھوٹ پڑتی ہیں، کچھ ایسے ہوتے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے

پانی نکلنے لگتا ہے اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جو اللہ کے خوف سے اوپر سے نیچے گر جاتے ہیں۔

ہمارا علم بہت محدود ہے۔ ہم بہت سے پتھروں کو اوپر سے نیچے گرتا ہوا دیکھتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ یہ پتھر اللہ کے خوف سے نیچے گرا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ تیز ہوا چلی اور یہ پتھر نیچے لڑھک گیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ بہت سے پتھر اللہ کے خوف سے نیچے گر جاتے ہیں۔ بہت سی باتوں کو ہم محسوس نہیں کرتے جانور محسوس کر لیتے ہیں۔ آج کی سائنس نے ثابت کیا کہ جمادات میں بھی زندگی ہے ان میں بھی ایک درجہ کا احساس ہے۔

قرآن پر ہمارا ایمان ہے۔ اس نے بالکل برحق کہا یقیناً کچھ پتھر اللہ کے خوف سے نیچے گر جاتے ہیں۔

تو اس آیت میں فرمایا، کہ ان لوگوں کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے ہیں۔ ان پر اثر نہیں ہوتا،

تو میرے بھائیو! میں سب سے پہلے اپنے سے کہتا ہوں اور پھر آپ سب سے کہتا ہوں، اللہ کے لیے اپنے پر رحم کرو، موت بھولنے کی چیز نہیں، قبر کا امتحان بھولنے کی چیز نہیں۔ قبر صرف ایک گڑھا نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "القبر اما روضة من رياض الجنة واما حفرة من حفر النار" قبر یا تو جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور یا جہنم کی خندقوں میں سے ایک خندق ہے"۔ یا تو قبر سے جنت کے عیش و آرام اور وہاں کی نعمتوں کا سلسلہ شروع ہو گا، یا دوزخ کے عذابوں اور مصیبتوں کا سلسلہ شروع ہو گا۔

ہمیں اور آپ کو اس کی فکر کرنی ہے کہ قبر ہمارے لیے جنت کا باغیچہ بنے، دوزخ کی خندق نہ بنے، اور اس کا راستہ یہ ہے کہ اللہ و رسول کے کچھ احکام ہیں اللہ کو یاد کرتے ہوئے، قیامت کے حساب کو دھیان میں رکھتے ہوئے زندگی ان احکام کے مطابق گذاری جائے۔

ہماری پیشی اس عدالت میں ہو گی جس کا حاکم دلوں کی حالت سے واقف ہے۔ ہم اس دربار میں کھڑے کیے جائیں گے جس کا مالک اندرون کی باتوں سے، چھپے ہوئے رازوں سے، دل کے وسوسوں، اور آنکھوں کے اشاروں سے ایک ایک چیز سے واقف ہے۔ ابھی نماز میں سورۂ طارق پڑھی گئی تھی، اس میں

فرمایا گیا ہے: ان کل نفس لما علیھا حافظ۔ ہر شخص پر اللہ کی طرف سے ایک نگہبان مقرر ہے ـــــــ اسی صورت میں آگے چل کر فرمایا گیا ہے: یوم تبلی السرائر۔ جس دن کہ سارے راز کھول دیئے جائیں گے۔

آج آپ نہیں جانتے میرے اندر کیا برائیاں بھری ہوئی ہیں اس دن ہر شخص کی حقیقت سامنے آجائے گی، اللہ تعالیٰ اس دن کی رسوائی سے بچائے مجھے بھی اور آپ کو بھی۔

دوستو! صرف آرزؤں سے کام نہیں چلے گا، صرف تمناؤں سے کام نہیں چلے گا، قرآن صاف صاف کہتا ہے: لیس بأمانیکم ولا أمانی أھل الکتاب من یعمل سوءً یجز بہ خالی آرزوؤں سے کام نہیں چلے گا نہ تمہارا، اور نہ تم سے پہلے جو آسمانی کتابوں کی حامل قومیں تھیں ان کا، جو برائی کرے گا اس کی سزا پائے گا۔ آج شیطان نے ہمیں اس دھوکہ میں ڈال دیا ہے کہ اللہ غفور رحیم ہے۔ اللہ غفار ہے۔ رحمٰن ہے، یہ بات صحیح بھی ہے اور غلط بھی، اگر اس سے اللہ کی رحمت کی طلب میں اضافہ ہو، اور اس کی رحمت دلانے والی زندگی گذارنے کا جذبہ اس سے اور مضبوط ہو اور اس سے نیک کام کرنے کا حوصلہ اور بڑھے تو یہ صحیح ہے اور بلاشبہ بالکل صحیح ہے ـــــ اور اگر اس سے گناہ پر گناہ کرتے رہنے کی عادت پڑنے لگے، اللہ کا خوف جاتا رہے، اگر اس سے ڈھٹائی آنے لگے اور غفلت رہنے لگے تو یہ شیطانی فریب ہے۔ ابلیس کا دھوکا ہے اور نفس کی چال ہے۔ اسی لیے فرمایا من یعمل سوء یجز بہ " سن لو! اللہ کا قانون بے لاگ اور بالکل کھلا ہوا ہے جو برائی کرے گا اس کی سزا پائے گا۔"

ایک حدیث میں آتا ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی حضرت ابوبکر صدیق قریب ہی میں بیٹھے ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ ابوبکر یہ آیت نازل ہوئی ہے: "لیس بامانیکم ولا امانی أھل الکتاب من یعمل سوءً یجزبہ"

میرے بھائیو! صدیق اکبر ہمارے آپ جیسے نہ تھے، وہ سمجھتے تھے کہ اللہ کی سزا کیسی دردناک ہوگی کیسی سخت ہوگی، وہ سمجھتے تھے کہ انسان جتنی بھی کوشش کرے اس سے غلطیاں ضرور ہوں گی اس سے گناہ ضرور ہوں گے، وہ صدیق تھے ـــــ اللہ کے وعدوں اور وعیدوں پر ان کا یقین کامل تھا ـــــ یہ آیت سن کر ان کا یہ حال ہو گیا کہ اٹھنا چاہا تو اٹھ نہیں سکے۔ کمر ٹوٹ گئی، اعضاء

سی سے ہو گئے۔

ہم آپ تو محاورہ کے طور پر بولتے ہیں کہ ایسا صدمہ پڑا کہ کمر ٹوٹ گئی، لیکن وہاں یہ حال ہوا کہ اٹھنا چاہا تو اٹھ نہیں سکے —— عرض کیا کہ حضور اس اعلان نے تو کمر توڑ دی، اور عرض کیا کہ ہم میں سے کون ہے جس سے اپنے اوپر زیادتی نہ ہوئی ہو، جس سے غلطی نہ ہوئی ہو۔

اس پر رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکر یہ بات بالکل برحق ہے لیکن اللہ کے بہت سے بندے ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں کچھ تکلیفوں ہی کے ذریعہ ان کی غلطیوں کی سزا دے دیتا ہے —— کسی کو بخار میں مبتلا کر دیا، کسی کو کوئی اور بیماری ہو گئی، بس اسی تکلیف میں اس کا حساب بیباق ہو جاتا ہے۔ اور پھر فرمایا کہ ابو بکر! امید ہے کہ تم انہی بندوں میں سے ہو،

میرے بھائیو! یہ بات ہم میں سے کسی کو دھوکے میں نہ رکھے کہ اللہ غفور رحیم ہے۔ اور حضور شفیع المذنبین ہیں۔ اللہ کی رحمت اور حضور کی شفاعت برحق لیکن اس کا کچھ تو استحقاق ہم پیدا کریں۔ اور اگر اس کی فکر نہیں تو جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ سب شیطان کا فریب ہے اور نفس کی چال ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو ان خیالات اور عقیدوں کو ختم کرنے آئے تھے۔

میرے بھائیو! ہمارے بہت سے مسائل ہیں بہت سی ضروریات ہیں، کھانے کا مسئلہ ہے، پینے کا مسئلہ ہے، پہننے کا مسئلہ ہے، مکان کی ضرورت ہے۔ لیکن خدا کی قسم ہمارا سب سے بڑا مسئلہ اور سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ مرنے کے بعد والی زندگی میں اللہ کے عذاب سے نجات ہو جائے اور اللہ کی رحمت اور جنت مل جائے۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ کاروبار چھوڑ دو، بیوی بچوں کو چھوڑ دو، ہرگز نہیں۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ پوری زندگی اللہ کے حکموں کے مطابق گذارو، کاروبار کرو اور ضرور کرو، مگر اللہ کے حکموں کے مطابق کرو، گھر بساؤ اللہ کے حکموں کو اپنے گھر میں زندہ کرو، اور زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ کے احکام کا لحاظ رکھو۔ اگر زندگی اس طرح گذری تو پھر تم کامیاب ہو، جنت تمہارے لیے اور تم جنت کے لیے۔ ورنہ پھر اللہ کی پناہ اللہ کی پناہ! بہت برا انجام ہے۔ شیطان ہم سے آپ سے

یہ نہیں کہے گا کہ اللہ واللہ کچھ نہیں، وہ ہمیں آپ کو جنت دوزخ کو جھٹلانے کے لیے نہیں ورغلائے گا، ہاں وہ ہم آپ سے کہے گا کہ کیوں پریشان ہوتے ہو، اللہ غفور رحیم ہے۔ اور تم تو سیدالانبیاء کے امتی ہو، مغفرت تو تمہارے لیے ہی ہے۔ یہ وہی دھوکا ہے جس میں ہم سے پہلے والی بعض قومیں مبتلا ہوئی تھیں، جن کے بارے میں قرآن نے کہا، وقالوا لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ، اگر ہم جہنم میں گئے بھی تو بس چند دن کے لیے، پھر تو جنت ہماری ہی ہوگی، قل اتخذتم عند اللہ عہدا فلن یخلف اللہ عہدہ، کیا اللہ تعالیٰ نے تم سے ایسا کوئی وعدہ کیا ہے کہ اللہ اس وعدے کو پورا کرے۔

میرے بھائیو! اللہ تعالیٰ نے یہ عہد کسی نبی سے نہیں کیا، کسی امت سے نہیں کیا، مسئلہ بالکل صاف ہے من یعمل سوءً یجزبہ۔

بس میرے بھائیو! آپ میں سے ایک ایک سے میری گذارش یہی ہے کہ اس دن کی فکر کرو، اس دن کی تیاری کرو جب اللہ کے سامنے پیشی ہوگی، اور ایک ایک عمل سامنے آئے گا۔ اپنے ماں باپ سے یہاں ہم نے چھپا کر بہت سے کام کیے، دوستوں سے چھپا کر کیے، بیویوں سے چھپا کر کیے، وہاں سب ہی کچھ سامنے آجائے گا — آج زمانے نے ترقی کرلی ہے — علم آگے بڑھ گیا ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے اخبارات میں پڑھا تھا کہ ٹریفک کو کنٹرول کرنے کا جدید طریقہ اب دہلی میں بھی موجود ہے۔ جس میں سڑک پر سامنے سپاہی نہیں ہوتا، کنٹرول روم میں ٹیلیویژن سامنے رکھا ہوتا ہے اور اس پر پوری سڑک کی نقل و حرکت صاف دکھائی دیتی ہے۔ جو قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے پختہ ثبوت کے ساتھ اس کی گرفتاری فوراً عمل میں آجاتی ہے۔

تو آج جب انسان کی عقل ایسی مشینوں کی صنعت تک پہنچ گئی ہے تو پھر کیا اللہ تعالیٰ ہماری ایک ایک حرکت کو قیامت میں ہماری آنکھوں کے سامنے نہیں لاسکتا؟ ہزار پردے اور ہزار دروازے اور ہزار رکاوٹیں اور ہزار اندھیرے اور اخفاء کی ہزار کوششیں اللہ کے علم کے سامنے حائل نہیں ہوسکتیں۔

بھائیو! زندہ دلی کا ثبوت دو اور سنگدلی اور مردہ دلی سے پناہ مانگو۔

ہمارے اسی شہر کا ماضی قریب کا واقعہ ہے: حضرت مولانا عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال کا واقعہ عجیب و غریب عبرت کا سامان رکھتا ہے۔ ایک بار ان کی مجلس میں ملک شام کے شہر حلب کے ایک شخص آ گئے، اور انھوں نے مولانا کی اجازت سے ایک قصیدہ سنایا، جو حضرت علی کی طرف منسوب ہے۔ اور اس کا مضمون بہت ہی موثر ہے۔ اس کے دو شعر یہ ہیں:-

لقد ضیعنا داراً تبقیٰ	واستوطنا داراً تفنیٰ

(ہم نے ہمیشہ رہنے والے گھر کو کھو دیا	اور ختم ہونے والے گھر کو بسا رکھا ہے)

کلٌ موتی کلٌ موتی	کلٌ دفنی کلٌ دفنی

(سب کو موت آنے والی ہے سب کو موت آنے والی ہے	سب دفن ہونے والے ہیں سب دفن ہونے والے ہیں)

مولانا عین القضاۃ رحمۃ اللہ علیہ نے اتنا سنا تھا کہ مولانا پر لرزہ طاری ہو گیا، اور آپ سجدہ میں گر گئے اور سجدہ ہی کی حالت میں روح پرواز کر گئی۔

میرے دوستو! ہم سب اس کے مریض ہیں، ہم موت کو بھولے ہوئے ہیں، ہم اس دنیا میں ایسے مست ہیں کہ آخرت سے غافل ہو گئے ہیں۔

میرے بھائیو! ہم سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول اور اپنا امام و مقتدا بنایا ہے۔ اور گویا ہم نے آپ سے بیعت کی ہے —— یہی عہد صحابہ نے کیا تھا، لیکن فرق یہ ہے کہ صحابہ نے عہد کو پورا کر دکھایا۔

جب جماعت سے نماز ہوتی ہے کچھ لوگ پہلی صف میں ہوتے ہیں، کچھ دوسری میں، کچھ تیسری میں یہاں تک کہ آخری صف میں کچھ لوگ ہوتے ہیں لیکن امام کی اقتدا جس طرح پہلی صف والوں کے لیے ضروری ہے اسی طرح آخری صف والوں کے لیے بھی ضروری ہے۔ صحابہ پہلی صف میں تھے، اور ہم آخری صفوں میں ہیں امام ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور پوری زندگی میں ہمیں ان کی اقتدا کرنی ہے —— ورنہ ہماری یہ زندگی اس مقتدی کی نماز کی طرح فاسد ہو جائے گی جو اپنے امام کی اقتدا نہ کرے۔

اب میں عرض کرتا ہوں کہ ہمیں، آپ کو اس غفلت کو دور کرنے کے لیے کیا کرنا چاہیے جس نے

ہیں بری طرح جکڑ رکھا ہے۔ سب سے پہلا کام تو یہ ہے کہ روزانہ صبح جب اٹھو تو اللہ تعالیٰ پر ایمان کو تازہ کرو، قیامت پر ایمان کو تازہ کرو حساب کتاب کا تصور کرو، یوں دھیان کرو کہ ایک وقت آئے گا جب میری موت ہوگی، مجھے تختہ پر لٹا کر نہلایا جائے گا، میرے کپڑے اتار لیے جائیں گے؟ مجھے کفن پہنا دیا جائے گا، میری نماز جنازہ پڑھی جائے گی، اور پھر لوگ مجھے گھر سے نکال کر دور قبرستان لے جائیں گے، اور مجھے ایک گڑھے میں ڈال کر لوگ مجھے تنہا چھوڑ کر چلے آئیں گے۔ اور وہاں میرے اعمال ہی میرے ساتھ ہوں گے، سوال جواب ہوگا ۔۔۔ ان سب حقیقتوں کا تصور کرو ۔۔۔ ان سے زیادہ سچی پکی اور یقینی حقیقتیں دنیا میں اور کچھ نہیں ۔۔۔

پھر تصور کرو کہ قیامت کا میدان قائم ہے۔ اور اللہ کے سامنے میری پیشی ہو لی ہے اس اللہ کے سامنے جو میری ایک ایک حرکت سے واقف ہے۔ اور پھر یہ دھیان کرنے کے بعد اللہ کی مغفرت ورحمت والی صفت کو دل میں تازہ کرو۔ یقین کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔ اور خود اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ جب بندہ سچے دل سے اپنے گناہوں کی معافی اللہ سے مانگتا ہے۔ آئندہ کے لیے گناہوں سے بچنے کا عہد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے۔

اس حقیقت کو یاد کرو، اور اب تعالیٰ سے خوب الحاح سے معافی مانگو، توبہ کرو، مغفرت ورحمت کا سوال کرو، گناہوں سے بچنے میں اللہ کی مدد مانگو، اپنی کمزوری اور عاجزی کا شکوہ کرو۔ جب اس طرح دل کے حضور سے دعا کرو گے تو اللہ تعالیٰ یقیناً تمہاری دعا قبول کرے گا، اور معافی کا فیصلہ کر دے گا اللہ تعالیٰ کبھی یہ نہیں کہتا کہ بندے اب تو اس قابل نہیں رہا۔ باپ پر تو بیٹے کی شرارتوں اور اذیتوں سے تنگ آکر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ کہہ دیتا ہے کہ اب میں تجھے معاف نہیں کر سکتا لیکن اللہ اپنے بندے سے یہ کبھی نہیں کہتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کو تو اپنے بندے کی توبہ سے بہت خوشی ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عجیب وغریب مثال دی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ پچھلے زمانے میں ایک شخص اونٹ پر ایک لمبے سفر پر نکلا، اسی اونٹ پر اس کی کل کائنات کھانے پینے کا

سامان تھا، ایک جگہ وہ درخت دیکھ کر اترا اور آرام کی غرض سے لیٹ گیا، آنکھ لگ گئی، پھر آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ اونٹ غائب ہے ــــــ اونٹ غائب ہونے کا مطلب تھا کہ اس کے پاس کھانے کے لیے ایک دانہ اور پینے کے لیے ایک قطرہ بھی نہ رہا۔ بہت تلاش کیا مگر کچھ پتہ نہ چلا، آخرکار وہ یہ سمجھ کر لیٹ گیا کہ میری موت یہیں مقدر ہے ــــ اب یہیں لیٹ جاؤں وقت آئے گا تو مر جاؤں گا۔ اس کی آنکھ لگ گئی، پھر آنکھ کھلی تو دیکھا کہ اونٹ پورے ساز وسامان کے ساتھ موجود ہے۔ اس کو اس قدر خوشی ہوئی کہ اس کی زبان بہک گئی اور پکار اٹھا، اللھم انت عبدی وانا ربك اے اللہ تو میرا بندہ اور میں تیرا مالک۔ وہ کہنا یہ چاہ رہا تھا کہ اللھم انت ربی وانا عبدك اے اللہ تو میرا مالک اور میں تیرا بندہ۔ آپ نے فرمایا کہ جتنی خوشی اس مسافر کو اپنے گم شدہ اونٹ کے ملنے پر ہوئی تھی اس سے زیادہ خوشی اللہ کو اس وقت ہوتی ہے جب اس کا کوئی گنہگار بندہ توبہ کرتا ہے۔ اور اس سے معافی چاہتا ہے۔ تو میرے بھائیو! ایک تو میں نے یہ بات کہی، اس کو روز صبح اٹھ کر اور سوتے وقت کا معمول بنا لو۔ اسی طرح کلمہ شریف لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو دھیان کے ساتھ بار بار دہراتے رہو۔ ایمان کپڑے کی طرح پرانا ہو جاتا ہے اسے لا الٰہ الا اللہ کے ورد کے ذریعہ تازہ کرتے رہو۔ اور صرف الفاظ کا زبانی ورد نہیں۔ لا الٰہ الا اللہ کے مفہوم اور اس کے معانی اور تقاضوں کا دل سے دھیان کرو۔ اس کا دھیان کرو کہ اللہ کے سوا کوئی ذات ایسی نہیں جس کی عبادت کی جائے جس کے سامنے جھکا جائے، جس کو راضی کرنے کی کوشش کی جائے، جس سے ضرورتیں مانگی جائیں کسی میں کچھ کر سکنے کی قدرت نہیں۔ نہ کسی ولی میں نہ کسی نبی میں، نہ کسی زندہ میں نہ کسی مردہ میں۔ ہمارے بہت سے بھائی بزرگوں سے یا ان کی قبروں سے اپنی حاجتیں مانگتے ہیں۔ یہ سب لا الٰہ الا اللہ کے بالکل خلاف ہے اور شرک ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا اعلان ہے کہ سب گناہ قابل معافی ہیں لیکن شرک قابل معافی نہیں۔ ؎

خدا فرما چکا قرآں کے اندر — مرے محتاج ہیں پیر و پیمبر
نہیں طاقت سوا اُس کے کسی میں — کہ کام آوے تمہاری بے بسی میں
خدا سے اور غیروں سے بھی کہنا — یہی ہے شرک یارو اس سے بچنا

پھر لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ اسی طرح "محمد رسول اللہ" کا بھی دھیان کرو، یہ دھیان کرو کہ صرف محمد رسول اللہ کی ذات ایسی ہے جس کے نقش قدم پر چل کر جس کے طور طریقوں کو اختیار کرکے اور جس کی غلامی کا راستہ اپنا کر ہم کامیاب ہو سکتے ہیں ہم انسان بن سکتے ہیں ——— حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے تعلق کو، اپنی نسبت کو تازہ کرو، اپنی زندگی کا آپ کی زندگی کی روشنی میں جائزہ لو ——— کہ دنیا کے ہر انسان کے لیے ایک ہی زندگی نمونہ ہے، اور ہر شعبہ میں ہر پہلو سے ایک ہی شخصیت نمونہ کی شخصیت ہے۔

اس کے بعد تین چیزوں کے بارے میں خاص طور سے کہتا ہوں۔ سب سے پہلے نماز ہے۔ عہد کرو کہ نماز نہیں چھوٹے گی۔ جماعت کی پابندی بھی ضروری ہے۔ نماز کے ساتھ زکوٰۃ جڑی ہوئی ہے۔ علماء سے پوچھو کہ کیا ہم پر زکوٰۃ فرض ہے؟ اور ہے تو کتنی، ایسا نہ ہو کہ تم پر زکوٰۃ فرض ہو اور تمھیں پتہ ہی نہ ہو۔ زکوٰۃ اور نماز بالکل برابر کے ہیں۔ اور جڑے ہوئے ہیں

تیسری چیز جو میں خصوصیت سے کہنا چاہتا ہوں وہ معاملات کی صفائی ہے ——— دین کا ایک حصہ وہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ مخلوق کا تعلق خالق کے ساتھ کیا ہو اور کیسے ہو؟ اور دوسرا حصہ وہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ مخلوق کا مخلوق سے تعلق کیا ہو، ہمارے آپس میں تعلقات کیسے ہوں، کس کا کیا حق ہے کس کا کیا درجہ اور مقام ہے۔ دین کا یہ حصہ بہت نازک ہے کسی کا حق تلف نہ ہو، کسی کا مال ہم ناحق نہ لیں، کسی کا دل نہ دکھائیں۔ دلوں میں حسد نہ ہو، غیبت سے چھٹکارا ملے۔ ہمارے دل جڑے ہوئے ہوں، ہم ہر ایک کا بھلا چاہیں اور اپنا حق چھوڑ کر دوسرے کو آگے بڑھائیں۔ ہمارے اخلاق اچھے ہوں، ہمارا وعدہ پکا ہو، اور زبان سے یا اپنے کسی عمل سے ہم اللہ کے کسی بندے کا دل نہ دکھائیں۔ یہ بہت ہی اہم چیز ہے، اور اللہ کا قرب دلانے والے اعمال میں سب سے اونچی ہے ——— لوگ اس حصہ کو دنیا سمجھتے ہیں دین نہیں۔ ـــ کہ یہ سب دین ہے ——— اور نجات کا دارومدار جیسے نماز پر ہے، روزہ اور زکوٰۃ پر ہے ویسے ہی اخلاق اور معاملات کی صفائی پر بھی ہے، بڑوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت کتنی ضروری چیز ہے اس کا اندازہ کرو اس بات سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لیس منا من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا، جو

چھوٹوں پر شفقت نہ کرے اور بڑوں کا ادب و احترام نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

آخر میں دل کے دو عملوں کے بارے میں اور کہتا ہوں، ایک عمل شکر، اور دوسرا استغفار، اللہ کی ایک ایک نعمت کو یاد کر کے اس کا شکر ادا کرنا روزمرہ کا معمول بنا لو اور اپنے ایک ایک گناہ کو یاد کر کے اللہ سے معافی مانگنا بھی روز کا معمول ہو جائے —— اگر یہ نصیب ہوا تو زندگی بن جائے گی اور بیڑا پار ہو جائے گا۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ نَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ إِلَيْكَ۔ (اس کے بعد طویل دعا پر خطاب ختم ہوا)
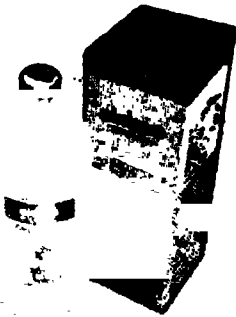
حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکیؒ کے اساتذہ

از مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی

(تیسری اور آخری قسط)

حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوری

سہارنپور کے انصاری خاندان میں جو اپنی دینی خدمات اور برگزیدہ شخصیات کی وجہ سے معروف ہے تقریباً ۱۲۲۵ھ/۱۸۱۰ء میں حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کی ولادت ہوئی۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے۔

مولانا احمد علی بن شیخ لطف اللہ معروف بیر تھو بن شیخ محمد جمیل معروف بہ شیخ جوہر بن محمد خلیل بن شیخ احمد بن شیخ محمد بن شیخ بدر الدین[1] بن شیخ صدر الدین بن شیخ الاسلام شیخ ابوسعید شیخ جوہر انصاری[2]

حضرت مولانا کی ابتدائی عمر لہو و لعب میں گزری۔ تعلیم کی طرف بالکل توجہ نہیں تھی کبوتر بازی وغیرہ تفریحات میں وقت گزرتا تھا کہ ایک روز مولانا سعادت علی فقیہ سہارنپوری نے ایک شخص کے ذریعہ چند الفاظ کے معانی اور ایک مسئلہ دریافت

---

[1] بعض نسب ناموں میں شیخ بدر الدین کا واسطہ ذکر نہیں کیا گیا ہے جو بظاہر صحیح نہیں ہے۔

[2] حضرت شیخ ابوسعید شیخ جوہر انصاری۔ قطب عالم حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی کے ممتاز خلفاء میں تھے۔ مکتوبات قدوسیہ کا چالیسواں مکتوب ان ہی کے نام ہے۔ مکتوبات قدوسیہ ص۶۰ (دہلی، ۱۲۹۰ھ) سراج النسب ص۹۶

کرایا۔ مولانا احمد علی اس وقت سولہ سترہ سال کے تھے اور کبوتر اڑانے میں مشغول تھے۔ قاصد نے آکر آواز دی اور حسب ہدایت سوالات کئے۔ مولانا احمد علی جواب نہیں دے سکے تو قاصد نے طنز کیا اور کہا ایسے برگزیدہ خاندان سے تعلق رکھتے ہو اور یہ حال ہے؟ ان الفاظ سے مولانا کے دل پر چوٹ لگی اور کبوتر وغیرہ اسی طرح چھوڑ کر گھر سے روپوش ہو کر نکل گئے۔ میرٹھ پہونچے۔ وہاں قرآن شریف حفظ کیا اور فارسی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ میرٹھ سے کاندھلہ پہونچے اور حضرت مفتی الٰہی بخش سے تعلیم حاصل کی۔ مفتی صاحب سے کس سنہ میں تلمذ ہوا اور کیا کتابیں پڑھیں اس کی تفصیل نہیں ملتی۔ صرف تذکرہ مفتی الٰہی بخش سے یہ مختصر سی اطلاع ملتی ہے کہ:۔

"ان حضرت نے اخیر عمر مفتی صاحب میں تحصیل شروع کی، اور حیات حضرت مفتی صاحب مرحوم میں افراغ تحصیل علوم سے حاصل نہیں ہوا تھا۔ اتمام علوم کا حضرت مولانا شاہ اسحاق صاحب سے فرمایا ہے" [۱]

حضرت مفتی صاحب کے وصال کے بعد دہلی چلے گئے تھے۔ وہاں طویل عرصہ تک قیام رہا اور مولانا مملوک العلی سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔ دہلی کب جانا ہوا اس کی صحیح تاریخ تو نہیں ملتی لیکن جب حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی سنہ ۵۰-۱۲۴۹ھ میں دہلی تعلیم حاصل کرنے کے لئے گئے تو اس وقت مولانا احمد علی دہلی ہی میں تھے اور غالباً مولانا مملوک العلی سے تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ حضرت مولانا مملوک العلی نے حضرت حاجی صاحب کا گلستاں کا سبق مولانا احمد علی کے سپرد فرمایا تھا [۲]

حضرت مولانا نے چند کتابیں مولانا سعادت علی سہارنپوری سے بھی پڑھیں اور صحیح

---

[۱] تذکرۂ مفتی الٰہی بخش مولفہ و مکتوبہ مولانا ریاض الحسن محمد سلیمان کاندھلوی متوفی سنہ ۱۳۲۵ھ ۱۹۰۸ء۔ یہاں یہ وضاحت مفید ہوگی کہ حالات مفتی الٰہی بخش شامل اختتام مثنوی مطبوعہ کان پور اسی کا فارسی ترجمہ ہے۔

[۲] شمائم امدادیہ صفحہ ۲۱ (لکھنؤ ۱۳۱۴ھ) امداد المشتاق صفحہ ۱۹۵ (تھانہ بھون ۱۳۰۹ھ)

بخاری کا اکثر حصہ مولانا وجیہ الدین صدیقی سہارنپوری[1] سے اخذ کیا۔

دہلی کے قیام میں حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی سے تلمذ و استفادہ کا موقع نہیں آسکا تھا کہ حضرت شاہ صاحب مکۂ مکرمہ ہجرت فرما گئے۔[2] اس شاخ طوبیٰ سے بلا واسطہ نسبت اور استفادہ حاصل کرنے کے لئے مولانا مملوک العلی کی رفاقت

---

[1] مولانا مفتی وجیہ الدین صدیقی سہارنپوری، سہارنپور کے خاندان قضاۃ سے تعلق رکھتے تھے۔ حضرت مفتی الٰہی بخش اور مولانا شاہ عبد الحئی بڈھانوی سے تعلیم حاصل کی وسیع النظر عالم اور اس دور کے ممتاز اہل فتویٰ میں تھے۔

ابتدا، میں حضرت شاہ اسمٰعیل شہید سے سخت اختلاف رکھتے تھے اور تقویۃ الایمان کی رد میں کئی رسالے لکھے تھے جن میں سے ایک رسالہ کا جواب مولانا محمد حسن رامپوری (خلیفہ حضرت سید احمد شہید) نے لکھا تھا (اس جواب کا ایک خطی نسخہ ہمارے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے) تقویۃ الایمان کے بعض مباحث کے متعلق مولانا وجیہ الدین کا مولانا عبد اللہ کاندھلوی شاگرد مفتی الٰہی بخش سے مناظرہ ہوا تھا جس میں مولانا عبد اللہ غالب آئے۔ اور مولانا وجیہ الدین نے شاہ اسمٰعیل کی مخالفت سے توبہ کی۔ (ارواح ثلٰثہ ص۲۰۷) اور حضرت سید احمد شہید سے بیعت ہوئے۔ حضرت سید صاحب کے قافلے کے ساتھ ۱۲۳۷ھ میں حج کی سعادت حاصل کی اور حج کے بعد بھی حضرت سید صاحب کے ہمراہ رہے۔

حضرت شاہ محمد اسحاق کے ہجرت فرمانے تک حیات تھے۔ ربیع الاول ۱۲۶۰ھ سے پہلے وفات پائی۔ صحیح تاریخ وفات اور مفصل حالات دستیاب نہیں ہیں۔

[2] حضرت شاہ صاحب کے سنہ ہجرت کے متعلق سخت غلط فہمی پائی جاتی ہے سر سید احمد خاں کے بیان سے سنہ ہجرت ۱۲۵۶ھ معلوم ہوتا ہے۔ آثار الصنادید ۴/۵۹ (لکھنؤ ۱۹۰۰) یہی سنہ مولوی بشیر الدین نے واقعات دار الحکومت میں نقل کیا ہے ۲/۱۶۶ (آگرہ ۱۹۱۹ء) بعد کے اکثر تذکرہ نگار اور مورخین بلا تحقیق اسی پہ اعتماد کرتے رہے ہیں اور مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے شاہ صاحب کا سنہ ہجرت

میں مکہ معظمہ کا سفر کیا اور ایک سال چند مہینے مکہ میں رہ کر شاہ محمد اسحاق سے صحاح ستہ کا درس لیا۔ اس سفر کے لئے مولانا مملوک العلی اور مولانا احمد علی ۲۶ رجب ۱۲۵۹ھ / ۲۴ اگست ۱۸۴۳ء بروز پنجشنبہ مکان مملوک (کوچہ چیلان) دہلی سے روانہ ہوئے[1] اور یکم ذی الحجہ ۱۲۵۹ھ / اواخر دسمبر ۱۸۴۳ء میں مکہ معظمہ پہونچے[2]

۱۸۴۷ء عیسوی بیان کیا ہے۔ حالات مولانا محمد قاسم ملا (بہاول پور ۱۲۹۷ء) مگر یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت شاہ صاحب نے سفر ہجرت ذی قعدہ ۱۲۵۸ھ دسمبر ۱۸۴۲ء میں شروع کیا میر ظہور علی نے تاریخ کہی۔

مولوی اسحاق صاحب باکمال	ترک خانہ کردہ سوئے کعبہ رفت
سال تاریخش چنیں گفتہ ظہور	یک ہزار و دو صد و پنجاہ و ہشت

۱۲۵۸ھ

دوسری تاریخ خواجہ احسن اللہ نے کہی۔

مولوی اسحاق صاحب فخر دیں	تھا منور شہر جن کے نام سے
کر گئے ہجرت مع اہل و عیال	سوئے کعبہ شوق کے احترام سے
سچ تو یوں ہے جو کہ احسن نے کہا	شہر خالی ہوگیا اسلام سے

رسالہ احکام العید بن نواب قطب الدین دہلوی ص ۱۲ (لکھنؤ ۱۲۹۰ھ)

اور یہی سند مولانا عبدالحئی حسنی نے نزہۃ الخواطر ۷/۵ (حیدرآباد ۱۳۸۰ھ) میں نقل کیا ہے۔

[1] از بیاض حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوری ورق ۲۹۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے مولانا مملوک العلی کا سفر حج ۱۲۵۸ھ میں ذکر کیا ہے۔ حالات مولانا محمد قاسم ملا یہی سند مولانا مناظر احسن گیلانی نے سوانح قاسمی ۲۱۷/۱ (دیوبند ۱۳۷۴ھ) میں جناب انوار الحسن صاحب شیرکوٹی نے انوار قاسمی ص ۲۳ (لاہور ۱۳۸۹ھ) میں نقل کیا ہے اور مولانا محمد قاسم نانوتوی پر لکھنے والے تمام اہل قلم یہی سند نقل کرتے رہے ہیں۔

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور حضرت شاہ محمد اسحاق کی خدمت میں نیاز حاصل کیا۔ اور حج کی سعادت پائی۔
لیکن حج کے فوراً بعد درس کا سلسلہ شروع ہوا۔ حضرت مولانا کا معمول یہ تھا کہ فجر سے ظہر تک حدیث کی کتابیں نقل فرمایا کرتے تھے۔ اور ظہر کے بعد سے حضرت شاہ صاحب کی مجلس درس میں حاضر رہتے تھے۔ اسی مجلس میں صحاح کی تکمیل کی صحیح بخاری۔ اور صحیح مسلم میں بعض حصہ کی قرأت اور بعض کی سماعت کی، سنن ترمذی کی تمام قرأت خود ہی کی۔ صحاح ستہ کی تکمیل کے بعد استاذ عالی مقام نے خدمت حدیث کی وصیت کی اور سند عطا فرمائی۔

حجاز سے کب واپسی ہوئی اس کی کوئی واضح شہادت نہیں ملی۔ تاہم حضرت مولانا کی بیاض میں رمضان ۱۲۶۲ھ/ اگست ستمبر ۱۸۴۶ء کے حسابات قرض وغیرہ کا اندراج ہے۔ جو سب دہلی کے اشخاص سے متعلق ہے۔ اس سے یہ قیاس کرنا غلط نہ ہوگا کہ رمضان سے کئی مہینہ پہلے سے دہلی میں قیام تھا۔

ہندوستان واپسی کے بعد دہلی میں مستقل قیام طے کیا۔ اور حدیث پاک کی کتابوں کی تصحیح و تحشیہ میں ہمہ تن مصروف ہوگئے۔ اور ان کی طباعت و اشاعت کے لئے ایک پریس خریدا۔ جو مطبع احمدی کے نام سے موسوم تھا۔ اس مطبع نے علم حدیث اور دوسرے فنون کی ناقابل فراموش خدمات انجام دیں۔ یہ مطبع خصوصاً حدیث کے بنیادی متون کے عمدہ اور صحیح نسخے شائع کرنے میں ممتاز و منفرد مقام رکھتا تھا۔ تفصیلات

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)
مگر یہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ گزشتہ سطور میں بیاض مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے حوالے سے گزر چکا ہے۔ یہ غلطی شاہ محمد اسحاق کا سنہ ہجرت ۱۲۵۷ھ قرار دینے کی وجہ سے ہوئی۔ صحیح یہ ہے کہ مولانا مملوک العلی نے ۱۲۵۹ھ میں سفر حج کیا، ۱۲۶۰ھ میں دہلی واپس لوٹے۔ اور محرم ۱۲۶۱ھ/ جنوری ۱۸۴۵ء میں مولانا محمد قاسم نانوتوی تعلیم حاصل کرنے کے لیے دہلی پہنچے۔

لہ اس سفر کی تفصیلات انشاء اللہ مولانا احمد علی کے مفصل تذکرہ میں پیش کی جائیں گی

آیندہ سطور میں آرہی ہیں۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء / رمضان ۱۲۷۳ھ تک حضرت مولانا دلی میں قیام پذیر رہے۔ اس دوران مولانا نے بہت سی کتابوں کی سخت محنت کے بعد تصحیح کی۔ اور ان کو اپنے پریس سے شائع کیا۔ کتابوں کی تصحیح اور اشاعت کے ساتھ ساتھ درس وتدریس کا سلسلہ بھی برابر جاری رہتا تھا۔

جنگ آزادی میں جب پوری دلّی زیر وزبر ہوئی۔ قدیم عمارتیں بازار اور محلے کے محلے نیست ونابود ہوگئے تو مولانا کا پریس اس افتاد سے کیسے محفوظ رہ سکتا تھا وہ بھی اس طوفان کی زد میں آکر تباہ وبرباد ہوا۔ پریس ختم ہوجانے کے بعد حضرت مولانا اپنے وطن سہارنپور آگئے۔ اور گھر پر درس حدیث کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا۔ تقریباً دو سال تک سہارنپور میں قیام رہا۔ اس کے بعد میرٹھ جاکر شیخ الٰہی بخش رئیس لال کرتی کے یہاں ملازم ہوگئے تھے۔

شیخ الٰہی بخش اور ان کے بھائی شیخ عبدالکریم[1] بہت بڑے تاجر اور ٹھیکیدار تھے پشاور سے کلکتہ تک تمام چھاؤنیوں میں ضروری سامان پہونچانے کا ٹھیکہ ان ہی کے پاس تھا۔ کلکتہ اور اس کے اطراف میں سامان پہونچانے کی ذمہ داری۔ اور ان نواح میں شیخ الٰہی بخش کے کاروبار کی نگرانی مولانا احمد علی کے سپرد ہوئی۔ اس ملازمت کے سلسلہ میں دس سال سے زیادہ عرصہ تک کلکتہ میں قیام رہا۔ درس حدیث کا سلسلہ وہاں

---

[1] شیخ الٰہی بخش اور شیخ عبدالکریم حقیقی بھائی اور شیخ مدار بخش کے صاحبزادے تھے۔ موضع اریل ضلع الہ آباد کے ایک نومسلم خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ شیخ مدار بخش الہ آباد سے ترک وطن کرکے میرٹھ آگئے تھے اور یہاں تجارت اور ٹھیکہ داری شروع کی۔ جسے بے حد ترقی ہوئی۔ شیخ الٰہی بخش نے ۱۴ رجب ۱۳۰۰ھ / ۲۱ رمئی ۱۸۸۲ء میں وفات پائی اور شیخ عبدالکریم کا ۹ رمضان المبارک ۱۳۲۳ھ / ۷ نومبر ۱۹۰۵ء کو انتقال ہوا۔ تفصیلات کے لئے رجوع فرمائیے صحیفۂ زرین ص۲۰ تا ص۲۱ جلد ۴۔ ۵ (اکتوبر ۱۹۰۲ء) وحیات بشیر از سید حبیب الرحمٰن (میرٹھ)

بھی جاری رہا۔ فجر سے ۹ بجے تک مسجد خیر الدین میں درس دیتے تھے اس کے بعد کاروباری معاملات دیکھتے تھے۔ اس ملازمت سے بقول علامہ شبلی نعمانی،

"مولانا احمد علی کو پانچ سو روپے ماہانہ کی آمدنی تھی" [۱]

اس ملازمت اور کلکتہ کے قیام کو دس بارہ سال ہو گئے تھے کہ حضرت مولانا حاجی عبد الکریم کی رفاقت میں حج کے لیے گئے۔ اس وقت حضرت حاجی امداد اللہ مکہ معظمہ میں قیام پذیر تھے اور وہ حضرت مولانا کے لئے اس ملازمت کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب کی خواہش تھی کہ حضرت مولانا یہ ملازمت ترک کر کے اپنے تمام اوقات درسِ حدیث میں صرف کریں۔ حضرت مولانا اور شیخ عبد الکریم کی حضرت حاجی صاحب سے ملاقات ہوئی تو حضرت حاجی صاحب نے حضرت مولانا کے سامنے اپنے اس خیال کا اظہار کیا۔ اور ارشاد فرمایا۔

"مولانا مملوک العلی نے میرا سبق گلستاں آپ کے سپرد کیا تھا اس وجہ سے آپ میرے اُستاد ہیں۔ مگر میں ایک بات عرض کروں گا اگر ناگوار نہ ہو۔ انھوں نے فرمایا میں آپ کو اپنا بزرگ جانتا ہوں جو فرمایئے بسر و چشم منظور ہے۔ میں نے کہا۔ آپ کا یہ منصب نہیں ہے کہ حافظ عبد الکریم وغیرہ آپ کو کام کا حکم دیں۔ بلکہ ان کو آپ کا محکوم ہونا چاہیئے لیکن نوکری میں بجز محکومی چارہ نہیں۔ اب آپ اپنے مکان پر درس احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمایا کریں" تاکہ خلق کو فیض ہو۔ مولانا نے قبول کر کے فرمایا آپ حرم محترم میں میرے لئے دعا فرمائیں۔" [۲]

حضرت مولانا نے حضرت حاجی صاحب کے اس مشورہ اور ہدایت پر عمل کیا اور حج کے بعد کلکتہ کی ملازمت ترک کر کے سہارنپور آگئے اور گھر پر درس حدیث کا سلسلہ

---

[۱] حیات شبلی علامہ سید سلیمان ندوی ص ۸۶ (اعظم گڑھ ۱۹۷۰ء)

[۲] شمائم امدادیہ ص (لکھنؤ ۱۳۱۴ھ) امداد المشتاق ص ۱۹۵، ۱۹۶

شروع کیا جس سے بہت فیض ہوا اور اس حلقہ درس نے حضرت حاجی صاحب کے الفاظ میں صدہا طلباء کو محدث بنا دیا۔

۱۲۹۱ھ / ۱۸۷۴ء میں کلکتہ سے سہارن پور واپسی ہوئی اس سے آٹھ سال پہلے رجب ۱۲۸۳ھ / نومبر ۱۸۶۶ء میں سہارن پور میں ایک مدرسہ قائم ہو چکا تھا (جس کا نام ۱۲۹۶ھ میں حضرت مولانا نے مدرسہ مظاہر علوم تجویز کیا تھا) اس مدرسہ کو شروع سے ہی حضرت مولانا کی سرپرستی اور تعاون حاصل تھا۔ حضرت مولانا اس کی کارکردگی اور تمام معاملات سے واقف رہتے تھے۔ اور سالانہ نقد امداد (جس کی تعداد سو روپے سے تین سو روپے سالانہ ہوتی تھی) کے علاوہ اہم درسی کتابوں کے عطیے اور طلباء کے لئے وظیفے اور کھانے کی شکل میں بھی برابر معاونت فرماتے رہتے تھے۔

حضرت مولانا کے سہارن پور میں قیام کرنے کے فیصلے سے قدرتی طور پر کارکنان مدرسہ مظاہر علوم کو سب سے زیادہ خوشی ہوئی۔ مدرسہ کی سنہ ۱۲۹۱ھ کی رُوداد میں حضرت مولانا کی سہارنپور تشریف آوری۔ اور سلسلۂ درس حدیث شروع کرنے کی اطلاع شائع کی گئی ہے جس سے اہل مدرسہ کے حضرت مولانا سے تعلق اور حضرت مولانا کے درس حدیث کی غیر معمولی اہمیت اور مقبولیت کا علم ہوتا ہے۔ مرتب رُوداد لکھتے ہیں۔

> طالب علموں وعلوم دینیہ کے شائقین کو مژدہ ہو کہ امسال مولوی احمد علی صاحب مد فیوضہ کلکتہ سے ترک تعلق کر کے سہارن پور میں مقیم ہیں غرض اصلی یہی ہے کہ جس قدر بن پڑے علوم دینی کے پڑھانے میں اوقات صرف کیجئے۔

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

چنانچہ طالب علم حدیث مسافت بعیدہ سے یہ مژدہ سُنکر فراہم ہو گئے اور کچھ مدرسہ مظاہر علوم کے طالب علم بھی ان سے پڑھتے ہیں۔ اکثر روز درسؔ

تدریس میں گزرتا ہے بلکہ رات کو بھی بعض طالب علم پڑھتے ہیں۔ اور ان کے سہارن پور کے قیام سے کتابوں کی مدد بھی طالب علموں کو بہت ملتی ہے۔
احسن اللہ فیضہم وافاض علی العالمین برکتہ۔ [1]

حضرت مولانا ایک سال تک گھر پر ہی پڑھاتے رہے۔ ۱۲۹۲ھ سے مدرسہ میں درس دینا شروع کیا۔ مدرسہ کی سالانہ رُوداد میں اس درس کے شروع ہونے کا بہت پُرمسرت الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ درس وفات تک جاری رہا۔ حضرت مولانا مدرسہ میں بھی درس دیتے تھے اور گھر پر بھی طلباء کی ایک بڑی جماعت موجود رہتی تھی۔ ان طلبا کو بھی مختلف کتابیں پڑھاتے تھے۔ مکان پر مقیم اکثر طلبہ کے تمام اخراجات حضرت مولانا ادا کرتے تھے۔ اور مدرسہ کے متعدد طلباء کے خرچ اور کتابوں کی ضروریات بھی پوری فرماتے تھے۔

اسباق فجر کی نماز سے عشا کے بعد تک جاری رہتے تھے۔ کوئی وقت فارغ نہیں تھا۔ گھر سے مدرسہ جاتے ہوئے اور واپسی میں بھی طلبہ ساتھ ہوتے تھے۔ اس دوران بھی سبق ہوتا رہتا تھا۔ اور اسی طرح شام کو عصر کے بعد گھوڑے پر تفریح کے لئے جانے کا معمول تھا۔ اس وقت بھی طلباء ساتھ ساتھ دوڑتے اور سبق پڑھتے رہتے تھے۔ حضرت مولانا کے اخلاص۔ خدمتِ حدیث کی لگن اور طلباء کی محنت اور شوق و ولولہ کی وجہ سے ہر سال متعدد کتابوں کے دو۔ دو تین تین مرتبہ پڑھانے کی نوبت آتی تھی۔ مظاہر علوم کی سالانہ رُوداد میں حضرت مولانا کی دوران سال پڑھائی ہوئی کتابوں کی تفصیل کئی مرتبہ شائع ہوئی۔ یہاں سنہ ۱۲۹۲ھ کی مقدار خواندگی نقل کی جاتی ہے۔

"صحیح مسلم تمام دوبار۔ سنن ابی داؤد مکرر۔ بخاری شریف تمام پھر گیارہ پارے۔ مشکوٰۃ شریف۔ نسائی ابن ماجہ۔ جامع ترمذی۔ موطا امام محمد

---

[1] رُوداد مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور ۱۲۹۱ھ ص ۳-۴

جامع صغیر. تفسیر جلالین ... کلام مجید. احیاء العلوم تک ربع. درمختار
ص۳۲ تک. شمائل ترمذی. مقدمہ ترمذی. شرح ملا ص۳۲ تک.
قدوری"[1]

مولانا سعادت علی فقیہ کی وفات ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء کے بعد سے مدرسہ کے لئے کسی مہتمم کا انتخاب نہیں ہوا تھا اور یہ عہدہ خالی تھا. حضرت مولانا کے سہارنپور تشریف لانے کے بعد مدرسہ کے جلسۂ عام میں اتفاق رائے سے حضرت مولانا کو مدرسہ کا مہتمم تجویز کیا گیا اور اس سال ۱۲۹۱ھ کی رُوداد پر بحیثیت مہتمم حضرت مولانا کا نام شائع ہوا۔

حضرت مولانا کا دارالعلوم دیوبند سے بھی خاص تعلق رہا ہے۔ دارالعلوم کے ابتدائی دور کے متعدد کارکنان اور اساتذہ حضرت مولانا سے شاگردی کی نسبت رکھتے تھے۔ اور دارالعلوم کی سب سے پہلی عمارت "نودرہ" کا سنگ بنیاد بھی حضرت مولانا کے ہاتھ سے رکھا گیا۔ رُوداد مدرسہ عربیہ (دارالعلوم) دیوبند میں اس تاریخی واقعہ کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔

"اول پتھر بنیاد کا جناب مولانا مولوی احمد علی صاحب نے اپنے دست مبارک سے رکھا۔ اور بعد میں جناب مولانا مولوی محمد قاسم صاحب و مولانا مولوی رشید احمد صاحب اور مولانا مولوی محمد مظہر نے ایک ایک اینٹ رکھی"[2]

حضرت مولانا کا سب سے بڑا کارنامہ جس کے لئے برصغیر ہند و پاک کے تمام اہل علم حضرت مولانا کے ممنون احسان ہیں. حدیث کی کتابوں کی تصحیح اور ان کی اشاعت ہے. حضرت مولانا نے صحیح بخاری. جامع ترمذی اور مشکوٰۃ المصابیح پر حاشیے لکھے اور ان کی تصحیح کی. صحیح مسلم کی بھی تصحیح کی۔ اور پہلی بار شرح نووی کے ساتھ شائع کی. سنن ابی داؤد

---

[1] رُوداد مدرسۂ مظاہر علوم سہارنپور سنہ ۱۲۹۲ھ ص۵
[2] سوانح قاسمی. مولانا مناظر احسن گیلانی ۳۲۵/۲ (دیوبند ۱۳۷۵ھ)

کے کئی نسخے سامنے رکھ کر صحیح نسخہ تیار کیا جسے مولانا کے خاص شاگرد مولانا محمد حسین نقیر دہلوی نے بہت اہتمام سے شائع کیا۔

اس عقد ثریا کا گوہر شب تاب حاشیہ صحیح بخاری ہے۔ حضرت مولانا نے اس کی تصحیح اور حاشیہ لکھنے میں غیر معمولی کاوش و کوشش فرمائی۔ متعدد ممتاز علماء سے اس میں مدد لی اور خود بھی دس سال سے زیادہ عرصہ تک اسی صورت میں مصروف رہے۔

اس بیش بہا تاریخی نسخے کی پہلی طباعت[۱] سید عبدالغفور (برادر سید احمد خاں) کے مطبع سید الاخبار میں ۱۸ جمادی الآخر ۱۲۶۴ھ/ ۲۳ مئی ۱۸۴۸ء کو شروع ہوئی اس پریس میں صرف ایک سو چوراسی صفحات چھپے تھے کہ مولانا نے طباعت کا کام اپنے مطبع احمدی میں منتقل کر لیا۔ ص۱۸۵ سے آخر تک دونوں جلدیں مطبع احمدی ہی سے شائع ہوئیں جلد اول کی طباعت ۲۷ رجب ۱۲۶۷ھ/ ۱۵ مئی ۱۸۵۱ء کو اختتام پذیر ہوئی۔ اور دوسری جلد کی اشاعت ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۴ء میں تکمیل کو پہونچی۔ اس ایڈیشن[۲] کے کل تین سو پچیس نسخے شائع ہوئے اور فی نسخہ بارہ روپے لاگت آئی ہے۔ اس طباعت کا دوسرا ایڈیشن مطبع عبدالغفور دہلی سے محرم ۱۲۷۲ھ/ ستمبر اکتوبر ۱۸۵۵ء میں شائع ہوا۔

---

[۱] عام طور پر خیال ہے کہ ہندوستان میں حدیث کی کتابیں سب سے پہلے حضرت مولانا احمد علی نے طبع کرائیں۔ اس سے پہلے یہاں حدیث کی کتابوں کی اشاعت نہیں ہوتی تھی۔ مگر یہ خیال درست نہیں ہے۔

راقم سطور کی معلومات کے مطابق ہندوستان میں حدیث کی کتابوں میں سب سے پہلے ۱۲۵۸ھ/ ۱۸۴۲ء میں مطبع سلطانی قلعۂ معلیٰ دہلی سے سنن نسائی شائع ہوئی اس کا ایک نسخہ ہمارے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے۔ سنن نسائی کے بعد ۱۲۶۲ھ میں موطا امام محمد شائع ہوئی۔ یہ نسخہ بھی راقم کی نظر سے گزرا ہے مگر اس وقت سامنے نہیں ہے۔ اس کے بعد ۱۲۶۵ھ میں کلکتہ سے صحیح مسلم شائع ہوئی۔ اس اشاعت کا بھی ایک نسخہ ناچیز نے دیکھا ہے۔ اور "کتفاء القنوع بما هو مطبوع ص۱۲۶ (مصر ۱۳۱۳ھ) میں بھی اس کا ذکر ہے۔

[۲] یہ معلومات حضرت مولانا کی بیاض اور ان ایڈیشنوں کو سامنے رکھکر اخذ کی گئی ہیں۔

اس طباعت کے بعد بھی حضرت مولانا نے صحیح بخاری کی تصحیح اور اس پر نظر ثانی کا کام جاری رکھا۔ پچھلے ایڈیشن میں جو غلطیاں رہ گئی تھیں اُن کی موقع پر تصحیح کی گئی اور حواشی میں بھی کسی قدر اضافہ ہوا۔ سب سے اہم اضافہ رجال کے انساب اور کُنیٰ کا ہوا۔ اس نسخہ کی ۱۲۸۲ھ/ ۱۸۶۵ء میں طباعت شروع ہوئی اور ۱۲۸۴ھ/ ۱۸۶۷ء میں پوری ہوئی۔

صحیح بخاری کی پہلی اشاعت کے خاتمۃ الطبع میں حضرت مولانا نے صحیح مسلم کی طباعت شروع کرنے کا ذکر کیا ہے۔ غالب گمان ہے کہ ایک دو سال میں اس کی طباعت مکمل ہو گئی ہوگی، یہ ایڈیشن طباعت کے بعد جلد ہی ناپید ہو گیا تھا، اور اس وقت تک راقم السطور کو اس کے کسی نسخہ کا سراغ نہیں ملا، اس ایڈیشن کے فروخت ہو جانے کے بعد صحیح مسلم کا دوسرا ایڈیشن مولانا محمد حسین فقیر اور شیخ ظفر علی کے اہتمام سے مطبع افضل المطابع شاہدرہ دہلی سے شائع ہوا۔

تیسری اہم کتاب جس پر حضرت مولانا نے حاشیہ لکھا اور اس کی تصحیح کی جامع ترمذی ہے جامع ترمذی کا پہلا ایڈیشن حضرت مولانا کی تصحیح اور حاشیہ کے ساتھ ۱۲۶۵ھ/ ۱۸۴۹ء میں مطبع العلوم دہلی سے اشرف علی واسطی کے اہتمام سے شائع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن رمضان ۱۲۸۲ھ/ جنوری فروری ۱۸۶۶ء میں مطبع احمدی میں چھپنا شروع ہوا، اور رجب ۱۲۸۳ھ/ نومبر ۱۸۶۶ء میں پورا ہوا۔

متون حدیث کی ان اہم کتابوں کے علاوہ حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح پر بھی حاشیہ لکھا اور اپنے مطبع سے شائع کرایا مگر حضرت مولانا کو ہمیشہ اس کا افسوس رہا کہ مشکوٰۃ کی پوری خدمت نہیں ہو سکی۔

مشکوٰۃ کا پہلا اڈیشن کب شائع ہوا اور اس کی کیا اہمیت تھی؟ افسوس ہے اس کی تفصیل حاصل نہیں ہو سکی، دوسرا ایڈیشن مطبع احمدی سے ۱۲۷۲ھ میں شائع ہوا اس ایڈیشن کے متعلق یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس کو مفت تقسیم کرنے کے لئے شائع کیا گیا تھا، اس نسخہ کی پہلی جلد کے ٹائٹیل اور پہلے صفحہ پر جلی قلم سے الوقف للہ الکریم اور دوسری جلد کے اکثر صفحات پر "الوقف" چھپا ہوا ہے۔

حدیث کی کتابوں کی اس جلیل القدر خدمت کے علاوہ مولانا کے متعدد مطبوعہ فتاوی اور ایک تالیف بھی یادگار رہے۔ یہاں صرف تالیف "الدلیل القوی علی ترک قراۃ المقتدی"

کا ذکر کیا جاتا ہے۔

یہ کتاب قراءۃ خلف الامام کے موضوع پر مولوی محمد شاہ لدھیانوی کے اصرار پر تالیف فرمائی ہے۔ اس میں نہایت متین اور علمی انداز سے فارسی زبان میں قراءۃ خلف الامام کے متعلق علمائے حنفیہ کا نقطۂ نظر واضح کیا گیا ہے۔ پیش نظر نسخہ شعبان ۱۲۷۰ھ/مئی ۱۸۵۴ء میں مطبع احمدی دہلی سے شائع ہوا ہے۔ یہ رسالہ اس کے بعد کم از کم ایک مرتبہ اور چھپا ہے۔

بعض احباب کے اصرار پر خود حضرت مولانا نے اس رسالہ کا اُردو ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ بھی اسی نام "الدلیل القوی علی ترک قراءۃ المقتدی" سے رجب ۱۲۹۵ ہجری جولائی ۱۸۷۸ء میں مطبع رحیمی واقع سرائے نواب علی محمد خاں (۹) سے شائع ہوا۔

حضرت مولانا نے ان درسی اور تصنیفی خدمات کے ساتھ ہی مسلمانوں کی اصلاح اور معاشرہ کی درستی کے لئے بھی مسلسل جد وجہد کی۔ خصوصاً بدعات کی بیخ کنی۔ اور بیواؤں کا نکاح نہ کرنے کی مشرکانہ رسم کو ختم کرانے کے لئے بہت کوشش کی۔ ان موضوعات پر فتاویٰ لکھے۔ انھیں شائع کرایا۔ اور مختلف علاقوں کے سفر کرکے وعظ و نصیحت کے ذریعہ عوام کو بدعات و رسومات کی برائی اور ان کے نقصانات سے آگاہ کیا۔ اور صحیح اسلامی طریقہ اور سادہ چلن پر زور دیا

حضرت مولانا کے معاصرین میں شاید ہی کسی اُستاذ و محدث کو اتنی بڑی تعداد میں ایسے منتخب اور بلند مرتبہ شاگرد میسر آئے ہوں جیسے حضرت مولانا کو ملے۔ حضرت مولانا کے تلامذہ کی فہرست خاصی طویل ہے۔ تقریباً ساٹھ شاگردوں کے نام اس وقت ہمارے سامنے ہیں۔ اس فہرست میں سے صرف چند نام ذکر کئے جاتے ہیں۔ حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ مولانا محمد یعقوب نانوتوی مولانا محمد مظہر نانوتوی۔ مولانا عبداللہ انصاری انبہٹوی۔ مولانا احمد حسن امروہوی۔ مولانا عبدالعلی میرٹھی۔ مولانا محمد علی مونگیری (بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ) علامہ شبلی نعمانی۔ اور حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی۔ حضرت حاجی صاحب نے حضرت مولانا سے گلستان

پڑھی۔ تفصیلات گزشتہ سطور میں گزر گئی ہیں۔

حضرت مولاناؒ ۱۲۹۷ھ کے شروع میں مرض فالج میں مبتلا ہوئے۔ اور اسی مرض میں ۶ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ/ اپریل ۱۸۸۰ء شنبہ کے روز سہارن پور میں وفات پائی۔ نساخ نے تاریخ کہی۔

چوں آں احمد علی نیک باطن — بسوئے خلد زیں دار الفنا رفت
برائے سال ترحیلش بہ نساخ — ملک گفتا ز دنیا مقتدا رفت[1]

---

[1] تلامیذ غالب۔ جناب مالک رام ص۱۳۵ (مکتبہ ۱۹۵۸ء)

نوٹ:۔ از نور الحسن راشد۔ اس مضمون میں حضرت مولانا کی سوانح کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ناچیز کو احساس ہے کہ اس میں بہت سی باتیں تشنہ اور وضاحت طلب رہ گئی ہیں۔ ان کی توضیح و تفصیل کے لئے حضرت مولانا کی مفصل سوانح کا انتظار فرمایئے جو ان شاء اللہ عنقریب پیش کی جائے گی۔

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

آثار شیخ الہندؒ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن محدث دیوبندیؒ کی ذات و الاصفات تعارف سے مستغنی ہے۔ آپ کی حیات مبارکہ پر متعدد کتابیں اور رسائل لکھے جا چکے ہیں، جس سے آپکی دینی و ملی، تعلیمی اور روحانی خدمات کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ ان میں سے چند مشہور کتابیں حسب ذیل ہیں:

(۱) سفر نامہ اسیر مالٹا — مؤلفہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ
(۲) حیات شیخ الہند — مؤلفہ مولانا سید اصغر حسین صاحب محدث دیوبندیؒ
(۳) تذکرہ شیخ الہند — مؤلفہ مفتی عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری
(۴) شیخ الہند مولانا محمود حسن — مؤلفہ ڈاکٹر اقبال حسن خاں استاذ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ
(۵) اسیران مالٹا — مؤلفہ مولانا سید محمد میاں دیوبندی مرحوم
(۶) تحریک شیخ الہندؒ — مرتبہ مولانا سید محمد میاں دیوبندی مرحوم
(۷) ذکر محمود — مؤلفہ حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانویؒ

علاوہ ازیں نقش حیات مؤلفہ شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، علماء حق مؤلفہ مولانا سید محمد میاںؒ، مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی ڈائری اور خلافت و جمعیۃ کی طرف سے شائع ہونے والے خطبات و رسائل میں بھی آپ کے سیاسی اور مذہبی کارناموں کا پتا چلتا ہے — قاضی محمد عدیل عباسی کی تالیف تحریک خلافت میں بھی حضرت شیخ الہندؒ کا ذکر خیر کئی جگہ آیا ہے جس سے حضرتؒ کی بلند نظری، دل سوزی نیز اسلام دوستی اور انسانیت نوازی کا پورا پورا ثبوت ملتا ہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے اب بھی بہت سے گوشے

تقاضا کر رہے ہیں کہ ان پر روشنی ڈالی جائے۔ حضرت والا کے مکتوب بھی بہت کم مرتب ہو سکے ہیں اور ابھی وقت ہے کہ ہندو بیرون ہند میں حضرتؒ کی جتنی بھی تحریریں ہیں، خصوصًا مالٹا سے روانہ کیے ہوئے گرامی نامے تلاش و جستجو سے حاصل کیے جائیں۔

میں اس وقت حضرت شیخ الہندؒ کے چھ مکتوبات ہدیہ ناظرین کر رہا ہوں۔ یہ مکتوبات مجھے حکیم محمد عمر صاحب مرادآبادی زید مجدہم نبیرۂ حکیم محمد صدیق صاحب قاسمی مرادآبادی سے ملے ہیں۔ تھوڑی سی تشریح و توضیح اور فٹ نوٹ کے ساتھ ان خطوط کی اشاعت کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ ان خطوط کو پیش کرنے سے پہلے مناسب خیال کرتا ہوں کہ حضرتؒ کے سفر حجاز اور اسارت مالٹا کے چیدہ چیدہ واقعات تحریر کر دیے جائیں۔

حضرت شیخ الہندؒ نے ۱۳۳۳ھ میں زیارت حرمین شریفین کا ارادہ کیا لیکن اس خیال سے کہ اگر آپ کے شاگردوں اور عقیدت مندوں کو اس سفر کی اطلاع ہو گئی تو ہزارہا آدمی زیارت اور خدمت کے لیے حاضر ہوں گے اور ان کی یہ تکلیف آپ کو گوارا نہ تھی، اس لیے آپ نے چند خاص لوگوں کے سوا کسی پر اپنا یہ ارادہ ظاہر نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ روانگی میں بہت تھوڑے دن باقی رہ گئے، اور لوگوں کو کسی نہ کسی طرح خبر ہونے لگی۔ جس کو خبر ہوتی وہ دیوبند حاضر ہوتا۔ تقریبًا روانگی سے ایک ہفتہ پیشتر روزانہ مکان پر سو پچاس مہمانوں کا ہجوم ہونے لگا، اور عین روانگی کے دن سیکڑوں آدمی دیوبند اور دہلی کے درمیانی اسٹیشنوں پر بھی آکر ملنے گئے۔ دہلی کے اسٹیشن پر ایک بڑا مجمع ساتھ تھا۔ اسی درمیان میں نہ معلوم کس نے اور کس طرح یہ شہرت اڑا دی کہ مولانا ہجرت کر کے تشریف لیے جا رہے ہیں۔ اس خیال سے بہت سے خادم بے چین ہو گئے اور حضرت سے دریافت کیا کہ کیا حضور والا ہجرت کی نیت سے تشریف لیے جا رہے ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ نہیں بھائی میں نے ہجرت کی نیت نہیں کی ہے۔ ہاں ایک سرسری خیال دل میں ہے کہ اگر خدا نے چاہا تو کچھ عرصہ تک خانۂ خدا کی جاروب کشی اور روضۂ مطہرہ کی خاک بوسی سے مشرف رہوں۔ لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس ارادے اور خیال سے کب تک قیام کروں گا کیوں کہ مستقبل میں آب و ہوا کی موافقت یا مخالفت، اسباب کی مساعدت یا نامساعدت کا علم کسی کو نہیں، خدا جانے کیا ہو۔

سفر حجاز میں مولانا عزیر گل صاحبؒ، مولانا حاجی خان محمد صاحب، سید ہادی حسن خان صاحب خان جہاں پوری اور مولانا وحید احمدؒ برادر زادہ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ ساتھ تھے۔ دہلی سے روانگی کے بعد آپ نے ایک شب و روز زرتلام میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد سورت

لہ آپ کا آبائی وطن زیارت کاکا صاحب ضلع پشاور تھا۔ والد ماجد ڈرگئی میں رہتے تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے وطن کے اساتذہ سے حاصل کی، پھر دیوبند آ گئے اور دار العلوم کے طالب علم بنے اور حضرت شیخ الہندؒ کے خادم خاص بن گئے۔

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ "سفرنامہ اسیر مالٹا" میں آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"مولانا عزیر گل صاحب حضرت شیخ الہند کے خادم خاص ہیں۔ (تحریک آزادی) کے مشن کے ابتداء سے ممبر رہے اور نہایت مہتم بالشان اور خطرناک کاموں کو انجام دیتے رہے۔ صوبہ سرحد اور آزاد علاقہ (یاغستان) میں سفارت کی خدمات عظیم انھوں نے انجام دیں۔ عموماً شیخ الہند ان کو پہاڑی علاقوں میں اپنے ہم خیال اور ہم نوا لوگوں کو پاس بھیجا کرتے تھے۔ دشوار گذار اور خطرناک راستوں کو قطع کر کے نہایت رازداری اور ہمت و استقلال کے ساتھ بار بار آتے جاتے رہے۔ پہاڑی علاقوں اور ہولناک جنگلوں کو رات دن پیدل قطع کرتے رہے۔ حاجی ترنگ زئی اور علماء سرحد و یاغستان اور دیگر خوانین کو آپ نے مشن کا ممبر بنایا۔ ان کے پاس پیغام اور خطوط پہونچانا ان کو ہموار کرنا، ان کا اور مولانا عبید اللہ (سندھی) صاحب مرحوم کا فریضہ تھا جن کو ان دونوں حضرات نے اوقات مختلفہ میں انجام دیا۔ باوجودیکہ سی آئی ڈی ان کے پیچھے لگی رہی مگر انھوں نے کبھی اس کو پتا چلنے نہیں دیا۔

مالٹا سے واپس آکر آستانہ شیخ الہند پر مقیم ہو گئے۔ دیوبند کی خلافت کمیٹی کے صدر ہوئے بعدہٗ مدرسہ رحمانیہ رڑکی میں صدر مدرس منتخب ہوئے۔ رڑکی میں تقسیم ہند سے ۲ سال پہلے تک مقیم رہے۔

عبدالرحمٰن نامی ایک شخص نے "تحریک ریشمی رومال" کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جس میں مولانا عزیر گل کو جاسوس لکھا ہے۔ یہ سراسر بہتان اور ناخدا ترسانہ افترا ہے۔ اسیران مالٹا میں سے فقط مولانا عزیر گل اب تک حیات ہیں۔

لہ مولانا وحید احمد مدنی ابن مولانا سید صدیق احمد مدنی فیض آبادی مہاجر مدینہ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے برادر زادے تھے۔ آپ بھی اسیران مالٹا میں سے ایک نوجوان اسیر تھے۔ مولانا سید محمد میاں رقم طراز ہیں "حافظہ قوی تھا۔ مالٹا میں اور مالٹا کے علاوہ جن ساتھیوں کے ساتھ رہنا ہوا ان کی زبان سیکھ لی۔ عربی اور اردو مادری زبانیں تھیں، فارسی اور انگریزی سبقاً حاصل کیں۔ ترکی، فرانسیسی مالٹا کے مصاحبین سے پشتو، بنگلہ اور کچھ دوسری زبانیں احباب

(باقی اگلے صفحہ پر)

اور اس کے اطراف میں قیام فرماکر بمبئی پہونچے۔ مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب چاند پوری، مولانا مفتی محمد سہول صاحب بھاگل پوری، مولانا مطلوب الرحمٰن صاحب دیوبندی، مولانا محمد میاں صاحب عرف منصور میاں نواسہ حضرت نانوتوی بھی بارادۂ حج بیت اللہ بمبئی پہونچ گئے تھے۔ تمام قافلہ بمبئی سے حج کے لیے روانہ ہوا اور مکہ معظمہ پہونچا۔ حج سے فراغت کے بعد یہ قافلہ مدینہ منورہ پہونچ گیا۔ غالباً شعبان ۱۳۳۴ھ میں شریف مکہ نے سلطان المعظم سے بغاوت کی اور مکہ معظمہ کے اطراف میں لڑائی شروع ہوگئی۔ حضرت شیخ الہند کو ہندوستان چھوڑے ہوئے ایک سال گذر گیا تھا۔ سال بھر کے بعد جب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری ہندوستان لوٹے تو نینی تال میں ان کو نظر بند کردیا گیا اور وہاں ان سے بیانات لیے گئے۔ ان کے علاوہ مولانا مسعود احمد صاحب جو حضرت شیخ الہند کے داماد اور بھانجے تھے الٰہ آباد بھیج دیے گئے۔ وہاں ان کو ایک مہینہ تک روکا گیا اور ان سے بیان لیا گیا۔ مولانا حافظ محمد جلیل صاحب کیرانوی کو دیوبند سے پولیس افسر آکر لے گیا اور ان سے بیان لیا گیا۔ ان کے علاوہ حکیم عبدالرزاق صاحب انصاری (عرف حکیم نابینا) مولانا محمد شفیع صاحب مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی (داماد حضرت شیخ الہندؒ) مولانا حکیم محمد حسن صاحب (برادر حقیقی شیخ الہند) مولانا محمد محسن صاحب (برادر حقیقی) مولانا ظہور محمد صاحب مدرس مدرسہ رڑکی ضلع سہارنپور، مولانا محمد حسین صاحب (رانڈیر) حافظ امداد حسین صاحب (رڑکی)، حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قائم مقام صدر مدرس، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی مدرس دارالعلوم، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوری، مولانا نواب محی الدین احمد خاں فاروقی مراد آبادی قاضی بھوپال سے بھی بیانات لیے گئے ——

حضرت مولانا کی اہلیہ محترمہ اور صاحبزادیوں کے بیانات بھی ایک افسر نے شیخ الہند کے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) کی مجلسوں میں۔ اس طرح ہفت زبان نہیں بلکہ شاید ۷ زبان ہو گئے تھے۔ مالٹا سے واپس ہو کر ہندوستان کی سکونت اختیار کرلی۔ رسالہ "جمیل مظفر نگر" کے مدیر رہے۔ دارالعلوم دیوبند میں معین مدرس ہوئے۔ تحریک آزادی ہند میں پورا پورا حصہ لیتے رہے۔ آخر میں مدرسہ عزیزیہ بہار کے صدر مدرس ہوئے۔ اپنے آبائی وطن ٹانڈہ ضلع فیض آباد میں ۸۴ سال کی عمر میں ۱۹۳۶ء میں انتقال ہوا۔ (اسیران مالٹا صفحہ ۳۰۶)

ـحاضر ہو کر لیے۔ اس سلسلہ میں جن حضرات کی خانہ تلاشی لی گئی وہ یہ ہیں:۔ حکیم عبدالرزاق
ـدہلی، حاجی احمد مرزا فوٹو گرافر دہلی، سید نورالحسن صاحب رئیس رتھیڑی ضلع مظفر نگر
ـالحسن صاحب خان جہان پور ضلع مظفر نگر، مولانا محمد حسین صاحب راندیری، مولانا احمد اللہ
ـپانی پتی (جن کو نظر بند بھی کر دیا گیا تھا)۔ مولانا عبدالحنان صاحب کی بھی خانہ
ـوئی اور بیان لے کر نظر بند رکھا گیا۔ ادھر نظر بندی اور اظہار و بیان کا سلسلہ جاری
ـھر شریف مکہ کو انگریزوں نے آلہ کار بنا کر حضرت شیخ الہندؒ کو مع ہمراہیان گرفتاری کا
ـور جدہ بلا لیا۔ حضرت مولانا کی گرفتاری کے بعد مکہ کے تمام مسلمان بے چین ہو گئے اور
ـلمانوں کا ایک وفد شریف مکہ کے پاس پہونچا کہ مولانا کو کیوں گرفتار کیا جا رہا ہے؟
ـمکہ نے جواب میں کہا کہ مولانا کو انگریز گورنمنٹ نے طلب کیا ہے اور وہ اسی کی رعایا ہیں
ـہم ان کو گورنمنٹ انگریزی کے حوالے کیے دیتے ہیں۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ مکہ معظمہ کی
ـیں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے کہ کسی با اختیار مسلمان حاکم نے مکہ معظمہ سے کسی کو گرفتار کر کے
ـسلم حکومت کے حوالے کیا ہو۔ اگر آپ نے ایسا کیا تو تاریخ عرب کے اوراق میں قیامت
ـم غداوندی کی توہین آپ کی طرف منسوب رہے گی۔

حضرت شیخ الہندؒ کو گرفتار کر کے مع ہمراہیان جدہ بھیجا گیا اور وہاں سے قاہرہ (مصر)
ـدیے گئے۔ اور قاہرہ سے جزیرہ مالٹا (یورپ) میں جنگی قیدیوں کے کیمپ میں رکھے گئے۔
ـے جو خطوط آپ بھیجتے تھے ان پر سینسر کی مہر ضرور ہوتی تھی، اور خط روانگی سے ۲۰۔ ۲۵ دن
ـہندوستان پہونچتا تھا۔ اسم گرامی کے ساتھ حضرت مولانا نمبر ۲۲۱۹ تحریر فرماتے تھے جو اسیری
ـا۔

ـحضرت شیخ الہندؒ کی گرفتاری صفر ۱۳۳۵ھ میں ہوئی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان کے حجاج
ـچکے تھے۔ قاہرہ سے خط آنے کے بعد گرفتاری کی خبر بجلی کی طرح پھیل گئی اور عوام و
ـاب بے چینی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ چنانچہ اخبارات میں مضامین کا سلسلہ شروع ہوا اور
ـت، مطالبات غرض مختلف قسم کے مضامین شائع ہوئے۔ خاص طور پر مندرجہ ذیل
ـنے اس بارہ میں مضامین لکھے۔ صداقت کلکتہ، جمہور کلکتہ، نئی روشنی الہ آباد، مساوات ـ

مشرق گورکھپور، ہمدم لکھنؤ، مدینہ بجنور، الخلیل بجنور، خطیب دہلی، الصباح لاہور۔
(ماخوذ از مختصر سوانح شیخ الہندؒ و حالات اسیری)
شائع کردہ انجمن نظر بندان اسلام، دہلی

سید محبوب رضوی مرحوم مولف تاریخ دارالعلوم دیوبند نے شیخ الہند کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کا اقتباس مندرجہ ذیل ہے۔

"۱۳۳۴ھ کا پورا سال حرمین شریفین میں گزرا۔ اوائل ۱۳۳۵ھ میں واپسی متوقع تھی کہ اچانک معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہندؒ کو برطانوی گورنمنٹ نے شریف حسین کے ذریعہ گرفتار کروا کر اولاً قاہرہ اور پھر مالٹا بھیج دیا۔ اس افسوس ناک حادثہ سے ہندوستان کے مسلمانوں اور دارالعلوم اور حضرت کے متوسلین کو خصوصاً قلق و اضطراب ہونا لازمی تھا۔ دارالعلوم اور مسلمانوں کی جانب سے حضرت کی رہائی کے لیے ہر ممکن سعی کی گئی اور کوئی موثر طریقہ اٹھا نہیں رکھا گیا۔ مگر بے نتیجہ رہا۔ ۲۰ نومبر ۱۹۱۷ء کو علمائے دارالعلوم دیوبند کا ایک مقتدر وفد بسر کردگی حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، صوبہ متحدہ کے گورنر سے ملا اور تحریری عرضداشت پیش کی، مگر سوائے زبانی اظہار ہمدردی کے آخر تک کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ حضرت شیخ الہندؒ کو مالٹا میں جنگی قیدیوں کے ساتھ سوا تین سال تک نظر بند رکھا گیا حضرتؒ کی گرفتاری کا سبب ان کا وہ جنگی منصوبہ تھا جو انھوں نے ہندوستان سے برطانوی حکومت کو ختم کرنے کے لیے بنایا تھا۔ یہ ایک منظم منصوبہ تھا جس کی شاخیں ہندوستان سے باہر تک پھیلی ہوئی تھیں۔ منصوبہ یہ تھا کہ جرمنی ترکی اور افغانستان سے مدد لے کر ہندوستان کی شمالی مغربی سرحد پر آزاد قبائل کے ذریعہ سے انگریزوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی جائے اور اس کے ساتھ ہندوستان میں عام بغاوت برپا کرا دی جائے۔ اس وقت میں چونکہ برطانیہ کی ساری فوجی طاقت جرمنی اور ترکی کے مقابلہ میں مصروف جنگ تھی اس لیے بیرونی حملے اور اندرونی بغاوت پر انگریزوں کے لیے قابو پانا مشکل ہو جائے گا اور انھیں ہندوستان چھوڑ دینے پر مجبور ہونا پڑے گا۔

۲۲ جمادی الآخر ۱۳۳۸ھ کو حضرت شیخ الہندؒ اپنے رفقاء کے ساتھ فوجی نگرانی میں مالٹا سے ہندوستان کے لیے روانہ کیے گئے۔ سیدی بشر اور سوئز میں رکھا گیا

۵ رمضان المبارک کو سویز سے بمبئی کے لیے روانگی ہوئی۔ ۲۰ رمضان کو جہاز بمبئی پہونچا۔ بمبئی کی خلافت کمیٹی نے نہایت پرجوش استقبال کیا۔ ۲۲ رمضان تک بمبئی میں قیام فرماکر ۲۵ رمضان کو دہلی تشریف لائے۔ ۲۶ رمضان کی صبح کو دہلی سے دیوبند کے لیے روانگی ہوئی اور ۹ بجے اسٹیشن دیوبند پر ورود فرمایا۔ راستہ میں مشتاقان زیارت کا بے پناہ ہجوم اسٹیشنوں پر تھا۔ دیوبند کے اسٹیشن پر پہونچے تو ہجوم کی کوئی انتہا نہ تھی۔ حضرت شیخ الہند کی تشریف آوری کی نسبت روداد میں درج ہے کہ اس سال کے سب سے مبارک اور روشن حالات میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن کا قریب پانچ سال کی غیبت کے بعد مصر، قاہرہ اور اس کے بعد جزیرہ مالٹا میں نظربندی کا زمانہ گذار کر مراجعت فرمائے ہندوستان اور اپنے وطن خاص دیوبند میں رونق افروز ہونا ہے۔ دیوبند میں جس خلوص، جوش اور مسرت کے ساتھ شاندار استقبال ہوا اس کا اندازہ وہی لوگ لگا سکتے ہیں جن کی آنکھوں نے وہ مبارک نقشہ دیکھا ہے۔ اسٹیشن سے اوّلاً حضرت مدرسہ میں تشریف لائے۔ دارالحدیث کے سب سے بڑے غیر مسقف کمرے میں تخت پر تشریف فرما ہوئے۔ اور ہر طرف مشتاقان زیارت حلقہ باندھ کر بیٹھ گئے۔ حضرت مولانا اور تمام مجمع نے دیر تک دعا مانگی۔ اس کے بعد مولانا مدرسہ کے دارالمشورہ میں تشریف فرما ہوئے اور یہاں پر تھوڑی دیر قیام فرمایا اور یہاں سے مکان تشریف لے گئے۔

۱۳۳۹ھ شروع ہی ہوا تھا کہ ربیع الاول میں حضرت ممدوح کی وفات کا قیامت خیز سانحہ پیش آگیا۔ مالٹا سے واپسی پر چند ضروری اسفار پیش آگئے۔ عیدالاضحیٰ ۱۳۳۸ھ کے بعد سے علالت کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ دیوبند کے اطباء کا علاج ہوتا رہا جن میں آپ کے برادر خورد حکیم محمد حسن صاحب بھی تھے۔ اس زمانہ علالت میں علی گڑھ کا ایک وفد اس غرض سے حضرت کی خدمت میں آیا تھا کہ جامعہ ملیہ کا افتتاح آپ کے ہاتھوں سے کرایا جائے۔ خدام اور متوسلین آپ کے مرض کی شدت کی وجہ سے سفر کے لیے مانع تھے لیکن آپ نے گوارا نہ فرمایا کہ علی گڑھ کے ان حضرات کی درخواست کو رد فرمادیں۔ اس حال میں کہ کروٹ تک خود نہ لے سکتے تھے عازم سفر ہوگئے۔ متعدد خدام ساتھ ہوئے۔ علی گڑھ کے سفر میں اضمحلال بڑھ گیا اور دیوبند پہونچنے کے بعد حالت زیادہ تشویشناک ہوگئی۔ بالآخر دہلی پہونچایا گیا۔ حکیم محمد اجمل خاں صاحب اور

ڈاکٹر مختار احمد انصاری مرحوم نے علاج شروع کیا۔ یوم وفات سے ایک دن پہلے اطلاع ملی کہ طبیعت زیادہ علیل ہے۔ دیوبند کے بہت سے حضرات دہلی پہونچ گئے۔ ۱۸ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ یوم سہ شنبہ کو ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی واقع دریا گنج میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ جنازہ دیوبند لایا گیا۔ راستہ میں بڑے بڑے اسٹیشنوں پر بڑی بڑی جماعتوں نے نماز جنازہ پڑھی۔ اگلے دن صبح کو دارالعلوم دیوبند کے احاطے میں نماز جنازہ ادا کر کے بہ ہزار غم والم اس گنجینۂ علم کو سپرد خاک کر دیا گیا۔ نوّر اللہ مرقدہٗ۔

مولانا سراج احمد صاحب رشیدی مدرس دارالعلوم کا لکھا ہوا قطعہ تاریخ وفات درج ذیل ہے:-

کیا کبھی مرتے ہیں اللہ پہ مرنے والے	لوح محفوظ پہ ہے ثبت دوامِ محمود
آپ مامور من اللہ تھے بہر تبلیغ	شاہد عدل ہے تاثیر پیام محمود
پئے دنیائے دنی ایک قدم بھی نہ اٹھا	راہ حق ہی میں ہی اٹھا جب اٹھا گام محمود
دور تھا ساغر تحدیث کا ہر شام و پگاہ	واہ واہ صل علیٰ شرب مدام محمود
ان کے شاگرد ہیں پھیلے ہوئے دنیا بھر میں	واقعی زندۂ جاوید ہے نام محمود
بولتے کچھ نہیں اور لب پہ تبسم ہے عیاں	موت ہے؟ یقظہ ہے؟ یا ہے یہ منام محمود
سال رحلت یہ ہوا غیب سے دل میں القا	خلد اعلیٰ طرب افزا ہے مقام محمود
	۱۳ ھ ۳۹

اب میں حضرت شیخ الہندؒ کے چھ غیر مطبوعہ مکتوبات پیش کرتا ہوں۔ ان میں پہلا مکتوب مولانا حکیم محمد صدیق قاسمی مرادآبادیؒ کے نام ہے جو ۲۰ اپریل ۱۹۱۱ء کو مرادآباد پہونچا ہے۔ اس خط کی روانگی انبالہ سے ہوئی ہے دیوبند میں لکھا گیا ہے۔ معلوم نہیں کس مصلحت سے ایسا کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی اہم بات نہیں ہے لیکن انبالہ اور پٹنہ حضرت کی مجاہدانہ مساعی کے دو مرکز تھے۔

دوسرا مکتوب گرامی نواب محی الدین احمد خاں فاروقی مرادآبادی قاضی بھوپال (متوفی ۱۳۴۶ھ) کے نام ہے جو نواب عظمت اللہ خاں کی نسل سے تھے اور حضرت نانوتویؒ کے شاگرد

رشید تھے اور جن کا خاندان ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے مظالم کا شکار رہا تھا۔ جائیدادیں ضبط کرلی گئی تھیں اور اس خاندان کے چند افراد کو تختہ دار پر بھی چڑھایا گیا تھا۔ گورنمنٹ برطانیہ کی سی آئی ڈی نے بھی اپنی رپورٹ میں نواب کا ذکر کیا ہے۔ نواب محی الدین خاں مرادآبادی کو یہ خط ۱۴ اگست ۱۹۱۴ء کو دیوبند سے لکھا گیا ہے جو ۱۶ اگست ۱۹۱۴ء کو بھوپال پہونچا ہے۔ اس مکتوب گرامی میں رئیسہ بھوپال اور منشی منصب علی کا ذکر کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر حجاز کے عنوان سے جو سفر درپیش ہے اس سلسلے کی ایک کڑی نواب محی الدین خاں فاروقی مرادآبادی بھی ہیں اور ان کے عہدۂ قضا سے بھی اس معاملہ میں فائدہ اٹھایا جا رہا ہے۔ اس مکتوب کا آخری جملہ بتا رہا ہے کہ حضرتؒ کو اس زمانے میں اپنے پروگرام کی بڑی فکر تھی اور اس میں گویا مستغرق تھے۔ کہیں جانا چاہتے ہیں مگر نہیں جاسکتے، وہ یاغستان ہو، حجاز مقدس ہو یا استنبول ہو "صرف دیوبند میں ہوں" یہ جملہ بہت ہی معنیٰ خیز ہے۔

تیسرا مکتوب گرامی مولانا حکیم محمد صدیق قاسمی مرادآبادی کے نام ہے جو فارسی زبان میں ہے۔ یہ ۱۴ اپریل ۱۹۱۵ء کو دیوبند سے بھیجا گیا ہے جو ۱۵ اپریل ۱۹۱۵ء کو مرادآباد پہونچا ہے۔

چوتھا مکتوب گرامی بھی نواب محی الدین احمد خاں فاروقی مرادآبادی کے نام ہے یہ مکتوب بھی بہت اہم ہے یہ ۲۵ ستمبر ۱۹۱۵ء کو عدن کے ڈاکخانے سے چلا ہے اور بمبئی میں اس پر سنسر کی مہر لگائی گئی ہے۔ یہ خط ۱۰ اکتوبر کو شاہجہاں آباد بھوپال پہونچا ہے۔ اس خط کے آخر میں حضرت نے اپنا نام تحریر نہیں فرمایا ہے اور کارڈ کی شکل میں بھیجا ہے۔ پھر سنسر والوں نے اس خط کو بھانپ لیا ہے۔ غالباً مولانا عزیر گل کے نام سے کچھ سراغ مل گیا ہے۔

پانچواں مکتوب گرامی مالٹا سے روانہ کیا گیا ہے۔ یہ خط ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ کو تحریر فرمایا گیا ہے۔ سرکاری لفافے پر جو مہریں ہیں ان کی تاریخ پڑھنے میں نہیں آئی۔ اس مکتوب کو بھی فرانسیسی زبان میں سنسر کیا گیا ہے۔ اس پر پتا حسب ذیل ہے۔

"شہر مرادآباد۔ محلہ بانس منڈی۔ مکان نواب شبیر علی خاں خاں صاحب مرحوم

بملاحظہ گرامی مکرمی رشید الدین خاں صاحب دام فیضہم"
رشید الدین خاں صاحب، نواب محی الدین احمد خاں صاحب کے صاحبزادے تھے کسی مصلحت سے یہ خط بجائے باپ کے بیٹے کے نام لکھا گیا ہے۔ یہ مکتوب گرامی بھی بہت اہم اور تاریخی ہے اور جامعیت کا ایک مرقع ہے۔

چھٹا مکتوب گرامی مالٹا سے واپس آکر ہمشیرہ عبد القادر کو مراد آباد بھیجا گیا ہے۔ اس مکتوب میں فتح پور کا ذکر ہے۔ حکیم نصرت حسین کوڑہ جہان آباد ضلع فتح پور کے رہنے والے تھے اور حضرت شیخ الہندؒ کی اسارت مالٹا کے رفیق تھے۔

حضرت شیخ الہندؒ نے رمضان المبارک کے آخر میں دیوبند پہونچ کر عید کے بعد یہ سفر کیا اس سفر سے مقصود حکیم نصرت حسین کے اعزا اور متعلقین کو تسلی دینا تھا۔

(مکتوب اوّل)

مخدوم و مطاعم زید مجدکم ــــــ بندہ محمود سلام مسنون کے بعد ملتمس ہے ــــــ یہاں بھی مرض موجود ہے اور سب طرف سے مرض کی خبریں آرہی ہیں، دعا فرمائیں۔ خاں صاحب سلمہ کا حال جب سے آیا ہوں معلوم نہیں ہوا۔ امید کہ ان کی خیریت اور کیفیت سے جلد مطلع فرمایا جاؤں۔ سب کو سلام ــ والسلام　　فقط

بندہ محمود عفی عنہ　دیوبند　جمعہ

پتہ اس طرح تحریر ہے:۔
مراد آباد محلہ بنیا۔ بعالی خدمت مخدومی جناب مولانا حکیم محمد صدیق صاحب سلمہ مشرف باد

حکیم محمد صدیق صاحب مراد آبادی کی بڑی صاحبزادی تھیں حکیم صاحب کے ایک صاحبزادے محمد حسن صاحب کی عرفیت عبد القادر تھی اسی بنا پر پتے میں انھیں ہمشیرہ عبد القادر لکھا ہے۔ یہ خاتون حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت تھیں۔
[illegible] رشید الدین خاں فاروقی مراد ہیں۔

(یہ خط یکم اپریل ۱۹۱۶ء کو انبالہ[1] سے چلا ہے اور ۲ اپریل کو مراد آباد پہونچا ہے)

(مکتوب دوم)

المخدوم المحترم مد فیوضکم السلام علیکم۔

کل جناب کا خط پہنچا۔ آج دوسرا والا نامہ مولوی محمد فاروق صاحب[2] کا لکھا ہوا موصول ہوا۔ رئیسہ[3] یا منشی منصب علی صاحب کا کوئی خط نہیں پہنچا۔ کئی روز ہوئے ایک خط بندہ نے جناب کی خدمت میں اس کے متعلق روانہ کیا تھا۔ معلوم نہیں وہ پہنچا یا بیچ ہی میں رہ گیا۔

مخدوما! کتاب معلوم کی بابت ایک تو یہ امر ہے کہ یہ کتاب[4] صحیح قابل اشاعت ہے یا غلط اور تلف کرنے کے لائق ہے۔ تو یہ تو ممکن ہے کہ اس کے دو چار موقع دیکھ کر جو بالکل خلاف احکام شرع ہیں اور یقیناً اس میں موجود ہیں، اس کے اختفاء اور عدم اشاعت کا حکم لگا دیا جاوے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اول سے آخر تک اس کی اصلاح اور تصحیح کی جاوے۔ تو یہ قصہ طویل اور محض بے سود اور سخت دشوار ہے۔ شاید نئے سرے سے تالیف اس سے سہل ہو۔ تو ایک تو

---

[1] انبالہ میں مولانا محمد مبین دیوبندی ایک مسجد کے خطیب تھے غالباً انھیں سے ملنے کے لیے حضرت شیخ الہند تشریف لے گئے ہوں گے۔ تحریک شیخ الہند میں ان کے متعلق گورنمنٹ برطانیہ کی سی آئی ڈی کا بیان یہ ہے:۔

"جنود ربانیہ کی فہرست میں کرنل ہے۔ اگرچہ وہ مولوی خلیل احمد کا مرید ہے لیکن مولانا محمود حسن کے عرب جانے سے ۲ ماہ پہلے ان کا سخت معتقد ہو گیا اس کی سازش کا ایک رکن بن گیا۔ دیوبند کی خفیہ میٹنگوں میں شریک ہوا کرتا تھا۔ مولانا محمود حسن کے سفر حجاز کے لیے میرٹھ، دہلی، راندیر، کلکتہ، رنگون وغیرہ سے رقوم جمع کیں"۔

(تحریک شیخ الہند ص۲۵۶)

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الہند نے سفر حجاز سے بہت پہلے انگریزوں کے خلاف اپنا کام شروع کر دیا تھا۔

[2] صاحبزادہ مولانا حکیم محمد صدیق صاحب مراد آبادی۔

[3] رئیسہ سے مراد سلطان جہاں بیگم والیۂ بھوپال ہیں جو قاضی نواب محی الدین خاں فاروقی مراد آبادی کے واسطے سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت تھیں۔

[4] یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کون سی کتاب ہے۔

یہ قصے طے اور معلوم ہونا چاہیے۔ دوسرے اس کام کے مناسب اور ہر طرح مفید اپنے جماعت
کے اور حضرات ہیں۔ ان کو اس کام میں بشاشت ضروری ہے۔ آپ جیسے سلیم الصدر کی خدمت
میں اتنا عرض کیے دیتا ہوں کہ اس کام کو احقر کی سپرد کرنے میں خدشات محقرہ ایسے ہیں کہ
جن کی وجہ سے دیوبند میں سے یا کسی کی شرکت میں کام کرنے سے مجبور و معذور ہوں۔

اگر مولوی اشرف علی صاحب وغیرہ کسی کو لے کر مولوی حبیب الرحمن کو معین و کار
پرداز کر دیا جائے تو سبحان اللہ نہایت ہی سہل صورت ہے، اور میں ایسے درجہ پہ پہنچ گیا
ہوں اور وقتاً فوقتاً پہنچتا جا رہا ہوں کہ کسی کام کی شرکت میں ہرگز مستقل نہیں ہوں صرف
دیوبند میں ہوں، یہی تعجب ہے۔ مولوی محمد حسن صاحبؒ کو سلام۔

والسلام فقط

بندہ محمود

(مکتوب سوم)

ذو المجد و الکرم دام ظلکم ——— بندہ محمود پس از تسلیمات مسنونہ عرض می نماید ———
نامۂ سامی سرمایۂ اعزاز شد۔ حالت ضعف جناب ظاہر است کہ گنجایش سیر و سفر ندارد۔
حق سبحانہ برحمت خود ذات سامی را تا دیر از حوادث دہر محفوظ داشتہ بر سر نیاز مندان سایہ گستر
دارد ———

اصحاب مدرسہ بخیر بستند۔ مکرمی امیر شاہ خان صاحبؒ سہ چہار روز گذشت کہ بہ میرٹھ رفتہ

ے [illegible] ایک مولانا قاضی محمد حسن ساکن محلہ [illegible] جو نواب محی الدین خاں
فاروقی کے بعد قاضی بھوپال ہے اور دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے۔ دوسرے مولانا محمد حسن ساکن محلہ نواب پورہ
[illegible] حضرت گنگوہی سے بیعت تھے۔

[illegible] حکیم محمد صدیق مرادآبادی نے حضرت شیخ الہندؒ کے ساتھ سفر حجاز کا ارادہ کیا ہوگا ان کے
[illegible] حضرت نے یہ جملہ لکھا ہے۔

[illegible] مکالات بھی بہت زیادہ تھیں۔ حضرت مولانا
[illegible]

بودمی فرمود کہ از میرٹھ بہ مراد آبادمی رسم ۔ غالباً بخدمت رسیدہ باشند ورنہ عنقریب می رسند بہ مولوی محمد حسن صاحب سلامم برسانند ۔ معلوم نیست کہ تاکے مقیم وطن باشند ۔ بہ جملہ متعلقین سلام از من برسد ۔

والسلام فقط

بندہ محمود عفی عنہ

دیوبند سہ شنبہ

(ترجمہ اردو) ذوالمجد والکرم دام ظلکم ۔ بندہ محمود بس از تسلیمات مسنونہ عرض کرتا ہے کہ گرامی نامہ باعث اعزاز ہوا ۔ جناب کی ضعیفی بالکل ظاہر ہے ۔ وہ گنجائش سیر و سفر نہیں رکھتی ہے ۔ حق سبحانہ و تعالیٰ اپنی رحمت سے ذات والاصفات کو تادیر حوادث زمانہ سے محفوظ رکھ کر ہم نیازمندوں کے سروں پر سایہ گستر رکھے ۔ اصحاب مدرسہ (دیوبند) خیریت سے ہیں ۔ مکرم امیر شاہ خان صاحب تین چار روز ہوئے میرٹھ گئے تھے ۔ وہ کہتے تھے کہ میرٹھ سے مراد آباد پہونچوں گا ۔ غالباً وہ آپ کی خدمت میں پہونچے ہوں گے ۔

مولوی محمد حسن کو میرا سلام پہونچا دیں ۔ معلوم نہیں کہ وہ کب تک مقیم وطن (مراد آباد) رہیں گے میری طرف سے تمام متعلقین کو سلام پہونچے ۔"

والسلام فقط

بندہ محمود دیوبند سہ شنبہ

(مکتوب چہارم)

مطاع معظم السلام علیکم و رحمۃ اللہ ۔۔۔۔۔۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) تھانویؒ نے ان سے نقل کی ہوئی روایتوں کو جمع کراکے "امیر الروایات" کے نام سے شائع کرادیا ہے ۔ گورنمنٹ برطانیہ کے سی آئی ڈی نے ان کے متعلق یہ الفاظ تحریر کیے ہیں کہ امیر شاہ خان کنور لیاقت علی خاں رئیس بلند شہر کا ملازم ہے ۔ جدہ کے بعد کے واقعات بیان کرتے ہوئے عبید اللہ (سندھی) نے جو خط بھیجا ہے اس میں اس کا تذکرہ ہے ۔ "تحریک شیخ الہند" ص ۱۹۴

حضرت سے رخصت ہو کر مع الخیر عدن کے کنارہ آ لگا[1]۔ سب رفقاء بخیریت سے ہیں مولوی محمد حسن صاحب، مولوی محمد فاروق صاحب اور سب حضرات سے سلام مسنون عرض کر دیجیے۔ مولوی سعید الدین صاحب سے ملاقات نہ ہونے کا افسوس ہے۔ عرصہ سے ملنا نہیں ہوا۔ ان سے سلام فرمادیں اور فرمادیجیے کہ چلنا ایسے وقت قرار پایا کہ کوئی صورت ملنے کی نہ ہو سکی۔ میرے سب رفقاء سلام عرض کرتے ہیں۔ جناب کو معلوم ہے کہ میرا چلنا ایسی عجلت میں ہوا کہ امور ضروریہ متعلقہ کا بندوبست پورا نہیں کر سکا۔ اور ادھر دل چاہتا ہے کہ ہو سکے تو کچھ دن عرب میں گزار دوں۔ اس لیے جناب میرے امور متعلقہ پر نظر فرما کر اگر کسی ذریعہ سے مجھے اطلاع دے سکیں تو ضرور مطلع فرمائیں، تاکہ میں یہ بات طے کر سکوں کہ عرب میں رہنے کی مجھ کو گنجائش ہے، یا مجھ کو جلد واپس ہو کر اپنے متعلقہ امور کی خبر لینی ضروری ہے۔ آپ کی توجہ سے یہ بات حل ہو سکے تو بہتر ہے، اور جناب بھی اپنے احوال سے مطلع فرمادیں تو موجب اطمینان ہو۔ عزیزگل سلام کے بعد طالب دعا ہیں۔ مولوی سہول[2] صاحب کا سلام۔

والسلام فقط

پتا یہ ہے: "ہندوستان۔ بھوپال ریاست خاص شاہجہان آباد

بخدمت عالی حضرت قاضی صاحب دام مجدکم"

---

[1] گورنر یو۔پی نے مرکزی حکومت کے واسطے سے عدن کے گورنر کو تار دیا کہ مولانا محمود حسن کو جہاز سے اتار لو مگر تار دینے والے ڈاکٹر انصاری کے آدمی تھے انھوں نے تار دینے میں اتنی تاخیر کر دی کہ جہاز عدن سے روانہ ہو گیا۔ پھر جہاز کے کپتان کو تار دیا گیا کہ مولانا کو جہاز پر گرفتار کر لو۔ "جہاز سے اترنے نہ دو" لیکن اس وقت گورنمنٹ حجاز کا انتظام یہ تھا کہ جدہ پہونچنے سے پہلے تمام حجاج کو "جزیرۂ سعد" میں اتار لیا جاتا تھا اور وہاں سے کہ معظمہ پہونچایا جاتا تھا۔ یہ تار کپتان کو اس وقت ملا کہ حضرت شیخ الہند عام حجاج کے ساتھ جزیرۂ سعد میں اتر چکے تھے۔ بہرحال گرفتاری کی کوششیں پیچھے پیچھے تھیں اور حضرت شیخ الہند اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آگے آگے اس طرح محفوظ ہو کر کہ معظمہ پہنچ گئے۔

(اسیران مالٹا بحوالہ نقش حیات)

[2] مفتی محمد سہول صاحب بھاگلپوری حضرت شیخ الہند کے شاگرد اور حضرت گنگوہی کے مرید تھے۔ تذکرۃ الرشید میں بھی آپ کا ذکر آیا ہے کہ حضرت گنگوہی نے کثرت سوال کی وجہ سے آپ کو مسئول فرمایا۔ سی آئی ڈی کی رپورٹ میں ہے "مولوی محمد سہول نے دیوبند میں مولانا محمود حسن سے تعلیم حاصل کی وہ مولانا رشید احمد گنگوہی کا مرید تھا۔ تکمیل درس کے بعد مولوی سہول نے دیوبند کے مدرسہ میں چند سال تک مدرس کی حیثیت سے کام کیا جس کے بعد وہ مدرسہ عالیہ عربیہ کلکتہ کے اسٹاف میں شامل ہو گئے

(مکتوب پنجم)

نامۂ مبارک از مالٹا

عزیزم عالی قدر، والا شان دام لطفکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

بندہ مع جملہ رفقاء کرام اللہ کے فضل اور احباب کی دعا سے اس بعید و بغیض دیار میں خیریت اور عافیت سے ہے ———— والحمد للہ ثم الحمد للہ ————

مختلف اصحاب کے خطوط بندہ کے پاس آتے رہتے ہیں جن سے مکرمین اصحاب کی خیریت معلوم ہوتی رہتی ہے۔ مگر مراد آباد سے کسی صاحب کا کوئی خط نہیں آیا اور نہ کسی نے اپنے خط میں ان کی خیریت تحریر کی۔ اس لیے آپ حضرات کی خیریت معلوم ہونے کا بہت انتظار رہتا ہے۔ مجبور ہو کر آپ کو تکلیف دیتا ہوں۔ دیوبند سے برابر خطوط آتے رہتے ہیں مگر کسی نے آپ صاحبوں کا کچھ تذکرہ نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ غالباً اس عرصہ میں آپ کے یہاں سے کوئی دیوبند نہیں گیا۔ چند ماہ گذرے ایک خط ہندوستان سے میرے پاس پہونچا۔ خط اور طرز تحریر نیا تھا۔ شبہ ہوا کہ یہ خط کسی صاحب نے مراد آباد سے بھیجا مگر کوئی امر یقین دلانے والا نہ تھا۔ بہر حال اب آپ کو لکھتا ہوں کہ اپنی اور اپنے جمیع متعلقین کی خیریت سے مطلع فرمائیں اور سب کی خدمات میں درجہ بدرجہ سلام مسنون فرمادیں۔ رضا[1] و شجاع[2] کیا پڑھتے ہیں۔ خدا کرے خیریت سے ہوں۔ مدرسۃ الغرباء[عـه] کے مہتمم اور اساتذہ کی خدمت میں سلام۔ مدرسہ امدادیہ میں اگر کوئی مدرس بندہ کے واقف بھی ہوں اور بندہ کو یاد دلانے سے سمجھ بھی جائیں تو سلام عرض کر دینا اور جملہ واقفین میں جس کو چاہو سلام پہنچا دینا۔ میرے رفقاء آپ کی اور سب کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں۔

والسلام فقط محمود حسن ۲۲/۱۹ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ (مطابق ۱۹۱۶ء)

مالٹا۔ سینٹ کلیمنٹ براکس

عـه "مدرسۃ الغرباء" مدرسہ شاہی مسجد مراد آباد کا اصلی اور قدیمی نام ہے۔

---

[1] نواب محی الدین خاں مراد آبادی کے بڑے لڑکے نواب معز الدین خاں تھے۔ نواب معز الدین خاں کے لڑکے کا نام عضد الدین عرف رضا میاں تھا۔ [2] نواب رشید الدین خاں، نواب محی الدین خاں کے چھوٹے صاحبزادے تھے ان کے دو لڑکے تھے ایک شجاع میاں اور دوسرے سلطان میاں۔ (ماخوذ از مکتوب مولانا اصلاح الدین مراد آبادی نبیرۂ حضرت مولانا محمد صدیق قاسمی مراد آبادی

مکتوب ششم (۱)

السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

تمہارا خط پہنچا۔ نہایت مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تم سب کو اپنی حفاظت میں رکھے۔ سب کی خدمت میں میرا سلام درجہ بدرجہ پہنچا دینا۔ میں عید کی دوسری تاریخ کو فتح پور[1] جانے کی ضرورت تھی، اس لیے عزم کرتا ہوں کہ وہاں سے فارغ ہو کر پھر دیوبند آ جاؤں ——— باقی خیریت ہے۔ سب گھر کے آدمی سلام کہتے ہیں۔

والسلام

بندہ محمود عفی عنہ

(کارڈ پر دیوبند کے ڈاکخانے کی مہر ۱۸ر جون ہے۔ مراد آباد ۱۹ر جون کو پہنچا ہے۔)

---

[1] کوڑا جہان آباد ضلع فتح پور ہسوہ مولانا حکیم سید نصرت حسین صاحب مرحوم کا وطن تھا۔ مالٹا سے واپس آنے کے بعد حضرت شیخ الہندؒ ان کے اعزہ کو تسلی دینے کے لیے فتح پور پہنچے تھے۔ مولانا حکیم نصرت حسین نے دیوبند میں تعلیم پائی تھی اور حضرت شیخ الہند سے بیعت ہوئے تھے خاندانی زمیندار تھے اور ایک کامیاب طبیب تھے جس کی وجہ سے اپنے علاقے میں با عزت تھے حج بیت اللہ کے ارادے سے اپنے وطن سے روانہ ہوئے اور مکہ معظمہ پہنچے۔ حضرت شیخ الہند پہلے ہی مکہ معظمہ پہونچ چکے تھے۔ حکیم صاحب حضرتؒ کے ساتھ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ پہنچے اور حضرت کے ساتھ ہی وہاں اقامت اختیار کر لی بالآخر حضرت شیخ الہند کے رفیق اسارت مالٹا ہوئے اور تادم آخر حضرت کے دامن سے وابستہ رہ کر مالٹا میں ۹ر ذی قعدہ ۱۳۳۵ھ کو وفات پائی۔ مالٹا میں ہی قبر ہے۔ قبر پر عربی زبان میں تاریخ وفات کندہ ہے۔

جناب حکیم عبدالحمید صاحب دہلوی

مسلمانوں میں ذہنی قیادت کا فقدان

["لیس للانسان الا ما سعی" (انسان کو جو کچھ ملتا ہے وہ اسی کی محنت کا ثمرہ ہوتا ہے)

یہ ایک فطری اور ابدی حقیقت ہے۔ یہ جس طرح فرد کے لیے ہے اسی طرح قوم اور جماعت کے لیے بھی ہے۔ کوئی بھی قوم کسی دوسری قوم کے سہارے اپنے مسائل کو حل نہیں کر سکتی خصوصاً ایسے حالات میں جبکہ دونوں قوموں کے درمیان، محسوس حد تک دوری اور بیگانگی ہو۔

اپنی زبوں حالی کے لیے دوسروں کو مورد الزام قرار دینا اور بس اپنے حقوق کی بھیک مانگتے رہنا یہ قرآن کے بھی خلاف ہے اور علم اجتماع کے بنیادی اصولوں کے بھی۔ — خصوصاً ہمارے ملک کے موجودہ حالات نے یہ حقیقت دو اور دو چار کی طرح واضح کر دی ہے کہ وہ اچھی سیاست کے راستہ سے مسائل کے حل کی کوشش نہ صرف یہ کہ نتیجہ خیز نہیں بلکہ اس سے ہماری دنیا بھی تباہ ہو رہی ہے اور آخرت کے بارے میں تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں — ضرورت اس کی ہے کہ ہم اجتماعی طور پر سادگی زندگی کو اپنانے کا فیصلہ کر لیں، اور دین اور علم سے مسلح ایک نئی نسل کی تربیت کے کام کو دوسرے کاموں پر ترجیح دیں۔

مسلمان بچوں اور نوجوانوں کے لیے ایسی درسگاہوں اور ہوسٹلوں کا قیام ایک اہم دینی اور ملی فریضہ ہے جن میں ان کی اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ان کی سیرت و کردار کی تعمیر کا اچھے سے اچھا انتظام ہو۔

جناب حکیم عبدالحمید صاحب کی قیادت میں "ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن" خاموش تعمیری خدمات انجام دینے والا ایک مثالی ادارہ ہے — اب انھوں نے "ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی" کے نام سے ایک تعلیمی سوسائٹی قائم کی ہے۔ جو طلبہ اور طالبات کے لیے اقامتی اسکول قائم کر رہی ہے۔ علاوہ ازیں اس سوسائٹی نے ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی مسائل سے صحیح طور پر واقفیت حاصل کرنے کے لیے ایک

تعلیمی سروے شروع کیا ہے، جس کے ذریعہ مسلم اسکولوں، کالجوں، عربی مدارس، مسجدی مکتبی اور پرائمری تعلیم کے موجودہ معیار کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں گی، اور پھر ان معلومات کی روشنی میں مسلمانوں کا تعلیمی معیار بلند کرنے کے لیے جامع تجویزیں مرتب کرنے کی کوشش کی جائے گی۔
ذیل میں حکیم عبدالحمید صاحب کا اس سلسلہ کا ایک مختصر مضمون ہدیۂ ناظرین کیا جا رہا ہے۔ جس کی حیثیت ایک پیام کی ہے الفرقان حکیم صاحب موصوف کی اس تعمیری کوشش کو ہر ممکن تعاون کا مستحق سمجھتا ہے۔ اور دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو مکمل کامیابی عطا فرمائے —— اور انھیں صحیح رجال کار میسر ہو سکیں۔ —— سجاد نعمانی ندوی]

ہندوستان کے موجودہ مسلمانوں میں قیادت کا قحط ہے۔ سرسید مرحوم نے ایک صدی پہلے یہ قیادت اپنی دوررس اندیشانہ تعلیمی سرگرمیوں سے مہیا کر دی تھی۔ اب ان سرگرمیوں کا اثر مرورِ ایام سے تقریباً ختم ہو چکا ہے اور ہند میں مسلمانوں کا شیرازہ، ذہین قیادت نہ ہونے کی وجہ سے جس طرح بکھر رہا ہے اور جس طرح آج کل وہ بازیچۂ اطفال بنے ہوئے ہیں اسے دیکھ کر ہر دردمند مسلمان کا دل دکھتا ہے۔ اس اندوہ ناک صورت حال سے نکلنے کے لیے حال میں کچھ کوششیں کی گئی ہیں۔ چنانچہ ہمدرد فاؤنڈیشن نے حال کے قائم کردہ کریسنٹ پبلک اسکول کے قیام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اب یہ اسکول ایک خاص سطح پر اپنا کام کر رہا ہے اور اس سطح پر اس کے نتیجے انشاء اللہ اچھے ہی نکلیں گے، لیکن ایک اعلیٰ درجہ کی قیادت مہیا کرنے کے لیے ہمیں اعلیٰ درجہ کے اسکول کی ضرورت ہے، اس کے قیام کا بیڑا ابھی اب ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن نے اٹھا لیا ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی ذہانت عدم توجہی کی وجہ سے برباد اور ضائع ہو رہی ہے اور کوئی نتیجہ خیز کوشش اس بربادی کو روکنے کی نہیں ہو رہی ہے۔ ہمدرد پبلک اسکول سب سے پہلے اس کام کو بالکل سائنٹفک انداز میں اپنے ہاتھ میں لے گا، پھر اس ذہانت کی تربیت کے لیے ایسے وسائل اختیار کرے گا، جن سے اس نایاب ذہانت کے ضائع ہونے کا احتمال کم سے کم ہو جائے اور ذہنی قیادت کا حصول یقینی ہو جائے۔ اس مقصدِ عظیم میں ہمدرد اپنے گوناگوں تجربات سے پورا پورا فائدہ اٹھانے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھے گا۔ اس ذہانت کے لیے اسلامی سادگی کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا

ظاہری ماحول فراہم کیا جائے گا۔ بہترین اساتذہ اور ماہرین تعلیم کا انتخاب صرف استحقاق اور صلاحیت کی بنا پر کیا جائے گا۔ اسکول کی بلڈنگ میں اب تک کے دوسروں کے تجربات سے پورا فائدہ اٹھایا جائے گا، اور اس کا ڈیزائن ایسا وضع کیا جائے گا، جس میں سادگی کے ساتھ بلند خیالی جنم لے۔ یہ اسکول لازماً رہائشی ہوگا۔ اس اسکول کو کمیت کے بجائے کیفیت کا حامل بنایا جائے گا۔ اسکول کی گیارہ بارہ جماعتوں میں چار سو سے زیادہ طلبا کبھی نہیں لیے جائیں گے۔ اس اسکول کے لیے جگہ کا انتخاب کر لیا گیا ہے۔ ماہرین تعلیم سے مشوروں کا سلسلہ جاری ہے۔ ہر اونچ نیچ پر غور کیا جا رہا ہے۔ ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کو امید ہے کہ مسلمانان ہند کی اس اہم ضرورت کے پورا ہونے میں اب دیر نہیں لگے گی اور ہر مانع پر خدا کے فضل و کرم سے اور دردمندوں کی امداد سے قابو پا لیا جائے گا۔ ایسے انقلابی اسکول کے قیام کا خیال ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کو مدت سے تھا، لیکن حال کے واقعات نے اس کے فوری قیام کی اہمیت اس شدت سے پیش کی کہ ہمدرد گیارہ بارہ جماعتوں کا پورا انتظام شروع ہی سے کر دینا چاہتا ہے اور ہندوستان بھر کے ذہین اور منتخب طلبا کو زبردست چھان بین کے بعد مناسب جماعتوں میں داخلہ دے کر ان کو آل انڈیا کمپیٹیشن کے امتحانات میں شامل کر کے تلافی مافات کی کوشش کرنا چاہتا ہے۔ ذہین اور منتخب لیکن غریب طلبا کے حقوق کے تحفظ کا بندوبست اس طرح کیا جائے گا کہ ان کے لیے کچھ فی صدی داخلہ مخصوص ہوگا۔ ان کی فیس وغیرہ معاف ہوگی اور ان کی تعلیم کے خرچ کا بوجھ کھاتے پیتوں کی فیسوں پر اضافہ سے پورا کیا جائے گا۔

ہمدرد نگر ۱۸ اکتوبر ۱۹۹۰ء

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

موجودہ حالات ——— اور ہماری ذمہ داری

اس حقیقت سے کسی صاحب عقل کو اختلاف نہیں ہو سکتا کہ اس پوری کائنات اور ان بے شمار مخلوقات میں سب سے اعلیٰ مقام انسان کا ہے۔ اور انسان کے سوا جو کچھ ہے وہ انسان ہی کے لیے ہے اور اسی کی وجہ سے ہے گویا کائنات کی ہر شے اپنے وجود میں انسان کی مرہون منت ہے۔ اور اس مفہوم میں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ پوری نوع انسانی کو "مقام لولاک" فطری طور پر حاصل ہے۔

یہ رتبۂ بلند انسان کو انسان ہونے کے ناطے ملا ہے۔ اس میں نیک اور بد کی بھی تفریق نہیں ہے۔ اسی لیے کوئی انسان پیدائشی طور پر کسی دوسرے انسان کے مقابلہ میں گھٹیا، ذلیل اور حقیر نہیں ہو سکتا، اگر کوئی مذہب یا نظام انسانوں کو پیدائشی طور پر اعلیٰ اور ادنیٰ طبقوں میں تقسیم کرتا ہے اور کچھ کو فطری طور پر معزز، بلند مقام اور خصوصی اختیارات و امتیازات کا مالک قرار دیتا ہے اور کچھ کو فطری طور پر ذلیل و حقیر قرار دے کر ان کو بنیادی حقوق سے محروم کر دیتا ہے اور ان کے ساتھ توہین و تحقیر کا سلوک روا رکھنے کی تلقین کرتا ہے، تو وہ عقل و فطرت اور عدل و انصاف کے بنیادی تقاضوں سے خالی مذہب اور نظام ہے۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اور عدل کا قیام اس کا اولین مقصد ہے اس لیے اس نے ایسی کسی طبقہ واری تفریق، اور انسانیت کی غیر فطری اور ظالمانہ تقسیم کو قبول نہیں کیا، اور صاف الفاظ میں قرآن مجید نے اعلان کر دیا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ (بنی اسرائیل) اور ہم نے آدم کی اولاد کو مکرم و معزز قرار دیا

یہی نہیں، اسلام نے اپنے حلقہ بگوشوں کا فرض قرار دیا ہے کہ وہ ساری انسانیت کے لیے عدل و مساوات اور اخوت و برابری کے پیامبر ہوں۔ اور تمام مظلوم انسانوں کو ان مذاہب اور نظامہائے حیات سے نجات دلائیں جن کے تحت وہ ظلم و ستم کے شکار ہو رہے ہوں۔

صحابی رسول حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ سے جب ایرانی سپہ سالار رستم نے یہ پوچھا تھا کہ تم ہمارے پاس کیوں آئے ہو، تو انھوں نے جو کچھ کہا تھا اس میں انتہائی بلیغ انداز میں امت مسلمہ کے وجود کے مقاصد اور اس کے فرائض کا مکمل ترین بیان آگیا تھا۔ انھوں نے فرمایا تھا:۔

الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة من عبادة العباد الى عبادة رب العباد ومن ضيق الدنيا الى سعتها ومن جور الأديان الى عدل الاسلام۔

"اللہ نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے کہ ہم اس کے ان بندوں کو جن کے بارے میں اس کی مرضی ہو مخلوق کی پرستش (کے پست درجہ) سے نکال کر خالق و پروردگار کی عبادت کے بلند مقام تک ان کی رہنمائی کریں اور دنیا کی محدود اور تنگ فضاؤں سے اٹھا کر اس کی لامحدود وسعتوں سے انھیں آشنا کریں، اور مذاہب کے ظلم و ستم سے نجات دلا کر اسلام کے عدل و انصاف سے ان کو فیضیاب کریں۔"

اسلام کی تاریخ کا طالب علم یہ بات جانتا ہے کہ جہاں جہاں اسلام کی دعوت پہنچی، سب سے پہلے مظلوم طبقہ نے اس پر لبیک کہا اور اس کے شجر رحمت و مساوات کے سایہ میں آکر اطمینان کی سانس لی۔

ہمارا ملک برّاعظم بہت قدیم زمانہ سے ہندو دھرم کا مرکز ہے۔ جس نے انسانوں کی طبقہ واری تقسیم کو مذہبی حیثیت دی، جس کے نتیجہ میں یہاں کے معاشرہ میں لاکھوں لوگ بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہو گئے۔

اس دھرم کی قدیم مستند کتاب "منو سمرتی" کے چند احکام ملاحظہ ہوں۔

"اگر شودر براہمن یا کشتری یا ویشہ سے سخت زبانی کرے تو اس کی زبان میں سوراخ کیا جائے کیونکہ وہ عضو حقیر سے یعنی پاؤں سے پیدا ہوا ہے۔"

" جو شودر (ارے تو فلانے براہمن سے نیچ) ایسا با آواز بلند براہمن وغیرہ کے نام اور ذات کو کہے تو اس کے منہ میں بارہ انگل کی سیخ آہنی جلتی ہوئی ڈالنا چاہیے۔"

" جو شودر براہمنوں کو غرور سے دھرم کا اپدیش کرنے والا ہے اس کے منہ اور کان میں گرم تیل راجہ ڈالے۔" [1]

" براہمن، داس شودر سے دولت لے لیوے اس میں کچھ بچار نہ کرے، کیونکہ وہ دولت کچھ اس کی ملکیت نہیں ہے، وہ بے زر ہے، وہ جو دولت فراہم کرے اس دولت کا مالک اس کا سوامی ہے۔" [2]

اسلام کی پہلی ہی صدی میں اس کی دعوت اس براعظم میں پہنچی اور تیزی کے ساتھ یہاں کے مقامی باشندوں نے اس پر لبیک کہا اور انسانوں کے اس مظلوم طبقہ نے خصوصیت کے ساتھ اسے اپنا نجات دہندہ سمجھا۔ ہندوستان کی سماجی تاریخ کے مشہور مؤرخ رام دھاری سنگھ دنکر لکھتے ہیں [3]

" اسلام نے جب فراخدلانہ ہم آغوشی کے لیے اپنے بازو ان اچھوتوں اور براہمنوں کی ستائی ہوئی ذاتوں کی طرف بڑھائے تو یہ ذاتیں خوشی خوشی مسلمان ہوگئیں۔"

اگرچہ آٹھ صدیوں تک یہاں مسلمانوں کی حکومت رہی لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اکثر حکمرانوں نے حکومت برائے دعوت و خدمت انسانیت کے اسلامی اصول پر عمل نہیں کیا بلکہ اس بارے میں ان کا طرز عمل دوسری قومی یا شخصی اور غیر نظریاتی حکومتوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں رہا، لیکن علماء ربانیین اور اہل دل عارفین نے یہ خلا پر کیا، اور یہ انہی کی مبارک کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج اس تحتی براعظم میں توحید کے فرزندوں کی تعداد ۲۵ کروڑ سے زیادہ ہے، جو دنیا کے کسی حصہ میں بھی نہیں۔ اس کاروان دعوت و عزیمت کے میر و سالار حضرت خواجہ معین الدین چشتی (۶۳۳ھ) تھے، جن کو مؤرخین نے " ہندوستان کا روحانی فاتح" قرار دیا ہے۔ مصنف سیر الاولیاء نے بڑے بلیغ انداز میں لکھا ہے۔

" ملک ہندوستان اپنے آخری مشرقی کنارہ تک کفر و شرک کی بستی تھی، اہل تمرد

---

[1] منوسمرتی صفحہ ۲۹۹ [2] منوسمرتی صفحہ ۳۲۵ ہمارے سامنے منوسمرتی کا وہ نسخہ ہے جو ۱۹۱۵ء میں نول کشور پریس کانپور نے شائع کیا تھا، جس میں سنسکرت کے اصل متن کے ساتھ لالہ سوامی دیال کا اردو ترجمہ بھی ہے [3] سنسکرت کے چار ادھیائے

انا ربکم الاعلیٰ کی صدا لگا رہے تھے اور خدا کی خدائی میں دوسری ہستیوں کو شریک کرتے تھے اور اینٹ، پتھر، درخت، جانور، گائے و گوبر کو سجدہ کرتے تھے کفر کی ظلمت سے ان کے دل تاریک اور مقفل تھے......

آفتاب اہل یقین حضرت خواجہ معین الدینؒ کے قدم مبارک کا اس ملک میں پہونچنا تھا کہ اس ملک کی ظلمت نور اسلام میں تبدیل ہو گئی۔ ان کی کوشش و تاثیر سے جہاں شعائر شرک تھے وہاں مسجد و محراب و منبر نظر آنے لگے، جو فضا شرک کی صداؤں سے معمور تھی وہ نعرۂ اللہ اکبر سے گونجنے لگی.... [1]

مشہور غیر مسلم مؤرخ دنکر جی نے مذکورہ بالا کتاب میں لکھا ہے۔

"کشمیر اور بنگال میں تو جھنڈ کے جھنڈ لوگ مسلمان ہوئے۔ انھیں کسی نے لاٹھی سے ہانک کر اسلام کے باڑے میں نہیں پہنچایا بلکہ یہ پہلے سے برہمی مذہب سے چڑھے ہوئے تھے۔ جب اسلام آیا اور صوفی دھرم سے بھارت میں اسلام کا پرچار تلوار سے کم جزیہ کے خوف سے بہت کم لیکن صوفی سنتوں کے اثر سے بہت زیادہ ہوا۔ سنتوں کا اثر اس لیے زیادہ ہوا کہ چھوٹی قوموں کے لوگ اونچی ذات کے ہاتھوں بہت زیادہ ستم رسیدہ اور غم دیدہ تھے" [2]

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ان کے سلسلہ کے دوسرے بزرگوں اور دوسرے معلوم اور غیر معروف بندگان خدا نے اشاعت اسلام کے لیے کوئی تنظیم یا انجمن نہیں قائم کی تھی، وہ خاموشی کے ساتھ اللہ کے بندوں سے ملتے تھے، ان کا دکھڑا سنتے تھے، ان کی خدمت کرتے تھے۔ جو ان سے ملتا تھا انھیں محبت و خلوص اور انسانیت اور بے غرضی کا پتلا دیکھتا تھا اور انسانیت کے احترام اور اس کی خیر خواہی کے جذبات سے بھرے ہوئے ان کے دلوں اور درد و الم اور رحمت و شفقت سے معمور ان کے قلوب کا اسیر بن کر بے ساختہ ان کی دعوت کو قبول کر لیتا تھا۔ اس طرح بغیر کسی اعلان جنگ کے اور بلا کسی کانفرنس یا تنظیم یا اشتہاروں، پمفلٹوں کے لاکھوں کروڑوں انسانوں نے دعوت توحید

---

[1] سیر الاولیاء ص۴۶ منقول از تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوم مصنفہ مولانا ابوالحسن علی ندوی

[2] "سنسکرتی کے چار ادھیائے" (تمدن کے چار ادوار) مصنفہ رام دھاری سنگھ دنکر،

ہم نے یہ اقتباسات اخبار نقیب میں اس کے مدیر اعلیٰ کے ایک مضمون سے لیے ہیں۔

قبول کرلی۔

حالات ہمیشہ یکساں نہیں رہتے، بدلتے رہتے ہیں اور ان کے بدلنے میں مختلف عوامل کام کرتے ہیں۔ ہمارے برِ اعظم کے حالات بھی بدلے اور متعدد سیاسی، تاریخی اور اجتماعی اسباب کی وجہ سے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان نفرت و عداوت کی زبردست خلیج حائل ہوگئی اور اس خطۂ ارض میں اشاعتِ اسلام کا جو سلسلہ چل رہا تھا وہ خود اپنی ہی غلطی سے رک گیا، اور عوام تو درکنار خواص کے دل و دماغ سے منصبِ دعوت و ہدایت اور اس کے تقاضے اوجھل ہو گئے اور سیاست کے ذریعہ ملت کے مسائل (صرف دنیوی مسائل) کے حل تلاش کیے جانے لگے۔ داعیانہ کردار مفقود ہوتا گیا اور بالآخر مسلمان مختلف سیاسی پارٹیوں میں بٹ کر اپنے اور دوسرے سیاسی گروہوں کے درمیان کوئی امتیاز قائم نہ رکھ سکے۔

اس موضوع پر آئندہ کبھی تفصیل سے گفتگو کی جائے گی، اس وقت تو صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اگر ہم نے اجتماعی حیثیت سے اسلام کو عملاً اپنایا ہوتا اور اپنے عمل و کردار سے اسلام کی صحیح اور دلکش تصویر پیش کی ہوتی اور انفرادی رابطے کے ذریعہ اللہ کے بندوں کو مخلوق کی پرستش اور مذاہب کے ظلم و ستم سے نکال کر اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت اور اسلام کے عدل و انصاف کی طرف رہنمائی کا اپنا اساسی فریضہ ادا کیا ہوتا تو آج زمین و آسمان کچھ اور ہوتے۔

ماضی کا تذکرہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ مستقبل کی تعمیر میں مدد ملے۔ قدرت نے ہمیں ایک موقع عنایت فرمایا ہے۔ ہماری ذمہ داری ہے کہ اس کی قدر کریں اور جو کچھ کریں دین اور عقل کی رہنمائی میں کریں۔

سب سے پہلا کام جس کی طرف ہمیں سنجیدگی سے فوراً متوجہ ہونا چاہیے وہ خود اپنی اصلاح و تربیت ہے۔

عقائد، عبادات، معاشرت، معاملات تمام شعبوں میں ہم اللہ و رسول کی تعلیمات کو عملاً اختیار کریں۔ ہماری زندگی اسلامی زندگی کا نمونہ ہو اور غفلت اور بے فکری کی جس زندگی کے ہم عادی ہوگئے ہیں اسے چھوڑ کر فکرمندی اور بندگی والی زندگی میں داخل ہوں ــــــ اپنے اندر کا یہ انقلاب [illegible] ماحول چاہتا

ہے جواب اللہ کے فضل وکرم سے ملک کے ہر علاقہ میں کسی نہ کسی درجہ میں موجود ہے۔ یہ ماحول اس رخ اور طریقہ کو متعین کرنے میں مدد دے گا جس پر چل کر انسان اپنے اندر یہ انقلاب برپا کر سکتا ہے اور دنیا میں لاکھوں انسان کر رہے ہیں ۔ اس سلسلہ میں خاص طور پر اس طرف بھی توجہ کی ضرورت ہے کہ پیشوں اور خاندانوں میں اونچے اور نیچے کی خود ساختہ تقسیم۔ غیر مسلم تہذیب اور روایات کے اثر سے کسی حد تک ہم مسلمانوں میں بھی آگئی ہے۔ اس غیر اسلامی تصور کو مٹانا ہمارا اولین فریضہ ہے۔

اسی کے ساتھ ہمیں اللہ کے لیے اللہ کے بندوں کی خدمت کی عظیم نبوی سنت کو زندہ کرنا ہوگا۔ خدمت واکرام دلوں کو مسخر کرنے کا سب سے آسان نسخہ ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام اور امت کے تمام مصلحین اور داعیوں کی زندگیاں عام انسانوں ہی کی نہیں، دشمنوں کی بھی خدمت کے واقعات سے پُر ہیں۔

آخر میں دو باتوں کی طرف خصوصیت سے توجہ دلانی ہے۔

ہم اگر یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے بندے اسلام کی دعوت قبول کریں تو ہرگز اس لیے نہیں چاہتے کہ اس سے ہماری تعداد اور طاقت میں اضافہ ہو جائے گا بلکہ اس لیے اور صرف اس لیے چاہتے ہیں کہ ہمارے یہ بھائی دنیا میں بھی عدل ومساوات اور عزت وعافیت کی زندگی گزار سکیں اور مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی مغفرت ورحمت کے مستحق بن سکیں اور جہنم کے دردناک عذاب سے بچ جائیں۔ اس سلسلہ میں آج کل کے پست سیاسی مقاصد کو مطمح نظر بنانا، اسلام کے ساتھ دوستی نہیں دشمنی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ۲۳ سالہ عہد نبوت میں ایک سکنڈ بھی ایسا نہیں ملتا کہ آپ نے اہل مکہ وطائف یا مدینہ، خیبر اور نجران کے یہود ونصاریٰ کو اس لیے دعوتِ اسلام دی ہو کہ اس سے آپ کی طاقت میں اضافہ ہو جائے گا۔ حاشا وکلا اسی طرح جب آپ کے تربیت یافتہ صحابہ کرام دین کی دعوت لے کر روم وایران اور دوسرے علاقوں کی طرف نکلے تو ان میں سے کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی یہ مقصد نہیں تھا۔ کیونکہ یہ طرز فکر اہل سیاست کے لیے تو زیب دیتا ہے۔ دین اور دینی دعوت کے مزاج اور روح سے بالکل جوڑ نہیں کھاتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جہاں کہیں ایسا واقعہ ہوتا ہے جس میں کوئی پہلو ہماری مسرت اور کامیابی کا ہو تو فوراً ہم اس کوشش میں لگ جاتے ہیں کہ اس کی زیادہ سے زیادہ تشہیر ہو اور ہر حلقہ اس کا کریڈٹ لینے کے لیے اسے اپنی مساعی کی طرف منسوب کرنے لگتا ہے اور یہ سب اس وجہ سے ہے کہ ہم دعوت الی اللہ

اور کار نبوت کے مزاج سے بڑی حد تک ناواقف ہیں۔

قرآن مجید کی آخری سورتوں میں ایک سورۃ النصر ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب اللہ کی مدد اور فتح آئے اور لوگ جوق در جوق اللہ کے دین کو قبول کرنے لگیں تو بس اللہ کی حمد و ثنا اور اس کی تسبیح و تقدیس میں لگ جاؤ اور اس سے مغفرت اور معافی مانگو۔

حقیقت یہ ہے کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے قیامت تک آنے والے مسلمانوں اور داعیوں کو اس بات سے آگاہ کیا گیا ہے کہ وہ کسی بڑی سے بڑی کامیابی کو اپنا کارنامہ نہ سمجھیں، یہ یقین کریں کہ یہ محض اللہ کا کرم اور اسی کا فعل ہے ـــــ جہاں تک ان کی کوششوں کا تعلق ہے تو انھیں چاہیے کہ وہ ان کے سلسلہ کی کوتاہیوں سے اللہ سے معافی مانگیں، نہ یہ کہ انھیں کامیابی کا سبب قرار دے کر اترانے لگیں اور بندگی کے حدود سے تجاوز کر جائیں ـــــ

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے عظیم ترین موقع پر کیسی متواضعانہ ہیئت میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے اور اس عظیم الشان فتح کا اعلان آپ نے ان الفاظ میں فرمایا تھا۔

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ صدق وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہ۔

ایک خدا کے سوا کوئی اور خدا نہیں ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اپنے بندہ کی مدد کی تمام دشمنوں کے جتھوں کو صرف اسی نے شکست دی۔

جس امت کی کتاب کا وہ حکم ہو اور جس کے نبی کا یہ اسوہ ہو اگر وہ کسی چھوٹے سے واقعہ پر شادمانی کے جشن منانے لگے اور آپس میں اسی بحث میں الجھ کر رہ جائے کہ یہ کامیابی کس کی کوشش سے حاصل ہوئی ہے؟ تو یہ دین کے کام کو سیاسی اور دنیاوی کاموں کے مزاج کے مطابق کرنے کے سنگین مرض میں اس کے مبتلا ہو جانے کی واضح ترین علامت ہے۔ ہم سب کا فرض ہے کہ اس مرض کے علاج اور اس سے بچنے کی طرف بہت سنجیدگی سے توجہ دیں۔

اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ہمارے اندر اپنے اس اجتماعی گناہ کا احساس پیدا ہو کہ ہماری زندگی اسلام کا صحیح نمونہ نہیں ہے اور مخلوق کی ہدایت کی فکر اور دعوت الی الخیر کا جذبہ ہم کھو چکے ہیں اس لیے ہم اللہ سے معافی مانگیں اور اپنی زندگی کو صحیح اسلامی اور دعوتی زندگی بنانے کی فکر کریں۔

چند اہم اور قابل مطالعہ کتابیں

مطالعہ قرآن کے اصول و مبادی

مولانا سید ابوالحسن ندوی کی تازہ ترین تصنیف

یہ کتاب قرآن مجید سے متعارف کرانے اس کے اصل مقاصد اور مرکزی مضامین سے آشنا بنانے اس سے صحیح طور پر استفادہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے اور قرآن کی دعوت و ہدایت فیضیاب ہونے میں مدد کرتی ہے۔

عکسی طباعت سے مزین قیمت ‎۱۲/-

زاد سفر

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کی مقبول کتاب "ریاض الصالحین" کا سلیس ترجمہ ضروری حواشی و تشریحی عنوانات کے ساتھ

مترجمہ: امۃ اللہ تسنیم مرحومہ ہمشیرہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

عکسی طباعت اور خوبصورت کور سے مزین

قیمت حصہ اول ‎۱۶/- دوم ‎۲۰/-

حیات خلیل

مرتبہ:- مولانا محمد ثانی حسنی ندوی مظاہری

حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی سوانح حیات، علمی کمالات، دینی خدمات، امتیازات، خصوصیات اور تصنیفات کا مفصل تذکرہ۔ قیمت کمل ‎۲۵/-

آپ بیتی مولانا عبدالماجد دریابادی

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ کے قلم سے لکھی ہوئی "آپ بیتی" اور خود نوشت سوانح عمری——

جس میں گزشتہ لکھنؤ اور اودھ کی ثقافت و تہذیب، مشاہیر دین و ادب اور ممتاز معاصرین و احباب کے چیتے جاگتے تذکرے اور چلتی پھرتی تصویریں بھی موجود ہیں۔ قیمت ‎۲۵/-

پرانے چراغ مکمل

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

معاصر شخصیتوں، بزرگوں، استادوں اور دوستوں سے متعلق تعارفی مضامین تاثرات مشاہدات و واقعات اور معلومات کا دلچسپ مجموعہ۔ قیمت حصہ اول ‎۱۸/- دوم مع تکملہ سینے کے داغ ‎۲۵/-

عصر حاضر میں دین کی تفہیم و تشریح

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

بعض معاصر تحریکوں اور تحریروں کے آئینہ میں ایک جائزہ اور تبصرہ۔ قیمت ‎۳/۵۰

ملنے کا پتہ:- الفرقان بک ڈپو ۳۱ نیا گاؤں مغربی (نظیر آباد) لکھنؤ

محمد منظور نعمانی

تحدیث نعمت

کن کو دیکھا، کیا دیکھا، کیا پایا

اس گنہگار بندے پر اس کے رب کریم کے جو بے حد و حساب انعامات و احسانات ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اسی کی توفیق سے اس کے بہت سے مقبول بندوں سے کسی درجہ کا ربط و تعلق، عقیدت و محبت اور اُن کی شفقت و عنایت نصیب ہوئی۔۔۔۔ الفرقان میں اس عنوان کے تحت اللہ تعالیٰ کے اس انعام و احسان کا تذکرہ ہوتا رہا ہے لیکن ادھر طویل مدت سے اس سلسلہ کی کوئی قسط نہیں لکھی جاسکی، آج بنام خدا حضرت مولانا حسین علی شاہ صاحب مجددی رحمۃ اللہ علیہ (ضلع میانوالی پاکستان) کے ساتھ پہلے غائبانہ عقیدت پھر ان کی خدمت میں حاضری کا تذکرہ حوالۂ قلم کرنے کا ارادہ کیا ہے، واللہ الموفق

حضرت مولانا حسین علی شاہ صاحب مجددی علیہ الرحمہ :-

جہاں تک یاد ہے راقم الحروف نے سب سے پہلے دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی کے زمانے میں (جس کو عنقریب ساٹھ سال پورے ہو جائیں گے) علاقہ پنجاب کے بعض ہم درس طلبہ سے حضرت مولانا کا نام سنا تھا اور یہ بھی سنا تھا کہ وہ حضرت گنگوہیؒ کے تلامذہ میں سے ہیں نیز یہ کہ شرک کے خلاف جنگ اور توحید خالص کی دعوت کا جذبہ اُن پر غالب ہے اور

اس لحاظ سے اپنے علاقہ میں وہ گویا اس دور کے "شاہ اسمٰعیل شہید" ہیں۔

میرا حال طالب علمی کے اس دور ہی میں (غالباً اپنے خاص استاذ و مربی حضرت مولانا کریم بخش سنبھلیؒ کی صحبت و تربیت کے اثر سے) یہ تھا کہ جن بزرگ کے متعلق معلوم ہوتا کہ شرک و توحید کے بارے میں اُن کا حال وہ ہے جو حضرت شاہ شہید کا تھا تو دل میں ان کی خاص عظمت و محبت پیدا ہو جاتی اس لیے جب حضرت مولانا حسین علی شاہ صاحب کے بارے میں یہ سنا تو اسی وقت سے اُن کے ساتھ ایک قلبی ربط و لگاؤ پیدا ہو گیا۔

پھر ایک دن غالباً صحیح بخاری شریف کے درس میں استاذ نا حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ نے کسی سلسلہ میں اُن کا اور مجددی سلسلہ ہی کے اُسی علاقہ کے ایک دوسرے صاحب ارشاد شیخ کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں جہاں تک جانتا ہوں اس وقت ہندوستان میں یہ دونوں حضرات مجددی نقشبندی نسبت کے امین و امام ہیں ——— حضرت استاذ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ سننے کے بعد اس عقیدت و محبت میں اضافہ ہو گیا جو حضرت مولانا حسین علی شاہ صاحب سے پیدا ہو چکی تھی، اور قدرتی طور پر اُن کی زیارت اور ان کی خدمت میں حاضری کی آرزو بھی پیدا ہوئی لیکن اُس وقت بظاہر یہ ایسی آرزو تھی جس کے پورا ہونے کی میں اُس زمانے میں توقع بھی نہیں کر سکتا تھا، مگر اللہ تعالیٰ نے قریباً دس ہی سال کے بعد اس آرزو کو عجیب و غریب طریقہ سے پورا فرمایا۔ اِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا يَشَاءُ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ۔

دارالعلوم دیوبند کی میری طالب علمی ہی کے زمانے میں یہ واقعہ ہوا تھا کہ نجد کے سلطان عبدالعزیز بن سعود نے اُس وقت کے والیِ حجاز شریف مکہ (حسین[1]) کو شکست دے کر حرمین شریفین پر اپنا اقتدار قائم کر لیا اور اپنے مسلک کے مطابق وہاں اصلاحی اقدامات

---

[1] یہ شریف حسین سلطنت عثمانیہ ترکی کی طرف سے حجاز کے گورنر تھے، پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴ تا ۱۹۱۸ء) کے زمانے میں انگریزوں کی سازش سے غداری اور بغاوت کر کے یہ خود حجاز کے حکمراں بن گئے تھے۔

کیے اس سلسلہ میں کہ معظمہ کے قبرستان جنۃ المعلاۃ اور مدینہ منورہ کی جنۃ البقیع میں حضرات اہل بیت اور بعض صحابہ کرام کی قبروں پر بنے ہوئے وہ قبّے بھی منہدم کرا دیے جو کسی زمانہ میں (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح ہدایت کے خلاف) تعمیر کیے گئے تھے۔ اس وقت ہندوستان میں قبوری اہل بدعت اور شیعوں کی طرف سے ایک طوفان برپا ہوگیا اور وہابیت و بدعیت کی وہ جنگ جس کو خلافت کی تحریک نے بالکل ٹھنڈا کر دیا تھا، پھر زور شور سے چھڑ گئی۔ راقم سطور جب دارالعلوم کی تعلیم سے فارغ ہو کر اپنے وطن سنبھل (ضلع مرادآباد) آیا تو یہ جنگ شباب پر تھی اور بریلوی جماعت کے اس دور کے سب سے بڑے زعیم و قائد مولانا نعیم الدین مرادآبادی کی وجہ سے ہمارا علاقہ اس جنگ کا خاص میدان تھا۔ بریلوی حضرات کی طرف سے عوامی جلسوں کی تقریروں اور پمفلٹوں، اشتہاروں کے ذریعہ حملوں کا سلسلہ جاری تھا، اور ان حملوں کا خاص نشانہ حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی دعوت توحید و سنت کے علمبردار اکابر علمائے دیوبند تھے۔ ہماری جماعت کی طرف سے بھی کچھ مدافعت اور جوابدہی ہو رہی تھی ——

راقم سطور نے دارالعلوم سے فراغت اور واپسی کے بعد اپنے اساتذہ اور اکابر کے طریقہ پر تدریس کا مشغلہ اپنا لیا تھا اسی کے ساتھ اس لسانی اور قلمی محاربہ میں بھی حصہ لینا شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں مختلف مقامات پر مناظروں کی بھی نوبت آئی اور اللہ تعالیٰ نے اس میدان میں بھی احقاق حق و ابطال باطل کی توفیق عطا فرمائی[1]

قریباً ۶-۷ سال کے تجربہ کے بعد احساس ہوا کہ مناظرہ کا مروجہ طریقہ بہت غلط ہے[2] اور اہل باطل کی طرف سے مناظرے کرنے والے بالعموم پیشہ ور ہیں، انھوں نے اس کو اپنا پیشہ

---

[1] ان میں سے اکثر مناظروں کی روئدادیں بھی اسی زمانے میں شائع ہوئی تھیں جو اب نایاب ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ ان میں بعض روئدادیں پاکستان میں اب پھر شائع ہوئی ہیں۔

[2] واقعہ یہ ہے کہ مناظرہ کا یہ مروجہ طریقہ کہ ہر فریق کا مناظر پانچ پانچ یا دس دس منٹ تقریر کرے آریہ سماجیوں اور قادیانیوں کا ایجاد کیا ہوا تھا، اس میں اہل باطل کو اپنی کمزوری چھپانے کا کافی موقع مل جاتا ہے۔

اور معاشی ذریعہ بنا لیا ہے، حق و ناحق سے ان کو کوئی واسطہ نہیں ہے، اس لیے عوام کو شرک و بدعت کی تاریکی سے نکالنے اور ان کی اعتقادی اور عملی اصلاح کے لیے انبیاء علیہم السلام اور ان کے سچے نائبین کی طرح اخلاص اور دلسوزی کے ساتھ براہ راست عوام ہی پر محنت ہونی چاہیے اور تحریر و تقریر میں انہی کو مخاطب کرنا چاہیے نیز مناظرہ کے مروجہ طریقہ میں بعض اوقات وہ رویہ اختیار کرنا پڑتا ہے جو حق پرستوں کے لیے مناسب نہیں اور اپنے لیے مضر ہے —— اس احساس کے بعد اس عاجز نے مناظرہ ترک کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اس فیصلے پر چند ہی مہینے گزرے تھے کہ ایک دن لاہور سے حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب گرامی ملا۔ تحریر فرمایا تھا کہ ——

حضرت مولانا حسین علی شاہ صاحب (واں بھچراں۔ ضلع میانوالی) سے آپ غالباً واقف ہوں گے، وہ اس علاقہ پنجاب میں ہمارے اور ہماری جماعت کے سب سے بڑے بزرگ ہیں۔ ہمارے تمام اکابر کی طرح وہ بھی آج کل کے مناظروں کو پسند نہیں فرماتے، لیکن حضرت سے دینی تعلق رکھنے والے بعض حضرات نے اپنے علاقہ کے خاص حالات سے مجبور ہو کر اہل بدعت سے مناظرہ منظور کر لیا ہے —— حضرت مولانا اس ضعیف العمری میں چار سو میل کا سفر طے کر کے صرف اس کام کے لیے لاہور تشریف لائے ہیں کہ مناظرہ کے لیے آپ کو بلانا میرے ذمہ کر دیں۔ —یہ مناظرہ فلاں تاریخ کو فلاں مقام پر طے پایا ہے۔ آپ ہی کو مناظرہ کرنا ہے۔ اس کے لیے فلاں تاریخ کو آپ پہنچ جائیں[1]۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا، میں چند مہینے پہلے مناظرہ ترک کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا لیکن حضرت مولانا لاہوری کا مکتوب گرامی اور حضرت مولانا حسین علی شاہ صاحب کی طرف سے دعوت! —— سوچ سمجھ کے فیصلہ کیا کہ اس مناظرہ کے لیے تو جانا ہے —— حضرت لاہوری کی خدمت میں لکھ دیا کہ انشاء اللہ حسب ارشاد حاضر ہو جاؤں گا۔

یہ مناظرہ ضلع سرگودھا کے ایک مقام "سلانوالی" میں ہونا طے ہوا تھا۔ یہ عاجز مقررہ تاریخ پر وہاں پہنچ گیا۔ لاہور سے خود حضرت مولانا لاہوری، حضرت مولانا عبدالحنان ہزاروی مرحوم

---

[1] حضرت مولانا لاہوری کے مکتوب گرامی کا یہ مضمون حافظہ ہی کی مدد سے لکھا گیا ہے۔

اور دیگر متعدد علمائے کرام اور بہت سے دوسرے حضرات تشریف لے آئے ـــــــ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا حسین علی شاہ صاحب ہم سے پہلے تشریف لا چکے ہیں۔ لیکن کچھ ایسا اتفاق ہوا کہ مناظرہ سے پہلے حضرت کی خدمت میں حاضری نہیں ہو سکی۔ ـــــــ یہ عاجز مقررہ وقت پر مناظرہ گاہ پہنچا تو حضرت مولانا وہاں تشریف لا چکے تھے، پہلی ملاقات اور زیارت یہیں اسٹیج پر ہوئی ـــــــ مناظرہ کا موضوع اس علاقہ کے بعض اہل بدعت کا یہ مشرکانہ عقیدہ تھا کہ "اللہ تعالیٰ کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہر وقت ہر چیز کا علم ہے" یعنی آپ کا علم بھی "محیط بکل شیئ" ہے، فرق صرف ذاتی اور عطائی کا ہے۔

قرارداد کے مطابق مناظرہ ہوا، اس عاجز نے اس عقیدہ کے ابطال و تردید میں قرآنی آیات، احادیث نبوی، صحابہ و تابعین کے ارشادات اور سلف صالحین کی تصریحات کے علاوہ خود مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کی کتابوں سے اُن کی وہ عبارتیں بھی پیش کیں جن میں انھوں نے صراحت کے ساتھ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور کسی بھی مخلوق کے لیے علم محیط تفصیلی کا عقیدہ باطل اور نصوص قرآن و حدیث کے خلاف ہے اور یہ کہ علامہ علی قاریؒ نے اس عقیدہ کے موجب کفر ہونے پر اجماع نقل کیا ہے ـــــــ

یہ مناظرہ دو روز جاری رہا، حضرت مولانا حسین علی شاہ صاحب انتہائی ضعف پیری کے باوجود اول سے آخر تک تشریف فرما رہے اور انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا ـــــــ اس مناظرہ میں میری حیثیت دراصل حضرت مولانا کے وکیل کی تھی[1] ـــــــ مناظرہ کے ختم پر قیام گاہ کی طرف واپس ہوتے ہوئے حضرت نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اچانک میری بے خبری میں میرا ہاتھ چوم لیا۔ مجھے بےحد ندامت ہوئی اور شدت تاثر سے پسینہ سا

---

[1] اس مناظرہ میں گوجرانوالہ کے ہمارے ایک مخلص مسٹر عنایت الٰہی بی اے شریک تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ کمال عطا فرمایا تھا کہ ہر مقرر کی تقریر قریبًا لفظ بہ لفظ لکھ لیتے تھے، انھوں نے اس مناظرہ کی فریقین کی تقریریں اسی طرح قلم بند کی تھیں اسی وجہ سے اس مناظرہ کی روئداد اسی زمانے میں جیسی مکمل شائع ہوگئی تھی، غالبًا کسی تقریری مناظرہ کی روئداد ایسی مکمل شائع نہ ہوئی ہوگی ـــــــ معلوم ہوا ہے کہ پاکستان میں بعض اشاعتی اداروں نے اس کو [illegible] شائع کیا ہے۔

آ گیا، اسی موقع پر چلتے چلتے حضرت مولانا نے اپنے خاص پنجابی انداز میں (مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے بارے میں) فرمایا کہ معلوم ہوتا ہے یہ بریلی والا پڑھا لکھا تھا، علم والا تھا، ہمارے ہاں کے یہ لوگ بالکل جاہل ہیں ان کا عقیدہ وہی ہے جو قطعًا شرک ہے۔

اس عاجز نے بعض اکابر علماء سے سنا تھا کہ حضرت مولانا حسین علی شاہ صاحب کو فہم قرآن میں خاص کمال و امتیاز حاصل ہے اور ان کا درس قرآن کا ایک بالکل نرالا طریقہ ہے ——— مناظرہ سے فارغ ہونے کے بعد میں مولانا کی خدمت میں حاضر تھا، موقع مناسب دیکھ کر عرض کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ حضرت قرآن مجید کی کوئی سورت مجھے پڑھا دیں! مولانا نے فورًا قرآن پاک منگوالیا اور اسی ایک نشست میں ایک عجیب انداز سے سورۂ "مومن" سے "احقاف" تک ان ساتوں سورتوں کا اجمالی درس دیا جو حٰم سے شروع ہوئی ہیں۔ یہ پورے دو پارے ہوتے ہیں ——— حضرت مولانا صاف اردو بولنے پر قادر نہیں تھے۔ وہ بس تفسیری اشارے فرماتے جاتے اور پوری سورت کا حاصل اور اصل پیغام مختصر لفظوں میں بیان فرماتے تھے ——— مولانا اپنے تفسیری اشارے کے ساتھ تفسیر کی کسی کتاب کا نام بھی لیتے تھے، فرماتے "مدارک، جلالین، بیضاوی، خازن، ابوالمسعود، کبیر، قرطبی، روح المعانی" وغیرہ وغیرہ۔ مطلب یہ ہوتا تھا کہ جو کچھ میں نے کہا وہ تفسیر کی اس کتاب میں ہے ——— اس سلسلہ کی آخری سورت "احقاف" کے مضامین پر کسی قدر تفصیل سے گفتگو فرمائی۔ اس طرح اس عاجز کو حضرت مولانا سے تلمذ کی بھی سعادت حاصل ہوئی، فللہ الحمد ——— اسی ایک درسی صحبت سے اندازہ ہوا کہ قرآن پاک سے حضرت مولانا کو عشق ہے اور اس کے درس سے ان کی روح کو غذا ملتی ہے[1] میں نے آخر میں دعا کی درخواست کی تو اسی وقت ہاتھ اٹھا کے خاص توجہ اور اہتمام سے دعا فرمائی[2]

---

[1] مولانا غلام اللہ خاں صاحب جو شیخ القرآن ہی کے لقب سے معروف ہو گئے تھے (جنھوں نے اسی سال وفات پائی ہے) وہ حضرت مولانا حسین علی شاہ صاحب کے علم قرآن کے خاص وارث و امین تھے۔ انھوں نے حضرت مولانا کے تفسیری افادات کو تفسیر جواہر القرآن کے نام سے مرتب کر کے شائع کر دیا تھا۔ اس کے مطالعہ سے حضرت مولانا کے علم قرآن کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

[2] اس سے مراد تیسرا حصہ انوار الباری شرح اطراف البخاری کے مصنف حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب محدث (گوجرانوالہ) ہیں۔

یہ واقعہ ۱۹۳۶ء کا ہے ۱۳۵۵ھ ختم ہو رہا تھا، اس کے آخری مہینے ذی الحجہ کا تیسرا ہفتہ تھا۔

ایک قابل ذکر واقعہ اس سفر میں یہ بھی پیش آیا کہ چند روز پہلے عید اضحیٰ میں میں نے اپنی قربانی کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بھی گھر کے پلے ہوئے ایک بکرے کی قربانی کی تھی۔ یہ بکرا بہت ہی خوبصورت تھا اور گھر کے سب ہی لوگوں کو اس سے اُنس تھا، یہ سب چھوٹے بڑوں سے بہت ہی مانوس تھا۔ عید قرباں کے ۳۔ ۴ دن بعد یہ سفر ہوا تھا۔ راستہ میں کھانے کے لیے اس بکرے کا گوشت ایک ناشتہ دان میں بھر لیا تھا، میرے ساتھ ایک رفیق سفر مولوی عطاء اللہ قاسمی بھی تھے۔ ریل کے ڈیڑھ دو دن کے سفر میں ہم دونوں یہی گوشت کھاتے رہے۔ مقام مناظرہ سلانوالی پہنچکر اپنے اس ناشتہ دان کو گویا ہم بھول ہی گئے، وہاں کے قیام میں اس کو کھول کے دیکھنے کی بھی نوبت نہیں آئی، اس سفر سے واپسی میں، ہم دونوں کے علاوہ اور بھی متعدد حضرات ساتھ تھے، ایک بڑے اسٹیشن پر کھانا کھانے کا ارادہ کیا تو ضرورت محسوس ہوئی کہ کھانے کا کچھ سامان اسٹیشن سے بھی خرید لیا جائے، اس وقت ناشتہ دان یاد آیا، ساتھ ہی خیال آیا کہ اس میں کچھ گوشت باقی رہ گیا تھا وہ تو بالکل خراب ہو گیا ہوگا۔ اُس کو کھول کے دیکھا، انتہائی حیرت انگیز مسرت ہوئی، اس گوشت میں جو ۹۔۱۰ دن پہلے کا پکا ہوا تھا، اور اُس میں سے کھایا بھی گیا تھا اور جو تھا وہ پس خوردہ تھا اور ناشتہ دان میں بند رہا تھا، ہوا بھی نہیں لگی تھی، ذرا بھی تغیر نہیں آیا تھا ——— ہم نے اس کو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کی برکت اور آپ کا معجزہ سمجھا اور سب رفقائے سفر نے بہ طور تبرک کے اس کو کھایا۔ صلی اللہ علیٰ نبیہ الکریم۔

دوسری اور آخری زیارت و ملاقات:-

فروری ۱۹۴۲ء میں لاہور میں جماعت اسلامی کا ایک اہم مشاورتی اجتماع تھا، یہ عاجز اس وقت جماعت کا سرگرم رکن و داعی بلکہ نائب امیر بھی تھا، جماعت کے تمام اہم ارکان اس موقع پر لاہور میں جمع تھے۔ معلوم ہوا کہ حضرت مولانا احمد علی شاہ صاحب مریض ہیں اور سلسلۂ

علاج لاہور تشریف لائے ہوئے ہیں، تحقیق سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ قیام فلاں جگہ ہے۔ زیارت و عیادت کے لیے خدمت میں حاضری کا ارادہ کیا۔ امیر جماعت مولانا مودودی مرحوم، رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، مولانا امین احسن اصلاحی اور بعض اور حضرات نے بھی ساتھ چلنے کا فیصلہ کیا اور پروگرام بن گیا، لیکن حضرت مولانا کی قیام گاہ کے قریب ہم ایسے وقت پہنچے جب وہ کہیں جانے کے لیے اس حال میں نکل رہے تھے کہ داہنے بائیں دونوں طرف سے خدام تھامے ہوئے تھے، نقاہت کا یہ حال تھا کہ معلوم ہوتا تھا ہڈیوں کے ڈھانچہ پر صرف کھال باقی رہ گئی ہے۔ اور بس سانس کی آمد و رفت اور اس کے ساتھ ذکر خفی جاری ہے۔ حضرت کے خدام میں بھی بعض وہ حضرات تھے جو مجھ کو پہچانتے تھے، میں نے سلام عرض کیا اور رفقا کے بارے میں مختصر طور پر کچھ عرض کیا اور دعا کی درخواست کی۔ حضرت وہیں راستہ میں کھڑے ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کے دعا میں مشغول ہو گئے۔ ضعف و نقاہت کا یہ عالم تھا کہ دعا کے لیے اٹھے ہوئے ہاتھ خدام میں سے ایک صاحب کو تھامنے پڑے۔ بس یہی آخری زیارت و ملاقات تھی۔۔۔۔۔ اُس وقت حضرت کا سن یقیناً سو سے متجاوز تھا۔

بعد میں یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کے علاوہ حضرت مولانا مظہر نانوتویؒ سے بھی آپ کو تلمذ کا شرف حاصل تھا جو حدیث میں حضرت شاہ اسحٰقؒ کے بلا واسطہ شاگرد تھے۔ اس لحاظ سے حضرت مولانا حسین علی شاہ صاحب کے تلامذہ کو صرف دو واسطوں سے حضرت شاہ اسحٰق صاحبؒ سے تلمذ کا شرف حاصل ہے اور اس سعادت میں کسی نہ کسی درجہ میں راقم سطور بھی شریک ہے۔ فللّٰہ الحمد والمنّۃ

انتخاب

فسادات کا مسئلہ، صحیح طریق کار :-

فساد کا کوئی سبب پیدا ہو تو اس وقت ایک طریقہ صبر کا ہے اور دوسرا طریقہ اشتعال کا۔ ایسے موقع پر مشتعل ہونا فساد کو بڑھاتا ہے۔ اس کے برعکس اگر ذہن کو قابو میں رکھ کر سوچا جائے اور صبر کا طریقہ اختیار کیا جائے تو مسئلہ جہاں کا وہیں ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں ہم چند واقعات لکھتے ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ صبر کا طریقہ اختیار کرنا کس طرح فساد کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

۱۔ غالباً ۱۹۷۳ء کی بات ہے دارالعلوم ندوہ (لکھنؤ) کے قریبی محلہ میں ایک غیر مسلم کی گائے تھی ایک مقامی مسلمان نے کسی وجہ سے گائے کو مارا۔ اتفاق سے چوٹ کسی نازک مقام پر لگ گئی اور گائے مر گئی۔ غیر مسلم حضرات کو جب معلوم ہوا کہ ان کی گائے ایک مسلمان نے مار ڈالی ہے تو پورے علاقہ میں اشتعال پیدا ہو گیا۔ سیکڑوں کی تعداد میں غیر مسلم لوگ جمع ہو گئے۔ سب سے قریبی مسلم مرکز ندوہ تھا وہ لوگ ندوہ میں گھس آئے اور اشتعال انگیز نعرے لگانے لگے۔

یہ بڑا نازک وقت تھا کہ وہ لوگ ندوہ کو آگ لگا دیں اور پھر سارے شہر میں فساد برپا ہو جائے ندوہ کے ذمہ داروں نے اس موقع پر مشورہ کیا طے ہوا کہ اس مشتعل مجمع کو ٹھنڈا کرنے کی تدبیر صرف یہ ہے کہ گائے کے قاتل کو مجمع کے حوالے کر دیا جائے۔ اگرچہ یہ ایک خطرناک کام تھا مگر شہر کو آگ اور خون سے بچانے کی کوئی دوسری تدبیر ممکن نہ تھی۔ چنانچہ ذمہ دار حضرات مذکورہ مسلمان کے پاس گئے جو غالباً ندوہ کے ایک گوشہ میں چھپا ہوا تھا۔ اس سے کہا کہ اس وقت ندوہ اور سارا شہر خطرہ میں ہے۔ مگر ان کا سارا غصہ تمھاری ذات سے ہے۔ اگر وہ تم کو پا جائیں تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اگرچہ یہ تمھارے لیے ایک خطرہ کی بات ہے تاہم امید ہے کہ اللہ کی مدد حاصل ہوگی اور تم کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ آخر کار وہ راضی ہو گیا اور نکل کر مجمع کے سامنے آ گیا۔ اس نے کہا کہ آپ کی گائے میں نے ماری ہے اس لیے آپ میرے ساتھ جو

چاہیں کریں، البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ میں نے مارنے کی نیت سے نہیں مارا تھا بلکہ اس کو بھگانے کی نیت سے مارا تھا، اتفاق کی بات تھی کہ وہ مرگئی۔

مجمع نے جب گائے کے قاتل کو دیکھا اور اس کی باتیں سنیں تو ان کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا۔ وہ لوگ جو ندوہ کو پھونکنے اور شہر کی مسلم آبادی کو ویران کرنے پر تلے ہوئے تھے وہ صرف اتنی سی بات پر راضی ہوگئے کہ گائے کا قاتل گائے کی قیمت ادا کردے۔ قیمت فوراً ادا کردی گئی اور مسئلہ اسی پر ختم ہوگیا۔

۲۔ فیروزپور جھرکا ضلع گوڑگاؤں (ہریانہ) کا ایک قصبہ ہے۔ قصبہ میں تقریباً تمام دکانیں غیر مسلم حضرات کی ہیں مگر اطراف کے تمام دیہاتوں میں مسلمانوں (میوؤں) کی اکثریت ہے۔ فیروزپور کے بازار میں زیادہ تر یہی مسلمان خریداری کرتے ہیں۔ ۱۹۸۰ء کے آغاز میں یہ واقعہ ہوا کہ ایک غیر مسلم خاندان کی لڑکی گھر سے غائب ہوگئی۔ لوگوں کو شبہ ہوا کہ کچھ مسلم نوجوانوں نے ایسا کیا ہے چنانچہ غیر مسلم حضرات نے کافی شور وغل کیا۔ پولیس میں رپورٹ کرکے کچھ مسلمانوں کو گرفتار کرایا۔ ایک روز احتجاجی ہڑتال کی۔ بسوں کو روک کر مسلم مسافروں کو پریشان کرنا شروع کیا۔ ہندی اخبارات میں اغوا کی رپورٹ شائع کرائی۔ اس طرح کے واقعات نے علاقہ میں سخت اشتعال پیدا کردیا اور اندیشہ ہوگیا کہ کسی بھی دن فساد برپا ہو جائے اور اس کے بعد سارا علاقہ آگ اور خون کی نذر ہو جائے۔

اس علاقہ میں مسلمانوں کی پنچایت قائم ہے اور اہم قومی مسائل پر پنچایتی فیصلہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ پنچایت کا اعلان ہوا کہ باہمی مشورہ سے اقدام کا فیصلہ کیا جائے۔ ایک خاص تاریخ کو علاقے کے چودھری اور ذمہ دار کئی سو کی تعداد میں فیروزپور کے پاس ایک مقام پر جمع ہوئے۔ کئی گھنٹہ کی گفتگو کے بعد بالآخر بائیکاٹ کا فیصلہ ہوا کہ مسلمان کوئی براہ راست کارروائی نہ کریں۔ بس خاموشی سے یہ کریں کہ غیر مسلم دوکانداروں کے یہاں سے خریداری کرنا بالکل بند کردیں۔ کچھ لوگ نگراں مقرر ہوئے۔ جو بازار کے تمام راستوں پر بیٹھیں اور دیکھتے رہیں کہ کوئی مسلمان خریداری کے لیے غیر مسلم دوکانداروں کے یہاں نہ جائے۔

اگلے دن سے بائیکاٹ شروع ہوگیا میوؤں کے نزدیک برادری کے فیصلہ کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اس لیے بائیکاٹ کا فیصلہ صد فی صد کامیاب رہا۔ فیروزپور کا بازار نیز اطراف کے بازار جو روزانہ بھرے رہتے تھے بالکل سونے ہوگئے، دوکاندار سارے دن بے کار رہنے لگے۔ ابھی بائیکاٹ کو صرف تین دن

گزرے تھے کہ غیر مسلم دوکاندار چیخ اٹھے۔ غیر مسلم دکانداروں نے باہم مشورہ کرکے علاقہ کے ذمہ دار مسلمانوں اور غیر مسلموں کی ایک مشترکہ پنچایت کی۔ غیر مسلم حضرات نے کہا کہ ہم آپ کے بھائی ہیں، جو کچھ ہوا اس کو بھول جائیے اور ہماری کوتاہی کو معاف کیجئے اور بائیکاٹ کو ختم کر دیجئے۔ مسلمانوں نے اس پیش کش کو قبول کرلیا اور چوتھے دن بائیکاٹ ختم ہوگیا۔ اور اسی کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف جو کارروائی کی جارہی تھی وہ بھی ختم ہوگئی

۳۔ علی گڑھ یونیورسٹی کیمپس میں ستمبر ۱۹۸۰ء میں یہ واقعہ ہوا کہ ہادی حسن ہال کے پیچھے ایک جھاڑی میں دوسرے فرقہ سے تعلق رکھنے والے چار آدمی ایک سور کاٹ رہے تھے بظاہر ان کا منصوبہ یہ تھا کہ سور کے ٹکڑے یونیورسٹی میں پھینک کر وہاں کے مسلمانوں کو مشتعل کر دیا جائے اور اس طرح بہانہ پیدا کرکے یونیورسٹی کے علاقہ میں فساد کیا جائے۔ اتفاق سے کچھ مسلم طلباء نے اسے دیکھ لیا انھوں نے فوراً یونیورسٹی کے پراکٹر کو مطلع کیا، پراکٹر نے اسی وقت پولس کو ٹیلی فون کیا۔ پولس اطلاع ملتے ہی فوراً پہنچ گئی اور چاروں آدمیوں کو عین موقع پر گرفتار کرلیا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے لوگوں کی دانشمندی تھی جس کی وجہ سے ایسا ہوا کہ ۸۰-۱۹۷۹ء میں علی گڑھ میں مہینوں تک فساد کا سلسلہ جاری رہا مگر سارا فساد شہر کے علاقہ میں ہوا اور ریلوے لائن کے دوسری طرف یونیورسٹی کا وسیع علاقہ بالکل محفوظ رہا۔ علی گڑھ کا یہ تجربہ بتاتا ہے کہ ہر تخریبی سازش کو دانشمندی کے ذریعہ غیر مؤثر بنایا جاسکتا ہے۔

یہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ فساد کے اسباب مکمل طور پر پیدا ہونے کے باوجود اس کا مکمل طور پر خاتمہ کیا جاسکتا ہے۔ کوئی واقعہ خواہ کتنا ہی شدید کیوں ہو ہمیشہ اس کے اندر اس کی کاٹ کے اسباب بھی موجود ہوتے ہیں اور یہ ممکن ہوتا ہے کہ ان کو استعمال کرکے اس کو غیر مؤثر بنا دیا جائے مگر اس امکان کو استعمال کرنے کی لازمی شرط صبر ہے واقعہ خواہ کتنا ہی خلاف مزاج ہو مگر دانشمندی یہ ہے کہ اس کو دیکھ کر آدمی مشتعل نہ ہو۔ مشتعل آدمی کی عقل کھو جاتی ہے وہ کسی معاملہ کو صحیح طور پر سمجھ نہیں سکتا۔ اس لیے اس کو دفع کرنے کی صحیح منصوبہ بندی بھی نہیں کر سکتا۔

اس کے بعد انتہائی ضروری ہے کہ آدمی مشورہ کرے۔ مشورے سے بیک وقت دو فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس میں کئی آدمیوں کی سوچ اور تجربات شامل ہو جاتے ہیں، اس لیے

معاملے کو زیادہ وسعت کے ساتھ سمجھنا ممکن ہو جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں متاثر ذہن کے ساتھ غیر متاثر ذہن کی رائے بھی شامل ہو جاتی ہے اس لیے جو فیصلہ ہوتا ہے وہ ٹھنڈے ذہن سے سوچا سمجھا فیصلہ ہوتا ہے نہ کہ مغلوب ذہن کے تحت کیا ہوا فیصلہ۔

اسی کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ یک طرفہ الزام بازی کا طریقہ ہرگز اختیار نہ کیا جائے بلکہ فیاضی کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کر لیا جائے انسان کی یہ نفسیات ہے کہ اگر وہ دیکھتا ہے کہ مقابل کا آدمی اپنی غلطی کو نہیں مان رہا ہے تو اس کے متعلق اس کے اندر انتقام کے جذبات امنڈتے ہیں، اس کے برعکس اگر آدمی دیکھے کہ اس کا حریف اپنی غلطی کو کھلے دل سے مان رہا ہے تو اچانک اس کے اندر رحم اور عفو کے جذبات امنڈ آتے ہیں وہ محسوس کرتا ہے کہ غلطی کا اعتراف کر کے اس نے اپنی سزا آپ دے لی ہے اب میں مزید سزا اسے کیا دوں۔

یہ بھی حد درجہ ضروری ہے کہ قانون کو کبھی اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش نہ کی جائے۔ ایک ایسے ملک میں جہاں باقاعدہ قانون کی حکومت قائم ہو وہاں قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا اپنے کو مجرم کی صف میں کھڑا کرنا ہے۔ قانون اپنے ہاتھ میں لے کر آدمی اپنے آپ کو بیک وقت دو فریقوں کا مدمقابل بنا لیتا ہے۔ ایک وہ شخص جس نے کوئی شر کیا تھا اور دوسرے ملک کا انتظامیہ۔ اس کے برعکس اگر آپ معاملے کو فوراً انتظامی ذمہ داروں کے حوالے کر دیں تو آپ درمیان سے ہٹ جاتے ہیں۔ اب سارا معاملہ شر پسند اور انتظامیہ کے درمیان ہو جاتا ہے۔

آخری ضروری چیز اتحاد ہے۔ کوئی اجتماعی تدبیر اجتماعی طاقت ہی سے کامیاب ہوتی ہے اور اتحاد ہی کا دوسرا نام اجتماعی طاقت ہے۔ اس سلسلہ میں یہ بات بخوبی سمجھ لینا چاہیے کہ اتحاد اس طرح کبھی نہیں ہوتا کہ تمام لوگوں کی رائیں ایک ہو جائیں۔ ایسا اتحاد موجودہ دنیا میں ممکن نہیں اتحاد در اصل اختلاف رائے کے باوجود متحد ہونے کا نام ہے نہ کہ اختلاف رائے نہ ہونے پر متحد ہونے کا۔ اگر ہم اپنے حریف کے مقابلے میں مؤثر بننا چاہتے ہیں تو ہم کو رائے کی قربانی دینے پر تیار ہونا پڑے گا۔ رائے کی قربانی ہی پر اتحاد قائم ہوتا ہے اور جہاں اتحاد موجود ہو وہاں کسی شریر کی شرارت کا کوئی گزر نہیں۔ تدبیر وہی ہے جو خاموش تدبیر ہو۔ کسی ناخوشگوار صورتحال کے پیش آنے کے بعد جب آدمی شور و غل کرنے لگے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ جذبات سے مغلوب ہو گیا ہے اور جذبات سے مغلوب انسان کبھی کوئی گہری تدبیر سوچ نہیں سکتا۔ گہری تدبیر گہرے غور و فکر سے حاصل ہوتی ہے جب کہ شور و غل آدمی کو اس قابل ہی نہیں رکھتا کہ وہ کسی معاملہ میں گہرائی کے ساتھ غور کر سکے۔ (مولانا وحید الدین خاں ایڈیٹر الرسالہ دہلی کے ایک مضمون سے ماخوذ)

دار العلوم دیوبند سے متعلق
بعد کی تشویشناک اطلاعات

۱۰، ۱۱، ۱۲ شوال (۱۱، ۱۲، ۱۳ اگست ۱۹۸۲ء) کو دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ (انتظامیہ) کا خصوصی (غیر معمولی) اجلاس منعقد ہوا تھا، جو اس باہمی اختلاف و خلفشار کو ختم کرنے ہی کے لیے بلایا گیا تھا جو ہماری بدقسمتی سے دار العلوم کے صد سالہ اجلاس کے بعد سے وہاں پیدا ہو گیا تھا۔

یہ اجلاس ۱۳ اگست کو ختم ہوا، یہ عاجز راقم سطور ۱۴ اگست کو وہاں سے روانہ ہو کر ۱۵ اگست کو لکھنؤ پہنچا —— یہاں آنے کے بعد اجلاس کی وہ مختصر کیفیت لکھی جو ناظرین کرام نے سب سے پہلے "نگاہ اولیں" کے زیر عنوان ملاحظہ فرمائی ہوگی —— لیکن دو ہی چار دن کے بعد ایسی اطلاعات دیوبند سے آنا شروع ہو گئیں جن سے معلوم ہوا کہ بعض عناصر کی طرف سے جن کے مفادات اختلاف و افتراق ہی سے وابستہ ہیں، مجلس شوریٰ کے فیصلوں کے خلاف تخریبی کوششیں شروع ہو گئیں۔

تازہ ترین اخباری اطلاعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مفسدانہ کوششیں خدانکردہ خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہیں ——

اس وقت ناظرین کرام سے صرف یہی درخواست ہے کہ وہ اہتمام و الحاح سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ دار العلوم کو ہر طرح کے شرور و فتن سے محفوظ رکھے۔

واللہ المستعان و هو الموفق

محمد منظور نعمانی
یکم ذیقعدہ ۱۴۰۲ھ

(۲۱)

دین و شریعت

از:- مولانا محمد منظور نعمانی

یہ "اسلام کیا ہے؟" سے اونچی سطح کی کتاب ہے جس میں توحید، آخرت، رسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج، اخلاق و معاملات، دعوت و جہاد، سیاست و حکومت اور احسان و تصوف کے مباحث پر ایسی محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے کہ دل و دماغ اور عقل و وجدان ایمان و اطمینان سے معمور ہو جاتے ہیں۔

بڑے بڑے ارباب نظر نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسلامی تعلیمات کے بارے میں ذہنی اطمینان حاصل کرنے کے اس کتاب کا مطالعہ بالکل کافی ہے۔ قیمت -/۱۰

(۲۲)

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے

از:- مولانا محمد منظور نعمانی

یہ کتاب اسم بامسمیٰ قرآنی دعوت اور اس کی تعلیمات کا ایک جامع مرقع ہے جس میں سیکڑوں عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت موثر اور روح پرور تشریحات کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔

نیا ایڈیشن ۲۰×۳۰ سائز پر معیاری کتابت طباعت مجلد مع گرد پوش۔ قیمت:- -/۱۵

انگریزی اڈیشن

مترجمہ:- ڈاکٹر محمد آصف قدوائی قیمت -/-

(۲۴)

دربار نبوت کی حاضری

از:- مولانا سید مناظر احسن گیلانی مرحوم

حج کے سفرنامے اور مدینہ طیبہ کی روداد یں تو اردو میں بہت ہیں اور ایک سے ایک بڑھ کر دلچسپ پُر از معلومات مفید اور سفر کرنے والوں کے لیے ضروری ہیں لیکن یہ البیلا طرز بیان اور یہ عاشقانہ و مستانہ داستان آپ کو ہر جگہ نہیں ملے گی کہ یہ مولانا کا طرز خاص ہے اور کم سے کم اس موضوع کے لیے مزاج مناسب اور مفید ہے کہ شوق انگیز بھی اور اسی کے ساتھ علم آموز بھی اور خیال افروز بھی۔

قیمت صرف -/۳

(۳۶)

آپ حج کیسے کریں؟

از مولانا محمد منظور نعمانی

حج کے موضوع پر اردو میں بیشمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں یہ کتاب اپنی اس خصوصیت میں اب بھی منفرد و ممتاز ہے کہ بہت اور دلنشین انداز میں حج کا طریقہ اور احکام و مناسک بھی بتا اور وہ ذوق شوق بھی پیدا کرتی ہے جو حج و زیارت کی جان

قیمت -/۶

آسان حج

یہ آسان زبان میں "آپ حج کیسے کریں" کا خلاصہ کم تعلیم یافتہ حضرات کے لیے بہترین معلم و رہنما ہے۔

پاکٹ سائز۔ بہترین طباعت صفحات ۱۶۰

قیمت ۲/۲۵

Regd. No. LW/NP-62

Monthly AL-FURQAN 31, Naya Gaon West Lucknow (U. P.)

VOL. 49 NO. 8, 9 AUG., SEPT. 1981 Phone : 45547

اڈیٹر

محمد منظور نعمانی

۲۳

کلمۂ طیبہ کی حقیقت

اسلام کا بنیادی کلمہ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

ایک عہد و میثاق ہے جو اپنے اندر وسیع معنی رکھتا ہے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے اس عہد کی حقیقت کو سمجھے یہ مختصر رسالہ اس حقیقت کا نہایت پر مغز اور ایمان افروز بیان ہے۔ عمدہ کاغذ قیمت ۲/۲۵

نماز کی حقیقت

اسلام میں ایمان کے بعد نماز ہی کا درجہ ہے۔ مگر کیا ہم نماز کو ایسی ہی اہمیت کے ساتھ ادا بھی کرتے ہیں؟ کیوں! اس لیے کہ ہم عام طور پر نماز کی پوری حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ اس کتاب کو آپ اس مقصد کے لیے بے حد مفید پائیں گے۔ عمدہ کاغذ قیمت ۳/۵۰

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

چندہ سالانہ
ہندوستان میں ۲۰/-
پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۵۰/-
بنگلا دیش سے ۲۲/-

ممالک غیر سے
بحری ڈاک سے ۳ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۷ پونڈ
ایک شمارہ کی قیمت ہندوستان میں
۲/-

جلد (۴۹) | بابت ذی الحجہ سنہ ۱۴۰۰ھ مطابق اکتوبر سنہ ۱۹۸۰ء | شمارہ (۱۰)

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع کریں اسکی اطلاع مہینے کی ۱۵ تاریخ تک آجانا چاہیے اسکے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ ۳۰ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں۔ پاکستانی سکہ میں ۵۰ روپے ناظم ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و اڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان سہنیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

گزشتہ شمارے کے "نگاہ اولیں" ہی کے صفحات میں دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ منعقدہ شوال کی کارروائی کا تذکرہ کیا گیا تھا جس کے ضمن میں حضرات اساتذہ کے دو مخالف گروہوں کے درمیان مصالحت و اتحاد کا بھی ذکر کیا گیا تھا جو اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی قابل شکر انعام اور دار العلوم و جماعت دار العلوم سے محبت و وابستگی رکھنے والے ہر مسلمان کے لیے مژدۂ جانفزا تھا —— اس کا ایک مبارک نتیجہ یہ بھی تھا —— (جس کو دار العلوم سے قریبی تعلق رکھنے والے ہی سمجھ سکتے تھے) کہ اس مصالحت و اتحاد کے بعد اُن غلط عناصر کے لیے جنھیں اس اختلاف و خلفشار کی فضا میں مہتمم صاحب کا تقرب حاصل کر کے دار العلوم سے ناجائز انتفاع کے مواقع پیدا ہو گئے تھے، اُن کا دروازہ بند ہو گیا تھا —— لیکن افسوس ہے کہ اس مبارک مصالحت کی خوشی ایک ہفتہ تک بھی باقی نہیں رہ سکی —— ۵-۶ ہی دن کے بعد دیوبند ہی سے یہ اطلاعات ملنے لگیں کہ مجلس شوریٰ کے اجلاس کے بعد ہی سے اُن عناصر کی طرف سے جن کے مفادات اختلاف و افتراق اور خانہ جنگی ہی سے وابستہ ہیں، مجلس شوریٰ کے فیصلوں کے خلاف اور قائم شدہ اتحاد کی فضا کو برباد کرنے کے لیے تخریبی کوششیں شروع ہو گئی ہیں —— گزشتہ شمارے ہی کے آخری صفحہ پر اس کا ذکر بھی کر دیا گیا تھا اور اس کے آخر میں لکھا تھا کہ

"تازہ ترین اخباری اطلاعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مفسدانہ کوششیں خدانہ کردہ خطرناک نتائج پیدا کر سکتی ہیں۔"

اُس وقت اِن مفسدانہ کوششوں کا صراحت سے ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا گیا تھا —— اخبارات سے (خاص کر روزنامہ "دعوت دہلی" جیسے ان اخبارات سے جو مہتمم صاحب کے حلقہ کی حمایت کرتے ہیں) معلوم ہوا تھا کہ اب اس مفاد پرست حلقہ نے یہ اندازہ کر لینے کے بعد کہ مجلس شوریٰ اُن کو ناجائز انتفاع

کا موقع نہیں دے گی، اور کچھ لوگوں کی غلط تمنائیں اب پوری نہ ہوسکیں گی) مجلس شوریٰ کے فیصلوں اور دارالعلوم کے دستور و آئین کے خلاف مہم چلانے کا فیصلہ کیا ہے ——— اس کے بعد دیوبند ہی کی اطلاعات سے اس حلقہ کی اس سلسلہ کی کوششوں اور کارروائیوں کا کچھ علم بھی ہوتا رہا ——— آخر میں نتیجہ کے طور پر یہ بات سامنے آئی کہ مہتمم صاحب کی طرف سے "ہمدردانِ دارالعلوم" کے عنوان سے ایک اجتماع ۱۹ر اکتوبر کو دہلی میں بلایا گیا۔ جس کے لیے مجلس شوریٰ کے ارکان کو دعوت نہیں دی گئی۔ (ممکن ہے اُن دو چار ایسے صاحبان کو دعوت دی گئی ہو جنکو (غلط یا صحیح طور پر) مہتمم صاحب کا یہ حلقہ بہرحال اپنا حامی یقین کرتا ہے)

جب مجلس شوریٰ کے ارکان کو اس کا علم ہوا تو مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب وغیرہ بعض ارکان نے مجلس شوریٰ کے ارکان سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی۔ بہت تنگ وقت میں مجلس کے جن ۱۲ ارکان سے رابطہ قائم کیا جاسکا ان کے دستخطوں سے ایک بیان جاری کیا گیا جو اخبارات وغیرہ میں ۱۹ر اکتوبر سے پہلے ہی شائع ہوگیا تھا ——— اس بیان میں تمہیدی مضمون کے بعد لکھا گیا تھا کہ:۔

"ہم ارکان مجلس شوریٰ اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے اس بیان کے ذریعہ (۱۹ر اکتوبر والے) اس اجتماع کے داعیوں، دارالعلوم کے مخلصوں اور تمام مسلمانوں کو باخبر کرنا چاہتے ہیں کہ یہ اجتماع اگر دارالعلوم کے بارے میں کچھ طے کرنے کے لیے بلایا گیا ہے (جیسا کہ اطلاعات ہیں) تو قطعًا غیر آئینی ہے، اس کا انعقاد کسی لحاظ سے بھی درست اور جائز نہیں ہے۔

دارالعلوم کے دستور اور اس کی روایات کی رو سے اُس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کا حق صرف اُس کی مجلس شوریٰ کو ہے۔ اس کے علاوہ کسی "اجتماع" کا دارالعلوم کے نظام کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا ایسا ہی ہوگا جیسا کہ ملک یا کسی ریاست کے نظام حکومت کے بارے میں پارلیمنٹ یا اسمبلیوں کے بجائے کوئی کانفرنس یا کوئی اجتماع فیصلہ کرنے لگے۔ ہاں ہم کو اس کا قوی اندیشہ ہے کہ اس اجتماع کے نتیجہ میں دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم میں فتنوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوجائے۔ اگر ایسا ہوا تو اس کی ساری ذمہ داری اس اجتماع کے داعیوں اور ذمہ داروں پر ہوگی (اس بیان کے آخر میں مجلس شوریٰ کے بارے میں لکھا گیا تھا کہ وہ کوئی ایک فرد نہیں ہے نہ صرف دو چار آدمیوں کا کوئی گروپ ہے، بلکہ ۲۱ ارکان کی مجلس ہے جس کی تشکیل آئین کے مطابق ہوئی ہے۔ اور اس میں ایسے حضرات بھی ہیں جنکی دیانت و ثقاہت کے بارے میں دشمن

بھی شبہ نہیں کر سکتے، اور وہ اس بارے میں سخت محتاط ہیں کہ وہ خود یا اُن کا کوئی عزیز قریب یا دوست بھی دار العلوم سے ایک پیسہ کی بھی مالی منفعت حاصل کرے ——

اللہ تعالیٰ ہم سب کو محاسبۂ آخرت کی فکر نصیب فرمائے ——"

اس بیان پر مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند کے ارکان میں سے مندرجہ ذیل حضرات کے دستخط تھے:۔ راقم سطور محمد منظور نعمانی، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی، مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی، مولانا صدیق احمد صاحب باندوی، مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری، جناب الحاج نواب عبید الرحمٰن شروانی (علی گڑھ) مولانا محمد سعید بزرگ (ڈابھیل ضلع سورت) مولانا عبد القادر صاحب مالیگانوی، جناب الحاج علاء الدین صاحب (بمبئی) مولانا معراج الحق صاحب (صدر المدرسین دیوبند) مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب بجنوری (مددگار مہتمم دار العلوم)۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا بہت تھوڑے سے وقت میں ان ۱۲ ارکان کے دستخط حاصل ہو سکے۔ مولانا حکیم افہام اللہ صاحب کے متعلق اگرچہ یقین کے ساتھ معلوم تھا کہ ان کا موقف بھی وہی ہے جو ان ۱۲ ارکان کا ہے لیکن اُن سے رابطہ قائم نہیں ہو سکا اس لیے اُن کے دستخط نہیں ہو سکے۔

رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ان دنوں مکہ مکرمہ میں تھے ان کو ٹیلکس کے ذریعہ بیان کی اطلاع دی گئی اور انہوں نے اتفاق ظاہر کرتے ہوئے دستخط کی اجازت دیدی ——

جیسا کہ عرض کیا گیا یہ بیان اخبارات وغیرہ کے ذریعہ ۲۸ اکتوبر سے پہلے شائع ہو گیا تھا۔ ۲۸ اکتوبر کو مہتمم صاحب کا بلایا ہوا وہ اجتماع دہلی میں ہوا۔ اسکی کارروائی جو بعض لوگوں سے سنی گئی اور جو اخبارات میں آئی ہے اُس سے معلوم ہوا ہے کہ انھوں نے دار العلوم کی مجلس شوریٰ کے متبادل کے طور پر ۱۱ آدمیوں کی کوئی ایڈہاک کمیٹی بنائی ہے اور ۷ آدمیوں کی دوسری کمیٹی دستور میں تبدیلی کے لیے بنائی گئی ہے —— تجویزوں کا متن ابھی تک سامنے نہیں آیا ہے۔

جب راقم سطور کے علم میں یہ بات آئی کہ مہتمم صاحب نے ان مقاصد کے لیے اس طرح کا کوئی اجتماع دہلی میں بلایا ہے۔ تو میں نے خاص کر اپنے لیے ضروری بلکہ ایک درجہ میں فرض سمجھا کہ دار العلوم کے حالات، موجودہ مسئلے اور اختلافات کی اصل بنیاد کو پوری تفصیل کے ساتھ مرتب کر کے پیش کر دوں —— اسی داعیہ کے تحت میں نے دار العلوم سے متعلق وہ طویل بیان لکھا جو ناظرین کرام اگلے صفحات میں پڑھیں گے۔ میں نے اس میں جو کچھ لکھا ہے وہ محض ایک بیان یا مضمون نہیں ہے بلکہ اللہ کے اور بندوں کے سامنے میری شہادت ہے۔

محمد منظور نعمانی

دارالعلوم دیوبند سے میرا تعلق

موجودہ اختلاف کی اصل بنیاد حقائق و واقعات کی روشنی میں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میری طالب علمی کا دور :-

یہ عاجز اب سے قریباً ۶۰ سال پہلے استاذنا حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کے دورِ صدارتِ تدریس میں دارالعلوم کا طالب علم رہا ـــــــ اِس وقت اس کا ذکر کر دینا بھی نامناسب نہیں سمجھتا کہ میرے والد ماجد مرحوم مغفور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صاحب استطاعت تھے، میں فیس داخل کر کے دارالعلوم کے مطبخ سے کھانا لیتا تھا کسی وظیفہ کی شکل میں بھی کبھی کوئی مادی نفع دارالعلوم سے میں نے طالب علمی کے اس دور میں نہیں اٹھایا ـــــــ لیکن بہت تھوڑی سی مقدار میں **علم** نام کی جو ایک نعمت تھا مگر علم حدیث سے برائے نام سی کچھ مناسبت (جو یقیناً اس دنیا کی عظیم ترین نعمت اور دولت ہے) اس ناچیز کو نصیب ہے، وہ اول سے آخر تک دارالعلوم اور صرف دارالعلوم ہی کی دَین اور صدقہ ہے ـــــــ اور اس لحاظ سے مجھ پر دارالعلوم کا وہ عظیم ترین احسان و حق ہے، جو غالباً مرحوم والدین ماجدین اور چند مخصوص اساتذہ کے سوا اور کسی کا نہ ہوگا ـــــــ اللہ تعالیٰ اس کے احساس اور حق کی ادائیگی کی فکر و توفیق سے کبھی محروم نہ فرمائے۔

فراغت کے بعد بھی دارالعلوم سے میرا تعلق :-

رسمی طالب علمی کا دور ختم ہو جانے کے بعد بھی دارالعلوم اور اپنے اساتذہ و اکابر جماعت

کے ساتھ ایک درجہ کا خصوصی تعلق رہا اور یہ اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل وکرم تھا کہ اپنے سب اساتذہ اور اکابر کی خصوصی شفقت اور نظر عنایت نصیب رہی ـــــــ اس کا ایک ظاہری سبب بھی تھا، اللہ تعالیٰ مجھ سے جماعت دیوبند اور اس کے اکابر کی طرف سے دفاع اور وکالت کی خدمت لے رہا تھا، یہاں تک کہ ایک دفعہ جماعتی مصلحت سے اس کی ضرورت پڑ گئی کہ ساری جماعت کے مسلّم پیشوا کی حیثیت سے حکیم الامت حضرت تھانویؒ "وکالت نامہ" تحریر فرما دیں، تو حضرت نے وکالت نامہ بھی تحریر فرما دیا (یہ ۱۳۵۲ھ کا واقعہ ہے) یہ وکالت نامہ اب سے ۴۹ سال پہلے "الفرقان" کے سب سے پہلے شمارہ (محرم ۱۳۵۳ھ) میں شائع کر دیا گیا تھا، اس کے فائل میں محفوظ ہے۔

مجلس شوریٰ دار العلوم کی رکنیت :-

رجب ۱۳۶۳ھ (۱۹۴۴ء) میں حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا، حضرتؒ کے مرض وفات میں اور وصال کے بعد بھی اس ناچیز کا قیام حضرتؒ کے مستقر، دعوتِ تبلیغ کے مرکز نظام الدین (دہلی) میں کچھ زیادہ عرصہ تک رہا تھا، انہی ایام میں ایک دن حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ علیہ الرحمہ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے مجھے یہ اطلاع دی کہ دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا مجھے رکن منتخب کر لیا گیا ہے۔ مجھے حیرت ہوئی کیونکہ اپنے کو میں اس کا اہل نہیں سمجھتا تھا اور میری کوئی حیثیت نہیں تھی ـــــــ میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے کیوں اور کیسے منتخب کر لیا گیا؟ ـــــــ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ پہلے اصولی طور پر یہ طے ہو گیا تھا کہ ایسے ارکان منتخب کیے جائیں جن پر سب کو اتفاق ہو، تمہارے نام پر بھی سب کا اتفاق ہو گیا۔ مجھے یہ تفصیل معلوم کر کے خاص طور سے خوشی ہوئی اور اس پر خدا کا شکر ادا کیا کہ میرے مختلف الخیال بزرگوں نے مجھ پر اعتماد فرمایا (حضرت مفتی صاحب مجلس شوریٰ کے اہم رکن تھے اور اُس زمانہ میں بھی مجلس میں خاصکر سیاسی لحاظ سے مختلف الخیال حضرات تھے)

میرا اصول اور رویہ :-

میری رکنیت کا یہ انتالیسواں سال ہے، اس پوری مدت میں میں نے اپنے کو کسی شخصیت یا گروپ سے وابستہ نہیں کیا، جس بات کو صحیح اور دار العلوم کے مفاد میں سمجھا خواہ وہ کسی کی طرف سے ہو، اس کی تائید و

حمایت کی اور جس کو صحیح نہیں سمجھا اُس سے اختلاف کیا، صرف حضرت مولانا مدنیؒ کے ساتھ میرا رویہ یہ رہا کہ جب ان کی کسی تجویز یا رائے سے مجھ کو اختلاف ہوتا تو میں مجلس میں اُس پر گفتگو نہ کرتا خاموش رہتا، بعد میں تنہائی میں ملاقات کر کے اپنی رائے عرض کرتا۔ (اپنے اور دارالعلوم کے حق میں میں نے یہی رویہ مناسب سمجھا تھا)۔ ـــــ یقین کے ساتھ یاد ہے کہ کم از کم دو تین دفعہ ضرور ایسا ہوا کہ میری تنہائی کی گفتگو کے بعد حضرت نے اپنی رائے بدل دی اور مجلس کی اگلی نشست میں اس کا اظہار بھی فرما دیا۔

حضرت مولانا مدنیؒ کے بعد:۔

حضرت مولانا مدنیؒ کی حیات میں اگرچہ مہتمم مولانا محمد طیب صاحب ہی تھے لیکن دارالعلوم پر بڑی حد تک کنٹرول حضرت مولانا ہی کا تھا۔ اس زمانہ میں بھی دارالعلوم میں کچھ ایسی چیزیں تھیں جو نہ ہونی چاہیے تھیں، لیکن ادارہ کی غیر معمولی وسعت اور مجموعی حیثیت سے خیر کے پیش نظر وہ نظرانداز کی جاسکتی تھیں، مگر حضرت مولانا کے بعد ایسی چیزیں برابر بڑھتی رہیں ـــــ ہمارے موجودہ مہتمم حضرت مولانا محمد طیب صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی قابل رشک خوبیوں اور کمالات سے نوازا ہے جن کی بنا پر وہ یقیناً لائق احترام ہیں لیکن ان کے سب جاننے والے جانتے ہیں کہ ان میں وہ صلابت اور مضبوطی اور اصولوں پر کسی رعایت و مروت کے بغیر جمنا اور اپنے اقرباء و اہل تعلق کے معاملہ میں احتیاط وغیرہ اُن صفات کی بہت کمی ہے جو دارالعلوم دیوبند جیسے کسی دینی ادارہ کے ذمہ دار اور قومی و ملی امانت کے امین کے لیے انتہائی ضروری اور لابدی ہیں اور اسی وجہ سے دارالعلوم میں بہت سی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ـــــ ایک حد تک اس کی ذمہ داری مجلس شوریٰ اور اُس کے ارکان پر بھی ہے (جن میں سے ایک خود راقم سطور بھی ہے) واقعہ یہ ہے کہ بحیثیت مجموعی مجلس نے مہتمم صاحب کا لحاظ اُس سے زیادہ کیا جس حد تک کرنا چاہیے تھا، اس لیے یہ خرابیاں برابر بڑھتی رہیں۔

استعفے کا ارادہ:۔

قریباً ۱۰-۸ سال پہلے کی بات ہے مجھ پر شدت کے ساتھ اس احساس کا غلبہ ہوا کہ دارالعلوم میں جو معاملات اس طرح کے ہو رہے ہیں جن کے جواز کی کم از کم میرے نزدیک کوئی گنجائش نہیں ہے، میں خود بھی

مجلس کا ایک رکن ہونے کی حیثیت سے کسی نہ کسی درجہ میں ان کی ذمہ داری میں شریک ہوں، اور اس صورتحال کی اصلاح میرے امکان سے باہر ہے' اس لیے مجھے استعفاء دے کر اپنے کو اس ذمہ داری سے الگ اور سبکدوش کر لینا چاہیے ـــــ لیکن اپنی اس رائے اور قلبی داعیہ پر عمل کرنے سے پہلے میں نے اپنے ایک ایسے بزرگ سے مشورہ کر لینا ضروری سمجھا جو دارالعلوم کے حالات سے پوری طرح واقف تھے اور جن سے صحیح مشورہ کی امید تھی ـــــ میں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنا مسئلہ عرض کیا' انھوں نے فرمایا' دارالعلوم کے حالات کا مجھے علم ہے لیکن تمہاری رائے سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔ عنداللہ برات ذمہ کے لیے اتنا کافی ہے کہ جس بات کو غلط سمجھو اس کے بارہ میں اپنی رائے ظاہر کر دو' خواہ مانی جائے یا نہ مانی جائے' میں ان حالات میں بھی تمہارا مجلس شوریٰ میں رہنا دارالعلوم کے لیے مفید سمجھتا ہوں' روک ٹوک سے بھی فائدہ ہوتا ہے ـــــ میں نے اس وقت اس مشورہ کو قبول کر لیا اور دارالعلوم کی گاڑی اپنی لائن پر چلتی رہی۔ میں مجلس شوریٰ کے اجلاسوں میں شرکت کرتا رہا۔

شوریٰ کے سلسلہ کے سفروں کے مصارف کے بارہ میں میرا معمول:۔

یہاں اپنے اس معمول کا ذکر کر دینا بھی مناسب سمجھتا ہوں کہ جب تک میری صحت اچھی تھی' میں مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لیے سفر عموماً پرانے زمانے کے تھرڈ کلاس میں کرتا تھا' اگر کبھی اس درجہ میں سفر ناقابل برداشت ہوا تو اس سے اوپر کے درجہ میں منتقل ہو جاتا تھا۔ اس سفر کے مصارف دارالعلوم ادا کرتا تھا۔ دیوبند پہنچنے تک کے مصارف کا تو مجھے علم ہوتا تھا لیکن واپسی کے مصارف اندازہ ہی سے لینے پڑتے تھے' جس میں کمی زیادتی کا امکان رہتا تھا اور حکیم الامت حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ کی طرح آنہ پائی کا حساب میرے بس کی بات نہیں تھی' اس لیے میں نے یہ معمول مقرر کر لیا تھا کہ کبھی کبھی خاص اسی مد میں دارالعلوم کو کچھ رقم بھیج دیا تھا' تاکہ اگر دارالعلوم کی کچھ رقم میرے ذمہ رہ گئی ہو تو وہ ادا ہو جائے ـــــ پھر اب سے قریباً ۵-۶ سال پہلے ایک حادثہ کے نتیجہ میں میری حالت ایسی ہو گئی کہ چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا' اور میں خیال کرنے لگا کہ شاید اب میں سفر کے قابل نہ ہو سکوں گا' دارالعلوم کی شوریٰ کے اجلاس کے لیے بھی سفر نہ کر سکوں گا' تو اس وقت میں نے آخری دفعہ پانچسو روپے کی رقم اسی مد میں بھیجی اور اس کے بعد ضمیر اس بارہ میں بالکل مطمئن ہو گیا۔ کہ انشاء اللہ اب قیامت میں مجھے دارالعلوم کے ایک پیسہ کا بھی حساب دینا نہیں پڑے گا۔ والحمد للہ علیٰ ذالک۔

معذوری کی وجہ سے کئی سال تک مجلس شوریٰ کے جلسوں میں غیر حاضری:۔

جس معذوری کا اوپر ذکر کیا گیا ہے میں اس کی وجہ سے کئی سال تک مجلس شوریٰ کے کسی جلسہ میں شرکت نہیں کر سکا۔ اجلاس صد سالہ سے قریباً ۶ مہینے پہلے مجلس شوریٰ کا ایک اجلاس اس کے بارہ میں کچھ اہم امور طے کرنے کے لیے شوال ۱۳۹۹ھ میں بلایا گیا تھا، حضرت مہتمم صاحب نے بہت تاکید سے مجھے بار بار لکھا کہ اس میں تمہاری شرکت ضروری ہے اور تمہارے ہی ذمہ یہ ہے کہ مولانا علی میاں کو بھی ساتھ لیکر آؤ، تو اگرچہ صد سالہ اجلاس کے بارہ میں میری ایک خاص رائے تھی (جس کا مہتمم صاحب کو اور اکثر ارکان شوریٰ کو بھی علم تھا) لیکن میں نے شرکت کا فیصلہ کیا اور شریک ہوا، رفیق محترم مولانا علی میاں نے بھی شرکت فرمائی اور جو امور زیر غور تھے ان میں رائے مشورہ دیا۔

اجلاس صد سالہ اور اس کے بعد:۔

اس کے بعد جمادی الاولیٰ ۱۴۰۰ھ (مارچ ۱۹۸۰ء) میں صد سالہ اجلاس ہوا، میں اس میں شریک نہیں ہوا[1] اس میں شریک ہونے والے حضرات جب واپس آئے تو ان سے معلوم ہوا کہ وہاں مولانا اسعد میاں کی صدارت میں مؤتمر ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند" کے عنوان سے ایک تنظیم قائم ہوئی ہے۔ اور مہتمم صاحب کی صدارت میں ایک دوسری تنظیم فضلاء دارالعلوم دیوبند" کا اعلان ہوا ہے۔ تو یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ جو مادۂ فساد بہت دنوں سے بڑھ اور پک رہا تھا اس کے پھوٹ پڑنے کا وقت

---

[1] اجلاس صدسالہ کی تجویز سے ابتداءً مجھے اتفاق تھا لیکن جب یہ بات میرے سامنے آئی کہ اس پر چالیس پچاس لاکھ کے قریب روپیہ صرف ہوگا اور وہ عام مسلمانوں کے چندہ ہی سے فراہم ہوگا ـــــ تو میرے دل میں یہ سوال پیدا ہوگیا کہ کیا قیامت میں ۴۰۔۵۰ لاکھ کے ان مصارف کے بارہ میں ہم جوابدہی کر سکیں گے؟ ـــــ میں اس بارہ میں مطمئن نہیں ہو سکا، اور میری رائے یہ ہوگئی کہ یا تو اجلاس کیا ہی نہ جائے یا محدود پیمانہ پر کیا جائے ـــــ ایک دوسری وجہ میری اس رائے کی یہ بھی تھی کہ ملک بھر کے ہماری جماعت کے عوام کو خاص کر دیوبند کے قریبی چند اضلاع کے دیہات تک کے مسلمانوں کو دارالعلوم کے ساتھ جو جذباتی تعلق ہے وہ میری نظر میں تھا اور مجھے یقین تھا کہ وہ لوگ لاکھوں کی تعداد میں امڈ آئیں گے، انتظام قابو میں نہیں آسکے گا اور خدانخواستہ ایک گنوار گردی والے میلہ کی سی شکل ہو جائے گی ـــــ بہرحال انہی دو وجہوں سے میری وہ رائے تھی اور میں نے مجلس شوریٰ میں صفائی سے اس کا اظہار کر دیا تھا ـــــ دوسرے حضرات دوسری طرح سوچتے تھے، اور وہ مطمئن تھے۔ "ولکل وجهة هو مولیها"

آگئی ہے[1] ـــــ چنانچہ اس کے بعد سے نہایت ہی بدنما اور افسوسناک واقعات کا سلسلہ شروع ہو گیا جن سے ساری جماعت دیوبند رسوا اور بے آبرو ہوئی۔

اکتوبر ۱۹۸۰ء کی مجلس شوریٰ :۔

اس کے بعد اکتوبر میں مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا گیا اس کا خاص موضوع یہی تھا کہ ہنگاموں کے اس سلسلہ کو ختم کرنے کے لیے کیا اقدامات کیے جائیں؟ ـــــ میں نے اس اجلاس میں شرکت کا ارادہ کیا تھا، لیکن عین وقت پر مجھے ایسی مجبوری پیش آگئی کہ سفر نہ کرنے کا فیصلہ کرنا پڑا۔ مولانا علی میاں تشریف لے جارہے تھے میں نے ارکان مجلس شوریٰ کے نام ایک خط لکھ کر انھیں دیا، اور ان سے عرض کردیا کہ جو صاحب جلسۂ شوریٰ کے صدر ہوں آپ یہ خط ان کے حوالے کردیں، وہ اسے ارکان کی خدمت میں پیش کردیں گے ـــــ میں نے اس خط میں دارالعلوم میں ہونے والے ہنگاموں کے بارے میں لکھا تھا۔

> "کوئی چیز بلا سبب پیش نہیں آتی۔ اور اسباب میں جہاں قریب کے اسباب کی اہمیت ہے وہاں واقعات سے کچھ دوری پر واقع ہونے والے اسباب کی اہمیت بھی کم نہیں بلکہ عموماً کچھ زیادہ ہی ہوا کرتی ہے۔
>
> ان بدنما واقعات کا قریبی سبب میری نظر میں بیشک وہ کشمکش ہے جو تنظیم فضلاء (مؤتمر ابنائے قدیم دارالعلوم دیوبند) کی تحریک سے شروع ہوئی ہے گو خود اس تحریک اور کشمکش کو وجود میں لانے کی سب سے بڑی ذمہ داری ـــــ میرے رفقاء مجلس اور ارباب اہتمام معاف فرمائیں ـــــ وہ نظام دارالعلوم میں بڑھتی ہوئی اقربا نوازی اور مفادات کی سودے بازی ہے۔ مجلس کے ایک رکن کی حیثیت سے اس صورت حال کی جو ذمہ داری مجھ پر آنی چاہیے اس سے مجھے انکار نہیں ہے۔ لیکن میں پہلے بھی اپنے مقدور بھر اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری ادا کرنے کی جدوجہد کرتا رہا ہوں اور آج بھی اس ذمہ داری کے احساس سے یہ عرض کر رہا ہوں کہ اگر حالیہ بدنما واقعات جیسے حالات کا انسداد مقصود ہے تو اس باب میں اُن طلباء اور اساتذۂ دارالعلوم کے خلاف ضابطہ کی کارروائی کے ساتھ ساتھ جو واقعتہً آئینی ضوابط اور حدود شکنی کے مرتکب ہوئے ہیں، یہ بھی لازم ہے کہ نظام دارالعلوم سے اس فساد انگیز اور فتنہ پرور عنصر کو پوری بے رحمی سے خارج کرنے کے اقدامات کیے جائیں جس کو میں نے اقربا پروری اور مفادات کی سودے بازی کے نام سے یاد کیا ہے۔

---

[1] مجھے ان دونوں تنظیموں کے قیام سے اختلاف تھا، مجھے [illegible] تھا کہ [illegible] کی صف آرائی [illegible] اور باہمی مسابقت سے دارالعلوم [illegible]

اس سلسلہ میں میری تجویز ہے کہ کم سے کم:

(۱) پچھلے تین سال میں کیے جانے والے تقررات پر اس نقطۂ نظر سے نظرِ ثانی کی جائے کہ وہ کہاں تک دارالعلوم کی واقعی ضرورت کے لیے ہوئے؟ اور کہاں تک ان میں اہلیت کا وہ معیار پیشِ نظر رکھا گیا جس کی واقعی ضروری آسامی کے لیے ضرورت تھی۔

(۲) ان تین سالوں کے کم سے کم ایسے تمام اخراجات کا بھی محاسبہ کیا جائے جن کے لیے پہلے سے کوئی مد موجود نہیں تھی، اور نئی مدیں پیدا کی گئی ہوں۔

(۳) ایک ایسے نائب مہتمم کا تقرر کیا جائے جس سے امید کی جاسکے کہ مذکورۂ بالا نقطۂ نظر سے دارالعلوم کے حقیقی مفادات کی نگہبانی کر سکے گا۔

یہ مختصراً چند نکات ہیں، رفقائے کرام اِن سے اتفاق فرمائیں تو ان سے اور بھی تفصیلات نکل سکتی ہیں۔"

شوریٰ کا یہ اجلاس ۲۷، ۲۸ ذی قعدہ سنہ ۱۴۰۰ھ (۱۱، ۱۲ اکتوبر سنہ ۸۰ء) کو ہوا تھا، مولانا علی میاں جب واپس تشریف لائے تو ان سے اجلاس کی کارروائی معلوم ہوئی، میں نے اُن سے اپنے خط کے بارے میں دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ میں نے آپ کا خط اسی طرح ملفوف صدرِ جلسہ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کو دے دیا تھا۔ انھوں نے اسے پڑھ کر جیب میں رکھ لیا ــــــ میں نے پھر ان سے دریافت کیا کہ وہ خط تو ارکانِ مجلس کے نام تھا، کیا وہ سنایا نہیں گیا؟ مولانا نے فرمایا کہ مجلس میں تو اس کو پڑھا نہیں گیا ــــــ مولانا نے ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ میرے علم میں یہ آیا تھا کہ آپ کا وہ خط مفتی صاحب نے مہتمم صاحب اور مولانا منت اللہ صاحب کو دکھایا، کسی اور رکن کو غالباً اس کے مضمون کا علم ہی نہ ہوا۔

مجھے یہ بات معلوم کر کے سخت تکلیف اور مایوسی ہوئی۔

مہتمم صاحب کے رویہ میں حیرت انگیز تبدیلی:

اس اجلاس شوریٰ کے کچھ ہی دن کے بعد سے دہلی کے بعض اخبارات نے جو دارالعلوم کے میدان میں لڑی جانے والی دو فریقی لڑائی میں مہتمم صاحب کے فریق کے ترجمان ہیں، اس قسم کا پروپیگنڈا شروع

کیا کہ دارالعلوم کے معاملات کے اصل ذمہ دار اور مختار مہتمم صاحب ہیں، مجلس شوریٰ کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ میں نے اور غالباً بیشتر ارکان نے اسے بچکانہ بات سمجھ کر اس پر کوئی توجہ نہ دی ـــــــــ

دارالعلوم کے دستور اور روایت کی رو سے ہر سال محرم اور رجب یا شعبان میں مجلس شوریٰ کا اجلاس بلانا مہتمم دارالعلوم کی ذمہ داری ہے۔ لیکن ہوا یہ کہ محرم گذرا، صفر گذرا، ربیع الاول گذرا، ربیع الثانی گذرا اور مہتمم صاحب کی طرف سے مجلس شوریٰ کا اجلاس نہیں بلایا گیا۔ اس کے علاوہ انہی دنوں میں مہتمم صاحب نے ایک تحریری حکم نامے کے ذریعہ اپنے صاحبزادے مولانا محمد سالم صاحب کو نائب مہتمم اور مولانا انظر شاہ صاحب کو قائم مقام صدر مدرس بنا دیا، حالانکہ از روئے دستور اس کا کوئی اختیار ان کو نہیں صرف مجلس شوریٰ کو ہے، تو بالآخر ہمیں یہ باور کرنا پڑا کہ ہمارے مہتمم صاحب نے اپنے ان نادان خوشامدیوں کا مشورہ قبول فرما لیا ہے ـــــ ہم سب ہی اپنی اپنی جگہ اس صورت حال اور اس کے نتائج کے بارے میں متفکر تھے۔

"مجلس شوریٰ کے جلسے" کے زیر عنوان دستور کی دفعہ ۱۹ ضمن د میں درج ہے کہ :-

"مجلس شوریٰ کے ارکان میں سے کوئی رکن تحریک کرے اور چھ ارکان تائید کریں، ایسی صورت میں ایسی تحریر مہتمم کے پاس پہنچنے پر مہتمم پر لازم ہوگا کہ تعیین تاریخ اطلاعات جاری کرے۔ اگر ایسی تحریر جناب مہتمم صاحب کے پاس پہنچنے کے دو ہفتے کے اندر حضرت مہتمم صاحب انعقاد جلسہ کی کارروائی نہ کریں تو ممبر تحریک کنندہ کو حق ہوگا کہ وہ بتعیین تاریخ و اظہار حالات ارکان مجلس شوریٰ کو جلسہ کے لیے دعوت دیدے۔"

چنانچہ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب اور چند دوسرے ارکان مجلس شوریٰ نے مہتمم صاحب کو خط لکھا کہ وہ مجلس شوریٰ کا اجلاس جلد سے جلد بلائیں، ورنہ دستور کی مذکورہ بالا دفعہ کی رو سے ہم خود اجلاس کا دعوت نامہ جاری کرنے پر مجبور ہوں گے۔ مہتمم صاحب نے اس خط کے بعد مجلس شوریٰ کے اجلاس کا دعوت نامہ جاری کر دیا لیکن اجلاس کی تاریخ ڈیڑھ ماہ بعد کی رکھی۔ اس غیر ضروری تاخیر کے باوجود انتشار سے بچنے کے لیے اس تاریخ کو منظور کر لیا گیا ـــــ لیکن جب یہ تاریخ قریب آئی تو پھر مہتمم صاحب نے اس کو مزید ۴۰ دن کے لیے ملتوی کرنے کی اطلاع ارکان کو دیدی اور معلوم ہوا کہ مہتمم صاحب کا ارادہ آئندہ بھی اسی طرح ملتوی کرتے رہنے کا ہے ـــــ تو مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب وغیرہ نے

مہتمم صاحب کو لکھ دیا کہ اگرچہ ہم کو حق ہے کہ اس التوا تاریخ کو قبول نہ کریں کیونکہ یہ جلسہ در اصل ہماری تحریک و دعوت پر ہو رہا ہے، لیکن اس وقت ہم نے اس التواء کو منظور کر لیا ہے مگر آئندہ اگر آپ نے اس طرح التواء کیا تو ہم کو منظور نہ ہوگا اور جلسہ اسی تاریخ (۳۰-۳۱ مئی) کو ہوگا ـــــ چنانچہ مجلس شوریٰ کا یہ اجلاس ۳۰-۳۱ مئی و یکم جون کو منعقد ہوا۔

یہ اجلاس انتہائی غیر معمولی اور بہت سی وجوہ سے انتہائی نازک اجلاس تھا، اور الحمد للہ کہ مکمل امن و سکون کی فضا میں منعقد ہوا اور تمام فیصلے اتفاق رائے سے ہوئے۔

آخر مئی کی مجلس شوریٰ :۔

۳۰ مئی کو شوریٰ کا اجلاس شروع ہوا، اس عاجز ہی کو صدر منتخب کر دیا گیا، ایجنڈے میں سب سے اہم مسئلہ چار وفات یافتہ ارکان کی جگہ نئے ارکان کا انتخاب تھا جو پہلے ہی دن سامنے آیا۔ میں نے عرض کیا کہ ایسے ارکان کا انتخاب کر لیا جائے جو دونوں گروہوں میں سے کسی سے وابستہ نہ سمجھے جاتے ہوں، سب حضرات نے اس کو تسلیم کر لیا، اور اس معیار کے مطابق میں نے جو چار نام پیش کئے تمام ارکان نے اُن سے اتفاق کر لیا، ایک حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی دوسرے جناب نواب عبید الرحمٰن خاں شروانی (علی گڑھ) تیسرے جناب حاجی علاء الدین صاحب (بمبئی) اور چوتھے مولانا محمد عثمان صاحب (دیوبندی)۔

دوسرا اہم مسئلہ مجلس کے سامنے یہ آیا کہ جب ۶ ایجنڈے کی ایک دفعہ کے تحت دارالعلوم کے نظام کو مضبوط و مستحکم بنانے کی تجاویز پر غور ہونے لگا تو مہتمم صاحب نے ایک تحریر پیش فرمائی جس میں اپنی کبر سنی اور قویٰ کے فطری ضعف کی وجہ سے اپنی موجودہ معذوریوں کا ذکر فرما کر لکھا تھا کہ:۔

> "ان حالات و وجوہات کی بنا پر میری درخواست ہے کہ دارالعلوم کے داخلی نظم کی مسئولیت کا تعلق مجھ سے نہ رکھا جائے .... کلیۃً نیابت اہتمام پر عائد کیا جائے۔"

مجلس شوریٰ نے مہتمم صاحب کی اس خواہش کے مطابق دارالعلوم کے تعلیمی، انتظامی، مالی، جملہ داخلی شعبہ جات کی ذمہ داری مددگار مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب اور دو نائبین مہتمم مولانا نصیر احمد خاں صاحب و مولانا محمد عثمان صاحب پر عائد کر دی اور طے کر دیا کہ مہتمم صاحب پر اب صرف دارالعلوم کے مسلک کی حفاظت و اشاعت اور دارالعلوم کے حلقہ اثر کی توسیع کی ذمہ داری رہے گی۔

یہ دونوں تجویزیں اور ان کے علاوہ ساری تجویزیں مجلس شوریٰ کے اس سہ روزہ اجلاس میں تمام ارکان کے اتفاق رائے سے طے ہوئیں۔[1]

اس عاجز سے مہتمم صاحب کی ایک عجیب و غریب فرمائش:-

اس اجلاس کا ایک واقعہ جو عام حالات میں قابل ذکر نہیں تھا، اب نئے حالات میں میرے لیے اُس کا ذکر کرنا ضروری ہو گیا ہے ——— اجلاس کے آخری دن صبح کی نشست کے ختم پر مہتمم صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ مجھے آپ سے تنہائی میں کچھ بات کرنی ہے، میں نے عرض کیا کہ میں حاضر ہوں وہ مجھے ساتھ لیے مہمان خانہ کے اس کمرے میں تشریف لے گئے، جس میں مجلس شوریٰ کے ایک دوسرے محترم رکن کا قیام تھا، وہ صاحب اٹھنے لگے (غالباً اس لیے کہ مہتمم صاحب تنہائی میں مجھ سے گفتگو فرمالیں) مہتمم صاحب نے اُن سے فرمایا کہ آپ بھی تشریف رکھیں، اس کے بعد مہتمم صاحب نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ نے چار نئے ارکان منتخب کر لیے، ہماری ضرورت تھی کہ دیوبند سے فلاں صاحب کو بھی منتخب کیا جاتا (مہتمم صاحب نے ایسے صاحب کا نام لیا جن کو دارالعلوم سے نہ کوئی خاص دینی مناسبت ہے نہ علمی، وہ قصبہ کے بس ایک دولتمند اور رتبہ دار آدمی ہیں) اس کے بعد فرمایا کہ آپ نے بمبئی کے حاجی علاء الدین صاحب کو منتخب کیا ہے، ابھی ان کو اطلاع نہیں دی گئی ہے، آپ اُن کی جگہ دیوبند کے اُن صاحب کو رکھ لیں ——— میں مہتمم صاحب سے یہ بات سنکر حیرت زدہ ہو کر رہ گیا، اُس وقت میں نے صرف اتنا ہی کہنا مناسب سمجھا کہ ارکان کا انتخاب تو پرسوں ہو چکا ہے، اور پوری مجلس شوریٰ نے کیا ہے اور اس کی شہرت بھی ہو چکی ہے ——— اب میرے یا آپ کے کسی کے بھی اختیار میں نہیں ہے کہ اس میں کوئی تبدیلی کی جا سکے۔ اور نہ اس طرح کی تبدیلی کا کوئی جواز ہے۔

اس کے بعد مہتمم صاحب نے فرمایا کہ پچھلے دنوں یہاں جو ہنگامے ہوتے رہے اُن میں تین صاحبان ہماری طرف سے خاص طور سے سینہ سپر رہے ایک مولوی سالم صاحب، دوسرے مولوی انظر شاہ صاحب تیسرے مولوی محمد عثمان صاحب۔ آپ نے مولوی عثمان صاحب کو تو دو انعام دیدیے، رکن بھی منتخب

---

[1] مجلس شوریٰ کے اس سہ روزہ اجلاس کی پوری کارروائی اور تمام تجاویز دفتر دارالعلوم کی طرف سے پمفلٹ کی شکل میں بھی شائع ہو چکی ہیں، دارالعلوم کے معاملات اور موجودہ حالات کو سمجھنے کے لیے اس کا مطالعہ ضروری ہے۔

کرلیا اور نائب مہتمم بھی بنا دیا۔ لیکن باقی دونوں کے لیے آپ نے کچھ نہیں کیا۔ میری گذارش ہے کہ آپ مولوی سالم صاحب کو نائب مہتمم بنا دیں اور مولوی انظر شاہ صاحب کو تدریس میں کوئی امتیازی منصب دیدیں[۱] (مجھے اطمینان ہے کہ ان خط کشیدہ سطروں کے الفاظ مہتمم صاحب کے اصل الفاظ ہیں شاید ہی کوئی لفظ بدلا ہو)۔

مہتمم صاحب کی زبان سے یہ فرمائش سنکر بھی مجھے تعجب کے ساتھ افسوس ہوا۔ لیکن اُس وقت میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ میں کیا عرض کروں۔ جن محترم رکنِ شوریٰ کے کمرے میں اور ان کی موجودگی میں یہ گفتگو ہو رہی تھی، انھوں نے میری مدد اور رہنمائی فرمائی، اور آہستہ سے فرمایا (جس کو مہتمم صاحب ثقل سماعت کی وجہ سے نہیں سن سکے) کہ آپ یہ کہہ دیجیے کہ انشاء اللہ اس پر غور کریں گے۔ میں نے اُس وقت یہی کہہ دیا اور بات ختم ہو گئی۔

مجھے پہلے بھی کئی تجربوں سے یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ کبرسنی کی وجہ سے مہتمم صاحب کا شعور بھی متاثر ہو چکا ہے جس کی وجہ سے بعض اوقات اُن سے ایسی باتیں اور ایسے کام سرزد ہوتے ہیں جو قطعاً اُن کے شایانِ شان نہیں ہوتے۔ میرا خیال ہے کہ اُن میں یہ بات گزشتہ سال دو سال کے اندر ہی پیدا ہوئی ہے پہلے نہیں تھی اور ادھر چند مہینوں سے اس کیفیت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے جس کی وجہ سے اُن کے مفاد پرست حاشیہ نشین ان کو خوب استعمال کرتے ہیں۔

مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقدہ شوال ۱۔

اسی اجلاس میں جو یکم جون ۸۱ء کو ختم ہوا، یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ دارالعلوم میں باہمی اختلاف و خلفشار اور کشمکش کی جو انتہائی رسوا کن فضا پیدا ہو گئی ہے اس کو ختم کرنے کی تجاویز پر غور کرنے اور اس سلسلہ میں ضروری فیصلے اور اقدامات کرنے کے لیے، ماہ شوال میں ایسے وقت جب حضرات اساتذہ

---

[۱] واقعہ یہ ہے کہ مجلس شوریٰ نے مولانا محمد عثمان صاحب کو ہرگز کوئی انعام نہیں دیا، ان کی رکنیت اور نیابت اہتمام کا فیصلہ صرف مفادِ دارالعلوم کے پیش نظر کیا گیا تھا۔ —— مجلس شوریٰ کو مہتمم صاحب کے اس نقطۂ نظر سے اتفاق نہیں ہے کہ ان کی حمایت و مدافعت دارالعلوم کی حمایت و مدافعت ہے، اور ان کی مخالفت دارالعلوم کی مخالفت ہے، مہتمم صاحب کی ذات عین دارالعلوم نہیں ہے۔ اگر مولانا محمد عثمان صاحب، مولانا محمد سالم صاحب اور مولانا انظر شاہ صاحب نے مہتمم صاحب کی حمایت و مدافعت کی ہے جس کی وجہ سے وہ ان کو انعام کا مستحق سمجھتے ہیں تو اُن کو حق ہے کہ اپنی ملک اشیاء میں سے جو چاہیں عنایت فرما دیں، لیکن یہ چیز کسی کو بھی دارالعلوم کے کسی منصب کا حقدار نہیں بناتی۔

اور طلبہ موجود ہوں مجلس شوریٰ کا اجلاس ہو۔ اس کے لیے ۱۰ر شوال کی تاریخ بھی طے کر دی گئی تھی، چنانچہ یہ اجلاس مقررہ وقت پر ہوا۔

مہتمم صاحب کی پھر وہی فرمائش اور میرا جواب:۔

یہ عاجز ۹ر شوال کو مغرب کے قریب دارالعلوم پہنچ گیا ——— نماز مغرب کے بعد ہی حضرت مولانا محمد طیب صاحب میرے پاس تشریف لائے اور صاحبزادے مولانا محمد سالم صاحب اور مولانا انظر شاہ صاحب کے بارہ میں جو کچھ انھوں نے اس سے پہلی مجلس شوریٰ کے آخری دن تنہائی کی گفتگو میں فرمایا تھا (جو ابھی اوپر ذکر کیا جا چکا ہے) وہ انھوں نے مجھے یاد دلایا اور قریب قریب انہی الفاظ میں پھر وہی فرمائش کی جن الفاظ میں پہلے کی تھی ——— اب میں جواب سوچ چکا تھا ——— میں نے عرض کیا کہ مہتمم دارالعلوم ہونے کے علاوہ آپ کی ایک حیثیت یہ بھی ہے کہ آپ عالم دین بھی ہیں اور جماعت میں اس وقت سب سے بڑے ہیں اور صاحب ارشاد شیخ ہیں، آپ انہی دونوں حیثیتوں سے مجھے بتائیں کہ اگر فیما بینی و بین اللہ ایک بات کو میں غیر صحیح اور دارالعلوم کے حق میں خیانت سمجھوں تو کیا میرے لیے جائز ہوگا کہ اپنے کسی محترم بزرگ کے فرمانے پر اس کو کروں؟ واقعہ یہ ہے کہ میں اپنے علم و یقین کے مطابق اس کو صحیح نہیں سمجھتا ——— اس کے بعد میں نے صاحبزادے مولانا محمد سالم صاحب کے بارے میں کچھ عرض کرنا تو بالکل مناسب نہیں سمجھا البتہ مولانا انظر شاہ صاحب سے متعلق میں نے مجلس شوریٰ کے ایک ایسے محترم رکن کا خط مہتمم صاحب کو دکھلایا جو میرے اندازے کے مطابق تمام ارکان مجلس میں مہتمم صاحب کے سب سے زیادہ حامی اور معتمد ہیں، اس خط میں انھوں نے مولانا انظر شاہ صاحب کے بارہ میں اپنی جس رائے کا اظہار فرمایا تھا ——— میرے علم میں بھی اُس سے زیادہ کچھ نہیں تھا۔ (یہ خط میرے پاس تھا اور ہے)

لہ واقعہ یہ ہے کہ مولانا انظر شاہ صاحب سیدی و استاذی حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہٗ کے صاحبزادے اور اُن کی یادگار ہیں اور میں ان کے گھرانے کا غلام ہوں اور اس لحاظ سے ان کا مجھ پر جو حق ہے وہ دارالعلوم کے کسی دوسرے استاذ کا نہیں ہے۔ اسی طرح مولانا محمد سالم صاحب کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے نسبی نسبت کا جو شرف حاصل ہے میں اُس کے حق کا معترف ہوں۔ اس کے باوجود ان دونوں حضرات کے بارے میں مہتمم صاحب کی خواہش و فرمائش کی تعمیل کم از کم میں اپنے لیے دارالعلوم کے ساتھ خیانت سمجھتا ہوں۔ اس کے اسباب و وجوہ سے مجلس شوریٰ کے ارکان تفصیلاً یا اجمالاً قریب قریب سب ہی واقف ہیں۔ ۱۲

میرے اس جواب کے بعد مہتمم صاحب نے اپنی فرمائش پر اصرار تو نہیں فرمایا لیکن اتنا پھر بھی فرمایا کہ آپ اس پر غور کریں میں اس کو ضروری سمجھتا ہوں۔

مجلس شوریٰ کی کارروائی :-

اگلے دن ۱۰ رشوال صبح سے مجلس شوریٰ کی کارروائی شروع ہوئی جو تین دن جاری رہی، اس اجلاس کا صدر بھی اس عاجز ہی کو بنایا گیا تھا۔ پہلے دن اور دوسرے دن بھی تجاویز سے متعلق تمام فیصلے اتفاق رائے سے ہوتے رہے — دوسرے دن ۱۱ رشوال (۱۲ راگست) کو بعد ظہر دارالعلوم کے تمام تحتانی وفوقانی درجات کے اساتذہ کا اجتماع مہمان خانہ میں ہوا اس کا موضوع ہی باہمی اختلاف وخلفشار کو ختم کرانا تھا۔ اس میں مہتمم صاحب اور متعدد ارکان شوریٰ نے تقریریں کیں، سب سے زیادہ موثر اور مبسوط تقریر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے فرمائی اس کا سب سے اہم نکتہ یہ تھا کہ — اس قسم کے اختلافات کے ختم کرانے کے دو طریقے سوچے جاسکتے ہیں ایک یہ کہ کسی مسلّمہ فریقین حکم یا پنچایت کے سامنے فریقین اپنی شکایتیں اور الزامات پیش کریں اور پھر ان کے جوابات اور جوابی الزامات پیش ہوں ظاہر ہے کہ اس سے اختلافات کبھی ختم نہ ہوں گے بلکہ دلوں کے زخم اور گہرے ہو جائیں گے — دوسرا طریقہ اختلاف وخانہ جنگی ختم کرنے کا وہ ہے جو قرن اول میں سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اپنایا تھا۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کی شہادت کے بعد وہ بلاشبہ خلیفۂ راشد تھے، اُن کے ساتھ لڑنے والی فوج بھی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق سے انھوں نے محسوس کیا کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد سے خانہ جنگی اور خونریزی کا جو سلسلہ چل رہا ہے اُس سے دین کو اور امت کو صرف نقصان پہنچا ہے اور اس کے جاری رکھنے سے کسی خیر کی امید اب نہیں ہے تو انھوں نے بس اللہ کی رضا اور دین وامت کی خیر خواہی کو سامنے رکھ کر فیصلہ کر لیا کہ اختلاف وخانہ جنگی کے اس سلسلہ کو بہرحال ختم ہونا چاہیے — انھوں نے اس کو قطعاً نظر انداز کر کے کہ کون فریق حق پر ہے اور کون ناحق پر، خود پہل کر کے حضرت معاویہ کو صلح کا پیام بھیج دیا، انھوں نے اسی جذبہ کے ساتھ صلح کے لیے بڑھا ہوا حضرت حسن کا ہاتھ پکڑ لیا — اس طرح باہمی اختلاف اور خانہ جنگی کا دور ختم ہو کر امت کی وحدت ویکجہتی کا نیا مبارک دور شروع ہو گیا۔ اور پوری امت نے اس کو سیدنا حضرت حسن کی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ سمجھا۔

فی الحقیقت اس طرح کے باہمی اختلافات کو ختم کرنے کا صرف یہی طریقہ ہے کہ دونوں فریق مانی

کی باتوں کو نظر انداز کر کے بلکہ بھلا کے محبت و یگانگت کا نیا دور شروع کرنے کا فیصلہ کریں۔
حضرات اساتذہ نے اسی مجلس اور اسی نشست میں سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی اس سنت کو اپنانے کا فیصلہ اور اعلان فرمایا ـــــ اساتذہ کے ایک حلقہ کی طرف سے مولانا وحید الزماں صاحب نے اور دوسرے حلقہ کی طرف سے مولانا محمد سالم صاحب نے تقریر فرمائی اور بہت ہی اچھے جذبات اور عزائم کا اظہار فرمایا، دونوں حضرات نے سب کو گواہ بنا کر جس میں اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور اس کے فرشتے بھی شامل ہیں، اعلان فرمایا کہ ابتک کے اپنے اختلافات کو ہم نے ختم کر دیا اور دفن کر دیا ـــــ واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں حضرات کی تقریروں نے ہم سب کو بہت ہی مطمئن اور مسرور کیا۔ اور ہم نے اس کو اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم سمجھا اور شکر ادا کیا۔

مولانا معراج الحق صاحب کی صدر مدرسی کی تجویز :۔

اتحاد و مصالحت کی اس خوشگوار فضا کو دیکھ کر اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اس فضا کو مزید مضبوط اور مستحکم کرنے کے لیے کوئی ایسا فیصلہ اور اقدام بھی ہونا چاہیے جو اس کا عملی ظہور و ثبوت ہو کہ واقعی اب اختلاف اور گروپ بندی کو ختم اور دفن کر دیا گیا ہے اور ہر فریق مطمئن ہے، اور اس مجلس میں جو کچھ ہوا ہے وہ صرف زبانی جمع خرچ نہیں ہے۔
اس سلسلہ میں میرے ذہن میں یہ تجویز آئی کہ دارالعلوم میں طویل مدت سے صدارتِ تدریس کا منصب خالی ہے، اور موجودہ بڑے اساتذہ میں مولانا معراج الحق صاحب اپنی صلاحیت و اہلیت اور قدامت نیز اس وجہ سے کہ دارالعلوم کے قریب قریب تمام موجودہ اساتذہ اُن کے شاگرد ہیں، اس منصب کے اہل و مستحق ہیں اور گزشتہ اختلافی فضا ہی کی وجہ سے اس منصب پر ان کا تقرر نہیں ہو سکا تھا ـــــ تو اب جبکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہ اختلافی فضا اور گروپ بندی ختم ہو گئی ہے تو اس منصب پر اُن کا تقرر ہو جانا چاہیے، یہ باہمی اختلاف اور گروپ بندی کے خاتمہ کی علامت بھی ہو گا۔
جہاں تک مجھے یاد ہے میں نے اس وقت اپنا یہ خیال شوریٰ کے کسی بھی رکن پر ظاہر نہیں کیا ـــــ اسی رات یعنی ۱۱-۱۲ شوال کی درمیانی رات کو مغرب و عشا کے درمیان حضرت مہتمم صاحب میرے پاس تشریف لائے ـــــ اور جو بات دو دن پہلے پہلی ملاقات میں انھوں نے مولانا محمد سالم صاحب

اور مولانا انظر شاہ صاحب کے بارہ میں مجھ سے فرمائی تھی، تقریباً انہی الفاظ میں پھر فرمائی (مجھے یقین ہے کہ انھیں یہ بات بالکل یاد نہیں رہی کہ برسوں ہی میں یہ بات کر چکا ہوں اور میرا جواب بھی ان کو یاد نہیں رہا، ورنہ وہ نہ فرماتے) میں نے اُس وقت صرف اتنا عرض کیا کہ آپ دعا فرمائیں کہ جس میں دار العلوم کے لیے خیر ہو اللہ تعالیٰ اس کے لیے میرا شرح صدر فرما دے، انشاء اللہ میں خود بھی دعا کروں گا ۔۔۔۔ اس کے بعد میں نے عرض کیا کہ میری ایک رائے یہ ہے کہ اب جبکہ اختلاف کی فضا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ختم ہو گئی ہے اور وحدت و یگانگت کا نیا دور انشاء اللہ شروع ہو گا، تو صدارت تدریس کے منصب پر مولانا معراج صاحب کا تقرر کر دیا جائے" اس سے انشاء اللہ اتحاد مضبوط و مستحکم ہو گا ۔۔۔ مہتمم صاحب نے فرمایا ہاں وہ اس کے اہل ہیں، لیکن اسی کے ساتھ پھر فرمایا کہ آپ مولوی سالم اور مولوی انظر شاہ کے بارے میں بھی ضرور طے کر دیجیے ۔۔۔۔ میں نے خیال کیا کہ مہتمم صاحب ایسے حال میں ہیں کہ ہمیں اُن کو معذور سمجھنا چاہیے۔

اس کے بعد ۱۲ر شوال کی صبح کو مجلس شوریٰ کا اجلاس شروع ہوا۔ میں نے مولانا معراج الحق صاحب کی صدارتِ تدریس کے بارہ میں اپنا خیال عرض کیا، متعدد ارکان نے کہا کہ یہ بہت ہی مناسب ہو گا، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے اختلاف فرمایا اور پچھلے دنوں جو اختلافی فضا رہی اس کا حوالہ دیا اور اسی کی بنیاد پر اختلاف فرمایا، مولانا حکیم محمد زماں صاحب نے بھی اسی بنیاد پر اختلاف فرمایا۔ مہتمم صاحب نے فرمایا کہ اگر مولانا معراج صاحب کی صدارت تدریس کے ساتھ مولانا محمد سالم صاحب کی نیابت اہتمام اور مولانا انظر شاہ صاحب کے لیے نیابت صدارت تدریس کا بھی فیصلہ کیا جائے تو مجھے یہ منظور ہے ورنہ منظور نہیں ہے اور میں اختلافی نوٹ لکھوں گا ۔۔۔۔ دیر تک اس موضوع پر گفتگو جاری رہی اور رائے کا اختلاف ختم نہیں ہو سکا، تو میں نے صدر کی حیثیت سے عرض کیا کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ دار العلوم کے دستور اور رواج کے مطابق ارکان سے رائے لے لی جائے اور بات ختم کی جائے تاکہ وقت ضائع نہ ہو ۔۔۔۔ اس موقع پر مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ میں رائے شماری میں حصہ نہیں لوں گا، اور یہ فرما کر اپنے کمرے میں تشریف لے گئے (حالانکہ اُن کی اختلافی رائے پورے دلائل کے ساتھ معلوم ہو گئی

تھی، بہرحال اس عاجز نے حضرات ارکان سے اظہار رائے کے لیے عرض کیا۔ اس مجلس شوریٰ میں کل ۱۴ ارکان شریک تھے، ان میں سے دس نے صدارت تدریس کے منصب پر مولانا معراج الحق صاحب کے تقرر کی تائید کی ——— اس طرح تجویز منظور ہو گئی اور مولانا موصوف صدر مدرس قرار پا گئے ——— مہتمم صاحب نے جیسا کہ فرمایا تھا۔ اختلافی نوٹ بھی لکھا جس کا حاصل یہی ہے کہ اگر مولانا معراج الحق صاحب کو صدر مدرس بنایا جائے تو مولانا محمد سالم صاحب کو نائب مہتمم اور مولانا انظر شاہ صاحب کو نائب صدر مدرس بھی بنایا جائے۔

مجھے افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ مہتمم صاحب کا یہ اختلافی نوٹ (جس کی نقل میرے پاس محفوظ ہے) قطعاً ان کے شایان شان نہیں ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ کبر سنی کی وجہ سے اُن کا شعور کس حد تک متاثر ہو چکا ہے۔

اُس دن (۱۲ شوال) کے اجلاس میں متعدد اور تجاویز بھی منظور ہوئیں اور سب اتفاق رائے سے طے ہوئیں ——— اجلاس بظاہر بخیر و خوبی ختم ہو گیا۔ حسب ضابطہ مجلس کی پوری کارروائی لکھی گئی اور صدر جلسہ کی حیثیت سے میں نے اس پر تصدیقی دستخط کیے۔ اور اگلے دن میں دیوبند سے لکھنؤ روانہ ہو گیا۔

مہتمم صاحب کا نیا رخ: ۔ شوال کی اس مجلس شوریٰ کے موقع پر خاص کر نجی گفتگوؤں میں یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ مہتمم صاحب کی انتہائی خواہش ہے کہ اُن کے صاحبزادے مولانا محمد سالم صاحب کو نائب مہتمم بنا دیا جائے (تاکہ آئندہ وہ ان کی جگہ پر آجائیں) بلاشبہ مہتمم صاحب کی یہ خواہش ایک فطری خواہش ہے، جس سے مفاد دار العلوم کے پیش نظر دیانت داری سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے لیکن اس کی وجہ سے کسی کو ہدف ملامت نہیں بنایا جا سکتا ———

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں انھوں نے بعض مصالح کے پیش نظر یہ ضروری سمجھا کہ اپنے بعد کے لیے اپنے بیٹے یزید کو جانشین نامزد کر دیں اور لوگوں سے اس کے لیے بیعت لے لیں ———

لیکن معلوم ہے کہ جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو اس خیال اور تجویز کا علم ہوا تو انھوں نے فرمایا "سنۃ کسریٰ و قیصر لا سنۃ ابی بکر و عمر" (یعنی یہ طریقہ شاہان فارس و روم کسریٰ اور قیصر کا رہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشینوں ابو بکر و عمر کا یہ طریقہ نہیں ہے)

اور تاریخ گواہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس اجتہادی غلطی کا امت کو کیسا خمیازہ بھگتنا پڑا۔[1]

بہرحال شوریٰ کے اس اجلاس کے موقع پر ایک طرف یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ مولانا محمد سالم صاحب کو نائب مہتمم بنانے کی مہتمم صاحب کو کس قدر غیر معمولی خواہش ہے اور وہ اس سے کس درجہ مغلوب ہیں ——— دوسری طرف یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ مجلس شوریٰ کے موجودہ ۲۰۔۲۱ ارکان میں سے ۴۔۵ سے زیادہ سے وہ اس کی تائید کی امید نہیں کرسکتے، باقی تمام ارکان اس کو اصولاً غلط اور دارالعلوم کے لیے مضر سمجھتے ہیں ——— اور ان میں کون ارکان ہیں؟ ——— (۱) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ (۲) حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری۔ (۳) حضرت مولانا صدیق احمد صاحب باندوی۔ (۴) جناب مولانا حکیم انعام اللہ صاحب (ریٹائرڈ پرنسپل طبیہ کالج علی گڑھ) (۵) جناب نواب عبیدالرحمٰن شروانی (علی گڑھ) (۶) جناب الحاج علاءالدین صاحب (بمبئی) (۷) اور یہ عاجز محمد منظور نعمانی۔ (اور جہاں تک مجھے معلوم ہے مولانا سعید احمد اکبرآبادی صاحب کا بھی یہی موقف ہے)۔

ان آٹھ میں سے کسی کے متعلق بھی کوئی شخص جب تک صریح جھوٹ بولنے کا ارادہ نہ کرے، یہ نہیں کہہ سکتا کہ ان میں سے کسی کو بھی حضرت مہتمم صاحب یا اُن کے گھرانے سے کوئی خاص اختلاف اور مخاصمت ہے، یا اُن کے مخالف گروپ سے (جس کو مولانا اسعد میاں کا گروپ کہا جاتا ہے) کوئی خاص ربط و تعلق ہے ——— واقعہ یہ ہے کہ اس عاجز کو اور اسی طرح رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو تو بہت سے ملی و اجتماعی معاملات میں مولانا اسعد میاں کے رویّہ سے سخت اختلاف رہا ہے اور اب بھی ہے[2] ——— اگرچہ ہم نہ مہتمم صاحب کی نیت پر شبہ کرسکتے ہیں نہ مولانا اسعد میاں کی نیت پر۔

---

[1] حضرت معاویہ کے بارہ میں ہرگز یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ وہ یزید کے متعلق جانتے تھے کہ وہ اس منصب کے لیے قطعی نااہل ہے اس کے باوجود انھوں نے اس کو اُمّت پر مسلط کرنے کا فیصلہ کیا۔ بلا اس میں شبہ نہیں کیا جاسکتا کہ اس کے مقابلہ میں زیادہ اہل اور صالح تر افراد موجود تھے، اور حضرت معاویہ بھی اس بات سے ناواقف نہیں تھے، لیکن انھوں نے بنی امیہ اور اپنے خاندان کے رجحانات اور مستقبل کے خطرات کے پیش نظر اس کو ضروری سمجھا اور یہ اقدام کیا۔ بلاشبہ یہ ان کی شدید اجتہادی غلطی تھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد برحق ہے "انما اموالکم و اولادکم فتنۃ الآیۃ"

[2] خاص ابھی پچھلے مہینے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے سلسلہ میں انھوں نے جو کنونشن بلایا اور جو رویہ اختیار کیا اس سے ہمیں سخت اختلاف تھا اور ہے۔

نیتوں کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

اسی طرح حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب اور حضرت مولانا صدیق احمد صاحب کے جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ دونوں بزرگ ہمارے دور کے علمائے ربانیین اور علمائے آخرت میں سے ہیں، دونوں صاحب ارشاد بزرگ ہیں، دونوں کا تعلق حکیم الامت حضرت تھانوی کے سلسلہ سے ہے، یہی حال مولانا حکیم انعام اللہ صاحب کا ہے وہ بھی تھانوی سلسلہ سے منسلک وصی اللّٰہی ہیں۔ ان حضرات کے بارہ میں اور اسی طرح جناب عبید الرحمن شروانی صاحب اور حاجی علاء الدین صاحب کے بارہ میں بھی کون شبہ کر سکتا ہے کہ ان کو مہتمم صاحب یا مولانا محمد سالم صاحب سے کوئی مخاصمت، یا مولانا اسعد میاں سے کوئی خاص رابطہ ہے ـــــ یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ یہ سب حضرات وہ ہیں، جن کا دار العلوم سے کوئی دنیوی مفاد وابستہ نہیں، ان کا کوئی عزیز قریب بھی دار العلوم میں ملازم نہیں اور یہ چاہتے بھی نہیں کہ ان کے کسی عزیز قریب کا دار العلوم سے ملازمت کا یا کسی صورت میں بھی مالی انتفاع کا تعلق ہو۔

ہاں ان کے علاوہ مجلس کے ارکان میں جس طرح چند وہ حضرات ہیں جن کو مہتمم صاحب کے گروپ سے وابستہ سمجھا جاتا ہے، اسی طرح قریباً اتنی ہی تعداد میں وہ ارکان بھی ہیں جن کا مولانا اسعد میاں سے تعلق ہے اور وہ ان سے وابستہ سمجھے جاتے ہیں ـــــ لیکن اوپر جن ۷۔۸ ارکان کا ذکر کیا گیا ان کا تعلق کسی گروپ اور کسی شخصیت سے بھی نہیں ہے۔ ان سے امید کی جاتی ہے کہ وہ ہر معاملہ میں وہی رائے دیں گے جس کو وہ فیما بینہم و بین اللہ صحیح اور دار العلوم کے مفاد میں سمجھیں گے کسی گروپ کے خلاف ہو یا موافق۔

بہرحال شوال کی اس مجلس شوریٰ کے بعد مہتمم صاحب کے حلقہ نے یہ قطعی اندازہ کر لیا کہ موجودہ مجلس شوریٰ سے امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ مولانا محمد سالم صاحب کو نیابت اہتمام کے منصب پر فائز کر دے ـــــ تو جیسا کہ معلوم ہوا ہے اس حلقہ کے کچھ ایسے لوگوں نے جو خالص دنیادارانہ مقدمہ بازی کا ذہن رکھتے ہیں مہتمم صاحب کو مشورہ دیا کہ آپ مجلس شوریٰ کو توڑنے کا اعلان کر دیں اور اپنے اعتماد کے لوگوں کی نئی مجلس شوریٰ اور دار العلوم کا نیا دستور بنا لیں ـــــ

معلوم ہوا ہے کہ ۱۸ اکتوبر کو دہلی میں جو نمائندہ اجتماع بلایا گیا ہے وہ اسی مہم کا آغاز تھا۔[1]

[1] ناظرین "نگاہ اولیں" سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہ مضمون دہلی کے اجتماع سے پہلے لکھا گیا تھا۔

اگر اس طرح کی کوئی کارروائی کی گئی تو ظاہر ہے کہ علاوہ شرعاً و اخلاقاً ناجائز ہوگی اور قانونی لحاظ سے ـــــــ صورت حال یہ ہے کہ دار العلوم ایک وقف ہے اور مجلس شوریٰ بحیثیت مجموعی اس کی شرعی و قانونی متولی ہے۔ اور مہتمم صاحب شخصی حیثیت سے محترم ہونے کے باوجود اُس کے باتنخواہ ملازم ہیں ـــــــ وہ اگرچہ مہتمم ہونے کی حیثیت سے شوریٰ کے رکن بھی ہیں، لیکن دستور کی رو سے ان کو اپنے سے متعلق کسی معاملہ میں رائے دینے کا بھی حق نہیں ہے۔

آخر میں چند وضاحتیں

اب تک جو کچھ عرض کیا گیا اس سے ناظرین نے سمجھ لیا ہوگا کہ اس وقت دار العلوم کے قضیہ میں اصل نقطۂ اختلاف صاحبزادے مولانا محمد سالم صاحب کی نیابت اہتمام کا مسئلہ ہے۔ اس کے علاوہ مجلس شوریٰ یا اس کے بعض ارکان کے متعلق جو کچھ کہا یا لکھا جا رہا ہے اس کی حیثیت حیلوں بہانوں کے سوا کچھ نہیں ہے ـــــــ تاہم میں اس سلسلہ میں بھی چند وضاحتیں مناسب سمجھتا ہوں۔

۱۔ دار العلوم کے دستور و آئین کی رو سے مجلس شوریٰ کا فیصلہ خواہ متفقہ ہو یا ارکان کی اکثریت کی رائے سے بہرحال قطعی ہے، اُس کی تعمیل و تنفیذ مہتمم دار العلوم کے اختیار کی چیز نہیں ہے، بلکہ اُن کے فرائض میں ہے۔ (دستور دیکھا جا سکتا ہے)، اگر مہتمم مجلس کے کسی فیصلہ کی تعمیل و تنفیذ نہ کرے تو مجلس شوریٰ اس سے مواخذہ کر سکتی ہے۔

۲۔ دار العلوم کا دستور و آئین موجودہ مجلس شوریٰ کا وضع کردہ نہیں ہے۔ یہ اب سے قریباً ۲۵ سال قبل والی مجلس شوریٰ نے وضع اور منظور کیا تھا، اُس وقت مجلس کے ارکان میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہؒ، حضرت مولانا احمد سعیدؒ، حضرت مولانا حکیم محمد اسحاق کٹھوریؒ، حضرت مولانا حفظ الرحمٰنؒ، اور بحیثیت صدر المدرسین حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جیسے اکابر تھے، ـــــــ اس دور کے ارکان میں سے جہاں تک میرے علم میں ہے اب صرف دو حیات ہیں۔ ایک، حضرت مولانا محمد طیب صاحب (جو اُس وقت بھی بحیثیت مہتمم شوریٰ کے رکن تھے) اور دوسرا یہ عاجز ـــــــ ہم دونوں نے اُس وقت اس پر دستخط کیے تھے۔ اس لیے بالخصوص اس عاجز کے لیے اور حضرت مہتمم صاحب کے لیے تو اس دستور سے انحراف کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے ـــــــ ہاں! دستور ہی نے مجلس شوریٰ

کو یہ حق دیا ہے کہ وہ وقت کے تقاضے اور مصلحت کے مطابق اس میں ترمیم و تنسیخ کر سکتی ہے۔

۳۔ مہتمم صاحب نے اپنے بعض حالیہ بیانات اور خطوط میں یونٹ ٹرسٹ سے متعلق مجلس شوریٰ کی تجویز کا ذکر اس طرح فرمایا ہے کہ جیسے وہ کوئی بڑا گناہ ہے اور اس کے ذمہ دار اور محرک وہ ارکان شوریٰ ہیں جن کو وہ مخالف گروپ سے تعبیر کرتے ہیں ـــــ حالانکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ تجویز پہلی دفعہ اکتوبر ۱۹۷۸ء کی شوریٰ میں منظور ہوئی تھی (جس میں یہ عاجز شریک نہیں تھا) اس کی صدارت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نے کی تھی، اور جیسا کہ معلوم ہوا تھا انھوں نے ہی یونٹ ٹرسٹ کے مسئلہ کو شوریٰ میں پیش کیا تھا، باقی سب ارکان نے (مع مہتمم صاحب کے) اس سے اتفاق کر لیا تھا۔

اسی وقت یہ معلوم ہوا تھا کہ یونٹ ٹرسٹ کا کوئی ایسا نظام ہے جس میں رقم محفوظ کر دینے کے بعد اسے نکالنا آسان نہیں رہتا، مجلس شوریٰ کے ارکان کا احساس تھا کہ اجلاس صد سالہ کے بعد قریباً ستر لاکھ کی دارالعلوم کی جو رقم بینکوں میں ہے اور اس کا ہر وقت نکالنا آسان ہے، مہتمم صاحب کی کبر سنی اور ان کے متعلقین اور حاشیہ نشینوں کے طرز عمل کے پیش نظر اس کو اس طرح محفوظ ہو جانا چاہیے کہ وہ بآسانی نہ نکالی جا سکے اور یونٹ ٹرسٹ کے بارے میں اس وقت تک کی معلومات یہی تھیں کہ وہ مضاربت کی ایک شکل ہے اور شرعاً جائز ہے[1] ـــــ اسی لیے اکتوبر کی مجلس شوریٰ میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا، اور مہتمم صاحب نے اس سے کوئی اختلاف نہیں کیا تھا، بلکہ یہ تجویز معمول کے مطابق رجسٹر کارروائی میں بھی درج ہوئی اور "المصدق" کی حیثیت سے مہتمم صاحب نے اس پر دستخط فرمائے۔

اس وقت بھی بعض ارکان کو یہ اندیشہ تھا کہ مہتمم صاحب کے بعض متعلقین اس تجویز کو اپنے غلط ارادوں کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ سمجھ کر چلنے نہیں دیں گے ـــــ اور مہتمم صاحب کو اس کے لیے استعمال کریں گے۔ افسوس ہے کہ یہ اندیشہ صحیح ثابت ہوا اور نہ صرف یہ کہ اس تجویز کی تعمیل نہیں کی گئی بلکہ اس عدم تعمیل کو مقدس شرعی لباس پہنا دیا گیا۔

---

[1] اس عاجز کو یونٹ ٹرسٹ کی قانونی تفصیلات کا علم نہیں ہے، اس لیے میں اب تک اس کے بارے میں کوئی شرعی رائے قائم نہیں کر سکا ہوں۔ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِين۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ گذشتہ مئی ۱۹۸۰ء کی مجلس شوریٰ میں جب یہ بات سامنے آئی کہ یونٹ ٹرسٹ سے متعلق اکتوبر ۱۹۷۹ء کے اجلاس میں منظور شدہ تجویز کی تعمیل نہیں ہوئی ہے تو پھر اس تجویز کا اعادہ کیا گیا۔ اس موقع پر بھی مہتمم صاحب نے اختلاف نہیں فرمایا اور نہ کوئی اختلافی نوٹ لکھا۔ اور معمول کے مطابق اس مجلس کی روئداد پر بھی تصدیقی دستخط فرمائے (یہ روئداد چھپ بھی چکی ہے، اور مہتمم صاحب کے دستخط اس میں دیکھے جا سکتے ہیں۔)

اسی طرح شوال (اگست ۱۹۸۰ء) کی مجلس میں پھر یہ بات سامنے آئی کہ ابتک بھی اس تجویز پر عملدرآمد نہیں ہوا۔ چنانچہ پھر اس بارے میں مجلس شوریٰ نے تاکیدی تجویز منظور کی اور قطعی طور پر طے کر دیا کہ ۱۵ر اگست تک اس پر عملدرآمد ہو جانا چاہیے ـــــ اس موقع پر بھی مہتمم صاحب نے کوئی اختلافی نوٹ تحریر نہیں فرمایا جبکہ اسی مجلس میں انھوں نے مولانا معراج الحق صاحب کے لیے صدارت تدریس کی تجویز پر اختلافی نوٹ لکھنا ضروری سمجھا۔

۴۔ مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب دارالعلوم کے فاضل اور مجلس شوریٰ کے قدیم رکن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیاوی ثروت اور فارغ البالی سے بھی نوازا ہے، وہ پابندی سے دارالعلوم کی مجلس شوریٰ اور عاملہ میں شرکت فرماتے ہیں اور آمد و رفت کے مصارف کبھی دارالعلوم سے نہیں لیتے مجلس شوریٰ کا جو اجلاس گذشتہ مئی میں ہوا تھا جس میں مہتمم صاحب نے اپنی کبرسنی اور معذوریوں کی بنا پر ذمہ داریوں کا بوجھ ہلکا کرنے کی درخواست کی تھی جس کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔) اس موقع پر اس عاجز اور چند دوسرے ارکان نے اُن سے اصرار کیا کہ وہ دارالعلوم میں مددگار مہتمم کا منصب قبول کرلیں تاکہ مہتمم صاحب کے ضعف پیری اور اس کے سبب شعور کے زیادہ متاثر ہو جانے کی وجہ سے دارالعلوم کے نظام خاص کر مالیات میں جو خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں ان کا کچھ انسداد ہو سکے، انھوں نے بہت معذرت کی لیکن ہم لوگوں نے اُن کو مجبور کیا اور بالآخر وہ آمادہ ہو گئے اور انھوں نے یہ منصب قبول کر لیا، اور خاص کر مالی شعبہ محاسبی کی دیکھ بھال شروع کر دی۔

وہ دارالعلوم سے نہ کوئی تنخواہ لیتے ہیں نہ الاؤنس، صرف لوجہ اللہ خدمت کرتے ہیں جب کہ بدقسمتی سے ہمارے دارالعلوم میں یہ چیز بالکل عنقا ہو گئی ہے۔ حالانکہ ایثار و قربانی اور حتی الوسع خدمت لوجہ اللہ ہی ہمارے اکابر و اسلاف کا امتیاز تھا ـــــ افسوس ہے کہ مہتمم صاحب

کے کچھ قریبی لوگ اور حاشیہ نشین انھیں کسی قیمت پر برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وجہ یہاں بھی یہی ہے کہ ان کے اس عہدے پر ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کے لیے دارالعلوم کی مالیات میں ناجائز تصرفات آسان نہیں رہتے۔

آخر میں گذارش ہے کہ میں نے اس طویل بیان میں بہت سی ایسی باتیں لکھی ہیں جو میری عادت، مزاج اور اصول کے خلاف ہیں اور مجھے اپنے اوپر جبر کر کے یہ ناخوشگوار کام کرنا پڑا ہے، کیونکہ صفائی کے ساتھ ان حقیقتوں کا اظہار اب میرے لیے فرض ہوگیا تھا۔ ــــــ امت کی اجتماعی مصلحت کو کسی فرد یا چند افراد کے احترام و لحاظ پر قربان نہیں کیا جا سکتا۔
اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اگر اس میں میرے نفس کا کوئی حصہ شامل ہوگیا ہو تو مجھے معاف فرما دے اور اپنی رحمت سے میری ان معروضات کو دارالعلوم کے حق میں رشد و خیر کا وسیلہ بنائے۔
ــــــ إن أريد إلا الإصلاح ما استطعت وما توفيقي إلا بالله

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

محمد منظور نعمانی

(مسلسل)

معارف الحدیث

کتاب الفتن

امت میں پیدا ہونے والے دینی انحطاط و زوال اور فتنوں کا بیان

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح عقائد و ایمانیات، عبادات، اخلاق اور معاشرت و معاملات، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ کے بارہ میں ہدایات دیں اور امت کی رہنمائی فرمائی، اسی طرح مستقبل میں واقع ہونے والے دینی زوال و انحطاط، تغیرات اور فتنوں کے بارہ میں بھی امت کو آگاہی دی ہے اور ہدایات فرمائی ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمایا تھا کہ جس طرح اگلی امتوں میں دینی زوال و انحطاط آیا اور وہ طرح طرح کی گمراہیوں اور غلط کاریوں میں مبتلا ہوئیں اور اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت اور نصرت سے محروم ہوئیں ایسے ہی حالات آپ کی امت پر بھی آئیں گے ـــــ اس انکشاف و اطلاع کا مقصد یہی تھا کہ آپ امت کو آنے والے اس خطرہ سے آگاہ کریں اور اس بارہ میں ہدایات دیں۔

حدیث کی کتابوں میں "کتاب الفتن" یا "ابواب الفتن" کے زیر عنوان جو حدیثیں روایت کی گئی ہیں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی سلسلہ کے ارشادات ہیں ـــــ ان کی حیثیت صرف پیشین گوئیوں کی نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد و مدعا امت کو آئندہ آنے والے فتنوں سے باخبر کرنا اور اُن کے اثرات سے تحفظ کا داعیہ پیدا کرنا اور طریق کار کے بارہ میں

ہدایات دینا ہے۔

اس تمہید کے بعد ذیل میں درج ہونے والی حدیثیں پڑھی جائیں، ان میں غور وفکر کیا جائے، اُن کی روشنی میں خود اپنا اور اپنے ماحول کا جائزہ لیا جائے، اور اُن سے ہدایت و رہنمائی حاصل کی جائے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتّٰى لَوْ دَخَلُوْا جُحْرَ ضَبٍّ تَبِعْتُمُوْهُمْ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى؟ قَالَ فَمَنْ؟ ——— رواہ البخاری ومسلم (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یقیناً ایسا ہوگا کہ تم (یعنی میری امت کے لوگ) اگلی امتوں کے طریقوں کی پیروی کروگے بالشت برابر بالشت اور ذراع برابر ذراع (یعنی بالکل اُن کے قدم بقدم چلوگے) یہاں تک کہ اگر وہ گھسے ہوں گے گوہ کے بھٹ میں، تو اس میں بھی تم ان کی پیروی کروگے۔ ——— عرض کیا گیا کہ اے خدا کے رسول کیا یہود ونصاریٰ (مراد ہیں؟) آپ نے فرمایا تو اور کون؟ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) "شبر" کے معنی بالشت اور "ذراع" کے معنی ہاتھ کی انگلیوں کے سرے سے لیکر کہنی تک کی مقدار، جو ٹھیک دو بالشت برابر ہوتی ہے ——— حدیث کے الفاظ "شِبْرًا بِشِبْرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ" کا مطلب بالکل وہ ہے جو اردو محاورہ میں "قدم بقدم" کا ہوتا ہے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یقیناً ایک وقت ایسا آئے گا کہ میری امت کے کچھ لوگ اگلی امتوں کے گمراہ لوگوں کی قدم بقدم پیروی کریں گے۔ جن گمراہیوں اور غلط کاریوں میں وہ مبتلا ہوئے تھے، یہ بھی اُن میں مبتلا ہوں گے، یہاں تک کہ اگر اُن میں سے کسی سرپھرے پاگل نے "ضب" (گوہ) کے بل میں گھسنے کی کوشش کی ہوگی تو میری اُمت میں بھی ایسے پاگل ہوں گے جو یہ مجنونانہ حرکت کریں گے (مطلب یہ ہے کہ اس طرح کی احمقانہ حرکتوں میں بھی ان کی پیروی اور نقالی کریں گے، یہ دراصل کامل پیروی اور نقالی کی ایک تعبیر وتمثیل ہے) ——— آگے حدیث میں ہے کہ حضور کا یہ ارشاد

سُنکر کسی صحابی نے عرض کیا کہ حضرت! ہم سے پہلی امتوں سے کیا یہود و نصاریٰ مراد ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا وہ نہیں تو اور کون ——— مطلب یہ ہے کہ ہاں میری مراد یہود و نصاریٰ ہی ہیں۔

جیسا کہ تمہیدی سطروں میں عرض کیا گیا یہ صرف پیشین گوئی نہیں ہے، بلکہ بڑے موثر انداز میں آگاہی ہے کہ مجھ پر ایمان لانے والے خبردار اور ہوشیار رہیں اور یہود و نصاریٰ کی گمراہیوں اور غلط کاریوں سے اپنے کو محفوظ رکھنے کی فکر سے کبھی غافل نہ ہوں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرٍو قَالَ شَبَّكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَصَابِعَهٗ وَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عَمْرٍو اِذَا بَقِيْتَ حُثَالَةٌ قَدْ مَرِجَتْ عُهُوْدُهُمْ وَاَمَانَاتُهُمْ وَاخْتَلَفُوْا فَصَارُوْا هٰكَذَا، قَالَ فَكَيْفَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ تَاْخُذُ مَا تَعْرِفُ وَتَدَعُ مَا تُنْكِرُ وَتُقْبِلُ عَلٰى خَاصَّتِكَ، وَتَدَعُهُمْ وَعَوَامَّهُمْ

رواہ البخاری (جمع الفوائد)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈال دیں اور (مجھ سے مخاطب ہو کر) فرمایا کہ اے عبداللہ بن عمرو! تمہارا اُس وقت کیا حال اور کیا رویہ ہو گا جب صرف ناکارہ لوگ باقی رہ جائیں گے، اُن کے معاہدات اور معاملات میں دغا فریب ہو گا اور اُن میں (سخت) اختلاف (اور ٹکراؤ) ہو گا اور وہ باہم اس طرح گتھ جائیں گے (جیسے میرے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں سے گتھی ہوئی ہیں) عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ پھر مجھے کیسا ہونا چاہیے یا رسول اللہ؟ (یعنی اس فسادِ عام کے زمانہ میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟) آپ نے ارشاد فرمایا کہ جس بات اور جس عمل کو تم اچھا اور معروف جانو اُس کو اختیار کرو اور جس کو مُنکر اور بُرا سمجھو اس کو چھوڑ دو اور اپنی پوری توجہ خاص اپنی ذات پر رکھو (اور اپنی فکر کرو) اور اُن ناکارہ بے صلاحیت اور آپس میں لڑنے بھڑنے والوں سے اور اُن کے عوام سے تعرض نہ کرو۔

(صحیح بخاری)

(تشریح) حثالہ کے معنی بھوسی کے ہیں، یہاں اُس سے مراد ایسے لوگ ہیں جو بظاہر آدمی ہونے کے باوجود آدمیت کے جوہر سے بالکل خالی ہوں اُن میں کوئی صلاحیت نہ ہو، جس طرح بھوسی میں صلاحیت نہیں ہوتی ــــــ آگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا یہ حال بھی بیان فرمایا کہ اُن کے معاہدات اور معاملات میں مکر و فریب اور دغابازی ہو اور باہم جنگ و پیکار اُن کا شغلہ ہو ــــــ

تو محصحابہ کرام میں عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فطری طور پر بڑے خیر پسند، پرہیزگار اور عبادت گذار تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اُن سے فرمایا کہ جب کبھی ایسا وقت آجائے کہ ایسے ہی ناکارہ اور بدکردار اور باہم لڑنے بھڑنے والے لوگ باقی رہ جائیں، تو تمہارا رویہ اُس وقت کیا ہوگا؟ ــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال اُن سے اسی لیے کیا تھا کہ وہ اس بارے میں آپ سے ہدایت کے طالب ہوں تو آپ ہدایت فرمائیں ــــــ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تعلیم تھا ــــــ چنانچہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اور آپ نے جواب دیا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جب واسطہ ایسے ہی لوگوں سے ہو، جو آدمیت کے جوہر سے محروم ہوں اور نیکی کو قبول کرنے کی اُن میں صلاحیت ہی نہ رہی ہو تو اہل ایمان کو چاہیے کہ ایسے لوگوں سے صرف نظر کر کے بس اپنی فکر کریں ــــــ

یہاں یہ بات خاص طور سے قابل لحاظ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے مسلمانوں کو جو ہدایت دینا چاہتے تھے، اُس کا مخاطب صحابہ کرام ہی کو بناتے تھے ــــــ اللہ تعالیٰ اُن اصحاب کرام اور اُن کے بعد والے راویان حدیث کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایات بعد والوں تک پہنچائیں اور ائمہ حدیث نے ان کو کتابوں میں محفوظ کر دیا۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُوْشِکُ اَنْ یَّکُوْنَ خَیْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ یَّتْبَعُ بِھَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ یَفِرُّ بِدِیْنِہٖ مِنَ الْفِتَنِ ــــــ رواہ البخاری (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے کہ ایسا زمانہ آئے کہ ایک مسلمان کا اچھا مال بکریوں کا گلہ ہو جنکو لیکر

وہ پہاڑیوں کی چوٹیوں اور بارش والی وادیوں کی تلاش کرے، اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لیے بھاگ جائے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) قرآن پاک میں قیامت کو قریب ہی بتلایا گیا ہے (اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی قیامت اور اس سے پہلے ظاہر ہونے والے فتنوں کا اس طرح ذکر فرماتے تھے جیسے کہ یہ سب کچھ عنقریب ہی ہونے والا ہے ـــــ اوّلاً تو اس لیے کہ جو چیز آنے والی ہے اور اس کا آنا یقینی ہے اس کو قریب ہی سمجھنا چاہیے ـــــ دوسرے اس میں یہ بھی حکمت تھی کہ کوئی شخص اس کو بہت دور سمجھ کر مطمئن نہ ہو بیٹھے اور اس کے لیے جو کچھ کرنا چاہیے اس میں سستی نہ کرے ـــــ اسی اصول و معمول کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فتنہ کے ایسے زمانے کے قریب ہونے کی آگاہی دی ہے جب بھری پُری آبادیوں کا حال ایسا خراب ہو جائے گا کہ وہاں رہنے والے کے لیے دین پر قائم رہنا اور اللہ و رسول کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا قریباً ناممکن ہو جائے گا ـــــ آپ نے فرمایا ایسے وقت میں وہ بندۂ مومن بڑی خیریت میں ہوگا جس کے پاس چند بکریوں کا گلّہ ہو، وہ ان کو لیکر پہاڑیوں کی چوٹیوں پر یا ایسی وادیوں میں چلا جائے جہاں بارشیں ہوتی ہوں، بکریاں اللہ کے اگائے ہوئے سبزے سے اپنا پیٹ بھریں اور یہ بندہ بس ان بکریوں سے گزارہ کرے، اور اس طرح آبادیوں کے فتنوں سے محفوظ رہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاْتِيْ عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ اَلصَّابِرُ فِيْهِمْ عَلٰى دِيْنِهٖ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ

ـــــ رواہ الترمذی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کے لیے ایک وقت ایسا آئے گا کہ صبر و استقامت کے ساتھ دین پر قائم رہنے والا بندہ اس وقت اس آدمی کی مانند ہوگا جو ہاتھ میں جلتا ہوا انگارہ تھام لے۔

(جامع ترمذی)

(تشریح) مطلب یہ ہے ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ فسق و فجور اور خدا فراموشی ماحول اور فضا پر

ایسی غالب آجائے گی کہ خدا اور رسول کے احکام پر استقامت کے ساتھ عمل کرنا اور حرام سے بچ کر زندگی گزارنا اتنا مشکل اور صبر آزما ہوجائے گا جیسا کہ جلتا انگارہ ہاتھ میں تھام لینا ——— یہ وہی زمانہ ہوگا جس کا ذکر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا حدیث میں کیا گیا ہے ——— واللہ اعلم

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّکُمْ فِیْ زَمَانٍ مَنْ تَرَکَ فِیْهِ عُشْرَ مَا اُمِرَ هَلَکَ، ثُمَّ یَاْتِیْ زَمَانٌ مَنْ عَمِلَ فِیْهِ بِعُشْرِ مَا اُمِرَ نَجَا ——— رواہ الترمذی (جمع الفوائد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اس وقت ایسے زمانے میں ہو کہ جو کوئی اس زمانے میں احکام الٰہی کے ۱۰ بڑے حصہ پر) عمل کرے صرف ۱/ دسویں حصہ پر عمل ترک کردے تو وہ ہلاک ہوجائے گا (اس کی خیریت نہیں) اور بعد میں ایک ایسا زمانہ بھی آئے گا کہ جو کوئی اس زمانہ میں احکام الٰہی کے صرف دسویں حصہ پر عمل کرے گا وہ نجات کا مستحق ہوگا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانہ میں آپ کی صحبت اور براہ راست تعلیم و تربیت اور معجزات و خوارق کے مشاہدہ کے نتیجہ میں ایسا ماحول بن گیا تھا کہ احکام الٰہی کی ذوق و شوق سے تعمیل کرنا نہ صرف آسان بلکہ مرغوب و محبوب بن گیا تھا، اور اللہ و رسول کی اطاعت و فرمانبرداری طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، اس ماحول اور اس ایمانی فضا میں جو شخص احکام الٰہی کی پیروی میں تھوڑی بھی کوتاہی کرے، اس کے بارہ میں اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ قصور وار اور قابل مواخذہ ہے" قربا نرا بیش بود حیرانی" ——— اسی کے ساتھ آپ نے فرمایا کہ ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب ماحول دین کے لیے سخت ناسازگار ہوگا (اور جیسا کہ حضرت انس کی مندرجہ بالا حدیث میں فرمایا گیا ہے، دین پر چلنا ایسا صبر آزما ہوگا جیسا ہاتھ میں انگارہ تھام لینا) ایسے زمانے کے بارہ میں آپ نے فرمایا کہ اس وقت میں اللہ کے جو بندے دین کے تقاضوں اور شریعت کے احکام پر تھوڑا بھی عمل کرلیں گے۔ اُن کی نجات ہوجائے گی ———
(اس عاجز کا خیال ہے کہ "اس حدیث میں عُشر" کے لفظ سے متعین طور پر دسواں حصہ (۱/۱۰) مراد نہیں ہے

بلکہ کثیر کے مقابلہ میں قلیل مراد ہے ـــــ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مدعا وہی ہے جو عاجز نے اِن سطروں میں عرض کیا ہے۔ واللہ اعلم ؎

معاملات سے متعلق فتوے میں توسّع

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی ایک بصیرت افروز فقہی تحقیق

حضرت حکیم الامتؒ کے مواعظ کا ایک مجموعہ زیر مطالعہ تھا۔ اُس کے ایک وعظ "آداب المصاب" میں حضرت نے رزق حلال کی اہمیت بیان فرمائی ہے ـــــ اسی سلسلہ میں حضرت کا یہ ارشاد نظر سے گزرا جس میں امت کے لئے یقیناً بڑی وسعت اور سہولت ہے ـــــ فرمایا کہ

"بلکہ اس باب میں میری رائے تو یہ ہے کہ اگر معاملات میں کسی وقت اپنے مذہب میں تنگی ہو اور دوسرے ائمہ مجتہدین کے اقوال میں گنجائش ہو تو عوام کو تنگی میں نہ ڈالا جائے، بلکہ دوسرے ائمہ کے قول پر فتوی دیدیا جائے..... میں حضرت مولانا گنگوہیؒ سے اس رائے کی صریح تائید حاصل کرچکا ہوں۔" وعظ آداب المصاب۔ سلسلہ تبلیغ ص ۱۳۹

اس دور کے بہت سے اصحاب فتویٰ کے مزاج میں شدت پسندی دیکھی جاتی ہے۔ بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت اور دین کا مزاج وہی ہے جو حضرت حکیم الامت کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے۔

محمد زکریا ندوی خادم تدریس دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

از جناب ضیاء الدین لاہوری ایم۔ اے

مسئلہ رویت ہلال
جدید سائنسی تحقیق کی روشنی میں

ہمارے ہاں علماء اسلام کو اکثر اس بات کا ملزم گردانا جاتا ہے کہ اس زمانہ میں جبکہ سائنسدان انسان کو چاند پر بھیجنے میں کامیاب ہو چکے ہیں، وہ ابھی تک نیا چاند دیکھے جانے کا مسئلہ طے نہیں کر سکے۔ لوگوں کے خیال میں برصغیر کے علماء کرام دقیانوسی خیالات کی بنا پر جدید علوم سے استفادہ نہیں کرتے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہاں قمری تاریخیں عرب ممالک کے مقابلے میں، جہاں رویت ہلال کے بارے میں کبھی اختلاف نہیں ہوا، ہمیشہ ایک یا دو روز پیچھے چلتی ہیں جو اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ ہم اس معاملہ میں غلطی پر ہیں۔ اس قسم کے الزامات نہ صرف عام لوگوں کی طرف سے بلکہ تعلیم یافتہ افراد کی جانب سے بھی عائد کیے جاتے ہیں۔ اس مفروضے کی بنیاد پر بہت سے مقالات اور رسائل تحریر کیے جا چکے ہیں کہ سائنس کی زبردست ترقی کے اس دور میں ماہرین علوم فلکیات رویت ہلال کی بالکل درست پیش گوئی کر سکتے ہیں۔ ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر یہ واقعی ممکن ہے تو ہم خواہ مخواہ بے یقینی کی کیفیت سے دو چار رہنا کیوں پسند کرتے ہیں؟ میں نے معلومات حاصل کرنے کی غرض سے اپنے قیام لندن کے دوران میں یونیورسٹی آف لندن آبزرویٹری اور رائل گرین وچ آبزرویٹری سے اس مسئلہ پر خط و کتابت کی۔ میں نے ان سے استفسار کیا کہ کیا علوم فلکیات کے ماہرین کوئی ایسا معیار قائم کرنے کے قابل ہو چکے ہیں جس سے آئندہ رویت ہلال کی یقینی پیش گوئی کی جا سکے؟ میں نے

ان سے وضاحت چاہی کہ اس سلسلہ میں چاند کی عمر، غروب آفتاب اور غروب قمر میں فرق اور مشاہدہ کرنے والے کی سطح سمندر سے بلندی کو کہاں تک دخل ہے؟ اس کے جواب میں یونیورسٹی آف لندن آبزرویٹری شعبۂ فزکس اور علوم فلکیات کے اسسٹنٹ ڈائریکٹر نے ۱۱ر جولائی ۱۹۸۱ء کو مجھے جو جواب بھیجا اس کے متعلقہ حصہ کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:-

"...... آپ کے دوسرے استفسار سے متعلق کہ آیا آبزرویٹری سائنسداں کوئی ایسا معیار قائم کرنے کے اہل ہو چکے ہیں جس سے آپ نیا چاند نمودار ہونے والی شام کی یقینی پیش گوئی کر سکیں، مجھے افسوس ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے۔ کچھ عرصہ قبل اس خاص مسئلہ پر عدلیہ سعودی عرب کے اراکین کے ساتھ میرے طویل مذاکرات ہوئے اور معلوم ہوا کہ اس سلسلہ میں پیش کی جانے والی کوئی بھی تجویز یقینی طور پر قرآن مجید کے تقاضوں سے تقریباً متصادم ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ درحقیقت رویت ہلال کے متعلق کوئی بھی مفروضہ قائم نہیں کیا جا سکتا، ایک خاص زاویے کا تعین کیا جا سکتا ہے مگر یہ بھی ہمیشہ محض ایک اتفاق ہو گا کہ خصوصی تیز بصارت کا حامل کوئی فرد خاص کر غیر متغیر طور پر صاف مطلع میں نئے چاند کے اپنے (STATUTORY) مقام پر پہنچنے سے پہلے ہی اسے دیکھنے کے قابل ہو سکے۔ ان نکات میں سے، جن کا ذکر آپ نے کیا ہے، اصل مسئلہ کا لازماً کسی سے بھی تعلق نہیں بلکہ محض اس بات سے ہے کہ چاند سورج سے کس قدر فاصلے پر ہو جو جھٹ پٹے میں آسمان پر دکھائی دے سکے۔ جزوی طور پر اس کا انحصار چاند کی سورج سے دوری اور دوسرے تغیر پذیر عناصر پر ہے جیسا کہ فضا میں شفاف پن اور موازنہ (CONTRAST) اور مشاہدہ کرنے والے کی نظر کی تیزی۔ قرآن مجید کسی ایسے طریق کار کا، جو چاند کے سورج سے ایک مخصوص فاصلے پر مبنی ہو خصوصاً مزاحم دکھائی دیتا ہے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ میرے خیال میں کوئی ایسا سائنسی طریقہ نہیں ہے جس سے کہ اس موقع پر اسلام کے تقاضے پورے کیے جا سکیں۔"

رائل گرین وچ آبزرویٹری انگلستان کی سائنس ریسرچ کونسل فلکیاتی معلومات پر وقتاً تحقیقاتی پرچے جاری کرتی ہے۔ رویت ہلال کے مسئلے پر نومبر ۱۹۷۳ء میں ان کی آخری

معلوماتی شیٹ نمبر ۹ شائع کی گئی جس کا ترجمہ درج ذیل ہے:۔

"ہر ماہ نئے چاند کے پہلی مرتبہ نظر آنے والی تاریخوں کے متعلق پیش گوئی کرنا ممکن نہیں کیونکہ ایسے کوئی قابلِ اعتماد اور مکمل طور پر مستند مشاہدات موجود نہیں ہوتے جنھیں ان شرائط کو متعین کرنے میں استعمال کیا جا سکے جو چاند کے اول بار نظر آ جانے کے لیے کافی ہوں۔ پیش گوئی کی سادہ ترین بنیاد یہ ہے کہ متعلقہ جگہ پر چاند غروب آفتاب کے وقت ایک خاص عمر سے (جو فلکیاتی نئے چاند کے وقت سے شمار کی جائے) زیادہ ہو۔ تاہم بہتر یہ ہے کہ عمر کی بجائے اس وقت چاند کا سورج سے حقیقی زاویائی فاصلہ (ELONGATION) استعمال کیا جائے۔ نیا چاند اس وقت تک دکھائی دینے کے قابل نہیں ہوتا جب تک کہ سورج افق سے نیچے نہ ہو۔ لہٰذا جھٹ پٹے کے دوران میں چاند کے ارتفاع کو حساب میں رکھنا زیادہ مناسب ہے۔ نیا چاند نظر آنے کے اتفاقات کا قدرے انحصار چاند کے زمین سے فاصلے پر ہے۔ یہ اتفاقات اس وقت سب سے زیادہ ہوں گے جب چاند قریب ترین (یعنی PERIGEE پر) ہوگا۔ مقامی کیفیات خاص کر مشاہدہ کرنے والے کی سطح سمندر سے بلندی اور گرد و پیش کے ماحول کی خصوصیت، اہمیت کی حامل ہیں اور جب آسمان ابر آلود نہ ہو تو بھی فضا کے شفاف پن میں ایک دن سے دوسرے دن قابلِ ذکر تغیرات ہو سکتے ہیں۔ مشاہدہ کرنے والے کی نظر کی تیزی بھی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ یہ بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ زمین پر طولِ بلد اور عرض بلد، دونوں کے ساتھ فلکیاتی کیفیات میں قابل ذکر تغیرات ہوتے ہیں اور اگر موسمی کیفیات ہر جگہ اچھی بھی ہوں تو رویت ہلال کی تاریخیں جگہ بہ جگہ مختلف ہوں گی، لہٰذا پیش گوئیاں صرف محدود علاقوں کے لیے کارآمد ہو سکتی ہیں۔"

"عام کیفیات کے تحت چاند پہلی مرتبہ اس وقت تک دکھائی نہیں دیتا جب تک کہ اس کی عمر تیس گھنٹوں سے زیادہ نہ ہو، لیکن چند ایسی معتبر مثالیں بھی موجود ہیں جن میں چاند بہت اچھی کیفیات کے باعث اس وقت دیکھا گیا جب اس کی عمر صرف

پیش گھنٹے کبھی تین درجے جھکاؤ (DEPRESSION) کی صورت میں جب تک کہ چاند کا ارتفاع پانچ درجے سے اور زاویائی فاصلہ دس درجے سے بڑھ نہ جائے، اس کا نظر آنا بعید از قیاس ہے۔"

"چونکہ یہ امر واضح ہے کہ رویت ہلال کے متعلق کوئی بھی پیش گوئی غیر یقینی ہوتی ہے، اس بات کا طے کرنا ضروری ہے کہ آیا قبل از وقت کسی ایسی پیش گوئی کو ترجیح دی جائے جس کے حق میں، اگرچہ کیفیات اچھی ثابت ہوں، ثبوت پیش نہ کیے جا سکیں یا بعد میں کوئی ایسی پیش گوئی کی جائے جو گزشتہ روز کے مشاہدے کو بے اثر بنا سکے۔ سادہ سا اصول جس کا یہ دفتر عموماً مشورہ دیتا ہے، کہ متعلقہ جگہ پر غروب آفتاب کے وقت چاند کی عمر تقریباً تیس گھنٹے یا زیادہ ہونی چاہیے، مؤخر الذکر قسم ہے لیکن یہ اصول وسطی اور بالائی عرض البلاد میں قابل اعتبار نہیں ہے۔"

ماہرین علوم کی ان کے متعلقہ شعبہ کے مسائل پر آراء ہی مانی جاتی ہیں، مندرجہ بالا تحقیقات موجودہ دور تک رویت ہلال سے متعلق ماہرین علوم فلکیات کی حتمی سند ہیں۔ جو ان مفروضوں کو غلط ثابت کر رہی ہیں کہ اس مسئلے پر باقاعدہ پیش گوئی ممکن ہے۔ جب مفروضے ہی غلط ثابت ہو گئے تو ان کی بنیاد پر پیش کیے جانے والے مقالات اور رسائل کی کوئی حیثیت نہیں رہ جاتی۔

عرب ممالک میں نئے چاند کا ہونا رویت ہلال کے اعتبار سے قرار نہیں دیا جاتا۔ ان کے نئے چاند کی بنیاد اس کی فلکیاتی توضیح ہے گویا کہ ان کا چاند اسی شام ہو جاتا ہے جس روز چاند کی عمر شروع ہوتی ہے یعنی جب چاند اور سورج کا درمیانی فاصلہ صفر درجے ہوتا ہے۔ ماہرین فلکیات کے مطابق نئے چاند کا نظر آنا اسی شام ممکن ہے جب اس کی عمر تقریباً تیس گھنٹے ہو جائے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں، جہاں رویت ہلال کا اعلان شرعی طور پر چاند دیکھے جانے کی بنیاد پر کیا جاتا ہے، قمری تاریخیں وہاں کی رائج تاریخوں سے ہمیشہ پیچھے چلتی ہیں۔ مندرجہ ذیل مثال اس اختلاف کو واضح کرے گی کہ ہمارے اور ان کے درمیان کبھی ایک روز اور کبھی دو روز کا فرق کیوں کر ہوتا ہے۔

مثال: نئے چاند کی عمر شروع ہونے کے اوقات کی دو صورتیں فرض کیجیے:

پہلی صورت ۔ بدھ ۱۰ بجے صبح

دوسری صورت ۔ بدھ ۴ بجے شام

دونوں صورتوں میں سعودی عرب میں پہلی تاریخ جمعرات ہوگی۔

حیدرآباد میں پہلی صورت میں بدھ کو بوقت غروب آفتاب (۶ بجے شام فرض کرلیجیے) چاند کی عمر صرف ۸ گھنٹے ہوگی اس لیے چاند نظر نہیں آسکے گا۔ اگلے روز یعنی جمعرات کی شام کو اس کی عمر ۸+۲۴=۳۲ گھنٹے ہوجائے گی لہٰذا چاند نظر آئے گا اور پہلی تاریخ جمعہ کو ہوگی، اس طرح ہمارا سعودی عرب کی تاریخوں سے ایک دن کا اختلاف ہوگا۔

دوسری صورت میں بدھ کی شام کو حیدرآباد میں غروب آفتاب کے وقت چاند کی عمر صرف ۲ گھنٹے ہوگی اس لیے چاند کسی صورت نظر نہیں آسکے گا، اگلے روز جمعرات کی شام کو اس کی عمر ۲+۲۴=۲۶ گھنٹے ہوجائے گی۔ تیس گھنٹے سے کم عمر کے باعث اس روز بھی چاند کے نظر آنے کا زیادہ امکان نہیں۔ اس سے اگلے روز جمعہ کی شام کو اس کی عمر ۲۶+۲۴=۵۰ گھنٹے ہوجائے گی اس لیے چاند بضرور نظر آئے گا، لہٰذا اس سے اگلا روز یعنی ہفتہ چاند کی پہلی تاریخ ہوگی اس طرح ہمارا سعودی عرب کی تاریخوں سے دو دن کا فرق ہوگا۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ کون صحیح ہے اور کون غلط، اس کی شرعی توضیح کرنے کے مجاز صرف علمائے کرام ہیں۔ مجھے صرف اس قدر عرض کرنا ہے کہ فلکیاتی نئے چاند اور مشاہدہ کے نئے چاند میں کبھی یکسانیت نہ ہونے کی بنا پر اگر اول الذکر صورت کو درست مانا جائے تو لامحالہ ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس سے بیشتر چونکہ رویت ہلال ہمیشہ مؤخر الذکر صورت کی بنیاد قرار دی جاتی رہی ہے اس لیے چودہ سو سال تک تمام عیدیں اور رمضان المبارک کے آغاز اور اختتام غلط ایام میں منعقد ہوتے رہے۔ (بشکریہ ماہنامہ برہان دہلی)

"الفرقان"

اللہ تعالیٰ فاضل مضمون نگار جناب ضیاء الدین صاحب ایم اے کو جزائے خیر عطا فرمائے اُن کے اس مضمون نے ایک ایسی ذہنی اور علمی غلطی کی اصلاح کردی جس میں عام طور سے لوگ مبتلا ہیں۔

البتہ فاضل موصوف نے سعودی عرب کے بارہ میں جو لکھا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کے تاریخ کے نظام کے بارہ میں اُن کو صحیح معلومات حاصل نہیں ہو سکے۔

وہاں کی صورت یہ ہے کہ حکومت کا پورا نظام اور سارے عوامی کاروبار وہاں قمری مہینوں ہی کے حساب سے چلتے ہیں ـــــ اس کے لیے سال شروع ہونے سے پہلے ہی پورے سال کی تقویم (جنتری) شائع ہو جاتی ہے، اسی کے مطابق کلنڈر بھی بازار میں آجاتے ہیں ـــــ اس "تقویم" کی حیثیت "سرکاری جنتری" کی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی تاریخوں کی بنیاد رویت ہلال پر نہیں ہوتی اور نہیں ہو سکتی بلکہ کسی حساب ہی پر ہوتی ہے۔ سرکاری دفتروں میں اور بازار اور عوامی کاروبار میں یہی سرکاری جنتری کی تاریخ چلتی ہے۔ حرمین شریفین میں بعض لوگوں کو میں نے سنا وہ اس کو "میقاتی تقویم" کہتے ہیں۔

لیکن رمضان، عید اور حج وغیرہ عبادات اور خالص دینی امور میں اس سرکاری جنتری کا اعتبار نہیں کیا جاتا، بلکہ اُس کا فیصلہ رویت ہلال اور اس کی شہادت ہی پر ہوتا ہے، اور یہ فیصلہ مملکت کے مفتی اعظم کی طرف سے ہوتا ہے، حکومت اس کو قبول کر کے اس کا اعلان اور نفاذ کرتی ہے۔ مفتی اعظم کے فیصلے کے نتیجہ میں تاریخ کا جو نظام بنتا ہے وہاں اس کو "میقاتی" کے مقابلہ میں عام لوگ عرفاتی کا نام دیتے ہیں۔ اور ان دونوں "میقاتی" اور "عرفاتی" تاریخوں میں کبھی کبھی فرق و اختلاف بھی ہوتا ہے۔ مثلاً ایسا ہوتا ہے کہ جس دن رویت کے حساب سے رمضان کی پہلی تاریخ اور پہلا روزہ ہو، اس دن "میقاتی تقویم" اور سرکاری کلنڈر کے حساب سے ماہ رمضان کی دوسری تاریخ ہو۔

بہر حال، رمضان مبارک کے آغاز و اختتام اور حج (یعنی وقوف عرفات) کے دن کا تعین سعودی عربیہ میں رویت اور شہادت ہی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے ـــــ اس کے باوجود بعد مسافت کی وجہ سے وہاں کی اور ہمارے ملک کی تاریخ میں فرق و اختلاف بھی ہو جاتا ہے اور یہ اختلاف اسی طرح کا ہے جس طرح کا وہاں کے اور ہمارے ہاں کے نمازوں کے اوقات اور آفتاب کے طلوع و غروب میں بھی ہے ـــــ اور کبھی کبھی رویت ہلال میں ایک دن کا فرق خود ہمارے ملک کے شمال و جنوب اور مشرق و مغرب میں بھی ہو جاتا ہے ـــــ ابھی دو ہی مہینے پہلے شوال کا چاند جنوبی ریاست کیرالا میں سارے شمالی ہند سے ایک دن پہلے دیکھا گیا اور وہاں عید ایک دن پہلے ہوئی۔

آخر میں راقم سطور پھر اس کا اظہار ضروری سمجھتا ہے کہ ضیاء الدین صاحب کے مندرجہ بالا مضمون نے بڑی غلط فہمی دور کر دی اور وہ خاص طور سے دینی حلقوں کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ ـــــ محمد منظور نعمانی

انتخاب

ایک سائنسی مقالہ سے

"ماہرین فلکیات کو یقین ہو کہ ماہتاب پر زندگی کے قطعاً کوئی آثار نہیں یہاں تک کہ وہاں پانی بھی نہیں ہے اور نہ اس کے گرد فضا ہے اسلیے راکٹ تعمیر کرنے والوں کے سامنے صرف چاند تک پہنچنے کا مسئلہ نہیں بلکہ راکٹ سے جانیوالوں کو زندہ رکھنے کے لیے بیشمار مسئلوں کو حل کرنا پڑے گا اور وہ راکٹ والوں کے ساتھ زمین کی ہوا اور پانی بھیجنے کی تجویزوں پر بھی غور کر رہے ہیں مثال کے طور پر اگر آپ چاند کی طرف جانے والوں میں سے ایک ہوں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ اگرچہ پانی ہوا اور دوسری بہت سی اشیا کا وزن ۵۰۰ پونڈ کے قریب ہو لیکن چاند پر آپ اس وزن کو یوں اٹھا لیں گے جیسے میز پر سے گلاس اٹھا لیتے ہیں، ماہرین کا کہنا ہے کہ چاند کی کشش زمین کی کشش کے مقابلہ میں بہت کم ہے بلکہ زمین کی کشش کا چھٹا حصہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر زمین پر آپ ۲۰ سیر آسانی سے اٹھا سکتے ہیں تو چاند پر اتنی ہی قوت سے آپ ۲½ من اٹھا لیں گے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ ایک ایک قدم ۲۵، ۲۵ فٹ کا اٹھا سکیں گے اور چٹانوں کو اپنے دستہ سے یوں ہٹا لیں گے جیسے کنکر ہٹا رہے ہیں" وقس علیٰ ہذا —— کرۂ ماہتاب بھی ظاہر ہے اسی دنیا بلکہ اسی نظام شمسی کا ایک جز ہے کسی دوسرے عالم سے اس کا تعلق نہیں، انھیں ظاہری و مادی حواس سے مدرک و محسوس ہوتا ہے اس پر بھی محض اس لیے کہ ایک دوسرا کرہ ہے اس کے اور کرہ ارض کے طبعی خواص میں زمین و آسمان کا فرق ہو گیا ہے —— اس حقیقت حال کو سامنے رکھنے کے بعد اب ان لوگوں کی عالی دماغی اور عقلیت کے بارہ میں کیا رائے قائم ہوتی ہے جو عالم آخرت کے معاملات پر رائے زنی کچھ اس طرح کیا کرتے ہیں کہ دودھ کی نہریں بغیر بگڑے ہوئے ہمیشہ کیسے قائم رہ سکتی ہیں؟ اعمال تولے کیونکر جا سکتے ہیں؟ حوریں ہزارہا سال کی عمر پاکر جوان کیونکر رہ سکتی ہیں؟ جنت میں بہ یک وقت رات اور دن گرمی اور سردی کیسے جمع ہو سکتے ہیں" وغیرہا۔ اس قسم کے سارے سوالات سے صاف سطحیت اور بے مغزی ٹپکتی ہے یا کوئی عمق و تحقیق؟ —— جب وہ عالم ہی سرے سے دوسرا ہوگا قدرتاً وہاں کے قاعدے اور ضابطے بھی بالکل الگ ہوں گے اور وہاں اشیا کے طبعی خواص بھی یکسر دوسرے ہوں گے۔ اس عالم سے متعلق جس مخبر صادق کی دیانت پر کسی کٹر مخالف کو بھی شبہ نہیں ہوا۔ اس کی دی ہوئی کسی خبر سے انکار بلکہ استبعاد ہی کے کیا معنی؟

"صدق جدید لکھنؤ"

۲۹

تجلیات ربانی

• ترجمہ و تلخیص مکتوبات مجدد الف ثانیؒ

امت مسلمہ کے دینی کتابی ذخیرہ میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کا خاص مقام ہے، اُن میں تجدید دین، ترویج شریعت، تعمیر باطن، احسان، تصوف کی دعوت و ترغیب اور امت کے عام و خاص طبقات، ارباب حکومت اور علماء و صوفیا کے بگاڑ و فساد کی بھی اصلاح کا پورا سامان ہے۔

یہ مکتوبات فارسی یا عربی زبان میں تین ضخیم دفتروں میں ہیں، اللہ کی خاص توفیق سے مولانا نسیم احمد فریدی نے زیادہ دقیق مضامین کو چھوڑ کے، تینوں دفتروں کو اردو میں منتقل کیا ہے اور بہت بڑا کام یہ بھی کیا ہے کہ مکتوب الیہم کے حالات بھی تاریخ کے ہزاروں صفحات سے تلاش کر کے فٹ نوٹ میں لکھ دیے ہیں۔ مکتب خانہ الفرقان نے اس کو دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔ قیمت جلد اول ۱۵/- جلد دوم ۱۳/-

۲۸

مولانا نسیم احمد فریدی امروہی کی دو نئی تصانیف

تذکرہ خواجہ باقی باللہ

مع خلفاء و صاحبزادگان

حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ ان کے دونوں صاحبزادہ عبداللہ و خواجہ عبید اللہ اور اکابر خلفاء تاج العارفین شیخ تاج خواجہ الہ داد، خواجہ ابرار شیخ حسام الدین کی سوانح حیات، امتیازات اور کارنامے۔ سب پر مستقل مقالات ہیں۔ یہ کتاب ان تصانیف کا مجموعہ ہے۔ قیمت ۵/-

تذکرہ حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ

ہمارے اس برصغیر میں اللہ نے جن بندوں سے توحید و سنت و اشاعت، گمراہوں کی اصلاح و ہدایت اور دین کی نصرت و حمایت لیا ان میں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا خاص مقام ہے جنہوں نے حق میں اپنی جان تک قربان کر دی یہ مختصر رسالہ ان کی سوانح ہے۔ قیمت ۲/۲۵

۳۰

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ کی ایک خاص اشاعت

رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد یوسفؒ نمبر

حضرت مولانا مرحوم کی غیر معمولی دینی اور ایمانی خصوصیات کا مرقع۔ ان کی مشہور تبلیغی دعوت کے فکری اور عملی پہلوؤں کو سمجھنے کا مستند ذریعہ اور امت محمدیہ کے لیے ایک انقلاب آفریں پیغام۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا محمد اشرف پشاوری، مولانا نسیم احمد فریدی امروہی، مولانا مفتی زین العابدین لائلپوری وغیرہ

کے مضامین کے علاوہ

خود مولانا کی تقریریں، غیر مطبوعہ مکاتیب اور ٹیپ ریکارڈ سے لی ہوئی ایک مکمل، نیا کتابی اڈیشن ۔۔۔ قیمت صرف ۱۱/-

۳۹

مولانا مودودی کے ساتھ میری رفاقت کی سرگزشت اور اب میرا موقف

از:- مولانا محمد منظور نعمانی

اپنے طرز کی پہلی کتاب ہے، جس میں مولانا موصوف نے "جماعت اسلامی" کے قیام سے بہت پہلے سے مودودی صاحب سے گہرا تعلق رکھتے تھے اور "جماعت اسلامی" کی تاسیس میں ان کے اور پہلے رفیق تھے، مودودی صاحب کی ان باتوں اور نظریات کی نشاندہی کی ہے جو امت کے لیے اور بالخصوص ان کے متبعین کے لیے زیغ و ضلال اور فتنہ کا باعث بن سکتے ہیں۔

کتاب کے شروع میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا بصیرت افروز پیش لفظ ہے۔ قیمت ۹/-

Regd. No. LW/NP-62

Monthly 'ALFURQAN' 31, Naya Gaon West Lucknow (U. P.)

VOL. 49 NO. 10 OCTOBER 1981 Phone : 45547

مدیر

محمد منظور نعمانی

دین و شریعت

از: مولانا محمد منظور نعمانی

یہ "اسلام کیا ہے؟" سے اونچی سطح کی کتاب ہے جس میں توحید، آخرت، رسالت، نماز، روزہ، زکوٰۃ و حج، اخلاق و معاملات، دعوت و جہاد، سیاست و حکومت اور احسان و تصوف کے مباحث پر ایسی محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے کہ دل و دماغ اور عقل و وجدان ایمان و اطمینان سے معمور ہو جاتے ہیں۔

بڑے بڑے ارباب نظر نے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اسلامی تعلیمات کے بارے میں ذہنی اطمینان حاصل کرنے کے لیے اس کتاب کا مطالعہ بالکل کافی ہے۔ قیمت ۱۰/-

قرآن آپ سے کیا کہتا ہے

از: مولانا محمد منظور نعمانی

یہ کتاب اسم بامسمیٰ قرآنی دعوت اور اس کی تعلیمات کا ایک جامع مرقع ہے جس میں سیکڑوں عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت موثر اور رواں تشریحات کے ساتھ جمع کیا گیا ہے۔

نیا ایڈیشن ۲۶×۲۰ سائز پر معیاری کتابت طباعت مجلد مع گرد پوش قیمت ۱۰/-

انگریزی ایڈیشن

مترجمہ: ڈاکٹر محمد آصف قدوائی قیمت

کلمۂ طیبہ کی حقیقت

اسلام کا بنیادی کلمہ

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

ایک عہد و میثاق ہے جو اپنے اندر وسیع معنی رکھتا ہے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے اس عہد کی حقیقت کو سمجھے یہ مختصر رسالہ اس حقیقت کا نہایت پر مغز اور ایمان آفریں بیان ہے۔ عمدہ کاغذ قیمت ۲/۲۵

نماز کی حقیقت

اسلام میں ایمان کے بعد نماز ہی کا درجہ ہے۔ مگر کیا ہم نماز کو ایسی ہی اہمیت کے ساتھ ادا بھی کرتے ہیں؟ کیوں؟ اس لیے کہ ہم عام طور پر نماز کی پوری حقیقت کو نہیں سمجھتے اس کتاب کو آپ اس مقصد کے لیے بے حد مفید پائیں گے۔ عمدہ کاغذ قیمت ۳/۵۰

منتخب تقریریں

مولانا محمد منظور نعمانی کی ایمان افروز اصلاحی و تبلیغی تقاریر کا مجموعہ — جو اپنے اندر افادیت اور جامعیت کے جوہر لیے ہوئے ہے، طرز بیان نہایت سادہ، فطری اور عام فہم ہے خواص کے لیے یکساں مفید۔ قیمت ۱۰/-

آپ کون ہیں؟ کیا ہیں؟ اور آپ کی منزل ک

مولانا موصوف کی یہ تقریر دینی مدارس کے طلباء کے لیے پیغام ہے۔ قیمت ۱/۲۵

میری طالب علمی

مولانا موصوف کی تعلیمی زندگی کے مختصر حالات

قیمت ۱/-

چندہ سالانہ

ہندوستان میں ۔/۲۰
پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۔/۵۰
بنگلہ دیش سے ۔/۲۲

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ممالک غیر سے

بحری ڈاک سے ۳ پونڈ
ہوائی ڈاک سے ۶ پونڈ
ایک شمارہ کی قیمت ہندوستان میں
۔/۲

جلد (۴۹) | بابت محرم الحرام ۱۴۰۲ھ مطابق نومبر ۱۹۸۱ء | شمارہ (۱۱)

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آجانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغۂ وی پی روانہ ہو گا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چِٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں۔ اس کی اطلاع مہینے کی ۵ تاریخ تک آجانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہو گی۔

پاکستان کے خریدار حضرات مبلغ ۳۰ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں ۵۰ روپے ناظم ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اولیں

محمد منظور نعمانی

گزشتہ شمارے میں دار العلوم دیوبند کے موجودہ افسوسناک اور نامبارک اختلاف سے متعلق جو کچھ لکھا گیا تھا اُس سے ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ اس اختلاف کی اصل بنیاد حضرت مہتمم صاحب کی یہ شدید خواہش ہے کہ اُن کے صاحبزادے مولانا محمد سالم صاحب کو نائب مہتمم بنا دیا جائے تاکہ وہ ان کی جگہ لے سکیں ــــ اور صورت حال یہ ہے کہ دار العلوم کے دستور و آئین کے لحاظ سے کسی کو مہتمم یا نائب مہتمم مقرر کرنے یا نہ کرنے کا اختیار اور اس طرح کے سارے اختیارات اُس کی مجلس شوریٰ کو ہیں جو دار العلوم کے لیے اصل "ہیئت حاکمہ" ہے۔ اُس کے ایک رکن اپنے عہدۂ اہتمام کے لحاظ سے خود مہتمم صاحب بھی ہیں، اُن کے علاوہ ۲۰ ارکان اور ہیں اور اُن میں سے کم از کم ۱۵ کے متعلق معلوم ہے کہ وہ ازراہ دیانت اس کو دار العلوم کے حق میں صحیح نہیں سمجھتے اور مہتمم صاحب کی اس خواہش اور تجویز سے اتفاق نہیں کر سکتے۔ اس لیے دار العلوم کے موجودہ دستور و آئین اور موجودہ مجلس شوریٰ کے ہوتے ہوئے اہتمام یا نیابت اہتمام کے منصب پر مولانا محمد سالم صاحب کے تقرر کا بظاہر کوئی امکان نہیں ہے۔[1]

مہتمم صاحب کے خاص حلقہ نے اس مشکل کا حل یہ سوچا کہ "ہمدردان دار العلوم کا نمائندہ اجتماع"

---

[1] نیابت اہتمام یا اہتمام کے منصب پر مولانا محمد سالم صاحب کے تقرر سے اِن ارکان شوریٰ کا اختلاف اس وجہ سے ہرگز نہیں ہے کہ وہ مہتمم صاحب کے صاحبزادے ہیں۔ اس کے وجوہ و اسباب دوسرے ہیں جو دار العلوم کے حالات سے واقفیت رکھنے والوں کو اجمالاً یا تفصیلاً عام طور سے معلوم ہیں۔

کے عنوان سے ایک اجتماع بلایا جائے اور اس کے لیے ایسے لوگوں کو مدعو کیا جائے جن سے اس مقصد میں تعاون حاصل ہونے کی پوری توقع ہو ـــــ یہ اجتماع ایک رزولیشن کے ذریعہ چند ایسے ارکان کی ایک ایڈہاک کمیٹی بنادے جن سے حمایت و تائید کی پوری امید ہو اور مہتمم صاحب کو اختیار دیدے کہ وہ اس میں اپنی مرضی سے اور ارکان کا اضافہ کرلیں ۔ اس کمیٹی کو دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کا متبادل مان لیا جائے ـــــ اور دارالعلوم کے موجودہ دستور کی جگہ دوسرا دستور بنانے کے لیے کمیٹی بنانے کا اختیار بھی مہتمم صاحب کو دیدیا جائے ـــــ اس طرح مجلس شوریٰ اور دارالعلوم کے دستور و آئین سے آزادی حاصل ہوجائے گی اور پھر مہتمم صاحب اپنے اختیار سے سب کچھ کرسکیں گے۔

چنانچہ ۱۹ اکتوبر کو دہلی میں یہ اجتماع بلایا گیا ـــــ اس اجتماع کی شانِ نمائندگی کا اندازہ صرف اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ مجلس شوریٰ کے اُن ارکان کو تو اس میں مدعو ہی نہیں کیا گیا تھا جن سے اس مقصد میں تعاون حاصل ہونے کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی ـــــ ہاں جن سے کچھ امید کی جاسکتی تھی، ان کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی ـــــ لیکن ان میں سے بھی کسی ایک نے شرکت نہیں فرمائی۔ حد یہ ہے کہ ان حضرات میں سے مولانا مفتی عتیق الرحمان عثمانی صاحب جو دہلی ہی میں تھے، معلوم ہوا ہے کہ اجتماع میں انھوں نے بھی شرکت نہیں فرمائی ـــــ مجلس شوریٰ کے ارکان میں مولانا سعید احمد اکبرآبادی کو بھی دعوت دی گئی تھی، اور عام دعوت نامہ کے علاوہ اُن کو تار بھی دیا گیا تھا کہ آپ اجتماع میں ضرور شرکت فرمائیں۔ لیکن وہ بھی شریک نہیں ہوئے اور ایک مفصل اخباری بیان جاری کیا جس کا حاصل یہ تھا کہ یہ اجتماع غیر آئینی ہے۔ دارالعلوم کے معاملات میں فیصلہ کرنے کا حق اس کی مجلس شوریٰ ہی کو ہے اس لیے ضروری ہے کہ معاملات کو سلجھانے کے لیے مہتمم صاحب مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب فرمائیں، اور کھلے دل سے گفتگو کر کے اختلافی معاملات کا تصفیہ کیا جائے ورنہ شدید خطرہ ہے کہ دارالعلوم سخت فتنہ و فساد کی لپیٹ میں آجائے گا اور خدانخواستہ معاملہ عدالت تک پہنچے گا اور وہ دن دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کی تاریخ کا سیاہ ترین دن ہوگا ـــــ (مولانا اکبرآبادی کا پورا بیان بہت تفصیلی ہے، اخبارات میں شائع ہوچکا ہے یہاں اس کا صرف حاصل ذکر کیا گیا ہے۔)

مجلس شوریٰ کے ارکان میں سے جناب نواب عبیدالرحمٰن شروانی صاحب کو بھی دعوت

دی گئی تھی، انھوں نے بھی شرکت سے انکار فرمایا اور مہتمم صاحب کے دعوت نامہ کے جواب میں مندرجہ ذیل مکتوب تحریر فرمایا:۔

مخدوم و محترم و مکرم جناب مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ـــــ خدا کرے آنجناب کے مزاج بخیر ہوں۔

مہر اکتوبر کو ہونے والے "نمایندہ اجتماع" کا دعوت نامہ موصول ہوا۔ جسے پڑھ کر نہایت حیرت ہوئی کہ آپ نے مجلس شوریٰ کی تجویز کے بغیر یہ جلسہ کس طرح طلب فرمایا ہے جبکہ آنجناب نے مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے طلب کردہ مجلس شوریٰ کے جلسہ کو غیر آئینی قرار دیا تھا جس کی تائید میں مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی نے مجھے ایک تحریر لکھی تھی۔ آپ تو دارالعلوم کے آئین و دستور کے محافظ و امین ہیں پھر اگر آپ اس طرح کے غیر آئینی اجتماعات کرنے لگیں تو پھر دارالعلوم کا خدا ہی حافظ۔

میرے خیال میں چونکہ یہ جلسہ مجلس شوریٰ کی اجازت کے بغیر ہو رہا ہے اس لیے آئین دارالعلوم کی رو سے قطعاً غیر آئینی ہے لہٰذا ادب سے گزارش ہے کہ میں اس اجتماع میں شرکت نہ اپنے لیے صحیح سمجھتا ہوں نہ کسی اور رکن شوریٰ کے لیے۔ امید ہے کہ آنجناب میری رائے پر مخلصانہ و ہمدردانہ غور فرمائیں گے۔ اور اس اجتماع کو ملتوی کرنے کا اعلان فرما دیں گے۔

والسلام

خاکسار حبیب الرحمٰن ۲۷ر ستمبر ۱۹۸۰ء (علی گڑھ)

(محترم شروانی صاحب کا یہ مکتوب بھی بعض اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔)

الغرض مہتمم صاحب نے ارکان شوریٰ میں سے جن چند حضرات کو اس توقع پر اجتماع میں شرکت کی دعوت دی تھی کہ وہ اُن کی حمایت اور اُن کے مقصد میں تعاون کریں گے ـــــ اُن میں سے بھی کسی نے شرکت نہیں فرمائی ـــــ اجتماع کے ذمہ داروں نے کچھ ممتاز شرکاء اجلاس کے نام قابل ذکر سمجھ کر شائع کیے ہیں ان میں (سوائے بعض مدرسین و ملازمین دارالعلوم کے) ایک بھی ایسا نظر نہیں آیا جس کو جماعت دیوبند کا نمائندہ سمجھا جا سکے ـــــ بس اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے اس اجتماع کی نمائندہ حیثیت کا اور دارالعلوم کے بارے فیصلے کرنے کے لیے اس کے استحقاق و اختیار کا۔

بہرحال اجتماع ہوا، اس میں مہتمم صاحب نے "داستان درد والم" کے عنوان سے ایک طویل تحریر پڑھ کر سنائی ــــ یقین ہے کہ ان سب ہی لوگوں کو وہ تحریر پڑھ کر اور سنکر حیرت ہوئی ہوگی جو اصل حقائق اور معاملات سے واقف ہیں اور جن کا ضمیر مردہ نہیں ہوا ہے ــــ اس سلسلہ میں یہاں میں صرف ایک ہی بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔

مہتمم صاحب نے اس داستان درد والم کے ذریعہ اپنے مخاطبین کو (جن میں زیادہ تر اسعد میاں کے سیاسی و ذاتی مخالفین تھے) یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ مولانا اسعد میاں بہت مدت پہلے سے دارالعلوم پر قبضہ کرنے کی کوشش کر رہے تھے ــــ آگے یہ تاثر دینے کی کوشش فرمائی ہے کہ اب مجلس شوریٰ کے ارکان بھی اُن کے ساتھ ہو گئے ہیں، اس سلسلہ میں از راہ عنایت مہتمم صاحب نے اس گنہگار کو تو نام بھی لیا ہے ــــ واقعہ یہ ہے، جو کچھ ڈھکا چھپا نہیں ہے دارالعلوم کے حالات سے واقفیت رکھنے والے سب ہی حضرات جانتے ہیں کہ مجلس شوریٰ میں جس طرح چند وہ حضرات ہیں جن کا دارالعلوم کے معاملات میں مہتمم صاحب سے قریبی تعلق رہتا ہے اور اس وجہ سے ان کو (غلط یا صحیح طور پر) مہتمم صاحب کا گروپ سمجھا جاتا ہے، اسی طرح چند حضرات ہیں جن کا مولانا اسعد میاں سے قریبی تعلق ہے اور ان کو (غلط یا صحیح طور پر) ان کا گروپ سمجھا جاتا ہے ــــ ان کے علاوہ کچھ وہ ارکان ہیں جن کا تعلق ان میں سے کسی حلقہ سے بھی نہیں ہے۔ یہ عاجز راقم سطور، رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری، مولانا قاری صدیق احمد صاحب، مولانا حکیم افہام اللہ صاحب، مولانا سعید احمد اکبرآبادی، جناب نواب عبیدالرحمٰن صاحب شروانی، جناب حاجی علاء الدین صاحب (بمبئی) اور ان کے علاوہ بھی ایک دو حضرات ہیں ان کو جاننے والا ہر شخص جانتا ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی خاص، بلاواسطہ تعلق مولانا اسعد میاں سے نہیں ہے ــــ بلکہ یہ عاجز ذاتی واقفیت کی بنا پر ان سب کے بارہ میں پورے وثوق سے عرض کر سکتا ہے کہ ان سب کا (خود اس عاجز کا بھی) جتنا تعلق حضرت مہتمم صاحب سے رہا ہے اتنا مولانا اسعد میاں سے نہیں رہا، اور نہ اب ہے۔ ایسی صورت میں ہم لوگوں کے بارہ میں خاص کر اس عاجز کے بارہ میں ناواقف مخاطبین کو یہ تاثر دینا اور اس کے ذریعہ مولانا اسعد میاں کے اُن مخالفین کی ہمدردی اور حمایت حاصل کرنا جن کا دارالعلوم اور اُس کے اکابر سے کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔

(بلکہ ان میں سے بعض مخالفین کی صفوں سے تعلق رکھتے ہیں) بہت گھٹیا اور پست درجہ کی بات ہے ـــــ افسوس ہے مہتمم صاحب نے یہ رویہ اختیار فرما کے ہم لوگوں پر ظلم کے علاوہ خود اپنی شخصیت کے ساتھ بھی بے انصافی کی ہے۔

مہتمم صاحب کے جد امجد اور ہم سب کے مورث علمی حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ پر اُن کے ایک معاصر مولوی صاحب نے ایک ایسی گمراہی کا الزام لگایا تھا جس کی تردید خود حضرت مولانا کی کتابوں میں کھی کی گئی تھی ـــــ حضرت نے اُس کا جواب دیتے ہوئے تحریر فرمایا کہ اگر کسی پر الزام لگانا ہی ہو تو ایسا الزام لگایا جائے جس کی کوئی گنجائش ہو اور کچھ تو چسپاں ہو سکے ـــــ اس موقع پر حضرت نے ایک حکمت آموز حکایت بھی تحریر فرمائی ہے،[٭] جو اُس طرح کی حکایت ہے جیسی "کلیلہ و دمنہ" یا عارف رومی کی مثنوی میں ملتی ہیں۔ (یہ حکایتیں ایک مضمون اور مقالہ کا کام کرتی ہیں) حکایت یہ ہے:۔

> دریا میں کشتی چل رہی تھی، اُس میں ایک شیر بھی تھا اور ایک ہرن بھی۔ شیر کی نیت خراب ہوئی، لیکن کسی حیلہ بہانے کے بغیر ہرن پر حملہ کر دینا شاید اپنی شان کے خلاف سمجھا اس لیے ڈانٹ کر کہا کہ ـــــ یہ کیا بدتمیزی ہے خاک اڑا رہے ہو، ہماری آنکھوں میں گرد آرہا ہے۔ بیچارے ہرن نے دست بستہ عرض کیا، سرکار آپ بادشاہ ہیں جو چاہیں کریں، لیکن یہ تو خیال فرمایا جائے کہ اس وقت ہم آپ دریا میں چل رہے ہیں، یہاں خاک دھول کہاں؟

واقعہ یہ ہے کہ اس بات میں کہ اس عاجز نے دارالعلوم کے معاملہ میں مولانا اسعد میاں کے ساتھ کوئی سازش کر لی ہے بس اتنی ہی سچائی ہے جتنی کہ حضرت نانوتویؒ کی حکایت والے اُس بدنیت شیر کی بات میں تھی۔

بہرحال اجتماع ہوا اور پروگرام کے مطابق مہتمم صاحب نے "داستان درد والم" پڑھ کر سنائی، اور جیسا کہ طے ہو چکا تھا اجتماع کی طرف سے تجویز منظور کی گئی، دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کی جگہ گیارہ آدمیوں کی ایک ایڈہاک کمیٹی بنادی گئی اور دستور ساز کمیٹی بنانے کا اختیار مہتمم صاحب کو دیدیا گیا۔

[٭] جہاں تک اس وقت یاد آتا ہے یہ مضمون اور حکایت حضرت نانوتویؒ کی تصنیف "جواب محذورات محشر" میں کبھی دیکھی تھی، ممکن ہے کسی دوسری کتاب میں ہو۔ الفاظ اس عاجز کے ہیں۔ محمد منظور نعمانی

ایڈہاک کمیٹی میں خود مہتمم صاحب کے علاوہ دارالعلوم کی موجودہ مجلس شوریٰ کے ارکان میں سے مندرجہ ذیل سات ارکان بھی نامزد کیے گئے۔

مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی صاحب، مولانا منت اللہ رحمانی صاحب، مولانا حامد الانصاری غازی صاحب، مولانا حکیم محمد زماں حسینی صاحب، مولانا مفتی ابوالسعود صاحب (بنگلور) مولانا سعید احمد اکبر آبادی صاحب، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب ——— (واضح رہے کہ ان میں سے کوئی صاحب بھی اجتماع میں حاضر و موجود نہیں تھے) ——— ان ارکان کے علاوہ حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی بھی نامزد کیے گئے (حضرت ممدوح بھی اجتماع میں شریک و موجود نہیں تھے)۔ ان حضرات کے علاوہ جناب میر واعظ کشمیر مولانا فاروق صاحب اور جناب مولانا عبدالحق میاں صاحب (سملک، گجرات)۔

صرف یہی آخر الذکر دو حضرات اجتماع میں شریک تھے، اور سب حضرات کی نامزدگی اُن کی عدم موجودگی میں ہوئی ———

پھر ۲۲ر اکتوبر کو اس ایڈہاک کمیٹی کا جلسہ بھی دیوبند میں بلایا گیا ——— دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے مندرجہ بالا سات ارکان میں سے مقدم الذکر پانچ حضرات کے متعلق تو معلوم نہیں ہوسکا اور حضرت مولانا جلال آبادی کے بارہ میں بھی معلوم نہیں ہوسکا کہ ان حضرات نے اس ایڈہاک کمیٹی کی رکنیت قبول فرمائی یا نہیں لیکن یہ معلوم ہے کہ ۲۲ر اکتوبر والی پہلی میٹنگ میں ان میں سے کسی بزرگ نے حتیٰ کہ میر واعظ کشمیر مولانا فاروق صاحب اور مولانا عبدالحق میاں صاحب نے بھی شرکت نہیں فرمائی ——— (یعنی ایڈہاک کمیٹی کے مجوزہ ارکان کی شرکت صفر رہی) ——— لیکن اس کے باوجود اس میٹنگ میں بڑے بڑے فیصلے فرما دیے گئے، جن میں سے ایک یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ "مجلس شوریٰ" کو توڑ دیا گیا ——— دینی و ملی اجتماعی معاملات میں تسفل اور گراوٹ کے لحاظ سے یہ واقعہ غالباً آپ اپنی مثال ہوگا۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کبرسنی کی وجہ سے مہتمم صاحب کا شعور کس درجہ متاثر ہو گیا ہے اور ان کے بے درد و بے حس متعلقین و حوارئین کس طرح ان کو استعمال کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ اُن پر رحم فرمائے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا مجلس شوریٰ کے ارکان میں مولانا اکبر آبادی اور مولانا علی میاں ندوی کو

بھی ایڈ ہاک کمیٹی کا رکن نامزد کیا گیا تھا ــــ مولانا اکبرآبادی نے میٹنگ میں شرکت بھی نہیں فرمائی اور کمیٹی کی رکنیت سے بھی انکار کر دیا اور اس سلسلہ میں ایک مفصل خط مہتمم صاحب کو لکھا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے خلاف دستور و آئین ہے، اور اس کے نتیجہ میں خدانخواستہ دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم میں فتنہ و فساد کا دروازہ کھلے گا، اصلاح حال کا راستہ صرف یہی ہے کہ آپ مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب فرمائیں اور ارکان کو دلائل سے اپنی بات سمجھائیں، اُن کے بارہ میں یہ بدگمانی صحیح نہیں ہے کہ دانستہ اپنی کسی غلط رائے پر اصرار کریں گے۔

اسی طرح مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے بھی ایڈ ہاک کمیٹی کے جلسہ میں شرکت اور اس کی رکنیت سے معذرت کر دی۔ اس سلسلہ میں مولانا نے مہتمم صاحب کو جو خط لکھا تھا وہ ناظرین کرام بھی پڑھ لیں ــــ اس میں مولانا موصوف نے دارالعلوم دیوبند کے مسئلہ کے علاوہ ایک بڑے سنگین خطرے کی طرف بھی توجہ دلائی ہے، جو سب کے لیے موجب فکر و تشویش ہونا چاہیے۔

مولانا علی میاں کا مکتوب گرامی مہتمم صاحب کے نام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدومی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند زید مجدکم السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، خدا کرے مزاج گرامی بخیر ہو۔

جناب کو معلوم ہوگا کہ میں ڈیڑھ مہینہ سے حجاز مقدس میں تھا، کل ۱۷ر ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۶ر اکتوبر کو لکھنؤ پہنچا ہوں، ۴ر اکتوبر کو دہلی میں جناب کی طرف سے بلائے جانے والے اجتماع کے بارے میں کچھ تو سفر ہی میں معلوم ہو گیا تھا، یہاں پہنچ کر تفصیلات معلوم ہوئیں نیز ڈاک سے جناب کا عنایت نامہ بھی ملا جس میں اطلاع دی گئی ہے کہ مجھے بھی دارالعلوم سے متعلق بنائی جانے والی ایڈ ہاک کمیٹی کا رکن منتخب کیا گیا ہے اور مجھ سے اس کو منظور کرنے کی فرمائش کی گئی ہے۔ نیز ۲۲ر اکتوبر کو ہونے والے ایڈ ہاک کمیٹی کے جلسے میں شرکت کی دعوت بھی دی گئی ہے۔

میرے دل میں جناب کی بڑی قدر و منزلت ہے، اور اس کی بڑی وجہ آپ کے متعدد ذاتی اوصاف

۱۔ مولانا اکبرآبادی کے اس مکتوب کے بارہ میں ایک صاحب نے بتلایا تھا اس کا متن اس عاجز نے نہیں دیکھا ہے۔

کے علاوہ وہ نسبت گرامی ہے جو بانی دار العلوم (رحمۃ اللہ علیہ) سے آپ کو حاصل ہے، اور جس سے میرے خاندان کے دیرینہ تعلقات ہیں، اس کا ایک ادنیٰ ثبوت اور منظر یہ ہے کہ ۱۹۷۵ء کے ندوۃ العلماء کے عظیم تعلیمی اجلاس کے عمومی صدر اگرچہ علامہ ڈاکٹر عبد الحلیم محمود شیخ الازہر (مصر) تھے، میں نے یہ طے کرایا تھا کہ ایک اجلاس کی صدارت آپ فرمائیں گے، اس لیے کہ آپ " از ہر ہند دار العلوم دیوبند" کے مہتمم اور سربراہ ہیں، لیکن آپ کے قیام انگلستان کی وجہ سے اس پر عمل نہ ہو سکا، اس کے باوجود اصولی حیثیت سے ایڈہاک کمیٹی کی رکنیت کے سلسلہ میں معذرت پر مجبور ہوں۔

میرا خیال ہے کہ دار العلوم کے نظم ونسق کے متعلق فیصلے کرنے، اس کے لیے نیا دستور بنانے یا قدیم دستور میں ترمیم و تنسیخ کا حق و اختیار صرف اس کی مجلس شوریٰ کو ہے، ہاں کوئی مخلص فرد یا ادارہ اس بارے میں مجلس شوریٰ کو مشورے دے سکتا ہے، اور مجلس کا فرض ہے کہ ہر نیک اور اصلاحی مشورہ کو قبول کرے۔

یہ حقیقت بھی جناب کے علم میں ہوگی کہ میرا اس حلقہ اور اس گروہ سے کوئی تعلق نہیں ہے جس کو آپ کا مخالف گروہ سمجھا جاتا ہے، اور مجھے اس کے بہت سے فیصلوں اور اقدامات سے اختلاف ہے۔

عنایت نامہ اور دعوت نامہ کے جواب میں تو اتنا ہی عرض کرنا کافی سمجھتا ہوں، البتہ ۱۹ر اکتوبر والے اجتماع اور اس کے فیصلوں کے سلسلہ میں ایک بڑے خطرے کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں، جس کی طرف آپ کی نظر غالباً بالکل نہیں گئی، اگر جناب کی نظر گئی ہوتی تو یقین ہے کہ یہ اجتماع والی کارروائی ہرگز نہ ہوتی۔

غور فرمایا جائے اگر اس طرح کے بلائے ہوئے اجتماعات کا یہ حق و اختیار تسلیم کر لیا جائے کہ وہ دار العلوم دیوبند جیسے عظیم وقدیم اداروں کا نظم چلانے کے لیے (جن کی باقاعدہ ایک مجلس منتظمہ مجلس شوریٰ ہے، جس کے ارکان ملت اسلامیہ ہند کے اور خاص کر جماعت دیوبند کے وہ ممتاز افراد ہیں جن سے بالاتر سطح کے افراد اس دور میں تلاش بھی نہیں کیے جا سکتے، جس کے ایک فرد خود جناب بھی ہیں، اور جس کا ایک مکمل دستور وآئین بھی ہے، جس پر مدت مدید سے اس کا سارا نظام چل رہا ہے) ایڈہاک کمیٹی اور نیا دستور بنانے والی دستور ساز کمیٹی بنائیں تو ہمارے مدارس کا کیا حشر ہوگا، ہر جگہ ایسے غلط طالع آزما عناصر موجود ہیں، جو ان بنے بنائے مدارس پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے لیے اسی طرح کے بڑے سے بڑے اجتماعات بلا سکتے ہیں، اور ہر مدرسہ کے لیے ایک مصیبت کھڑی کر سکتے ہیں۔ اگر خدانخواستہ

یہ راستہ کھل گیا تو ہمارے مدارس خاص کر ان مدارس کا جن کو قوم کا اعتماد حاصل ہے اور جن کی بنیادیں مستحکم ہیں بس خدا ہی حافظ۔

مجھے امید ہے کہ جناب میری اس مخلصانہ گذارش پر غور فرمائیں گے، اور اس دروازے کے کھولنے والے نہ بنیں گے، جس کے کھلنے کے بعد اس کا بند کرنا ممکن نہ ہوگا ——— والسلام

نیاز مند

(ابوالحسن علی ندوی)

۱۰ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ / ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۱ء　لکھنؤ

واقعہ یہ ہے کہ اس مکتوب میں رفیق محترم مولانا علی میاں نے جس سنگین فتنے اور خطرے کی طرف توجہ دلائی ہے وہ بہت بڑا خطرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کے دل کی آنکھیں کھولے اور انجام کے بارہ میں سوچنے کی توفیق دے۔

> اپنے مخلصوں سے:۔ دارالعلوم دیوبند کے قضیہ میں اس عاجز کے خلاف بھی غلیظ بہتان طرازی کی مہم شروع ہوگئی ہے، میرے کوئی مخلص ہرگز اس کا جواب نہ دیں، ان کا معاملہ بس خدا کے سپرد ہے۔
> محمد منظور نعمانی

درس قرآن (۱۹ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ یکشنبہ)

محمد منظور نعمانی

سُورَۃُ بَیِّنَہ

خطبۂ مسنونہ اور استعاذہ کے بعد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ مُنْفَکِّیْنَ حَتّٰی
تَاْتِیَھُمُ الْبَیِّنَۃُ ۙ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰہِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَھَّرَۃً ۙ فِیْھَا
کُتُبٌ قَیِّمَۃٌ ؕ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ
مَا جَآءَتْھُمُ الْبَیِّنَۃُ ؕ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ
لَہُ الدِّیْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ وَذٰلِکَ
دِیْنُ الْقَیِّمَۃِ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ وَالْمُشْرِکِیْنَ
فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ ؕ اِنَّ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِکَ ھُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ ؕ
جَزَآؤُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ
خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ؕ ذٰلِکَ
لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ ؕ (سورۃ البیّنہ)

اہل کتاب اور مشرکین میں سے جنھوں نے کفر و انکار کی راہ اختیار کی وہ باز آنے والے نہیں تھے جب تک کہ ان کے پاس "بَیِّنَہ" (ایک روشن دلیل) نہ آ جائے (یعنی) ایک رسول جو تلاوت کرتا ہو (پڑھ کر سناتا ہو) مقدس صحیفے۔ اُن میں لکھی ہوئی سچی اور پکی باتیں۔ اور نہیں اختلاف کیا اہل کتاب نے مگر بعد اس کے کہ آ گئی ان کے سامنے وہ

روشن دلیل۔ اور ان کو کوئی حکم نہیں دیا گیا سوا اس کے کہ اللہ ہی کی عبادت و بندگی کریں اخلاص کے ساتھ اسی کی بندگی، بالکل اسی کے ہو کر۔ اور اہتمام سے نماز ادا کیا کریں اور زکوٰۃ دیا کریں۔ اور یہی طریقہ ہے ملت قیمہ کا۔

بیشک اہل کتاب اور مشرکین میں سے جنھوں نے کفر و انکار کی راہ اختیار کی وہ دوزخ کی آگ میں پڑیں گے، ہمیشہ اسی میں رہیں گے، یہ سب لوگ بدترین خلائق ہیں۔ بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے نیک عمل کیے، وہ سب بہترین خلائق ہیں۔ ان (کے ایمان اور نیک عمل) کی جزا اُن کے رب کے پاس غیر فانی (سدا بہار) بہشتی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ اُن سے راضی اور وہ اللہ سے راضی۔ یہ (جنت اور رضائے الٰہی کا انعام) اُن کے لیے ہے جن (کے دل) میں اپنے رب کی خشیت ہے۔ (سورۃ البینہ)

تفسیر و تشریح :- پچھلے ہفتے "سورۃ القدر" کا درس تھا، اس میں "لیلۃ القدر" کی عظمت بیان فرما کر قرآن مجید کی عظمت بیان فرمائی گئی تھی کہ یہ مقدس کتاب ایسی مبارک اور عظیم الشان رات میں نازل فرمائی گئی ہے ــــــ اب اس سورت سورۂ بینہ میں ایک دوسرے پہلو سے قرآن پاک اور اس کے لانے والے جلیل القدر پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت بیان فرما کے اُن پر ایمان لانے والوں اور انکار و تکذیب کرنے والوں کا انجام بیان فرمایا گیا ہے ــــــ

اس سورت کا خاص کر اس کی ابتدائی آیات کا مطلب سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ یہ واقعی حقیقت آپ کے پیش نظر ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور بعثت سے پہلے اہل کتاب یہود و نصاریٰ تورات و انجیل وغیرہ اگلے آسمانی صحیفوں اور اپنی مذہبی روایات کی بنا پر ایک ایسے جلیل القدر پیغمبر کی آمد کا یقین رکھتے تھے اور اس کے منتظر تھے جو اللہ کا کلام لیکر آئے گا اور باطل کی اندھیریوں کو ختم کر کے حق کی روشنی پھیلائے گا، اور حق کے مقابلہ میں سرکشی کرنے والوں کو اللہ کی مدد سے مغلوب کر کے دین حق کا بول بالا کرے گا ــــــ اُن کو اس کا ایسا یقین تھا کہ اہل کفر و شرک کے مقابلہ میں جب کبھی یہ اہل کتاب مغلوب ہوتے تو دعا کرتے تھے کہ اللہ اُس پیغمبر کو دنیا میں جلدی بھیجدے تاکہ اس کے ساتھ ہو کر ہم اِن کافروں

مشرکوں پر فتح حاصل کریں ـــــ اُن کی اس حالت کا ذکر قرآن پاک سورۂ بقرہ میں ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے "وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا"

واقعہ یہ ہے کہ توراۃ و انجیل کے نام سے آج جو کتابیں ہماری اس دنیا میں پائی جاتی ہیں۔ اُن کے متعلق کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ وہی کتابیں ہیں جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام پر نازل ہوئی تھیں یا یہ اُن کے صحیح ترجمے ہی ہیں۔ خود یہودی اور عیسائی محققین کو اس کا اقرار ہے کہ اصل توراۃ و انجیل تو دنیا میں کہیں بھی نہیں ہے اور ان موجودہ مطبوعہ نسخوں کو اُن کا صحیح اور مستند ترجمہ بھی نہیں کہا جا سکتا اور خود ان کتابوں کو دیکھ کر پڑھ کر ہر منصف مزاج یہی فیصلہ کرے گا کہ یہ ہرگز اللہ کی نازل کی ہوئی کتابیں نہیں ہو سکتیں۔ خاصکر انجیل کا حال تو یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح حیات بھی نہیں، بس مختصر میلاد نامہ اور وفات نامہ ہے جس میں اُن کی پیدائش کا اور عیسائی عقیدہ کے مطابق صلیب کے واقعہ کا ذکر کیا گیا ہے ـــــ اس کے علاوہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کچھ نصیحتیں بھی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ الہامی ہوں۔ توراۃ و انجیل اور دوسرے صحفِ انبیاء اگر اصل شکل میں موجود ہوتے تو ہم آپ دیکھ سکتے تھے کہ اُن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کتنی تفصیل سے کیا گیا ہے اور کیسی واضح علامتیں بیان کی گئی ہیں ـــــ قرآن پاک سورۂ اعراف میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے "النَّبِيَّ الْأُمِّيَّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ" (یعنی توراۃ و انجیل کے ماننے والے یہود و نصاریٰ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھا ہوا پاتے ہیں توراۃ و انجیل میں)

اس سے معلوم ہوا کہ توراۃ و انجیل میں حضورؐ کا ایسا مفصل ذکر تھا کہ گویا خود آپ اس کے صفحات پر لکھے ہوئے تھے۔ قرآن پاک ہی میں ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے "يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ أَبْنَاءَهُمْ" یعنی یہ اہل کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں ـــــ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگلی کتابوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سراپا بھی ذکر کیا گیا تھا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب کو اگلے انبیاء علیہم السلام کے صحیفوں اور

---

[1] اس سلسلہ میں یہودی، عیسائی اہل علم و تحقیق کے اقوال مولانا دریابادی مرحوم کی تفسیر ماجدی میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

اپنی مذہبی روایات سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک بھی اتنی تفصیل سے معلوم تھا کہ اس کی روشنی میں انھوں نے آپ کی تصویریں بنا لی تھیں ـــــ حدیث کی بعض کتابوں میں حضرت جبیر بن مطعم صحابی رضی اللہ عنہ سے یہ عجیب وغریب واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ میں نے اسلام لانے سے پہلے تجارتی سلسلہ میں شام کا ایک سفر کیا تھا ـــــ مجھے وہاں اہل کتاب میں سے ایک شخص ملا (جو غالباً ان کا کوئی بڑا عالم رہا ہوگا) اس کو جب یہ معلوم ہوا کہ میں مکہ کا رہنے والا ہوں تو اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا تمہارے ہاں کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟۔ میں نے کہا ہاں ایک شخص ہے جو کہتا ہے کہ مجھے اللہ نے اپنا پیغمبر بنایا ہے ـــــ اُس نے کہا کہ تم اگر ان کی تصویر دیکھو تو پہچان لوگے؟ ـــــ میں نے کہا کیوں نہیں وہ ہمارے ہی قبیلہ قریش کا ایک آدمی ہے ـــــ پھر وہ مجھے ایک عمارت میں لے گیا، وہاں اس نے مجھے ایک تصویر دکھلائی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر تھی۔ میں نے کہا ہاں یہ اسی شخص کی تصویر ہے۔ اور یہ تصویر اس طرح بنائی گئی تھی کہ پیچھے ایک دوسرا شخص بیٹھا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ آپ کی ایڑیوں پر تھے۔ یہ دوسری تصویر ابوبکر ابن ابی قحافہ کی تھی (جو سب سے پہلے آپ پر ایمان لائے اور آپ کے رفیق خاص تھے) ـــــ جبیر بن مطعم کہتے ہیں کہ جس شخص نے مجھے یہ تصویر دکھلائی میں نے اس سے پوچھا کہ یہ کیا قصہ ہے اور اس کا کیا مطلب ہے؟ ـــــ اس نے کہا کہ پہلے جو انبیاء آتے تھے تو اُن کے بعد بھی نبی آتے تھے۔ لیکن اب ان کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، یہ اللہ کے آخری نبی ہیں، ہاں ان کے بعد ان کے خلفا ہوں گے۔ اور یہ شخص جو تصویر میں پیچھے بیٹھا دکھلائی دے رہا ہے یہی ان کے بعد ان کا خلیفہ ہوگا۔[1]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اگلی کتابوں اور اہل کتاب کی مذہبی روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے خلفاء اور خاص رفقا کا بھی ایسا تذکرہ تھا کہ اس کی روشنی میں ان کی بھی تصویر بنائی جاسکتی تھی ـــــ

---

[1] جبیر بن مطعم کی یہ روایت "جمع الفوائد" میں طبرانی کی "معجم کبیر" اور "معجم اوسط" کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے۔ متن میں جو بیان کیا گیا ہے وہ روایت کا مختصر حاصل ہے۔ (جمع الفوائد ص ۲۵۲ ج ۲) محمد منظور نعمانی

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "ازالۃ الخفا" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق ایسی متعدد روایتیں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اگلی کتابوں اور اہل کتاب کی مذہبی روایات میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بھی ایسی جسمانی علامتیں مذکور تھیں کہ علمائے اہل کتاب ان کو دیکھ کر پہچان لیتے تھے ـــــ ایسے واقعات بھی نقل کیے گئے ہیں کہ شام کے علاقہ کے بعض راہبوں نے ان کو زمانۂ جاہلیت میں دیکھ کر یہ سمجھ لیا تھا کہ یہ نبی آخر الزماں کے خلیفہ ہوں گے اور ہمارا علاقہ اُن کے زیر اقتدار آئے گا۔ اس سلسلہ کا ایک عجیب و غریب واقعہ نقل کیا گیا ہے۔

یہ بات تو آپ سب ہی حضرات کے علم میں ہو گی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فلسطین فتح ہوا جس میں بیت المقدس ہے تو وہاں کے ذمہ داروں نے اصرار کیا کہ خود امیر المؤمنین یہاں تشریف لائیں ـــــ یہ بات آپ تک پہنچائی گئی تو صحابہ کرام کے مشورہ کے بعد آپ نے ارادہ فرمالیا، یہ بھی آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ یہ سفر آپ نے اس طرح کیا کہ آپ کے ساتھ آپ کا غلام تھا اور ایک ہی اونٹ تھا، ایک منزل آپ خود سوار ہوتے اور غلام پیدل چلتا، دوسری منزل غلام کو اونٹ پر سوار کر دیتے اور خود پیدل چلتے ـــــ شام ہی کے علاقہ میں کوئی مقام جابیہ تھا۔ اس سفر میں آپ نے جاتے ہوئے یا واپسی میں وہاں قیام فرمایا اور علاقہ کے لوگوں کو جمع کر کے اُن سے خطاب فرمایا[1]۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ حضرت فاروق اعظم جب خطبہ دے کر فارغ ہوئے تو ایک بہت بوڑھا راہب اُٹھا جس کی بھویں بھی سفید ہو گئی تھیں، اور اُس نے ایک کاغذ حضرت کے ہاتھ میں دیا۔ آپ نے بہت غور سے بار بار اس کاغذ کو دیکھا اس کے بعد اس راہب سے مخاطب ہو کر فرمایا

لیس لعمر ولا لابنہ انما	یہ نہ میری ملکیت ہے نہ میرے بیٹے کی، یہ
انا وا موال المسلمین کولی الیتیم	عام مسلمانوں کی ملکیت ہے اور میں اس کا
و اموالہ	ایسا ہی متولی ہوں جیسا کہ یتیم کے مال
	و جائداد کا متولی ہوتا ہے۔

---

[1] "کنز العمال" کے مختلف ابواب کی روایات میں حضرت فاروق اعظم کے اس خطبۂ جابیہ کا ذکر اور اس کے کچھ اجزا ملتے ہیں۔ محمد منظور نعمانی

اس راہب نے تو یہ سمجھ لیا ہو گا کہ آپ کس چیز کے بارہ میں یہ فرمارہے ہیں، لیکن اور حاضرین نے کچھ نہیں سمجھا تو آپ سے دریافت کیا گیا کہ یہ کیا قصہ ہے؟ تو آپ نے یہ عجیب و غریب واقعہ بیان فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت میں اپنی جوانی کے دور میں ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ میں اس ملک میں یعنی شام میں آیا تھا جب ہمارا قافلہ واپس ہوا اور کچھ دور نکل آیا تو مجھے یاد آیا کہ بھول کے میں فلاں چیز چھوڑ آیا، میں نے ساتھ والوں کو بتلایا اور کہا کہ آپ لوگ اسی طرح چلتے رہیں راستہ کھوٹا نہ کریں، میں دوڑ کے جاتا ہوں اور آکر آپ سے مل جاؤں گا۔ چنانچہ میں واپس لوٹا اور اپنا بھولا ہوا سامان لیکر تیزی سے آیا، لیکن غلط راستہ پر پڑ گیا، اس وجہ سے قافلہ سے بچھڑ گیا۔ رات کا اندھیرا ہو گیا تھا اور میں تھک بہت گیا تھا، کہیں پڑ جانا چاہتا تھا۔ ایک روشنی نظر آرہی تھی میں اس کے رخ پر چلا گیا یہ عیسائیوں کا ایک کلیسا تھا، دروازہ بند تھا، میں وہیں پڑ گیا، صبح ہوئی تو کلیسا کے راہب نے دروازہ کھولا اس نے مجھے دیکھا اور بہت غور سے دیکھتا رہا، پھر اس نے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو اور کیسے یہاں آئے ہو؟ میں نے بتلایا کہ میں مکہ کا رہنے والا ہوں، اور اپنا پورا قصہ بتایا، اس نے میرا نام پوچھا، میں نے بتلا دیا۔ پھر میرے باپ کا نام اور قبیلہ کے بارے میں پوچھا میں نے وہ بھی بتلا دیا اور بھی کچھ باتیں پوچھیں جن کا میں نے جواب دیا۔ اس کے بعد اس نے بڑی عنایت اور شفقت کا اظہار کیا اور مجھے کلیسا کے اندر لے گیا۔ اس نے کہا میرا اندازہ ہے تم نے کچھ کھایا بھی نہیں ہے، پھر اس نے میرے کھانے کا انتظام کیا اور مجھے کھلایا۔ اس کے بعد میں نے اس سے اجازت چاہی تو اس نے کہا آپ سے میری ایک درخواست ہے۔ اس نے مجھے کاغذ دیا اور کہا کہ اس پر بس اتنا لکھ دیجیے کہ اس کلیسا سے متعلق جو جاگیر ہے وہ میں نے بحال رکھی ——— میں نے کہا کہ میں پردیسی ہوں میرا اس سے کیا تعلق! اس نے کہا کہ میری یہی درخواست ہے آپ بس اتنا اپنے قلم سے لکھ دیجیے۔ میں نے سمجھا کہ وہ مجھ سے تمسخر کر رہا ہے اور میرا مذاق بنا رہا ہے۔ میں نے کہا

ایھا الشیخ صنعت الیّ معروفًا فلا تفضحنی　　اے بزرگ آپ نے میرے ساتھ بڑے احسان کا معاملہ کیا ہے۔ اس تمسخر سے آپ اس کو مکدر نہ کیجیے۔

اس راہب نے اس کے بعد بھی مجھ سے اصرار کے ساتھ وہی کہا، تو جو کچھ اس نے مجھ سے لکھنے کو کہا وہ میں نے لکھ دیا۔

یہ کاغذ جو اِس وقت اس بوڑھے راہب نے مجھے دیا ہے یہ وہی کاغذ ہے اور میں نے پہچانا یہ بزرگ وہی راہب ہے۔ میری اس تحریر کی بنا پر اس کا مطالبہ ہے کہ اس علاقہ میں اس کلیسا کی جو جاگیر ہے وہ اسی طرح بحال رہے ــــ اور میں اس بزرگ سے یہ کہہ رہا ہوں کہ میں خود یا میرا بیٹا اس کا مالک نہیں ہے اس لیے مجھے کوئی اختیار نہیں ہے، میری حیثیت تو بس وہ ہے جو یتیم کے مال کے متولی کی ہوتی ہے، متولی اپنی مرضی سے یتیم کا مال کسی دوسرے کو نہیں دے سکتا۔

اب اس بوڑھے بزرگ راہب سے لوگوں نے دریافت کیا تو اس نے بتلایا کہ میں نے جب ان کو دیکھا تھا تو مجھے وہ علامتیں محسوس ہوئی تھیں جو ہماری کتابوں اور ہماری روایات میں نبی آخر الزماں کے اس خلیفہ کی بتلائی گئی ہیں جن کا اقتدار بیت المقدس پر قائم ہوگا۔ پھر جب میں نے ان کا نام وغیرہ پوچھا تو مجھے اس کا پورا یقین ہوگیا ــــ آگے غالباً یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس بزرگ راہب نے اس موقعہ پر اسلام بھی قبول کر لیا[1]۔ واللہ اعلم

بہرحال یہ واقعہ بھی اس بات کی شہادت ہے کہ اگلے انبیاء کے صحیفوں اور اہل کتاب کی مذہبی روایات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلکہ آپ کے خلفاء کا بھی اور ان کے ذریعہ برپا ہونے والے دینی انقلاب کا بھی ذکر بڑی تفصیل سے کیا گیا تھا۔

الغرض اہل کتاب اپنے کتابی علم اور اپنی مذہبی روایات کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے منتظر تھے اور ان میں جو گمراہیاں اور غلط کاریاں آگئی تھیں، ان کے بارہ میں وہ کہا کرتے تھے کہ ہم ان گندگیوں سے جب ہی نکلیں گے جب اللہ کے اس جلیل القدر پیغمبر کا ظہور ہوگا، جو اللہ کا کلام لیکر آئے گا اور تاریکیوں کو شکست دے کر دنیا میں روشنی پھیلائے گا۔

مشرکین مکہ کے بارہ میں اس طرح کی کوئی واضح بات تو میرے علم میں نہیں ہے لیکن

---

[1] اس عاجز نے "دکنی قرآن" میں یہ واقعہ یادداشت ہی کی بنا پر ذکر کیا تھا۔ خیال یہی ہے کہ یہ ۱۰ ازالۃ الخفا میں ذکر کیا گیا ہے اس وقت کتاب سامنے نہیں ہے، ممکن ہے بیان میں کچھ فرق پڑ گیا ہو۔ محمد منظور نعمانی

قرآن مجید میں بیان فرمایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام جب خانہ کعبہ کی تعمیر کر رہے تھے تو انھوں نے خاص طور سے یہ دعا کی تھی کہ اے پروردگار ہم کو اپنا فرمانبردار بندہ بنادے اور ہماری نسل میں بھی ایک فرمانبردار امت ہو اور اُن میں ایک رسول بھی انہی میں مبعوث فرما جو ان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے، اور کتاب و حکمت کی ان کو تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے، ان کو پاک باطن بنائے ــــــ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی یہ دعا قرآن مجید میں ذکر فرمائی گئی ہے۔ اور یہ معلوم ہے کہ مکہ کے قریش حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام کی نسل سے تھے اور اپنے کو ملت ابراہیمی کا پیرو کہتے تھے اور حج و قربانی جیسے ملت ابراہیمی کے بعض اعمال بھی اُن میں رائج تھے۔ تو قیاس کہتا ہے کہ کسی نہ کسی درجہ میں یہ بات بھی ان کی روایات میں رہی ہوگی کہ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل نے ایسی دعا کی تھی اور اس بنا پر وہ بھی اپنی قوم میں کسی نبی کے ظہور کے منتظر ہوں گے۔ (خواہ وہ نبوت کے صحیح تصور سے ناآشنا رہے ہوں) اور اُن میں بھی اس طرح کے لوگ ہوں گے جو کہا کرتے ہوں گے کہ جب ہماری قوم میں اُس نبی کا ظہور ہوگا تو ہم سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے اسی کا اتباع کریں گے ــــــ سورۂ "فاطر" مکی سورت ہے اُس میں مشرکین ہی کے بارہ میں یہ آیت ہے "وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ لَّيَكُوْنُنَّ اَهْدٰى مِنْ اِحْدَى الْاُمَمِ فَلَمَّا جَآءَهُمْ نَذِيْرٌ مَّا زَادَهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا" ــــــ یعنی یہ مشرکین بڑی قسمیں کھا کھا کے کہتے تھے کہ اگر (اللہ کی طرف سے) کوئی آگاہی دینے والا اور ہدایت کرنے والا آئے گا تو ہم اس کی پیروی اختیار کر کے ہر ایک امت سے زیادہ ہدایت یاب ہوں گے۔ لیکن جب اللہ کی طرف سے وہ آگاہی دینے والا آیا (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر کھڑا کیا، اور آپ ؐ نے کفر و شرک کے انجام اور آخرت کے بارہ میں آگاہی دی) تو بجائے قبول کرنے اور پیروی اختیار کرنے کے وہ اور دور بھاگے۔

بہرحال اس آیت سے اشارہ ملتا ہے کہ اہل کتاب کے علاوہ مشرکین بھی کسی نبی اور ہادی کی آمد کے منتظر تھے ــــــ واللہ اعلم

الغرض اس سورۂ "بیّنہ" کو سمجھنے کے لیے یہ پس منظر ذہن میں رکھیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اہل کتاب اپنے کتابی علم اور اگلے پیغمبروں کی پیشین گوئیوں کی روشنی میں اور مشرکین بھی غالباً اپنی روایات کی بنا پر ایک جلیل القدر اور صاحب برہان پیغمبر کے ظہور کے منتظر تھے جو اللہ کا کلام لیکر آئے اور اُس کے ذریعہ دنیا میں روشنی پھیلے، اور اِسی بنا پر وہ کہا کرتے تھے کہ جب تک وہ پیغمبر نہیں آتا اُس وقت تک تو ہم اپنے حال میں ہیں، اور جب وہ ظاہر ہو گا اور اللہ کا پیغام لیکر آئے گا اور دعوت و تعلیم دے گا تو ہم اس کی دعوت پر لبیک کہہ کے اس کا اتباع کریں گے۔ لیکن ہوا یہ کہ جب وہ رسول اللہ کا کلام لیکر آیا تو یہ اہل کتاب و مشرکین (چند با توفیق بندوں کے سوا) اُس کے مخالف اور دشمن بن کے کھڑے ہو گئے ـــــ اس سورت (سورۂ بیّنہ) کی ابتدائی ۳ آیتوں میں اسی صورت حال کا بڑے لطیف انداز میں ذکر فرمایا گیا ہے ـــــ ارشاد فرمایا گیا ہے

"لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ...... فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝"

مطلب یہ ہے کہ یہ اہل کتاب اور مشرکین جنھوں نے اللہ کے نبی اور اس کی کتاب کے انکار اور کفر کی راہ اختیار کی ہے یہ تو (بقول خود) باز آنے والے نہیں تھے اپنے طور طریقوں سے یہاں تک کہ آئے اُن کے پاس ایک روشن برہان یعنی ایسا رسول جو تلاوت کرتا اور پڑھ کر سناتا ہو مقدس صحیفے جن میں لکھی ہوں سچی پکی باتیں ـــــ یعنی ان سے توقع کی جا سکتی تھی کہ جب اللہ کی طرف سے ایسا رسول آئے گا تو وہ سب سے پہلے اس کی دعوت پر لبیک کہیں گے لیکن ہوا یہ کہ "وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ" کہ خاصکر وہ اہل کتاب جو انبیاء سابقین کے صحیفوں اور اپنی مذہبی روایات کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں زیادہ علم رکھتے تھے اور اُن کے لیے شک شبہ کی بھی گنجائش نہیں تھی، انھوں نے بھی قبول کرنے کے بجائے اختلاف کیا اور دعوت پر لبیک کہنے کے بجائے دور بھاگے ـــــ یہاں صرف اہل کتاب کا ذکر فرمایا گیا کیونکہ یہ بات ان کے حال سے بہت بعید تھی۔ جب یہ دور بھاگے تو سمجھ لینا چاہیے کہ مشرکین بھی دور بھاگے ـــ

علاوہ ازیں اس بارہ میں اہل کتاب اور مشرکین میں ایک فرق یہ بھی رہا کہ شروع میں اگرچہ مشرکین نے سخت اختلاف کیا اور انتہائی شقاوت و بدبختی کا مظاہرہ کیا لیکن بعد میں آہستہ آہستہ وہ قبول کرتے رہے یہاں تک کہ آخر میں عرب کے قریباً سارے ہی مشرکین نے قبول کرلیا، لیکن اہل کتاب میں سے بہت کم افراد کو توفیق ملی ـــــ ان کا جرم اس لحاظ سے بھی بڑا ہے کہ انھوں نے اچھی طرح جاننے پہچاننے کے بعد بھی کفر و انکار کی راہ اختیار کی۔ ان کا حال تو یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے تھے (يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ـــ اور ـــ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ)

آگے فرمایا گیا ہے "وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ" ـــ مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کے اختلاف کرنے اور دور بھاگنے کی وجہ یہ نہیں تھی کہ ہمارے اس رسول نے کوئی ایسا حکم دیا ہو جو قابل قبول نہیں تھا، یا جو اگلے پیغمبروں نے نہیں دیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ ایسا کوئی حکم نہیں دیا گیا، صرف تین باتوں کا حکم دیا تھا۔ اولاً توحید خالص، یعنی یہ کہ صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں، اس کے سوا کسی سے عبودیت اور بندگی کا رشتہ نہ ہو، اپنے جدِ اعلیٰ امام الانبیا ابراہیم علیہ السلام کی طرح بس اسی کی طرف رخ کرلیں اور اسی کے ہو جائیں۔ "حُنَفَآءَ" کا یہی مطلب ہے۔ دوسرا حکم یہ دیا گیا تھا کہ اہتمام سے نماز ادا کیا کریں اور تیسرا حکم یہ کہ زکوٰۃ ادا کیا کریں (یعنی اپنی کمائی ہوئی دولت میں سے اللہ کے حکم کے مطابق اس کی راہ میں خرچ کیا کریں۔) ظاہر ہے کہ ان میں کوئی حکم بھی ایسا نہیں ہے جو ناقابل قبول ہو اور جو اگلے پیغمبروں کی شریعت میں نہ دیا گیا ہو، ہر آسمانی شریعت کے بنیادی حکم یہی رہے ہیں۔ اور یہ تینوں باتیں انسانی عقل و فطرت کے بھی مطابق بلکہ اس کا تقاضا ہیں۔

آگے اہل کتاب اور مشرکین کے اس کفر و انکار کے انجام اور اس کی اخروی سزا کا بیان فرمایا گیا ہے اور اسی کے ساتھ ایمان لانے والوں اور احکام خداوندی کے مطابق عمل کرنے

والوں کو اخروی جزا اور انعامات الٰہی کی بشارت سنائی گئی ہے ــــ ارشاد فرمایا گیا ہے "اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ وَ الْمُشْرِکِیْنَ فِیْ نَارِ جَھَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا اُولٰئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ ہ ــــ مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین میں سے جن لوگوں نے اللہ کی طرف سے اُس جلیل القدر رسول کے آجانے کے بعد جو اُس کا کلام اور اس کے احکام لیکر آیا، ایمان لانے کے بجائے کفر و انکار کا رویہ اختیار کیا، اُن کے متعلق اللہ کا فیصلہ ہے کہ وہ آخرت میں دوزخ کی آگ میں ڈالے جائیں گے اور اُسی میں پڑے رہیں گے، ــــ ان کو اس عذاب سے کبھی نجات اور رہائی نہیں ملے گی ــــ سوچنے کی بات ہے کہ اس دنیا کی آگ میں بھی اگر کوئی آدمی ایک سکنڈ کے لیے ڈال دیا جائے تو اس کو ایسی تکلیف ہوگی کہ اُس سے زیادہ تکلیف کا اس دنیا میں تصور نہیں کیا جاسکتا۔ پھر کیا حال ہوگا اُس آدمی کا جو آخرت کی اور دوزخ کی اُس آگ میں جو ہماری آگ سے بدرجہا زیادہ جلانے والی ہے، لاکھوں کروروں برس پڑا رہے گا اور کبھی اُس سے نجات نہ پاسکے گا، اور اس کو موت بھی نہیں آئے گی۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے۔ "لَا یُقْضٰی عَلَیْھِمْ فَیَمُوْتُوْا" ــــ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے کہ وہ جہنمی چلّائیں گے اور داروغۂ جہنم سے درخواست کریں گے "لِیَقْضِ عَلَیْنَا رَبُّکَ" کہ تمہارا خدا ہم کو موت دیدے جواب ملے گا "اِنَّکُمْ مَاکِثُوْنَ" یعنی تمہارے لیے یہی فیصلہ ہے کہ تم کو موت کبھی نہیں آئے گی اور رہائی کبھی نہیں ملے گی اس طرح ہمیشہ ہمیشہ اس آگ میں جلتے بھنتے رہو گے۔ اللّٰھم احفظنا، اللّٰھم احفظنا! اللّٰھم اِنّا نعوذ بک من عذاب النار۔ اللّٰھم اِنّا نعوذ بک من عذاب النار۔ اللّٰھم اِنّا نعوذ بک من عذاب النار۔

آخر میں فرمایا گیا ہے۔ "اُولٰئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ" یہ کفر و انکار کا رویہ اختیار کرنے والے اہل کتاب اور مشرکین اللہ کی نظر میں بدترین خلائق ہیں ــــ ظاہر ہے کہ جو کوئی ہمیشہ کے لیے دوزخ کا ایندھن بنے وہ بدترین خلائق ہے، اُس سے زیادہ بدنصیب کوئی مخلوق نہیں۔

آگے ایمان لانے والوں اور ایمان والوں کی سی عملی زندگی گزارنے والوں کا حسن انجام بیان فرمایا گیا ہے اور ان کو بشارت سنائی گئی ہے ــــ ارشاد فرمایا گیا ہے

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ هُمْ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ ۝ جَزَاۗؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ ۝

مطلب یہ ہے کہ جو بندے اللہ کے اس رسول پر اور اس کی لائی ہوئی کتاب پر ایمان لائے اور اعمال صالحہ کیے، یعنی اس رسول کی تعلیم و ہدایت کے مطابق عملی زندگی گزاری وہ اللہ کی نظر میں بہترین خلائق ہیں، اُن کا صلہ اُن کے پروردگار کے ہاں وہ بہشتی باغات ہیں جو کبھی فنا نہ ہوں گے اور کبھی ان پر خزاں نہ آئے گی وہ ہمیشہ سدا بہار رہیں گے ــــ "جنّٰتُ عَدْنٍ" کا یہی مطلب ہے، ان باغات کے نیچے نہریں جاری ہیں ــــ انسان کی فطرت ایسے سرسبز و شاداب باغیچوں کو چاہتی ہے اور اُن کے نظارے سے خاص لذت و مسرت حاصل کرتی ہے جن میں نہریں جاری ہوں۔

یہاں اور اسکے علاوہ بھی بہت سے مقامات پر مومنین صالحین کے لیے صرف جنّت کا ذکر کیا گیا ہے لیکن مراد ہے "جنّت و ما فیہا" یعنی جنت اور وہ سب کچھ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لطف و عیش کے لیے وہاں رکھا ہے ــــ ایک جگہ فرمایا گیا ہے "وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ۝ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ۝" یعنی جنت میں تمھارے لیے وہ سب کچھ ہوگا جس کو تمھارا جی چاہے گا اور جو تم طلب کرو گے، یہ میزبانی ہوگی ربِّ غفور و رحیم کی طرف سے ــــ دنیا میں کسی کے لیے اس کا امکان نہیں ہے کہ اس کی سب خواہشیں پوری ہوں لیکن جنّت میں ایسا ہی ہوگا کہ بندے کی جو خواہش اور چاہت ہوگی وہ پوری ہوگی وہ وہاں اپنے غفور و رحیم پروردگار کا مہمان ہوگا اور وہ رب کریم اُس کا میزبان ــــ ذرا تصور تو کیجیے اس خوش نصیبی کا ــــ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے ــــ واقعہ یہ ہے کہ اگر جنّت کی امید نہ ہو تو اس دنیا کی زندگی بالکل فضول اور بے معنی ہے ــــ اور اس جنت کے حاصل کرنے کے لیے نہ دولت کی ضرورت ہے نہ عالم فاضل ہونے کی۔ بس ایمان اور عمل صالح یہی جنّت کا ٹکٹ ہے، اس کو ہر غریب ہر امیر، ہر بوڑھا ہر جوان، مرد، عورت، پڑھے لکھے اور بے پڑھے لکھے سب حاصل کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حقیقتوں کا یقین نصیب فرمائے اور توفیق دے۔

آگے فرمایا گیا ہے "خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا" یہ خوش نصیب بندے جنت میں پہنچنے کے بعد ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے، یہ بھی بڑی عظیم بشارت ہے ـــــ اس دنیا میں کسی کو عیش کے وہ سارے سامان نصیب ہوں جو یہاں ممکن ہیں۔ لیکن یقین ہے کہ ایک دن موت آئے گی، اور بنگلہ کوٹھی، موٹر، باغ، بیوی اولاد وغیرہ عیش و راحت کے سارے سامانوں کو چھوڑ کے اکیلے خالی ہاتھ جانا ہوگا ـــــ بس اس کا خیال ہی سارے عیش کو کدر اور گدلا کر دیتا ہے۔

مرا در منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم
جرس فریاد میدارد کہ بر بندید محملہا

اس کے آگے مومنین صالحین کو جنت اور اس کی نعمتوں سے بھی بڑی اور بہت بڑی ایک نعمت کی بشارت سنائی گئی ہے فرمایا گیا ہے ـــــ "رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ" (اللہ جل شانہٗ اپنے ان بندوں سے راضی خوش ہوگا اور یہ بندے اس سے راضی خوش ہوں گے)

حدیث شریف میں ہے کہ اہل جنت جب جنت میں پہنچ جائیں گے اور وہاں کی نعمتوں، راحتوں لذتوں سے لطف اندوز ہوں گے تو اللہ تعالیٰ اُن سے فرمائے گا "ھَلْ رَضِیْتُمْ" میرے بندو تم راضی ہو، خوش ہو؟ ـــــ وہ عرض کریں گے کہ اے ہمارے کریم پروردگار ہم راضی خوش کیوں نہ ہوں گے ـــــ آپ نے ہم کو وہ نعمتیں نصیب فرمائی ہیں جو کسی مخلوق کو عطا نہیں ہوئیں ـــــ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اب میں تم کو اس سے بھی افضل اور برتر ایک نعمت دیتا ہوں، وہ یہ کہ ـــــ "میں تم سے ہمیشہ کے لیے راضی ہوں اور کبھی ناراض نہ ہوں گا" ـــــ فی الحقیقت یہ نعمت جنت کی ساری نعمتوں سے برتر اور بالاتر ہوگی ـــــ اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے۔

آخر میں فرمایا گیا ہے "ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ" یعنی یہ جنت اور رضائے الٰہی کی نعمت اُس کو نصیب ہوگی جس کے دل میں خشیتِ الٰہی ہو ـــــ خشیت کے معنی خوف کے ہیں، لیکن وہ خوف نہیں جو کسی زبردست دشمن سے یا درندے وغیرہ سے ہوتا ہے۔ بلکہ خوف اور فکر کی اس کیفیت کا نام خشیت ہے جو اللہ تعالیٰ کی انتہائی عظمت و جلالت کے دھیان اور خیال سے اُس بندے کے دل میں ہوتی ہے جس کو اپنی گنہگاری کا احساس ہو۔ یہ کیفیت بندے کو غافل نہیں ہونے دیتی ـــــ

(باقی بر صفحہ ۲۹)

محمد منظور نعمانی

معارف الحدیث (مسلسل)

کتاب الفتن (۲)

دولت، تعیش اور حب دنیا کا فتنہ

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبٍ الْقُرَظِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي مَنْ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ قَالَ إِنَّا لَجُلُوسٌ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَطَلَعَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ مَا عَلَيْهِ إِلَّا بُرْدَةٌ لَهُ مَرْقُوعَةٌ بِفَرْوٍ فَلَمَّا رَآهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكَى لِلَّذِي كَانَ فِيهِ مِنَ النِّعْمَةِ وَالَّذِي هُوَ فِيهِ الْيَوْمَ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ بِكُمْ إِذَا غَدَا أَحَدُكُمْ فِي حُلَّةٍ وَرَاحَ فِي حُلَّةٍ وَوُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَحْفَةٌ وَرُفِعَتْ أُخْرَى وَسَتَرْتُمْ بُيُوتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُ الْكَعْبَةُ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِنَّا الْيَوْمَ نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ وَنُكْفَى الْمَؤُونَةَ قَالَ لَا أَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِنْكُمْ يَوْمَئِذٍ ——— رواہ الترمذی

محمد بن کعب قرظی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ ایک ایسے صاحب نے مجھ سے بیان کیا جنہوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے خود (یہ واقعہ) سنا تھا کہ ہم لوگ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مُصعب

بن عمیر (رضی اللہ عنہ) اس حالت اور ہیئت میں سامنے آگئے کہ اُن کے جسم پر بس ایک (پھٹی پرانی) چادر تھی جس میں کھال کے ٹکڑوں کے پیوند لگے ہوئے تھے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو (اس حالت اور ہیئت میں) دیکھا تو آپ کو رونا آگیا، اُن کا وہ وقت یاد کر کے جب وہ (اسلام لانے سے پہلے مکہ میں) عیش و تنعم کی زندگی گزارتے تھے اور ان کی (فقر و فاقہ کی) موجودہ حالت کا خیال کر کے ——— اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہم لوگوں سے مخاطب ہوکر) فرمایا کہ (بتلاؤ) اس وقت تمہاری کیا کیفیت ہوگی اور کیا حال ہوگا جب (دولت اور سامان تعیش کی ایسی فراوانی ہوگی کہ) تم میں کے لوگ صبح کو ایک جوڑا پہنکر نکلیں گے اور شام کو دوسرا جوڑا پہنکر۔ اور (کھانے کے لیے) ان کے آگے ایک پیالہ رکھا جائے گا اور دوسرا اٹھایا جائے گا، اور تم اپنے مکانوں کو اس طرح لباس پہناؤ گے جس طرح کعبۃ اللہ پر غلاف ڈالا جاتا ہے ——— (آپ کے اس سوال کے جواب میں حاضرین مجلس میں سے کچھ) لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ہمارا حال اُس وقت آج کے مقابلہ میں بہت اچھا ہوگا ——— ہمیں اللہ کی عبادت کے لیے پوری فراغت اور فرصت حاصل ہوگی، (معاش وغیرہ کے لیے) محنت و مشقت نہ اٹھانی نہیں پڑے گی ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نہیں! تم آج (فقر و فاقہ کے اس دور میں) عیش و تنعم والے (اس دن کے مقابلہ میں بہت اچھے ہو۔ (جامع ترمذی)

(**تشریح**) حدیث کے راوی محمد بن کعب قرظی تابعی ہیں جو علم قرآن اور صلاح و تقوے کے لحاظ سے اپنے طبقہ میں ممتاز تھے، انھوں نے اُس راوی کا نام ذکر نہیں کیا جنھوں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے یہ واقعہ ان کو سنایا تھا ——— لیکن اُن کا اس طرح روایت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ راوی اُن کے نزدیک ثقہ اور قابل اعتماد ہے۔

مصعب بن عُمیر کی صحابہ کرام میں ایک خاص شان اور تاریخ تھی، وہ بڑے ناز پروردہ ایک رئیس زادے تھے، اُن کا گھرانہ مکہ کا بڑا دولت مند گھرانہ تھا اور یہ اپنے گھر کے بڑے لاڈلے چہیتے تھے، اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کی زندگی امیرانہ اور عیش و تنعم کی زندگی تھی، پھر اسلام لانے کے بعد زندگی کا رخ بالکل بدل گیا اور وہ حال ہوگیا جو اس حدیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک

پھٹی پرانی چادر ہی جسم پر تھی جس میں جا بجا چمڑے کے ٹکڑوں کے بھی پیوند تھے۔ ان کو اس حالت اور ہیئت میں دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کے سامنے ان کی عیش و تنعم والی امیرانہ زندگی کا نقشہ آگیا اور آپ کو رونا آگیا ـــــ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو ایک اہم حقیقت سے آگاہ کرنے کے لیے اُن سے فرمایا کہ ـــــ ایک وقت آئے گا جب تمہارے پاس، یعنی میری امت کے پاس عیش و تنعم کے سامان کی فراوانی ہوگی، ایک آدمی صبح کو ایک جوڑا پہن کر نکلے گا اور شام کو دوسرا جوڑا ـــــ اسی طرح دسترخوان پر انواع واقسام کے کھانے ہوا کریں گے۔ بتلاؤ تمہارا کیا خیال ہے وہ وقت تمہارے لیے کیسا ہوگا؟ ـــــ کچھ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت وہ وقت اور وہ دن تو بہت ہی اچھا ہوگا، ہمیں فراغت اور فرصت ہی فرصت ہوگی بس اللہ کی عبادت کیا کریں گے ـــــ آپ نے فرمایا تمہارا یہ خیال صحیح نہیں ہے، آج تم جس حال میں ہو یہ آئندہ آنے والے عیش و تنعم کے حال سے بہت بہتر ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حقیقت بیان فرمائی تھی اس وقت تو "ایمان بالغیب" ہی کے طور پر اس پر یقین کیا جاسکتا تھا۔ لیکن پہلے بنی امیہ اور بنی عباس کے دورِ حکومت میں اور بعد کی اکثر دوسری مسلم حکومتوں کے دور میں بھی اور آج کی اُن مسلم حکومتوں میں جن کو اللہ تعالیٰ نے عیش و تنعم کا سامان انتہائی فراوانی سے دے رکھا ہے یہ حقیقت آنکھوں سے دیکھ لی گئی ہے اور دیکھی جارہی ہے ـــــ بلاشبہ یہ اور اس طرح کی تمام پیشین گوئیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آپ کی نبوت کے دلائل میں سے ہیں۔

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ الْاُمَمُ اَنْ تَدَاعٰى عَلَيْكُمْ كَمَا تَدَاعَى الْاَكَلَةُ اِلٰى قَصْعَتِهَا فَقَالَ قَائِلٌ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ قَالَ بَلْ اَنْتُمْ يَوْمَئِذٍ كَثِيْرٌ وَلٰكِنَّكُمْ غُثَاءٌ كَغُثَاءِ السَّيْلِ وَلَيَنْزِعَنَّ اللّٰهُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّكُمُ الْمَهَابَةَ مِنْكُمْ وَلَيَقْذِفَنَّ فِيْ قُلُوْبِكُمُ الْوَهْنَ قَالَ قَائِلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْوَهْنُ؟ قَالَ حُبُّ الدُّنْيَا وَكَرَاهِيَةُ الْمَوْتِ

رواہ ابوداؤد والبیہقی فی دلائل النبوۃ (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قریب ہے (ایسا زمانہ) کہ (دشمن) قومیں تمھارے خلاف (جنگ کرنے اور تم کو مٹا دینے کے لیے) ایک دوسرے کو اس طرح دعوت دیں جس طرح کھانے والی جماعت کے آدمی کھانے کی لگن (تشت) کی طرف ایک دوسرے کو بلاتے ہیں ـــــــ کسی عرض کرنے والے نے عرض کیا کہ کیا اُس دن ہماری تعداد کی قلت کی وجہ سے ایسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا (نہیں) بلکہ تم اس وقت بڑی تعداد میں ہوگے، لیکن تم سیلاب کے کوڑے کرکٹ کی طرح (بے جان اور بے وزن) ہوگے، اور اللہ تعالیٰ تمھارے دشمنوں کے دل سے تمھاری ہیبت نکال دے گا اور (اس کے برعکس) تمھارے دلوں میں "وَھْن" ڈال دے گا۔ کسی عرض کرنے والے نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ "وَھْن" کا کیا مطلب؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی محبت اور موت کی کراہت۔

(سنن ابی داؤد و دلائل النبوۃ بیہقی)

(تشریح) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد نقل ہوا ہے، جس وقت آپ نے وہ فرمایا ہوگا، اُس وقت بلکہ اُس کے کئی صدی بعد تک بھی حالات ایسے رہے کہ بظاہر دور دور تک اس کا امکان بھی نظر نہیں آتا تھا کہ کبھی آپؐ کی امت کا ایسا حال بھی ہوگا اور وہ دشمن قوموں کے مقابلہ میں ایسی کمزور اور بے جان ہو جائے گی اور اُن کے لیے تر نوالہ بن جائے گی ــــــ لیکن آپؐ نے جو فرمایا تھا وہ واقع ہوکر رہا اور بار بار وقوع میں آیا اور آج بھی اس کے مظاہرے آنکھوں کے سامنے ہیں ـــــــ اور اس انقلاب حال اور انحطاط و زوال کا بنیادی سبب جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہی ہے کہ اس دنیا اور یہاں کی زندگی سے ہم کو عشق ہوگیا اور موت (راہ خدا کی موت بھی) ہمارے لیے کڑوا گھونٹ بن گئی ـــــ بلاشبہ ہماری اس حالت نے ہم کو دشمنوں کے لیے تر نوالہ بنا دیا ہے جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کبھی صرف پیشین گوئی نہیں ہے بلکہ امت کو آگاہی ہے کہ "وَھْن" (یعنی حب دنیا اور کراہیت موت) کی بیماری سے قلوب کی حفاظت کی جائے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ اُمَرَاءُکُمْ خِیَارُکُمْ وَاَغْنِیَاءُکُمْ سُمَحَاءُکُمْ وَاُمُوْرُکُمْ شُوْرٰی بَیْنَکُمْ فَظَهْرُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ بَطْنِهَا وَاِذَا کَانَ اُمَرَاءُکُمْ شِرَارُکُمْ وَاَغْنِیَاءُکُمْ بُخَلَاءُکُمْ وَاُمُوْرُکُمْ اِلٰی نِسَاءِکُمْ فَبَطْنُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ ظَهْرِهَا ——

(رواہ الترمذی (مشکوٰۃ المصابیح)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب (حالت یہ ہو کہ) تمہارے حکمراں تم میں کے نیک لوگ ہوں، اور تم ہی کے دولتمندوں میں سماحت وسخاوت کی صفت ہو، اور تمہارے معاملات باہم مشورہ سے طے ہوتے ہوں تو (ایسی حالت میں) زمین کی پشت تمہارے لیے اس کے بطن (پیٹ) سے بہتر ہے —— اور (اس کے برعکس) جب حالت یہ ہو کہ تمہارے حکمراں تم میں کے بدترین لوگ ہوں، اور تمہارے دولتمندوں میں (سماحت کے بجائے) بخل اور دولت پرستی آجائے۔ اور تمہارے معاملات (بجائے اہل الرائے کی مشاورت کے) تمہاری عورتوں کی رایوں سے چلیں۔ تو (ایسی حالت میں) زمین کا بطن (پیٹ) تمہارے لیے اس کی پشت سے بہتر ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف کیا گیا تھا کہ امت کا حال ایک زمانے تک یہ رہے گا کہ اُن کے حکمراں اور عمالِ حکومت نیک اور اچھے لوگ ہوں گے، اور اُن میں کے دولتمندوں میں سماحت کی صفت ہوگی یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی عطا فرمائی ہوئی دولت کو اخلاص وخوشدلی سے اچھے مصارف میں صرف کریں گے، اور ان کے معاملات خاصکر حکومتی اور اجتماعی معاملات باہمی مشورہ سے ہوا کریں گے (یہ تین حالتیں اس بات کی علامت ہیں کہ امت کا اجتماعی حال اور مزاج اللہ ورسول کے احکام اور مرضی کے مطابق ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امت کے لیے یہ زمانہ خیریت کا ہوگا اور اُس دور کے یہ اہل ایمان اس کے مستحق ہوں گے کہ اس دنیا میں اور اس زمین کی پشت پر رہیں، اور خیرِ امت ہونے کی حیثیت سے دنیا کی ہدایت وقیادت کی ذمہ داری سنبھالیں —— اسی کے ساتھ آپ پر منکشف کیا گیا تھا کہ پھر ایک زمانہ آئے گا کہ امت کا حال اس کے بالکل برعکس ہو جائے گا حکومت کی باگ اور سارا حکومتی نظام بدترین لوگوں کے ہاتھوں میں آجائے گا، اور مسلمانوں

ہیں کے دولت مند لوگ سماحت وسخاوت کے بجائے دولت کے پجاری ہو جائیں گے، اور اہم معاملات بجائے اس کے کہ اہل الرائے کے باہمی مشورے سے طے کیے جائیں گھروالیوں کی خواہشات اور ان کی رائے کے مطابق طے کیے جانے لگیں گے ـــــــ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شر وفساد کے اس زمانے کے بارہ میں فرمایا کہ اُس وقت یہ بگڑی ہوئی امت زمین کے اوپر چلنے اور رہنے بسنے سے زیادہ اس کی مستحق ہوگی کہ ختم ہو کر زمین کے پیٹ میں چلی جائے اور اس میں دفن ہو جائے۔

جیسا کہ بار بار عرض کیا گیا یہ حدیث شریف بھی صرف ایک پیشین گوئی نہیں ہے بلکہ اس میں امت کو بڑی سخت آگاہی ہے اس کا پیغام یہ ہے کہ میری امت کو اللہ تعالیٰ کی اس زمین پر رہنے اور چلنے پھرنے کا حق اس وقت تک ہے جب تک اس میں "خیر امت" والی ایمانی صفات رہیں، لیکن جب وہ ان صفات سے محروم ہو جائے اور اسکی زندگی میں شر وفساد غالب آجائے تو وہ اسکی مستحق ہوگی کہ ختم ہو کر زمین میں دفن ہو جائے۔

بقیہ درس قرآن صفحہ ۲۳

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا ہے اَللّٰهُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْيَتِكَ مَا تَحُوْلُ بِهٖ بَيْنَنَا وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ "(اے اللہ ہم کو اپنی وہ خشیت نصیب فرما جو ہمارے اور گناہوں کے درمیان حائل ہو جائے یعنی جو ہم کو گناہوں سے روکتی رہے، گناہوں کے اٹھتے ہوئے قدم کو روک دے۔

ایک دوسری دعا ہے اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ اَخْشَاكَ كَاَنِّيْ اَرَاكَ اَبَدًا حَتّٰى اَلْقَاكَ وَاَسْعِدْنِيْ بِتَقْوَاكَ وَلَا تُشْقِنِيْ بِمَعْصِيَتِكَ" (کہ اے اللہ مجھے ایسا کردے کہ اس وقت تک جب تک کہ میں تیرے حضور میں حاضر ہوں تجھ سے ایسا ڈرتا رہوں کہ گویا ہر دم تجھے دیکھ رہا ہوں ـــــ اور مجھے تقوے کی یعنی پرہیزگاری اور فرمانبرداری کی سعادت عطا فرما اور ایسا نہ ہو کہ تیری نافرمانی کر کے میں بدبختی میں مبتلا ہو جاؤں۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اپنی خشیت نصیب فرمائے۔ سورۃ کی اس آخری آیت سے معلوم ہوا کہ جنت اور رضائے الٰہی کی نعمت سب کا حصول اسی پر موقوف ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محروم نہ رکھے!

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ

قافلۂ شہداء

از مولانا عتیق الرحمن سنبھلی مقیم لندن

ناظرین کرام کو یاد ہوگا اب سے ۸-۹ مہینے پہلے "الفرقان" کے فروری کے شمارہ میں برادر معظم مولانا عتیق الرحمن سنبھلی مقیم لندن کے قلم سے انگلستان کے "ایک انتہائی المناک حادثہ سے متعلق ایک مختصر شذرہ شائع ہوا تھا جس میں لکھا گیا تھا کہ

"۲۴ نومبر ۱۹۸۰ء (۱۶ محرم ۱۴۰۱ھ) کو انگلینڈ کے مسلمان ایک ایسے حادثہ سے دوچار ہوئے جسے ایک مدت تک فراموش نہ کیا جا سکے گا ——— یہ حادثہ ایک اکسیڈنٹ میں پانچ بڑے قیمتی افراد کی بیک وقت شہادت ہے ——— جن میں چار مخلص علماء و حفاظ تھے اور ایک اُن کے مخلص کار کے ڈرائیور ——— ان حضرات کے نام ہیں مولانا ابراہیم ڈیسائی، مولانا یعقوب ڈیسائی، مولانا علی ابراہیم سمنی، مولانا عمر آدم دہالوی اور جناب عبدالرشید ملتانی ——— پہلے چار حضرات کا تعلق ہندوستان کے علاقہ گجرات سے تھا، اور پانچویں پاکستان سے تعلق رکھتے تھے۔

شمالی انگلینڈ کے دو تین شہروں بلیک برن، پرسٹن اور بولٹن میں ان کا قیام تھا۔ یہاں جو ایک عربی اسلامی دارالعلوم حضرت شیخ الحدیث مدظلہ کے مجاز مولانا یوسف متالا صاحب نے قائم کر رکھا ہے۔ اوّل الذکر چاروں حضرات اس میں تدریسی خدمات انجام دیتے تھے۔ اور ایک کے سوا (جو باقاعدہ پورے وقت کے مدرس تھے) باقی تین حضرات کی خدمات بلا معاوضہ خالصاً لوجہ اللہ تھیں ——— پانچویں عبدالرشید صاحب بھی دارالعلوم سے محبت کی بنا پر کچھ غیر تدریسی خدمات لوجہ اللہ ہی انجام دیا کرتے تھے۔ منجملہ اُن کے غالباً ایک یہ بھی تھی کہ بلیک برن اور پرسٹن سے روزانہ دارالعلوم کی کار سے مولانا ابراہیم

مولانا علی صاحب اور مولانا عمر صاحب کو دارالعلوم لیجاتے تھے ــــ حادثہ کے دن مولانا یعقوب صاحب ڈیسائی بھی جو بلیک برن آئے ہوئے تھے ان کے ساتھ ہی تھے۔

دوشنبہ ۲۴ر نومبر کو صبح ساڑھے آٹھ بجے ان حضرات کی کار بلیک برن سے بہت تھوڑا ہی سا فاصلہ دارالعلوم بولٹن کی طرف طے کر پائی تھی کہ ناگہانی طور پر ایک بڑے ٹرک سے کار کی ٹکر ہو گئی، جس کے نتیجہ میں یہ پانچوں حضرات جاں بحق ہو گئے۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون"

ابھی حال میں لندن کے اردو "ماہنامہ فاران" کا "شہداء نمبر" شائع ہوا ہے جس میں ان پانچوں شہداء کرام سے متعلق مختلف حضرات کے مضامین ہیں اور سب ہی قابل مطالعہ ہیں۔ ان میں ایک مضمون "قافلہ شہداء" کے عنوان سے برادر معظم مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی کا بھی ہے، ذیل میں وہی ناظرین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

خلیل الرحمٰن سجاد ندوی

مولانا ابراہیم ڈیسائی

جہاں تک یاد ہے مولانا ابراہیم ڈیسائی صاحب کو پہلی بار جمعیۃ علمائے برطانیہ کی سیرت کانفرنس منعقدہ ۱۹۷۶ء لندن میں دیکھا تھا۔ اس کے بعد ایک مدت تک یاد نہیں آتا کہ مولانا سے کہیں ملاقات ہوئی ہو، غالباً ۳ سال ہوتے ہیں کہ مولانا سے دوبارہ ملاقات ہوئی اور پھر یہ سلسلہ چل نکلا، بار بار ایسے مواقع پیدا ہوتے رہے، کافی لمبی لمبی نشستیں مولانا کے ساتھ رہیں، اس کا ذریعہ اللہ جزائے خیر دے، مولانا کے شاگرد مولوی محمد عیسیٰ صاحب بنے۔ وہ لندن کی جس مسجد میں امام تھے وہاں کے منتظمین کو علماء کے مواعظ کا ذوق تھا۔ اس طرح کی کوئی تقریب ہوتی تو مولانا عیسیٰ صاحب اپنے حسن تعلق سے مدعو کر لیا کرتے تھے۔ غرض دوبارہ سلسلہ شروع ہونے کے بعد مولانا مرحوم سے بار بار ملنے کا موقع رہا۔ ایک مرتبہ (جب حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم بولٹن تشریف لائے ہوئے تھے) صرف ملنے ہی کی نیت سے مولانا کے دولت کدہ پر پریسٹن بھی حاضری ہوئی، اور کئی گھنٹے کا وقت ساتھ گزرا۔

مولانا کو جس ہیئت اور وضع میں پہلی بار دیکھا تھا یعنی سر پر ہلکا سفید رومال عمامہ کی شکل میں بندھا ہوا اور سیاہ شیروانی۔ یہی ہیئت و وضع مولانا کی ہمیشہ پائی۔ درمیانہ قد، منحنی جسم، کمر جیسے کچھ خمیدہ ہو، داڑھی بھری ہوئی نہ تھی، بلکہ زیادہ تر بس ٹھوڑی پر، بال مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کوئی سفید دیکھا ہو۔ سر میں ہو سکتا ہے ہو، لیکن داڑھی میں بالکل یاد نہیں، اور اس پر مولانا کے نام کے ساتھ اشتہار میں دیکھا "استاذ العلماء" زبانی بھی مولانا عیسیٰ صاحب سے یہی سنا تھا کہ انگلینڈ کے اکثر گجراتی علماء، مولانا کے شاگرد ہیں، موقع پیدا کر کے مولانا کی عمر دریافت کی تو چھپن یا ستاون سال آپ نے بتائی، یہ کوئی دو سال پہلے کی بات ہے۔ تعجب ہوا کہ بظاہر مولانا کوئی قوی الجثہ بھی نہیں ہیں اور پھر بھی اتنی عمر کی کوئی علامت چہرے بشرے سے ظاہر نہیں ہو رہی۔ بہرحال تعجب ہوا اور ہو کے رہ گیا، کیونکہ بہت سی باتیں خلاف ظاہر ہوا کرتی ہیں۔[1]

خیر جو کچھ بھی ہو، مولانا کو پہلی ہی مرتبہ قریب سے دیکھنے کے بعد دل کو ان سے لگاؤ ہوا اور ہر دوسری ملاقات پر یہ کیفیت بڑھتی گئی، ان میں علم بھی نظر آیا، علمی ذوق بھی، عالمانہ وقار بھی اور انکسار بھی، مجلسی بشاشت کے ساتھ ساتھ شگفتگی اور لطافت مذاق بھی، سب سے زیادہ دل موہنے والی بات ان کے سراپا میں ہمہ وقت جھلکتی ہوئی وہ کیفیت تھی جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائل میں "متواصل الاحزان" کے الفاظ سے ذکر کی جاتی ہے، ان کی ہنسی کو بھی (جو بہت لطیف ہوتی تھی) میں نے کبھی ایک اندرونی حزن و فکر کی کیفیت سے خالی نہیں پایا۔ میری نظر میں ان کی آنکھیں ان کی اس کیفیت کی خاص غماز یا کہئے آئینہ دار تھیں، اور اس آئینہ میں جب حزن و فکر کے پہلو بہ پہلو بشاشت و مسکراہٹ کا رنگ بھی نمودار ہوتا تو کچھ نہ پوچھیے کہ یہ کیا چیز بن جاتی تھی۔

میں "علیم بذات الصدور" نہیں کہ دعویٰ کروں کہ یہ حزن و فکر آخرت کے خیال اور دنیا میں اپنی ذمہ داریوں کے احساس ہی سے تعلق رکھتا تھا، اس کے سوا کوئی دوسری چیز نہ تھی، مگر مجھے بلا شبہ ایسا ہی

---

[1] اسی نمبر میں مولانا مرحوم پر ایک مضمون آپ کے بھتیجے مولانا فاروق ڈیسائی صاحب کا شائع ہوا ہے، اس کی رو سے مولانا کی عمر شہادت کے وقت بھی اکیاون سال سے اوپر نہ تھی، کیونکہ سنہ پیدائش ۱۹۳۰ء بتائی گئی ہے۔ مولانا فاروق صاحب کا کہنا ہے کہ انھیں اس کی اچھی طرح تحقیق ہے اور پاسپورٹ میں بھی یہی سنہ پیدائش ہے۔

گئی تھا، اور اسی لیے مولانا "رجال آخرت" میں سے نظر آتے تھے، اسی لیے ان سے بے پناہ محبت اور بے پناہ عزت کرنے کو جی چاہتا تھا۔ محبت کرنے سے تو وہ روک نہیں سکتے تھے لیکن عزت کرنے کے معاملے میں مشکل سے چلنے دیتے تھے، بلکہ اکثر تو لینے کے دینے پڑ جایا کرتے تھے۔

وعظ و تقریر ان کی زندگی کا ایسا جزو تھا کہ انھیں "وعظ پیشہ" کہا جا سکتا تھا۔

وفات کے بعد جن ایسے لوگوں سے بھی حالات پوچھے جو شروع سے یا ایک مدت سے مولانا سے واقف تھے، سب کی متفقہ شہادت ملی کہ مولانا اوائل عمر ہی سے واعظ تھے۔ چھٹی کا دن اسی میں صرف کرنا گویا معمول تھا۔ لندن بھی مولانا کی تشریف آوری عموماً اسی سلسلے میں ہوتی تھی، مگر ان ہی لوگوں کی شہادت کے مطابق اس کو مادی منفعت کا ذریعہ کبھی نہیں بنایا، اور مولانا کی حالتِ وعظ بھی اسی کی شہادت دیتی تھی، آواز اور انداز سب بتاتے تھے کہ نصیحت و خیر خواہی کا ایک بے داغ اور بے تاب جذبہ بول رہا ہے، آواز سنیے تب اور چہرہ دیکھیے تب ایک درد نظر آتا تھا جو مولانا کے پہلو میں ودیعت کیا گیا ہو، بہت صاف بولتے تھے اور پوری قدرتِ بیان پر تھی، لیکن وعظ سادہ اور مخاطبانہ ہوتا تھا جو دردمندوں کا طریقہ ہے۔ محفل کو گرمانے اور وجد میں لانے کے طریقے سیکھنے کی کوشش شاید کبھی نہ کی تھی، لیکن تاثیر کے لیے ان کی دردمندی اور قدرتِ بیان پوری پوری کافی ہوتی، لوگ ہمہ تن گوش ہو کر سنتے اور اثر لیتے۔

وعظ کی کسی مجلس میں نمایاں ہوئے ہوں، یا مستقل قدردانوں کے حلقے میں ہوں یا کسی محفل کے مہمانِ خصوصی، ایسے ہر موقع پر خود کو گھٹاتے اور دباتے ہی ہوئے مولانا کو پایا، اور اس میں کوئی شائبۂ تصنع نہیں ملتا تھا، بلکہ جیسے کسی نے اپنی طبیعت ثانیہ ہی تواضع اور مسکنت کو بنا لیا ہو۔

بہرحال ان وجوہ سے، جو مولانا ابراہیم صاحب سے اپنی واقفیت کا کل سرمایہ تھے، دل کو ایک محبت مولانا مرحوم کے ساتھ تھی، ان کی قدر دل کرتا تھا، اور ایک بڑا قیمتی سرمایہ اس ملک میں آبسنے والے مسلمانوں کے لیے نظر آتے تھے۔ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو دو، ڈھائی ماہ کے خیال سے وطن (ہندوستان) جانا ہوا، ۲۰ نومبر کو واپسی ہوئی۔ ذہن کسی حادثے کے تصور سے بالکل خالی، بلکہ خلافِ توقع کھلتی ہوئی دھوپ اور چمکتا ہوا سورج، ہیتھرو کی فضا میں دیکھ کر ایک نشاط و انبساط کی فضا کے ساتھ

ے اترنا ہوا، مگر کشمیر سے باہر قدم رکھ کر جو پہلی بات علم میں آئی وہ بات کیا تھی، ایک بجلی تھی گری اور چشم زدن میں تمام نشاط وانبساط اڑا کر ایک سکتے میں چھوڑ گئی۔ سُنا کہ مولانا کو چند ساتھیوں کے ساتھ دو دن پہلے ایسا حادثہ پیش آیا اور آج تدفین تھی۔

یہ خبر فوراً ہی اس لیے سننے کو ملی کہ اپنے جن مہربان دوست (ملک اختیار احمد صاحب) کی توقع لیے ہوئے باہر نکلا تھا، وہ تدفین کی وجہ سے نہیں آسکے تھے۔ تو اُن کی طرف سے آئے ہوئے دوسرے مہربان حاجی انور صاحب نے بطور معذرت سب سے پہلے یہی بات بتائی۔

ذہن و دماغ کی اس کیفیت کو لفظوں میں بیان کرنا آج مشکل ہے جو اس خبر کو سُن کر پیدا ہوئی۔ ایسے انگلستان کا تصور بہت شاق تھا جس سے مولانا ابراہیم صاحب اُٹھ گئے ہوں، اپنی خصوصیات کے لحاظ سے وہ اس زمین کے اوتاد[1] میں سے تھے جیسا سوز وگداز ان کی اصلاحی اور تبلیغی تقریروں سے ٹپکتا تھا اور جیسی فکر یہاں کے مسلمانوں کے دینی مستقبل کی ان کے بیانات میں جھلکتی تھی اور جس طرح کے سادہ پُرکشش مومنانہ اطوار قدرت نے انھیں بخشے تھے انھی اوصاف کے علما اس سرزمین پر بسنے والے مسلمانوں کی سب سے بڑی ضرورت ہیں۔ مگر یہ جنس کوئی ارزاں جنس نہیں، بڑی نایاب ہے اور مولانا اسی جنس نایاب کے ایک فرد تھے۔

تو یہ خبر ایک فردِ نایاب (یا کمیاب) کے اُٹھ جانے کی خبر تھی۔ اور پھر اٹھ جانا بھی ایسے غم انگیز طریقے سے کہ غیروں اور نا آشناؤں کو بھی رونا آجائے، اس لیے بجلی گرنے سے کیا کم اسے کہا جائے اور کیونکر الفاظ کے کسی پیرائے میں اس کا تاثر بیان کیا جائے، دعائے مغفرت کے بعد صرف یہی دعا زبان سے نکل سکی کہ اے اللہ ان کا نعم البدل ہمیں عطا کیجیے۔

مولانا علی ابراہیم سمنی

حاجی انور صاحب اور شہداء کے ناموں سے واقف نہ تھے کیونکہ ان میں سے کوئی اور

---

[1] قرآن مجید میں پہاڑوں کو زمین کے اَوتاد (میخیں) کہا گیا ہے یعنی فضا میں تیرنے والا یہ کرۂ ارض جو ادھر ادھر کو ڈول نہیں جاتا تو اسی کی وجہ یہ پہاڑ ہیں، گویا اسے میخیں گاڑ کر روک دیا گیا ہے۔

آدمی معروف قسم کا تھا بھی نہیں۔ دوسرے دن ملک افتخار صاحب اور مولانا عیسیٰ صاحب وغیرہ سے ملاقات ہوئی تو باقی ناموں کا پتہ چلا اور اندازہ ہوا کہ میں بھی ان میں سے کسی سے واقف نہیں ہوں، البتہ جو تھوڑا بہت تعارف ان مرحومین کا اس وقت حاصل ہو سکا اس سے اندازہ ہوا کہ مولانا ابراہیم صاحب کے بعد ان میں سے جن صاحب کا نقصان زیادہ محسوس کیا جائے گا وہ دارالعلوم (بولٹن) کے کل وقتی استاد مولانا یعقوب ڈیسائی تھے جو بڑے ذی استعداد اور صالح نوجوان عالم تھے اور حدیث کی بڑی کتابیں امسال پڑھا رہے تھے۔ ـــــــ اس لیے اس تذکرہ میں مولانا ابراہیم صاحب کے بعد جگہ انہی کو ملنی چاہیے تھی۔ مگر آپ عنوان میں نام ایک دوسرا (مولانا علی سمنی کا) دیکھ رہے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ فاران کے اس خاص نمبر کا فیصلہ ہونے کے بعد جب میں نے بولٹن کے باقی شہدا کے کچھ حالات زندگی جاننے کے لیے بولٹن، بلیک برن اور پرسٹن کا سفر کیا تو بلیک برن کے "مولانا علی ابراہیم سمنی" وہ صاحب نکلے جن کو میں علی بھائی ماسٹر کے نام سے جانتا تھا اور کئی بار مل چکا تھا، اس لیے مجھ کو یہی مناسب نظر آیا کہ ان کے تذکرہ کو مقدم کروں، کیونکہ ان کو کسی بھی درجہ میں سہی، ذاتی طور پر جانتا تھا۔

تو یہ علی بھائی ماسٹر نکلے، ایک نہ شُد دو شُد۔ اب تک جاننے والے کی حیثیت سے مولانا ابراہیم صاحب ہی کا صدمہ تھا، اب اس میں علی بھائی کا بھی اضافہ ہو گیا واللہ العظیم چہرے پر اللہ والوں کا نور اور آنکھوں میں سحر خیزی کے آثار صاف طور پر نظر آتے تھے۔ مولانا ابراہیم صاحب کے برعکس جسم توانا تھا، چہرہ بھرا ہوا بلکہ گول کہہ لیجیے، داڑھی بھی بھری ہوئی گول، بیشتر سیاہ بالوں میں کچھ سفید بھی، آنکھیں بڑی اور ان میں سحر خیزی کے آثار اور انکسار کی ملاوٹ سے ایک ایسی موہنی کہ جی چاہے دیکھتے رہیے۔ کم گوئی اور اسی کے ساتھ لگتا تھا کہ صبر و شکر کی دولت بھی پائی ہے، جب دیکھا انہی سب کیفیات کے ساتھ دیکھا، مگر یقین کیجیے کہ ان کے بارے میں یہ بات بھی علم میں ہوتا کہ وہ حافظ قرآن تھے اور اس سے شغف بھی تھا۔ اب یاد آئی ہے جب اس کا ذکر ان کے تذکرہ میں بار بار سامنے آیا، ورنہ کچھ خوش اوقاتی اور کچھ نیک نہادی کی برکت ان کی اس کیفیت کو سمجھتا آ رہا تھا۔

قرآن پاک کا حفظ اور اس سے شغف چہرے پر نور برسانے کے لیے کیا کم تھا کہ وہ تو اس کے

خادم اور معلم بھی نکلے۔ خدا معلوم کیوں سمجھتا تھا کہ وہ کسی فیکٹری میں کام کرتے ہیں۔ اب پتہ چلا کہ وہ تو جب سے یہاں آئے تھے، بلیک برن کی مسجد بلنچ اسٹریٹ کے امام و خطیب تھے اور بچوں کی دینیات اور قرآن کے معلم، یوں وہ باقاعدہ درس نظامی کے فارغ التحصیل بھی (جامعہ حسینیہ راندیر ضلع سورت سے) تھے، مگر ابتدا ہی سے شغل اور ذوق قرآن کی تعلیم (ناظرہ، حافظہ اور تجوید) کا رہا تھا۔ دو سال سے دارالعلوم بولٹن میں بھی کچھ وقت دے رہے تھے اور اسی راہ میں شہادت سے شاد کام ہو گئے۔

چہرے کی گواہی سے جو میں نے ذکر و شغل (یا خوش اوقاتی) کا اندازہ کیا تھا وہ غلط نہ نکلا دارالعلوم بولٹن سے جو ایک ورقہ یا (LEAFLET) ان شہداء کے مختصر تعارف میں نکلا تھا اس میں درج ہے کہ:

"حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ، سے بیعت ہو کر آخر تک معمولات کے نہایت پابند رہے، اور بہت ہی اونچے احوال کے مالک تھے ان کے مبشرات و منامات سن کر ان کی ترقی پر رشک آتا تھا۔"

نیز ان کے اہل محلہ اور اہل مسجد نے (بلیک برن کے سفر کے موقع پر) گواہی دی کہ:

"عموماً ظہر سے عشاء تک کا وقت مسجد میں گزارتے تھے، اور اس درمیان میں جو وقت خالی ملتا، اسے ذکر و تلاوت میں صرف کرتے، اوابین کے پابند اور اس میں طول قرأت کے عادی تھے۔"

ایک مقتدی نے اپنا تاثر اس طرح بیان کیا کہ:

"مولانا اگر مصلے پر اکیلے بھی ہوتے تو مسجد بھری ہوئی معلوم ہوا کرتی تھی۔ اور آج بھری ہو کر بھی خالی خالی لگتی ہے۔"

۴۰ سال کی عمر کل پائی، اہلیہ کے علاوہ پانچ بچے چھوڑ گئے ہیں، اللہ ان کا حافظ و نگہبان ہو۔

مولانا عمر آدم دہلوی

کبھی لیو نہیں کہ دیکھا ہو یا ملاقات ہوئی ہو ــــــ دارالعلوم کے مذکورہ بالا دورے

میں پڑھا کہ جامعہ اشرفیہ راندیر سے فارغ التحصیل تھے، وہیں سے حافظ بھی ہوئے، حفظ بھی بہت ہی اچھا تھا اور پڑھتے بھی نہایت خوش الحانی سے تھے۔ نو سال تک اپنے گاؤں ہی میں علمی اور دینی خدمات انجام دیتے رہے۔ ۶۲ء میں انگلینڈ آئے، اور بلیک برن سے قریب ہی گریٹ ہارووڈ نامی ایک بستی کو اپنی خدمات کے لیے منتخب کرلیا۔ کچھ دن سے دارالعلوم بولٹن کے درجہ حفظ میں بھی کچھ وقت دے رہے تھے۔

بلیک برن جاکر جو ان کے حالات پوچھے تو بس ایک ہی بات میں پورے سفر کی قیمت وصول ہوگئی، پتہ چلا کہ گریٹ ہارووڈ جہاں کی آمد و رفت (بذریعہ بس) کے لیے بھی کافی وقت دینا پڑتا اور دقت اٹھانی ہوتی وہاں کی مسجد میں امامت اور تعلیم کی خدمت صرف پانچ پونڈ ہفتہ پر شروع کی تھی۔

انگلینڈ کی سرزمین پر پانچ پونڈ فی ہفتہ کی خدمت جو بھی سُنے گا حیران رہ جائے گا، مگر مولانا عمر صاحب کا حال یہ رہا کہ انھیں پندرہ پندرہ پونڈ کے مواقع بھی بعد میں پیش ہوئے تو اپنی اس جگہ کو نہیں چھوڑا اور یوں نہیں چھوڑا کہ اس تنخواہ پر کوئی اور آجائے یہ بہت مشکل ہے اور بستی کے لوگوں کو مسجد مدرسہ سے کوئی لگاؤ نہیں کہ وہ زیادہ تنخواہ پر کسی اور کو لے آئیں، لہٰذا یہ پہلے کی طرح ویران ہوجائے گی۔ دینی لحاظ سے بالکل کورہ بستی تھی انھیں کوئی فکر نہ تھی کہ ان کے بچے قرآن شریف وغیرہ پڑھ لیں۔ مولانا مرحوم نے اپنی محنت اور قناعت پسندی سے مسجد آباد کی، مدرسہ شروع کیا اور جس وقت دُنیا سے رخصت ہوئے تو پورے ایک سو بچے مدرسے میں ان سے تعلیم پا رہے تھے اور مسجد مدرسہ کے لیے ایک دوسری زیادہ موزوں جگہ اپنی جدوجہد سے خرید وا چکے تھے۔

دل نے کہا کہ اس مسجد کو تو چل کے دیکھنا چاہیے جو ایسے مثالی ایثار اور اخلاص سے آباد ہوئی ہو۔ چند دوستوں کے ساتھ مغرب کے قریب وہاں پہونچے۔ یہ غالبًا اتوار ۲۸ دسمبر کا دن تھا۔ چار پانچ آدمی بستی کے بھی آگئے تھے۔ دسمبر کے آخری دن، سخت سردی کا موسم اور وہ بھی شمالی انگلینڈ کی سردی اور مسجد میں گرمی کا کوئی انتظام نہیں، یا اللہ! یہ خدا کا بندہ اس پر ہزار ہزار اللہ کی رحمتیں، کس مٹی کا بنا تھا کہ اس ٹھنڈی مسجد میں برسوں سے امامت بھی کر رہا تھا اور بچوں کو

پڑھا بھی رہا تھا۔ کم از کم سردی کے موسم میں تو ظہر سے لے کر عشا تک کا پورا وقت یہاں گزارتا ہوتا ہوگا، کیسے گزارتا ہوگا۔

یہ لوگ کہ جنھیں لوگ خاطر میں کبھی نہ لاتے ہوں گے اور ملت کے خدمت گذاروں میں بھلا کہاں ان کا نام کبھی آنے لگا۔ سچ پوچھیے تو یہی لوگ اساس ملت ہیں۔ انہی کی نیتوں کا خلوص انہی کی نفس کشی اور جفاکشی اور انہی کی قناعت و استقامت وہ زمین تیار کرتی ہے، جس پر نمایاں قسم کے کام کرنے والوں کو اپنی کارکردگی دکھانے اور خدا حفاظت نہ کرے تو اپنی دنیا بنانے کے مواقع میسر آتے ہیں۔ ایسے ہی سابقین اولین تھے جنھیں یاد کر کے ان کے بعد میں وہ جانے اور دنیوی لحاظ سے اچھا زمانہ دیکھنے والے ان کے ساتھی رویا کرتے تھے اور بعض وقت تو یہ حالت ہو جاتی کہ روزہ سے ہیں، افطار کا وقت ہو چکا ہے کھانا سامنے آچکا ہے مگر اسی کے ساتھ اس یاد نے آکر جو تڑپایا، تو اب کھانا نہیں کھایا جاتا ہے، کہ یونہی اٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا یہ مشہور واقعہ ہے کہ حضرت مصعب بن عمیر شہید احد کی یاد نے ایک دن ان کا یہی حال کیا تھا کہ انھوں نے اسلام کے لیے اس انداز سے جان دی تھی کہ اُس پر سو جانیں نثار مگر ان کے حصے میں دفن کے لیے پورا کفن بھی نہ آیا تھا۔ یہ مصعب بن عمیر اہل مدینہ کے معلم بھی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پیشتر اہل مدینہ کی درخواست پر انھیں قرآن کی تعلیم پر مدینے میں مامور فرما دیا تھا۔

بہرحال ایسے لوگ کسی زمانے میں بھی ہوں انہی سابقین سے نسبت رکھتے ہیں، اور ان کا حق ہے کہ انھیں گمنام اور غیر معروف جان کر نظر انداز نہ کیا جائے بلکہ ان کی خدمت اور جذبۂ خدمت کو نمایاں اور محفوظ کیا جائے کہ اسی سے اگلی نسلوں کو روشنی حرارت، جذبہ اور حوصلہ ملتا ہے۔

محلہ کے لوگوں نے جس انداز سے اپنے تاثرات مولانا مرحوم کے بارے میں نماز کے بعد بیان کیے وہ بلاشبہ ان کے خلوص، لگن اور محنت و اہلیت کی دلیل تھے ——— پانچ پونڈ تنخواہ کے علاوہ محلہ والوں نے مزید آمدنی مولانا کے لیے یہ طے کی تھی کہ بچوں سے جو فیس آئے وہ ان کی ہوگی۔ مگر انہی محلہ والوں کی شہادت تھی کہ مولانا میں فیس کا لالچ بالکل نہیں پایا۔ کوئی لاتا یا نہ لاتا مولانا کو پڑھانے سے کام تھا، اور یہی باتیں ان اہل محلہ کے دل میں مولانا کی محبت کا ایسا

بیج بو گئیں کہ ان شاء اللہ اب آخرت کی زندگی میں مولانا ہمیشہ ہمیش اس کے پھل کھائیں گے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

بھائی عبدالرشید

مولانا علی اور مولانا عمر جی اور بھائی عبدالرشید تینوں کی رہائش بلیک برن میں تھی۔ دفن بھی تینوں ساتھ ہی ساتھ ہوئے ہیں، اس لیے تذکرہ میں بھی اب فصل اچھا نہیں لگتا۔

ذاتی واقفیت ان سے بھی کچھ نہ تھی۔ اور اب بھی کوئی خاص بات ان کے بارے میں نہ ان کے گھر والوں سے معلوم ہو سکی، نہ دوسرے لوگوں سے ـــــ پہلے دوسرے لوگوں سے کوشش کی اور کام نہ چلا تو پھر ایک مستقل سفر میں ان کے گھر جا کر ان کی اہلیہ سے انٹرویو کیا۔ مگر اس طرح کی کوئی بات جس سے شخصیت کا جوہر سامنے آجائے، کہیں ہاتھ نہیں آسکی۔

بیوی ان کی انگلش ہیں، یہ خود پاکستان فیصل آباد سے تھے تعلیم یافتہ تھے مگر کتنے تھے اس کا پتہ نہیں چل سکا۔ اہلیہ کے بیان کے مطابق مزید تعلیم کے ہی حصول کے لیے انگلستان آئے تھے، مگر پھر کیا ہوا اس کے بارے میں بھی وہ کچھ نہ بتا سکیں۔ ویسے یہ یہاں ایک عام بات ہے۔ ہندستان و پاکستان سے کتنے ہی نوجوان پچھلے بیس پچیس سال میں پڑھنے کی نیت سے آئے اور پھر حصول رزق کی جدوجہد کا شکار ہو کر یونہی رہ گئے۔ انیس سال پہلے جب اُن کی عمر ۳۲ سال تھی، ان خاتون سے رشید صاحب نے شادی کی تھی۔ خود ان خاتون کی عمر اس وقت انیس سال تھی۔ ان سے پانچ بچے ۱۸ سے لے کر ۱۰ سال تک کی عمر کے انھوں نے چھوڑے ہیں۔ شادی ان خاتون کو مسلمان کر کے کی تھی، اور ان کا اسلامی نام مریم رکھا گیا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم ضروری درجہ کے اسلامی شعور سے وہ اس ابتدائی عمر میں بھی خالی نہ تھے، مگر گہرا دینی رنگ ادھر چند سال ہی سے آیا تھا۔ چند سال پہلے کی ایک تصویر ان کے گھر سامنے آئی تو اس سے کسی دیندارانہ رنگ کا اندازہ نہیں ہوتا۔ مگر اللہ کی توفیق سے اب ان میں ایسی دینی لگن اور ایسا دینی رجحان پیدا ہو گیا تھا کہ اپنے آپ کو بولٹن کے عربی اسلامی دارالعلوم کی نذر ہی کر دیا تھا۔ اپنے بچوں کو بھی اسی رنگ میں رنگ رہے تھے۔ ۱۰ سال کی چھوٹی بچی جمیلہ اور ۱۵ سال کا اس سے بڑا بچہ

یوسف، یہ دو اپنے گھر پر ہمارے سامنے آئے تو سیپارے اور قاعدے سے اپنا سبق بھی سُنایا، اور بہت صاف، اندازہ ہوا اور واقف کاروں نے بتایا بھی کہ انھیں بچوں کے سلسلے میں بہت ہی توجہ تھی، خدا کرے کہ ان کے بچے اسی رنگ میں پروان چڑھیں جس رنگ میں مرحوم انھیں دیکھنا چاہتے تھے۔ اس سلسلے میں بلیک برن کے مسلمانوں کی بڑی ذمہ داری ہے۔ خدا کرے کہ وہ اس میں کوتاہی نہ کریں۔

مولانا یعقوب صاحب

عمر ابھی چالیس کو بھی نہ پہونچی تھی، مگر واقفین ان کی علمی پختگی، علمی ذوق، علمی استعداد اور اسی کے ساتھ ساتھ متانت و شرافت اور صلاح و تقویٰ کے اس قدر قائل و مداح ہیں کہ لامحالہ ان کی موت کم از کم اس دارالعلوم کا بڑا خسارہ معلوم ہونے لگی، جس سے وہ ابھی ڈیڑھ دو سال پہلے وابستہ ہوئے تھے۔ اور جو ابھی نشو و نما کے ابتدائی دور ہی میں ہے۔

افسوس راقم سطور کو ان سے کوئی واقفیت نہ تھی، مگر حالات سن کر اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا اصل ذوق علم اور درس و تدریس تھا۔ مگر خدا طلبی کے ساتھ جو کہ ایک عالم دین کی واقعی شان ہے، ان کے بارے میں ایک بہت بڑی سند دارالعلوم ندوۃ العلماء کا وہ خط ہے جو مدرسہ فلاح دارین ترکیسر کے مہتمم مولانا عبد اللہ صاحب کی اس طلب کے جواب میں کہ ہمیں عربی ادب کے ایک اچھے استاذ کی ضرورت ہے، ان کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھا گیا تھا، حالانکہ وہ اس وقت ندوہ سے فراغت کر کے نکلے بھی نہ تھے۔

اللہ تعالیٰ ان سب شہداء کے ساتھ مغفرت و رحمت کا خاص معاملہ فرمائے اور پسماندگان کی سرپرستی۔

(بشکریہ فاران لندن)

۲۹
تجلیات ربانی
ترجمہ و تلخیص مکتوبات مجدد الف ثانیؒ
امت مسلمہ کے دینی کتابی ذخیرہ میں امام ربانی مجدد الف ثانیؒ
کے مکتوبات کا خاص مقام ہے۔ اس میں تجدید دین، ترویج شریعت، تعمیر باطن
احسانی تصوف کی دعوت و ترغیب اور امت کے عام و خاص طبقات ارباب حکومت اور
علماء و صوفیاء کے بگاڑ و فساد کی بھی اصلاح کا پورا سامان ہے۔
یہ مکتوبات فارسی اور عربی زبان میں تین ضخیم دفتروں میں ہیں۔ اللہ کی خاص
توفیق سے مولانا نسیم احمد فریدی نے زیادہ دقیق مضامین کو چھوڑ کے،
تینوں دفتروں کو اردو میں منتقل کیا ہے اور بہت بڑا کام یہ بھی کیا ہے کہ
مکتوب الیہم کے حالات بھی تاریخ کے ہزاروں صفحات سے تلاش کر کے
فٹ نوٹ میں لکھ دیے ہیں۔ مکتب خانہ الفرقان نے اس کو دو جلدوں میں شائع
کیا ہے۔ قیمت جلد اول -/15 جلد دوم -/13

۲۸
مولانا نسیم احمد فریدی امروہی کی دو دینی تصانیف
تذکرہ خواجہ باقی باللہ
مع خلفاء و صاحبزادگان
حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ ان کے دونوں صاحبزاد
عبداللہ و خواجہ عبیداللہ اور اکابر خلفاء تاج الاولیاء شیخ تاج
خواجہ الہ داد، خواجہ ابرار، شیخ حسام الدین کی سوانح حیات
امتیازات اور کارنامے سب پر مستقل مقالات ہیں — یہ کتاب
تصانیف کا مجموعہ ہے ـــ قیمت -/5
تذکرہ حضرت شاہ اسماعیل شہید
ہمارے اس برصغیر میں اللہ نے جن بندوں سے توحید و سن
واشاعت، گمراہوں کی اصلاح و ہدایت اور دین کی نصرت و حما
لیا ان میں حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کا خاص مقام ہے جنہو
حق میں اپنی جان تک قربان کر دی۔ یہ مختصر رسالہ ان کی سوا
ہے۔ قیمت 2/25

Regd. No. LW/NP-62

Monthly AL FURQAN 31, Naya Gaon West Lucknow (U. P.)

VOL. 49 NO. 11 NOVEMBER 1981 Phone : 45547

مدیر

محمد منظور نعمانی

ممالک غیر سے	ماہنامہ الفرقان لکھنؤ	چندہ سالانہ
بحری ڈاک سے ۳ پونڈ		ہندوستان میں ۲۰/-
ہوائی ڈاک سے ۷ پونڈ		پاکستان سے پاکستانی سکہ میں ۵۰/-
ایک شمارہ کی قیمت ہندوستان میں ۲/-		بنگلہ دیش سے ۲۲/-

جلد (۴۹) | بابت صفر المظفر ۱۴۰۲ھ مطابق دسمبر ۱۹۸۱ء | شمارہ (۱۲)

اگر اس دائرہ میں ◯ سُرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال کریں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا دوسری اطلاع مہینے کے آخر تک آ جانا چاہیے ورنہ اگلا پرچہ بصیغہ وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت کرتے وقت اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کریں جو پتہ کی چٹ پر لکھا ہوتا ہے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر مہینے کے آخر تک کسی صاحب کو پرچہ نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں اسکی اطلاع مہینے کی ۵ تاریخ تک آ جانا چاہیے اس کے بعد رسالہ کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

پاکستان کے خریدار حضرات
مبلغ ۲۰ روپے ہندوستانی سکہ میں کسی بھی ذریعہ سے دفتر الفرقان لکھنؤ کو روانہ فرمائیں یا پاکستانی سکہ میں ۵۰ روپے ناظم ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیج دیں۔

(مولانا) محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر و ایڈیٹر نے تنویر پریس میں چھپوا کر دفتر الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

محمد منظور نعمانی

ناظرین کرام منتظر ہوں گے کہ گزشتہ شمارہ میں دارالعلوم دیوبند کے قضیہ کے سلسلہ میں جو کچھ لکھا گیا تھا، اس کے بعد کے حوادث و واقعات اُن کو دسمبر کے اس شمارے سے معلوم ہو سکیں گے ـــــ لیکن دارالعلوم اور جماعت کی مصلحت ہی کے پیش نظر مناسب سمجھا گیا ہے کہ اس شمارے میں کچھ نہ لکھا جائے ـــــ بعض مخلصین کی طرف سے اصلاح حال کی کوششیں ہو رہی ہیں خدا کرے کہ وہ بارآور ہوں، اگرچہ حالات تو انتہائی درجہ میں مایوس کن ہیں اور بدقسمتی سے ایک فریق کی طرف سے معاملہ عدالت میں پہنچا دیا گیا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت و رحمت ہمارے خیال و قیاس سے بالاتر اور وسیع تر ہے۔ "هُوَ الَّذِي يُنَزِّلُ الْغَيْثَ مِنْ بَعْدِ مَا قَنَطُوا وَيَنْشُرُ رَحْمَتَهُ وَهُوَ الْوَلِيُّ الْحَمِيدُ ٥

البتہ خود اپنے بارہ میں اور الفرقان کے بارے میں چند باتیں عرض کرنی ہیں۔

یہ شمارہ الفرقان کی انچاسویں جلد کا آخری شمارہ ہے، آئندہ مہینے جنوری ۱۹۸۲ء کا شمارہ پچاسویں جلد کا پہلا شمارہ ہوگا (انشاء اللہ)۔ نصف صدی کی اس طویل مدت میں جو غلطیاں سرزد ہوئیں ـــــ اور یقیناً ہوئیں ـــــ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرما دے اور اخلاص و للہیت کی ہزار کمی کے باوجود دین کی خدمت، کتاب و سنت کی اشاعت اور اصلاح امت کا جو کام انجام پایا اس کو محض اپنے کرم سے قبول فرما لے۔ اللّٰھم انّ مغفرتک اوسع من ذنوبی و رحمتک ارجیٰ عندی من عملی۔

الفرقان ہی کے ذریعہ بار بار عرض کیا گیا ہے کہ یہ عاجز اپنی خرابیٔ صحت اور ناگزیر مصروفیات کی وجہ سے ایسے حال میں ہے کہ خط و کتابت صرف ضروری اور مختصر ہی کر سکتا ہے لہذا احباب و مخلصین بس ضرورت ہی سے خط لکھیں اور حتی الوسع مختصر لکھیں ـــــ لیکن افسوس سے عرض کرنا پڑتا ہے کہ بہت ہی کم حضرات ہیں جو میری معذوری کا لحاظ فرماتے ہوں۔ ـــــ خصوصاً گزشتہ دو تین مہینوں میں دارالعلوم دیوبند کے قضیہ سے متعلق خطوط کی گویا بارش ہوتی رہی جس کا سلسلہ برابر جاری ہے اور یہ خطوط اکثر کئی کئی صفحے کے ہوتے ہیں، اگرچہ ان میں زیادہ وہ ہوتے ہیں جن میں بس دعا اور تحسین اور اس عاجز کی شان میں قصیدہ خوانی ہوتی ہے۔ اور کچھ وہ بھی ہوتے ہیں جن میں میری اچھی طرح خبر لی جاتی ہے

افسوس ہے کہ ان پچاسوں خطوط میں (ایک دو مخلصوں کے خطوط کے سوا کسی میں) کوئی معقول بات نظر نہیں آئی۔ —— ان حضرات نے اپنا وقت ضائع فرمایا اور مجھے کوئی نفع نہیں پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق دے کہ وقت کی قدر کریں۔ وہی ہمارا راس المال اور اصل سرمایہ ہے —— آج پھر عرض کرتا ہوں کہ طویل اور غیر ضروری خط کتابت سے مجھے بالکل معذور سمجھا جائے —— اگر کسی معاملہ میں میری کوئی غلطی محسوس ہو تو سیدھے طریقہ پر اسکی نشاندہی فرمادی جائے اگر معلوم ہوگا کہ واقعۃً مجھ سے غلطی ہوئی ہے (جو یقیناً ممکن ہے) تو ان صاحب کے شکریہ کے ساتھ انشاء اللہ اس سے رجوع کرلیا جائے گا اور اس کا اعلان بھی کردیا جائے گا۔

۲۹-۳۰ نومبر کو مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب مدد گار مہتمم دارالعلوم دیوبند نے مجلس شوریٰ کا جلسہ طلب کیا تھا، میرے لیے سفر اگرچہ بہت مشکل اور تکلیف دہ ہے لیکن ضرورت محسوس کرتے ہوئے سفر کا ارادہ کر لیا تھا۔ اس سے پہلے بھی مجلس شوریٰ کے دو تین جلسوں کے موقع پر دیوبند سے ایسے خطوط آئے جن میں یا تو مخلصانہ اور خیرخواہانہ انداز میں مشورہ دیا جاتا تھا، یا تخویف و تہدید اور دھمکی کے طور پر لکھا گیا تھا کہ تم ہرگز اس موقع پر دیوبند نہ آئیو' یہاں کچھ لوگ تمہاری جان اور عزت و آبرو کے دشمن ہیں' انھوں نے تمہیں ختم کر دینے کا پورا پروگرام بنالیا ہے۔ ان میں سے اکثر خطوط پر لکھنے والے کا نام اور پتہ نہیں ہوتا تھا بعض پر ہوتا بھی تھا لیکن میرا خیال ہے کہ وہ فرضی ہوتا تھا —— معلوم ہوا تھا کہ اس طرح کے خطوط رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور بعض دوسرے ارکان شوریٰ کو بھی ملے تھے۔

اس طرح کے خطوط لکھنے اور لکھانے والے جو لوگ بھی ہوں اور جس نیت سے بھی لکھتے ہوں اُن کی اطلاع کے لیے کم از کم اپنے بارے میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ایک ضعیف اور کمزور بندہ ہونے کی حیثیت سے میں اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ امن و عافیت اور ہر بلا سے حفاظت ہی کی دعا کرتا ہوں —— لیکن اگر میرے لیے اس طرح کی مظلومانہ شہادت مقدر ہو تو میری بڑی خوش نصیبی ہوگی —— حقیقت یہ ہے کہ میں بہت ہی گنہگار بندہ ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اگر شہادت نصیب ہوئی تو وہ میرے لیے مغفرت کا وسیلہ بن جائے گی —— معلوم ہے کہ شہادت صرف وہی نہیں ہے جو جہاد کے میدان میں اہل کفر کی تلواروں یا گولیوں سے ہو' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد نبوی کی محراب میں شہید ہوئے' اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے مکان میں شہید ہوئے' اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نماز فجر کے لیے مسجد جاتے ہوئے شہادت سے سرفراز ہوئے —— بہرحال مظلومانہ شہادت اگر میرے لیے مقدر ہے تو میں خود اس کا طالب اور آرزومند ہوں' اور اب تو عمر بھی اسّی کے قریب پہنچنے والی ہے' شہادت سے بہتر کس انجام کی امید کر سکتا ہوں —— حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے الفاظ میں دعا کرتا ہوں اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ شَهَادَةً فِيْ سَبِيْلِكَ

جیسا کہ عرض کیا ۲۹-۳۰ نومبر کو مجلس شوریٰ کا اجلاس دیوبند میں ہونے والا تھا —— شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم کا قیام ان دنوں دہلی میں تھا اور شدید علالت کی وجہ سے ہسپتال میں داخل

تھے۔ اس عاجز نے سفر کا پروگرام یہ بنایا کہ ۲۶ر نومبر کی شب میں روانہ ہو کر ۲۷ر کی صبح نظام الدین (دہلی) پہنچا۔ اس دن اور اگلے دن بھی وہیں قیام رہا، پہلے دن حضرت شیخ کی زیارت و عیادت ہسپتال پہنچ کر کی، اگلے دن حضرت ہسپتال سے نظام الدین ہی میں مخلص مکرم حافظ کرامت اللہ صاحب کی کوٹھی پر تشریف لے آئے، اسی کے ایک کمرہ میں اس عاجز کا بھی قیام تھا، ۲۹ر نومبر اتوار کی صبح فجر کی نماز حضرت شیخ دامت برکاتہم کے ساتھ پڑھی ـــــ پہلی ملاقات میں بھی محسوس ہوا تھا اور اس ملاقات میں بھی محسوس کیا کہ اس دنیا کے اس وقت کے مسائل میں حضرت کو سب سے زیادہ فکر دارالعلوم دیوبند کے مسئلہ کی ہے ـــــ نماز فجر ادا کرنے کے کچھ دیر بعد نظام الدین ہی سے بذریعہ کار دیوبند کے لیے روانگی ہو گئی ـــــ قریباً ۱۱ بجے وہاں پہنچنا ہوا۔ جلدی ہی اجلاس کی کارروائی شروع ہو گئی، جو اس دن اور اگلے دن ۳۰ر نومبر دوشنبہ کو بھی سہ پہر تک جاری رہ کر اختتام کو پہنچی۔

میں نے واپسی کا پروگرام اس طرح طے کیا تھا کہ دیوبند سے بذریعہ کار اپنے قدیم وطن سنبھل جاؤں گا اور پھر وہاں سے لکھنؤ ـــــ دیوبند کے دونوں دن کے قیام میں میری طبیعت برابر ناساز رہی مجلس شوریٰ کی بعض نشستوں میں بھی شریک نہیں ہو سکا ـــــ اسی حال میں ۳۰ر نومبر دوشنبہ کو عصر کے وقت دیوبند سے روانگی ہوئی۔ طبیعت تیزی سے زیادہ خراب ہونی شروع ہوئی، مظفر نگر پہنچتے پہنچتے سخت لرزہ کے ساتھ بخار بہت تیز ہو گیا اور اندرونی کیفیت کچھ غیر معمولی سی ہو گئی، میرے ساتھ بطور رفیق سفر تین میرے عزیز بھی تھے، سڑک پر گاڑی روک کے ایک صاحب سے دریافت کیا کہ قریب میں کوئی مسلمان ڈاکٹر ہیں؟ انھوں نے بتلایا کہ یہاں بالکل قریب ہی ایک ڈاکٹر صاحب کا مطب ہے، انھی کی رہنمائی میں مطب پر پہنچے، اللہ تعالیٰ کا کرم یہ اپنے خاص عزیز مولانا فرید الوحیدی اور ڈاکٹر رشید الوحیدی کے چھوٹے بھائی ڈاکٹر سعید الوحیدی تھے (یعنی اسیر مالٹا مرحوم مولانا وحید احمد مدنی کے چھوٹے فرزند اور مولانا اسعد میاں کے بھتیجے) فوراً ہی انھوں نے اپنے مختصر سے مطب ہی میں بستر کرا کے مجھے لٹا دیا۔ بلڈ پریشر دیکھا تو خطرناک حد تک بڑھا ہوا تھا۔ دوا دی اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جلدی ہی افاقہ محسوس ہونے لگا ـــــ فیصلہ کیا گیا کہ آج کی رات یہیں قیام کیا جائے، صبح ان شاء اللہ طبیعت اس لائق ہو جائے گی کہ سفر کیا جا سکے ـــــ مظفر نگر کے قدیم مدرسہ مرادیہ کے حضرات بھی تشریف لے آئے تھے، انھوں نے طے فرمایا کہ قیام مدرسہ میں رہے گا، چنانچہ وہاں منتقل کر دیا گیا، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے ان حضرات نے میری راحت کا بڑا اہتمام فرمایا ـــــ واقعہ یہ ہے کہ ہم جیسوں کو جو راحت ان پرانے غریب مدرسوں میں ملتی ہے وہ اچھے اچھے ہوٹلوں میں نہیں ملتی ـــــ الحمد للہ طبیعت بہت تیزی سے اعتدال کی طرف آنے لگی۔ صبح آ کر ڈاکٹر صاحب نے دیکھا کہ بخار بھی نہیں تھا اور بلڈ پریشر تو جتنا ہونا چاہیے اس سے بھی کچھ کم ہی ہو گیا تھا، سوائے ضعف کے کوئی شکایت نہ تھی۔

قریباً ۸ بجے صبح وہاں سے روانگی ہوئی اور ایک بجے کے بعد سنبھل پہنچے ـــــ اس دن اور اگلے دن بھی قیام رہا۔

سنبھل اور اُس کی زیرِ تعمیر "مدینہ مسجد"

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے سنبھل اس عاجز کا قدیم آبائی وطن ہے میرا سارا خاندان اب بھی وہیں ہے۔ اب سے ۹-۱۰ مہینے پہلے دہلی اور علی گڑھ کے ایک سفر کے سلسلہ میں طویل مدت کے بعد میرا سنبھل جانا ہوا تھا۔ اور اس موقع پر وہاں ایک مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا جس کی وہاں شدید ضرورت تھی (غالباً) الفرقان کے مئی کے شمارے میں اس کا تذکرہ بھی کیا گیا تھا) اب جا کر دیکھا، معلوم ہوا کہ وہاں کے مقامی مسلمان تاجروں کا جو خاص کاروبار ہے چونکہ اس سال اُس میں سب کو بہت زیادہ خسارہ ہوا ہے اس لیے توقع کے مطابق سرمایہ فراہم نہیں ہو سکا جس کی وجہ سے مسجد کی تعمیر کا کام بہت ہی سست رفتاری سے چل رہا ہے، یہ دیکھ کر بہت ہی افسوس اور قلق ہوا ——— اللہ تعالیٰ اپنے صاحبِ خیر بندوں کو اس مسجد کی تعمیر کی طرف متوجہ فرمائے اور توفیق دے ——— یہ مسجد ان شاء اللہ ایک بہت بڑے مسلم آبادی والے علاقے میں اہلِ حق کی مرکزی مسجد ہوگی اور امید ہے کہ عبادت اور ذکر و تلاوت کے علاوہ دعوت و ہدایت کا بھی مرکز بنے گی[1] ——— وللہ الامر من قبل و من بعد

دو دن سنبھل قیام کے بعد ۳ دسمبر پنجشنبہ کو وہاں سے روانہ ہو کر اپنے مستقر لکھنؤ آ گیا ——— لیکن سفر اور علالت سے طبیعت اس قدر متاثر ہوئی کہ آج ۸ دسمبر دوشنبہ کو بمشکل "نگاہ اولیں" کے لیے اپنی اور اپنے سفر کی سرگذشت کسی طرح لکھ سکا ہوں۔

ناظرین کرام دعا فرمائیں کہ جب تک زندگی مقدر ہے اللہ تعالیٰ ایمان اور عافیت کے ساتھ رکھے، اپنی مرضی کے مطابق چلنے اور کام کرنے کی توفیق دے اور "ارذل عمر" کا وقت آنے سے پہلے ایمان کے ساتھ اٹھائے، اور اپنے رحم و کرم سے مغفرت فرما دے۔

---

[1] اگر کوئی باتوفیق بھائی اس سلسلہ میں کچھ بھیجنا چاہیں تو ڈرافٹ یا چیک میں صرف اتنا لکھیں:-
سکریٹری تعمیری مدینہ مسجد، سنبھل
پتہ یہ ہوگا:- متصل مدرسہ مدینۃ العلوم سنبھل ضلع مراد آباد - یو.پی

درس قرآن

محمد منظور نعمانی

سُورَةُ الزِّلزَال

حمد و صلوٰۃ کے بعد

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝

جب ہلا ڈالی جائے گی زمین اُس کے والے بھونچال سے۔ اور باہر نکال پھینکے گی وہ زمین اپنے بوجھ۔ اور آدمی کہے گا کہ اس کو کیا ہوا۔ اُس دن وہ زمین بیان کرے گی اپنی خبریں بہ سبب اس کے کہ تمہارے رب کا اُس کو یہی حکم ہوگا۔ اُس دن لوگ متفرق طور پر لوٹیں گے تاکہ ان کو دکھا دیے جائیں ان کے اعمال۔ پس جو شخص ذرہ برابر نیکی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جو کوئی ذرہ برابر بدی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔ (سورۂ زلزال)

(تفسیر و تشریح) قرآن مجید کی بہت سی سورتوں اور آیتوں میں قیامت کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ کسی درجہ میں اس کا کچھ منظر سامنے آجاتا ہے، بلکہ میں کہتا ہوں کہ قرآن پاک میں جہاں کہیں بھی قیامت کا ذکر کیا گیا وہاں صرف ایک اہم ایمانی عقیدہ کے طور پر اس طرح اس کا ذکر نہیں کیا گیا جس طرح ہماری عقائد کی کتابوں میں کیا جاتا ہے، بلکہ اُس کا ذکر اسی طرح فرمایا گیا ہے

کہ کسی حد تک اُس کا لرزہ خیز منظر تصور کی آنکھوں کے سامنے آجائے ___ اس سورۃ الزلزال میں بھی قیامت کا ذکر اسی طرح فرمایا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا ہے "اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا" مطلب یہ ہے کہ ذرا سوچو اُس وقت کیا حال ہوگا جب ساری زمین مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک اور نیچے سے اوپر تک ایک غیر معمولی قسم کے زلزلہ اور بھونچال سے ہلا ڈالی جائے گی، یعنی ایک ایسا بھونچال آئے گا جو ساری زمین کو زیر و زبر کر دے گا ___ زلزلے مقامی بھی ہوتے ہیں اور علاقائی بھی لیکن قیامت کا زلزلہ اور بھونچال پورے کرۂ ارض کا زلزلہ ہوگا اور ہماری اس پوری دنیا کو تہ و بالا کر دے گا ___ قرآن مجید ہی میں دوسری جگہ (سورۂ حج کے شروع میں) فرمایا گیا ہے "اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ" یعنی قیامت کا زلزلہ بہت ہی عظیم چیز ہے، آگے فرمایا گیا ہے کہ جب وہ برپا ہوگا تو اس کی ہیبت ناکی کا یہ عالم ہوگا کہ بچوں کو دودھ پلانے والی مائیں اپنے پیارے چہیتے بچوں کو بھول جائیں گی اور حمل والیوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور لوگ ہوش و حواس کھو بیٹھیں گے۔

اِس سورۂ زلزال کی اس پہلی آیت "اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا" میں لفظ زِلْزَالَهَا اُس زلزلہ کی شدت اور غیر معمولی پن کو ظاہر کر رہا ہے۔

یہ زلزلۂ قیامت اِس وجہ سے بھی انتہائی ہوش ربا ہوگا کہ بالکل اچانک آئے گا۔ پہلے سے کسی کو کوئی اطلاع نہ ہوگی، کوئی اندازہ نہ ہوگا۔ سورۂ اعراف میں فرمایا گیا ہے "لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً" (قیامت جب آئے گی تو بالکل اچانک اور بے خبری میں آئے گی)۔

آگے فرمایا گیا ہے "وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا" مطلب یہ ہے کہ اس زلزلۂ قیامت کا یہ بھی نتیجہ ہوگا کہ جو مُردے وغیرہ اس زمین میں دفن ہیں اُن سب کو زمین باہر نکال پھینکے گی۔ ذرا ہم تصور کریں اس ہیبت ناک منظر کا کہ قیامت کے بھونچال نے پورے کرۂ ارض کو زیر و زبر کر دیا ہے اور مُردے اور اُن کے علاوہ بھی جو کچھ زمین میں دفن تھا وہ سب باہر آگیا ہے کیسا لرزہ خیز اور دہشت ناک ہوگا وہ منظر! "وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا" (یعنی اس صورتحال کو دیکھ کر آدمی ہکا بکا رہ جائے گا اور کہے گا کہ اس زمین کو یہ کیا ہوا؟

آگے فرمایا گیا ہے "يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا" مطلب

یہ ہے کہ اُس دن یعنی قیامت کے دن زمین اپنی ساری خبریں بیان کرے گی اور اس وجہ سے بیان کرے گی کہ تمہارے خداوند ذوالجلال کا اُس کو یہی حکم ہوگا۔ یعنی قیامت کے دن زمین کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ جو اچھا یا برا عمل کسی نے تیری پشت پر کیا ہے وہ آج تو بیان کر اور اس کی شہادت دے! زمین اس حکم خداوندی کی تعمیل کرے گی اور بتلائے گی کہ مجھ پر فلاں بندے نے یہ اچھا یا برا عمل کیا تھا۔ فلاں بندے نے تیرے حضور میں کھڑے ہو کر نماز پڑھی تھی، تیرا ذکر کیا تھا۔ تیری کتاب پاک کی تلاوت کی تھی، گناہوں سے توبہ کی تھی، گناہوں کی معافی مانگی تھی، دعا کی تھی، تیرے فلاں بندے کے ساتھ احسان کیا تھا، کسی بھوکے کو کھانا کھلایا تھا، مسکینوں محتاجوں کی مدد کی تھی ــــ وغیرہ وغیرہ ــــ اسی طرح زمین بتلائے گی کہ فلاں بندے نے مجھ پر زنا کیا تھا، ناحق خون کیا تھا، جھوٹی گواہی دی تھی، ماں باپ کو ستایا تھا۔ وغیرہ وغیرہ ــــ الغرض قیامت کے دن اللہ کے حکم سے زمین اپنی ساری سرگزشت سنائے گی ــــ زمین کا بولنا بیان کرنا اور شہادت دینا پہلے سمجھ میں آنا مشکل تھا لیکن اب مشین پر ریکارڈ بولتا ہے اور ہم سب سنتے ہیں یہ بندوں کی ایجاد اور کاریگری ہے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسی طرح زمین بولے گی اور اپنی ساری سرگزشت اور کہانی سنائے گی ــــ سورۂ یٰسین میں فرمایا گیا ہے "اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝" اس کا حاصل یہ ہے کہ قیامت کے دن ہم بندوں کے منھ اور زبان پر مہر لگا دی جائے گی، ان کا بولنا بند کر دیا جائے گا اور ہمارے ہاتھ پاؤں ہمارے اعمال کی گواہی دیں گے ــــ اور ایک دوسری جگہ فرمایا گیا ہے "شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝" یعنی ہم بندوں کے کان، ہماری آنکھیں اور ہمارے پورے جسم کی کھال، گویا ہمارا بال بال اور رواں رواں شہادت دیگا اور بتائے گا کہ ہم نے دنیا کی زندگی میں کیا کیا عمل کیے تھے ــــ سوچنے کی بات ہے کہ اس وقت ہمارا کیا حال ہوگا جب خود ہمارے ہاتھ پاؤں ہمارے سارے اعضا اور ہمارے جسم کی کھال اور اس کا بال بال ہماری بداعمالیوں کی گواہی دے گا اور یہ زمین جس پر ہم نے یہ اعمال کیے ہیں وہ بھی گواہی دے گی ــــ ہاں امید ہے کہ جن گناہوں سے توبہ کر لی گئی ہوگی اور صدق دل سے

اللہ سے معافی مانگ لی گئی ہوگی، ان کو نہ ہمارے اعضا اس وقت بیان کریں گے اور نہ زمین بتلائے گی کیونکہ سچی توبہ و استغفار کی وجہ سے وہ کالعدم ہو چکے ہوں گے۔ حدیث شریف میں ہے "اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ" (گناہ سے توبہ کرنے والا بالکل اس بندہ کی طرح ہو جاتا ہے جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو) اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب بھائیوں کو بھی توبہ اور حقیقی استغفار نصیب فرمائے۔ اور قیامت کے دن کی رسوائی اور عذاب سے بچائے۔ (اَللّٰھُمَّ لَا تُخْزِنَا فَاِنَّکَ بِنَا عَالِمٌ وَلَا تُعَذِّبْنَا فَاِنَّکَ عَلَیْنَا قَادِرٌ!)

آگے ارشاد فرمایا گیا ہے "یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا لِّیُرَوْا اَعْمَالَھُمْ ۝ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ ۝

بظاہر ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن حساب کتاب سے فارغ ہو کر سب لوگ متفرق طور پر لوٹیں گے تاکہ وہ اپنے اعمال کو دیکھ لیں (بظاہر مطلب یہ ہے کہ اپنے اعمال کے نتائج و ثمرات کو دیکھ لیں) پھر یہ ہوگا کہ جس نے ذرہ برابر نیکی اور بھلائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لیگا۔

اس سورت کی پہلی آیت میں قیامت کے آغاز کا بیان تھا کہ وہ ایک انتہائی ہیبت ناک زلزلہ اور بھونچال ہوگا جو ساری زمین کو اور اس پوری دنیا کو زیر و زبر کر دے گا۔ اس کے بعد بعد کی آیتوں میں درمیان کے دو مرحلوں کا ذکر کیا گیا تھا ایک یہ کہ زمین میں جو مردے وغیرہ دفن ہیں وہ سب باہر آجائیں گے ـــــ اور دوسرا یہ کہ زمین اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی سرگزشت بیان کرے گی اور شہادت دے گی ـــــ اب ان آخری آیتوں میں قیامت کے اس آخری مرحلہ اور انجام کا بیان فرمایا گیا ہے کہ میدان حشر کے حساب کتاب سے فارغ ہو کر سب بندے مومن اور کافر، صالح اور فاجر، مخلص اور منافق وہاں آئیں گے جہاں اُن کے اعمال (یعنی اعمال کے نتائج) ان کو دکھائے جائیں گے، پھر ایسا ہوگا کہ جس نے ذرہ برابر بھی کوئی نیک عمل کیا ہوگا، وہ وہاں اُس کو دیکھ لے گا (یعنی اُس کا نتیجہ اجر و ثواب اور جنت کی نعمتوں کی شکل میں اُس کے سامنے آجائے گا) اور جس نے ذرہ برابر بھی کوئی برائی اور کوئی گناہ کا کام کیا ہوگا وہ اس کو دیکھ لے گا (یعنی اس کا نتیجہ عذاب کی شکل میں اس کے سامنے آجائے گا)، اگر ہم قرآن پاک کی صرف

اسی ایک سورت کو اور اس کے پیغام کو صحیح طور پر سمجھ لیں یا اس کی صرف اس آخری آیت ہی کو اس طرح سمجھ لیں جس طرح سمجھنے کا حق ہے اور اللہ تعالیٰ یقین نصیب فرمائے اور توفیق دے تو یہی ہماری پوری زندگی اور ہمارے ظاہر و باطن کی اصلاح کے لیے کافی ہے۔

حدیث کی کتابوں میں یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ کوئی صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت مجھے قرآن پڑھا دیجیے اور اس بارہ میں مجھے ہدایت فرما دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ قرآن پاک کی جو سورتیں الٓمٓر سے شروع ہوتی ہیں اُن میں سے بس تین سورتیں پڑھ لو! (یہ سورتیں گیارھویں، بارھویں اور تیرھویں پارے میں ہیں اور خاصی بڑی ہیں) اُن نو وارد نے عرض کیا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور مجھے زیادہ پڑھنا مشکل ہے۔ آپ نے فرمایا تو پھر حٰمٓ والی سورتوں میں سے تین سورتیں پڑھ لو، انھوں نے پھر وہی عرض کیا جو پہلے کہا تھا —— تو آپ نے فرمایا کہ اچھا "مُسَبِّحَات" میں سے (یعنی ان سورتوں میں سے جو سَبَّحَ یا یُسَبِّحُ کے لفظ سے شروع ہوتی ہیں) تین سورتیں پڑھ لو، انھوں نے پھر اپنی بات دہرائی کہ یہ میرے لیے مشکل ہے مجھے تو بس کوئی چھوٹی سی جامع سورت پڑھا دیجیے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو یہ سورۃ "اِذَا زُلْزِلَت" پڑھائی، وہ صاحب بہت خوش ہوئے اور کہا

والذی بعثک بالحق نبیًا	قسم اُس خدائے پاک کی جس نے آپ کو
لا ازید علیها ابدًا	نبی برحق بنا کر بھیجا ہے میں اب اس پر

کوئی اضافہ نہیں کروں گا۔ (بس یہی میرے لیے کافی ہے)

اور وہ صاحب یہ کہہ کے رخصت ہو گئے، جب وہ چلے گئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "افلح الرویجل، افلح الرویجل" (یعنی یہ مرد و کامیاب ہو گیا کامیاب ہو گیا مطلب یہ کہ اس نے نجات کی اور کامیابی کی کنجی حاصل کر لی)[1]

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک صاحب (مشہور عربی شاعر فرزدق کے چچا صعصعہ ابن [illegible]) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان کو اِس سورۃ

[1] [illegible] یہ حدیث ترمذی سے نقل کی ہے

کی صرف آخری آیت سنائی :-

"من یعمل مثقال ذرۃ خیراً یرہ ۔ جو کوئی ذرہ برابر کوئی نیکی کرے گا وہ
ومن یعمل مثقال ذرۃ شراً یرہ " اس کو دیکھ لے گا اور جو کوئی ذرہ برابر
کوئی برائی کرے گا وہ بھی اس کو دیکھ لیگا۔

حضور کی زبان مبارک سے صرف یہ ایک آیت سنکر یہ صاحب بولے حسبی لا ابالی ان لا اسمع غیر ھذا (بس یہی میرے لیے کافی ہے، اگر میں اس کے سوا کچھ نہ سنوں تو کوئی پروا نہیں[۱]) ــــــ واقعہ تو یہی ہے کہ اگر دل مردہ نہ ہو تو بس یہی آیت کافی ہے۔

اسی آیت سے متعلق ایک اور سبق آموز حدیث کا مضمون اپنے بعض صاحب علم بزرگوں سے سنا ہوا یاد ہے، کسی کتاب میں یہ حدیث دیکھنا یاد نہیں ــــــ اُن بزرگ نے کسی کتاب ہی میں یہ دیکھی ہو گی ــــــ حدیث کا مضمون یہ ہے کہ مدینہ منورہ سے باہر کے کوئی صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے۔ یہ غریب آدمی تھے۔ حضور کا دستور تھا کہ ایسے لوگوں کو جو اسلام قبول کرتے قرآن کی تعلیم اور دین کی ضروری باتیں سیکھنے کے لیے کسی خاص صحابی سے متعلق کر دیتے تھے کہ تم ان سے تعلیم حاصل کر لیا کرو۔ چنانچہ ان نو وارد کو آپ نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دیا۔ وہ چند روز تک آ کر تعلیم حاصل کرتے رہے ــــــ پھر اُن کی آمد و رفت کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب کئی دن ان کو مسجد میں بھی نہیں دیکھا تو حضرت علی سے دریافت کیا۔ انھوں نے بتایا کہ وہ چند روز تک میرے پاس آتے رہے، اب کئی روز سے نہیں آئے ہیں۔ حضور کو فکر ہوئی کہ بیچارے پردیسی ہیں، نہ معلوم کس حال میں ہیں۔ آپ نے حاضر مجلس صحابہ سے فرمایا کہ خیال رکھو اگر کہیں کسی کو مل جائیں یا ان کا پتہ معلوم ہو جائے تو ان کو یہ بات پہنچا دی جائے کہ ہمیں اُن کے بارے میں فکر ہے، ہم سے آ کر ملیں۔

کسی صاحب کو وہ مل گئے، انھوں نے حضور کا پیام ان کو پہنچا دیا، وہ فوراً حاضر خدمت ہوئے، آپ نے اُن سے حال پوچھا اور یہ بھی پوچھا کہ تم نے تعلیم کا سلسلہ کیوں منقطع کر دیا؟

---

[۱] یہ حدیث ابن کثیر نے مسند احمد کے حوالہ سے نقل کی ہے۔

—— انھوں نے عرض کیا کہ حضرت! میں نے اتنا پڑھ لیا جو میرے لیے کافی ہے ——
حضور نے فرمایا تم نے کیا پڑھ لیا؟ —— انھوں نے عرض کیا کہ میں نے یہ آیت بھی پڑھ لی " فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ " ——
—— اب میرا حال یہ ہے کہ جب کسی کام یا کسی بات کا ارادہ کرتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ قیامت میں اس کا کیا نتیجہ سامنے آئے گا۔ اگر اطمینان ہو جاتا ہے کہ اچھا نتیجہ سامنے آئے گا تو وہ کام اور بات کرتا ہوں ورنہ رک جاتا ہوں۔

افسوس ہے ہمارے قلوب مردہ ہیں ہم ان قرآنی آیات سے اور ان واقعات سے کوئی سبق نہیں لیتے —— کسی کو کیا کہوں خود میرا اپنا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت کچھ پڑھا ہے —— قرآن مجید پڑھا ہے، اس کا کچھ سمجھنا بھی نصیب ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے کچھ حفظ بھی ہے، حدیث شریف کے ہزاروں صفحات پڑھے ہیں اور پڑھائے ہیں اور ان کی شرح بھی لکھی ہے اور لکھتا ہوں —— لیکن اللہ کے اس گھر میں قسم کھا کے کہتا ہوں کہ ان بے پڑھے لکھے صحابیوں کو صرف ایک آیت سے فکر آخرت اور خشیت الٰہی کی جو دولت مل گئی تھی اس کا سوواں حصہ بھی نصیب نہیں۔ اصل چیز ان کی یہی آخرت کی فکر اور خشیت الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ بس اس کا کوئی ذرہ نصیب فرمائے تو خیریت اور کامیابی ہے —— اَللّٰهُمَّ اَعْطِنَا وَلَا تُحْرِمْنَا

تازہ حج کے چند مشاہدات و احساسات

عوام کے حلقہ میں دینی جدوجہد اور خواص کے حلقہ میں حقیقت دین کی تفہیم کی ضرورت

یہ وہ تقریر ہے جو مولانا سید ابوالحسن علی صاحب ندوی نے سفر حج سے واپسی پر ۱۹ ذی الحجہ ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۱ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں اساتذہ و طلبہ دارالعلوم اور تبلیغی جماعت کے بعض اہم و ممتاز حضرات کی موجودگی میں کی، تقریر ٹیپ کرلی گئی تھی، قلم بند ہونے اور مولانا کی نظر ثانی اور کسی قدر ترمیم و اضافہ کے بعد ناظرین کے سامنے پیش کی جا رہی ہے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد،

حضرات اساتذہ، طلبائے عزیز، و سامعین کرام! اس سال تقریباً چار سال کے بعد مجھے حج کی سعادت حاصل ہوئی، وہاں کی دعوتوں، اہم اجلاسوں، اور وسائل سفر کی موجودگی میں مختلف عوارض اور دینی مصروفیتوں اور ذمہ داریوں کی بنا، پر حج کی سعادت حاصل کرنے کی نوبت نہیں آتی تھی، اس سال مجھے حجاز مقدس میں ڈیڑھ مہینے حاضر رہنے کا موقعہ ملا، حج میں شرکت کی بھی سعادت حاصل ہوئی، اس اہم اور مبارک موقع پر جب عالم اسلام سمٹ کر سامنے آجاتا ہے، مسلمانوں کے ملی و دینی زندگی کے بعض ایسے پہلو سامنے آئے جن کی طرف ان سب لوگوں کو فوری توجہ کرنے کی ضرورت ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کا صحیح علم و فہم عطا فرمایا ہے، اور جو تبلیغ و دعوت اور اصلاح و تربیت کا فرض انجام دے سکتے ہیں۔

ہر زمانہ کی کچھ بیماریاں ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ جن لوگوں سے کام لیتا ہے، اور جو "نفوس زکیہ"

کہلاتے ہیں، ان کے اندر اللہ تعالیٰ ان بیماریوں کے دور کرنے، یا اس فساد کا مقابلہ کرنے کا ایسا قوی داعیہ پیدا کر دیتا ہے جس کو وہ دبا نہیں سکتے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ جن لوگوں نے میری کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" کا سلسلہ پڑھا ہے یا تاریخ اسلام میں اصلاحی و تجدیدی تحریکوں پر ان کی وسیع وغائر نظر ہے، ان کو اندازہ ہوگا کہ کسی زمانہ کا فتنہ شرک جلی تھا، کسی زمانہ کا بدعات، جاہلی رسوم، غیر قوموں کے عادات و رسوم کی تقلید اور ان کے شعائر کا اختیار کرنا، کسی زمانہ کا فتنہ وحدۃ الوجود کا غالی فلسفہ تھا، کسی زمانہ کا فتنہ "وحدت ادیان" کی گمراہ کن دعوت، کسی زمانہ کا فتنہ فلسفۂ یونان، اور عقلیت سے حد سے بڑھی ہوئی مرعوبیت، اور اس کو معصوم عن الخطا سمجھنے کی حد تک پہونچی ہوئی عقیدت و فریفتگی، کسی زمانہ کا فتنہ باطنیت اور اسرار فروشی، مغز و پوست کی تقسیم، اور شریعت و فرائض و احکام کی تحقیر، اور ان کا استخفاف، یہ سب اپنی جگہ پر اپنے وقت کے سنگین ترین فتنے تھے، اور بدقسمتی سے ان کے سائے عالم اسلام کے فکر و عمل پر اب بھی کہیں کہیں موجود ہیں، بعض تو پورے طور پر موجود ہیں، جیسے شرک جلی جس کے کھلے ہوئے مظاہر اب بھی بہت سی مسلمان آبادیوں میں نظر آتے ہیں۔ بدعات کی اب بھی بہت سے اسلامی معاشروں میں گرم بازاری ہے، وحدت ادیان اور بعض ملحدانہ خیالات، ملحدانہ فلسفے، اور ملحدانہ عقائد کے اثرات بھی موجود ہیں اور وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہیں، عالم اسلام کے علمی و فکری مراکز، اور امت کے نباضوں کو ان سے چوکنا رہنا چاہیے، اور حضرت عمرو بن العاص فاتح مصر کی اس وصیت پر عمل پیرا رہنا چاہیے، جو انھوں نے مصر کے مسلمانوں کو کی تھی، کہ تم ہمیشہ اپنے کو محاذ جنگ پر سمجھو اور یہ سمجھتے رہو کہ تم سرحد کی حفاظت پر مامور ہو "انتم فی رباط دائم"۔

عالم اسلام کا اگر حقیقت پسندانہ، عمومی اور عالمگیر جائزہ لینا ہو، تو حج سے بہتر موقع نہیں اگر کسی کو ان تبدیلیوں کو معلوم کرنا ہو، جو عالم اسلام کی عملی، فکری، اور اعتقادی سطح پر رونما ہوئی اور ان کمزوریوں سے واقف ہونا ہو، جن کے بہت سے اسلامی ممالک، اور مسلم معاشرے شکار ہوئے، تو حج کے موقعہ پر چلا جانا چاہیے، بشرطیکہ جانے والوں کی آنکھیں بھی کھلی ہوں، کان بھی کھلے ہوں، اور دماغ کے دروازے بھی بند نہ ہوں۔ ایک جگہ وہ سب کچھ پڑھ سکتا ہے، اور یہ دیکھ سکتا ہے، کہ عالم اسلام کن چیزوں میں ترقی کر رہا ہے، اور کس چیز میں تنزل ہو رہا ہے، کس

تناسب سے ترقی ہو رہی ہے اور کس تناسب سے کمزوری یا بیماری بڑھ رہی ہے، عالم اسلام میں اس وقت جس جس طرح کی کمزوریاں نفوذ کر چکی ہیں، ہر طرح کی بے ترتیبی کا عکس وہاں پر نظر آئیگا۔ بے شعوری، بدسلیقگی، بات کا نہ ماننا، نظام پر نہ چلنا، وحدت کی کمی، اجتماعیت کی کمی، دین کی بنیادی باتوں (مبادی) سے ناواقفیت، دین سے دوری، یہ ساری چیزیں آپ کو وہاں ملیں گی اس کی ایک معمولی مثال ہے کہ میں نے مغرب کی نماز سے عشاء کی نماز تک (جس میں عام طور پر لوگ حرم شریف، مسجد نبوی میں حاضر رہنا پسند کرتے ہیں) حرم شریف میں خانۂ کعبہ کے بالکل نزدیک، مطاف سے قریب، لوگوں کو مسلسل دنیاوی باتیں اس طرح کرتے سنا، جیسے کوئی ٹیپ ریکارڈ ہو۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی گاؤں کی چوپال میں بیٹھے ہوئے حقہ پیتے ہوئے چند احباب باتیں کر رہے ہیں[1]۔ جیسے اس کا شعور ہی نہیں کہ ہم کہاں آئے ہیں؟ کن ارمانوں اور دعاؤں سے آئے ہیں؟ کہاں بیٹھے ہیں؟ اور یہ حاضری دوبارہ نصیب ہوگی یا نہیں، خیال آتا تھا کہ اب حج وہی شخص کرے گا جس کو اللہ تعالیٰ نے جذبہ کے ساتھ ذوق بھی دیا ہے، لیکن تجربہ اور مشاہدہ اس کے خلاف ہوا۔ کئی مرتبہ زبان پر آتے آتے رہ گیا کہ حاجی صاحب! کچھ تو شرم کیجیے، اللہ کا فضل ہے کہ آپ بیت اللہ شریف سے قریب ہیں، چند گز ہی کا فاصلہ ہے، کبھی کبھی تو طواف کا دائرہ وسیع ہوتے ہوتے ہم لوگوں کے ایسا قریب آجاتا تھا کہ ہم کو پیچھے ہٹ کر بیٹھنا پڑتا تھا، میں نے دیکھا کہ سانس لیے بغیر دنیا کی باتیں ہو رہی ہیں۔ ہم کس جہاز سے آئے؟ تم کس جہاز سے جاؤ گے؟ تمہارے گاؤں میں فلاں صاحب .... تم نے کیا خریدا؟ ہم نے کیا خریدا؟ تمہارا معلم کیسا ہے؟ ہمارا معلم کیسا ہے؟ مکان کیسا ملا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ پھر کہتے کہتے رک جاتا کہ معلوم نہیں کیا جواب ملے گا، کہیں زبان سے کوئی ایسا کلمہ نہ کہہ دیں کہ اور گنہگار رہوں، حکومت نے اپنی طرف سے انتظامات میں کوئی کمی نہیں کی۔ ایک راستہ آنے کا ایک راستہ جانے کا مقرر ہے، اور وہ وسیع اور کشادہ ہے، لیکن بے نظمی، بے ضابطگی،

---

[1] افسوس ہے کہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہندوستانی یا پاکستانی حجاج میں زیادہ ہوا، انڈونیشی اور عرب اور خصوصیت کے ساتھ ترک حجاج اس سے عام طور پر محفوظ اور حرمین شریفین کے ادب و احترام میں ممتاز نظر آئے۔

مسلمانوں کی بے حرمتی، خود غرضی، اور نفسانیت کا کیا علاج ہے؟ رمی جمرات میں کتنے آدمی کتنی عورتیں اور بوڑھے کچل کر جاں بحق ہوئے، نظافت کبھی اسلام کا شعار تھا، دنیا جانتی تھی کہ مسلمان صاف ستھرا رہتا ہے، نجاست سے دور ہوتا ہے، اور اس سے ... گھن کراہت ہوتی ہے، ان سب چیزوں میں برابر تنزل کا مشاہدہ ہو رہا ہے، اور معلوم نہیں بات کس حد تک پہونچ گئی ہے؟

یہ معاملہ تو حرم شریف کے ادب و احترام، اور وہاں کی حاضری کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا جو فضل و انعام ہوا ہے، اس کی قدر اور اس سے فائدہ اٹھانے کا ہے، اور اس میں کوتاہی اور غفلت بیشک افسوسناک بات اور تعجب خیز امر ہے۔ مگر اس سے زیادہ افسوسناک اور حیرت انگیز معاملہ فرائض و ارکان کا ہے، تقریباً ہر حج کے موقع پر (اور اس حج کے موقع پر بھی دیکھا) کہ نویں ذی الحجہ کو منیٰ سے عرفات روانگی کے موقع پر (جو علی الصباح ہوتی ہے) صبح صادق ہونے کا انتظار کیے بغیر فجر کی نماز کا وقت ہونے سے ایک گھنٹہ اور بعض اوقات اس سے بھی قبل فجر کی نماز وہ بھی جماعت کے ساتھ پڑھ کر مختلف ممالک کے حجاج عرفات کو روانہ ہو گئے، تاکہ سہولت کے ساتھ پہونچ سکیں، کتنا ہی سمجھایا گیا کہ ابھی فجر کا وقت نہیں ہوا، نماز نہیں ہوگی، مگر کون مانتا ہے، حکومت کی طرف سے انتظام ہے، کہ طلوع صبح صادق کا اعلان توپ کے ذریعہ ہوتا ہے مگر کسی کو پروا نہیں، ایک مرتبہ خصوصی مہمانوں کے لیے حکومت کی طرف سے منیٰ میں ایک ڈیرہ لگایا گیا تھا، میں بھی اپنے رفقا کے ساتھ وہاں تھا، صبح صادق ابھی نہیں ہوئی تھی، اور اس میں خاصہ وقفہ تھا، کہ حجاج نے اپنی اپنی جماعتوں کے ساتھ نماز پڑھنی شروع کر دی، ایک عرب عالم کو اس پر بڑا غصہ آیا، مجھ سے کہا کہ میں عربی میں اعلان کرتا ہوں کہ ابھی صبح نہیں ہوئی، نماز فجر ادا نہیں ہوئی، تم اردو، انگریزی وغیرہ میں اعلان کرو، اعلان کیا گیا مگر کسی نے سماعت نہیں کی، اور نماز پڑھ کر روانہ ہو گئے، یہی حال مزدلفہ سے منیٰ کی روانگی کے موقع پر ہوتا ہے، اس مرتبہ پھر یہ منظر دیکھنے میں آیا کہ صبح صادق سے گھنٹے گھنٹے بھر پیشتر مختلف ملکوں کے لوگ نماز فجر (وہ بھی جماعت کے ساتھ) پڑھ کر منیٰ کی طرف چل پڑے، کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک رکن ادا کرنے آئے (جس میں سنن اور مستحبات تک کی رعایت کرنی چاہیے) اور اسلام کے

رکن اعظم نماز کو اس طرح ضائع کیا، کہ نیکی برباد، گناہ لازم،

دوسرا پہلو جو حج کے سلسلہ میں شدت کے ساتھ محتاج توجہ ہے، اور اس سلسلہ میں ایک عالمگیر کوشش، اور جد وجہد کرنے اور ایک مستقل مہم چلانے کی ضرورت ہے، وہ نفلی حج ہی نہیں، مختلف اغراض ومقاصد سے حج کرنے والوں کی کثرت ہے، جس نے فرض حج کرنے والوں، اور حکومت دونوں کے لیے سخت دشواریاں اور ناقابل عبور مشکلات پیدا کر دی ہیں، اور حج کے تقدس اور حرمت ہی کو نہیں اس کی نیک نامی اور شہرت کو بھی سخت نقصان پہونچایا، بلکہ اسلام کی شہرت وعزت کو داغ لگایا، اور اس کو خویش واغیار کی نگاہ میں سخت بے وقعت اور مشکوک بنا دیا ہے، ان دنیاوی اغراض کے علاوہ (جن کے متعلق کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں) نفلی حج کا معاملہ بھی قابل نظر ثانی، اور علماء اور اہل شعور کے لیے قابل غور اور قابل توجہ بن گیا ہے، وسائل سفر کی کثرت، دولت کی بہتات، سعودی عرب میں معیشت وحصول دولت کے ذرائع ومواقع کی فراوانی نے مسئلہ کو اور پیچیدہ بنا دیا ہے۔

امام غزالیؒ نے اپنی زندہ جاوید اور شہرۂ آفاق کتاب "احیاء علوم الدین" میں اس نفلی اور دنیاوی مقاصد کے بار بار حج کرنے کے رجحان پر (جو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانہ میں پیدا ہو گیا تھا) بڑی حقیقت پسندانہ اور فقیہانہ تنقید کی ہے، اور اس سلسلہ میں فقیہ امت، صحابی جلیل، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک حکیمانہ قول نقل کیا ہے، جس کو پڑھ کر یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے اس زمانہ کو دیکھ کر فرما رہے ہیں، امام غزالیؒ لکھتے ہیں

> "ان دولت مندوں میں بہت سے لوگوں کو حج پر روپیہ صرف کرنے کا بڑا شوق ہوتا ہے، وہ بار بار حج کرتے ہیں، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو بھوکا چھوڑ دیتے ہیں، اور حج کرنے چلے جاتے ہیں، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے صحیح فرمایا ہے کہ اخیر زمانہ میں بلا ضرورت حج کرنے والوں کی کثرت ہوگی، سفر اُن کو بہت آسان معلوم ہوگا، روپیہ کی ان کے پاس کمی نہ ہوگی، وہ حج سے محروم وتہی دست واپس آئیں گے، وہ خود ریگستانوں اور چٹیل میدانوں کے درمیان سفر کرتے ہوں گے، اور ان کا ہمسایہ ان کے پہلو میں گرفتار بلا ہوگا، اس کے ساتھ کوئی سلوک، اور غم خواری نہیں کریں گے"۔

یہ ایک بڑی داستان ہے، بعض لوگوں نے بتایا کہ ایک غیر عرب مسلم ملک کے اخباروں میں چھپا ہے، کہ آج سونے کا نرخ یہ ہے، اور حاجیوں کے پہلے جہاز کے آنے کے بعد یہ نرخ ہو جائے گا، کسی کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ حج پر ڈاکہ ڈالا جا رہا ہے، اور حج کی مٹی پلید کی جا رہی ہے، اس سے بھی گر کر بعض غیر اخلاقی مقاصد و منافع کے لیے (جن کا نام بھی زبان پر لانا اچھا نہیں معلوم ہوتا) مستقل ایجنسیاں قائم ہیں، یہ ایک خاص موضوع ہے، اور اس پر ایک خاص نظام کے ساتھ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی عوام میں دین کا کام کرنے، ان کی دینی و ذہنی تربیت کی کس قدر ضرورت ہے، یہ بھی یاد رہے کہ عوام میں دین کا رہنا اسلام کی بقا و حفاظت کے لیے آہنی حصار کا کام دیتا ہے، اگر عوام میں دینی شعور، دینی حمیت، اور دین سے محبت ختم ہو گئی، تو خواص کو (جن کے بڑے طبقے نے اپنی قسمت و قیمت اقتدار و حکومت کی کرسی سے وابستہ سمجھ رکھی ہے) کسی چیز کا خطرہ باقی نہیں رہے گا، اور وہ کھل کھیلیں گے، سلطانی جمہور کے اس دور میں ان کو خوف خدا نہیں، خوف عوام (جو خدا کے فضل سے ابھی اسلام سے وابستہ ہیں) اسلام کے خلاف کھلی محاذ آرائی، اور اعتقادی ارتداد کی دعوت دینے سے روکے ہوئے ہے، جس دن یہ حصار ٹوٹا، اس دن یہ سیلاب سب کو بہالے جائے گا۔

جہاں تک خواص اور تعلیم یافتہ طبقے، بلکہ اہل فکر و اہل قلم کا تعلق ہے، اس کا سب سے بڑا ابتلا جس کی طرف بہت کم لوگوں کی نظر جاتی ہے، (اور افسوس ہے کہ اہل نظر کی نظر بھی) وہ دین کو مادی طریقہ سے سمجھنے اور سمجھانے کا انداز، اس کے مادی مقاصد اور فوائد پر زور اور دین کو جدید سیاسی نظاموں کی اصطلاحات میں پیش کرنے کا رجحان ہے، یہ ایک ایسی نازک چیز ہے کہ بہت کم لوگوں کو اس کا ضرر محسوس ہوتا ہے، عام طور سے کہا جاتا ہے کہ اگر کسی کے دل میں دین کی عظمت اسی راستہ سے بٹھادی جائے تو اس میں کیا خرابی ہے؟ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر کوئی حکیم، ان سے بڑھ کر اپنے زمانہ کی نفسیات کا سمجھنے والا، پھر اسی کے ساتھ اشاعت دین کا کوئی حریص نہیں ہو سکتا، قرآن مجید کی کتنی آیتیں ہیں جن میں ان کی اس فکر مندی، لوگوں کی ہدایت کی حرص، اور ان کی موجودہ حالت پر، ان کی

دردمندی اور دل سوزی کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔ سورۂ شعراء میں فرمایا گیا:۔

لعلك باخع نفسك الا يكونوا مؤمنين[۱]	(اے پیغمبر) شاید تم اس (رنج) سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے تئیں ہلاک کر دو گے۔

سورۂ فاطر میں آتا ہے:۔

فلا تذهب نفسك عليهم حسرات ان الله عليم بما يصنعون[۲]	آپ ان پر افسوس کھا کھا کر ہلاک نہ ہو جائیں اللہ خوب جانتا ہے جو وہ کر رہے ہیں،

سورہ توبہ میں فرماتا ہے:۔

لقد جاءكم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمؤمنين رؤف رحيم[۳]	(لوگو) تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں، تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے خواہش مند ہیں، اور

مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔

ایک طرف تو ان کو یہ فکر اور حرص ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان کی دعوت قبول کر کے جہنم سے نجات پائیں اور جنت کے مستحق بنیں، دوسری طرف ان کی وہ حکمت و بلاغت ہوتی ہے جس کی نظیر کسی طبقہ میں نہیں مل سکتی، اس کے باوجود انھوں نے اپنے مخاطبین کو کبھی کوئی ذہنی رشوت نہیں دی، انبیاء نہ اپنی دعوت کو بدلتے ہیں، نہ دعوت کی زبان، اور دعوت کی تفہیم کے طریقے کو بدلتے ہیں، یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الفاظ تک کا خیال کیا ہے، جس کا نام جاہلیت میں "العروبة" تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے استعمال سے منع فرمایا کہ اس میں جاہلیت کی بو آتی ہے،

اسلام کو ایک نظام اور تحریک کے طور پر پیش کرنے، اس کے سیاسی، تنظیمی، تمدنی، فوائد بیان کرنے میں انہماک اور اسی پہلو پر زور دینے کے اسباب میں ان سیاسی حالات، نام نہاد مسلم حکومتوں کے رویّے اور ان کی ہر ایسی چیز سے وحشت اور خوف کو بھی دخل ہے جس میں سیاست کی بو بھی آتی ہے، اور جس سے کسی متوازی تنظیم یا قیادت کے ابھرنے کا وہم پیدا ہوتا ہے، اس کا دوسرا باعث ان مسلمان اہل قلم کی تحریریں اور ان کی اسلام کی ترجمانی بھی ہے، جو

---

[۱] شعراء، آیت ۳ [۲] سورہ فاطر، آیت ۸ [۳] سورہ توبہ، آیت ۱۲۸

مغربی فلسفوں، سیاسیات، نظاموں کے مطالعہ، اور وہاں کے تمدن و معاشرہ کی ناکامی کے مشاہدے اور تجربہ کی راہ سے اسلام کے مطالعہ، اور ایمان و اعتقاد کی منزل تک پہونچے، اور اس کی حقیقت نے ان کو اسلام کی صداقت اور عظمت کا قائل اور گرویدہ بنا یا، عالم عربی میں خاص طور پر یہ بات کمزوری کی حد تک پہونچی ہوئی ہے، ان ملکوں کی صورت حال نے خواص اور دینی جماعتوں کے قائدین میں دین کی سیاسی تفہیم کا عمومی رجحان پیدا کر دیا ہے، وہ سمجھنے لگے ہیں کہ اس کے بغیر ہم نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو دین کی طرف متوجہ نہیں کر سکتے، اس کی عملی قدر و قیمت کا احساس نہیں کرا سکتے، اور ان میں نیا جذبہ اور حرکت نہیں پیدا کر سکتے، اس وقت وہاں ایک ایسی غیر اختیاری صورت پیدا ہو گئی ہے، جو دین کی اصل روح کے لیے ایک ابتلا ہے۔ "فتنہ" کی خاصیت یہ ہے کہ وہ فتنہ نہ معلوم ہو، اس وقت کا فتنہ یہ ہے کہ بڑے سے بڑے عالم، بڑے سے بڑے مسلمان دانشور، اور بڑے سے بڑے مخلص دین کو اس انداز میں پیش کر رہے ہیں، جس انداز میں انبیاء علیہم السلام نے پیش نہیں کیا۔

اس کی ایک مثال اور نمونہ حج ہے، بہت سے مسلمان اہل قلم اور دین کے داعی اور ترجمان کہنے لگے ہیں کہ حج ایک عالمی بین الاقوامی موتمر اسلامی (انٹرنیشنل اسلامی کانفرنس) ہے جس کا مقصد ملت کے مسائل پر تبادلۂ خیال اور غور و فکر، اور ان کے حل کے وسائل تلاش کرنا ہے، میں سالہا سال سے دیکھ رہا ہوں کہ اس طرح بے محابا حج کو پیش کیا جاتا ہے، جب میں نے چار یا پانچ سال پہلے مسجد نمرہ میں عرفات کے خطبہ میں محترم خطیب صاحب کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حج ایک "مؤتمر اسلامی" ہے، تو مجھے اندازہ ہوا کہ بات کہاں سے کہاں تک پہونچ چکی ہے، اور اب مسلمان دانشوروں اور حج پر لکھنے والوں کا یہ عام ذہن بن چکا ہے، میرا اس سال منیٰ میں رابطۂ عالم اسلامی کی عمارت میں قیام تھا، جہاں رابطہ کے ارکان اور مختلف ممالک کے ممتاز ترین علماء اور حکومت کے بہت سے معزز مہمان ٹھہرے ہوئے تھے مختلف ممالک کے حج کے وفود، اور امریکہ کے نو مسلم بلالی مسلمان بھی خاصی تعداد میں تھے، وہاں حج کے فوائد اور مناسک پر متعدد تقریریں ہوئیں مگر کسی نے کوئی تقریر اس موضوع پر نہیں کی کہ حج کی روح کیا ہے، اور اس کے اسرار و مقاصد اصلی کیا ہیں؟ آخر میں مجھ سے فرمائش کی گئی کہ

میں ان بلالی مسلمانوں کے سامنے حج کے موضوع پر تقریر کروں وہ سب مشتاق ہیں، میں نے کہا میں عربی میں تقریر کروں گا اس موقع پر رابطہ کے ارکان اور عالم اسلام کے جیدہ علما، اور معزز مہمان سب تشریف رکھتے ہوں تو بہتر ہے، اسی پر عمل ہوا، رابطہ کے سکریٹری جنرل (الأمین العالم) معالی الشیخ محمد علی الحرکان بھی جو خود بھی جلیل القدر عالم اور محدث ہیں، اور اپنے اس عہدہ سے پہلے مملکت سعودیہ کے وزیر العدل (وزیر قانون) رہ چکے ہیں، اور میرے پرانے دوست ہیں تشریف رکھتے تھے، اقوام متحدہ (نیویارک) میں رابطہ کے آفس کے شعبۂ دعوت کے انچارج عزیزی مولوی مزمل حسین صدیقی ندوی نے اس کا ترجمہ انگریزی میں کیا، جو امریکہ میں بھی میری تقریر کا ترجمہ کر چکے ہیں، میں نے ارادہ کرلیا کہ اس مرتبہ دل دل کھول کر حج کی حقیقت اور روح پر تقریر کروں گا۔

میں نے کہا کہ حضرات! اسلام کے چار عملی رکن ہیں، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، ان میں سے ہر ایک کا ایک محور ہے، جس کے گرد وہ گھومتا ہے، نماز کا محور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وأقم الصلوٰۃ لذکری[۱]	اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔

دوسری آیت

وقوموا للہ قانتین[۲]	اور خدا کے آگے ادب سے کھڑے رہا کرو۔

نیز ارشاد ہے:-

قد أفلح المؤمنون الذی ہم فی صلواتہم خاشعون[۳]	بیشک ایمان والے کامیاب ہو گئے، جو اپنی نماز میں عجز و نیاز کرتے ہیں۔

یہ ہے نماز کا محور، نماز کی اصل روح، اللہ کی یاد، ادب، خشوع و خضوع اور قیام و سکوت ہے۔

زکوٰۃ کے متعلق ارشاد ہے:-

خذ من أموالہم صدقۃ تطہرہم	ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کرلو، کہ اس سے

---

[۱] طٰہٰ، آیت ۱۴ [۲] البقرہ آیت ۲۳۸۔ یہ آیت نماز کے ذکر کے سیاق میں ہے مکمل آیت یہ ہے حافظوا علی الصلوٰت والصلوٰۃ الوسطیٰ وقوموا للہ قانتین ہ [۳] سورہ مومنون آیت ۱-۲

وتزکیھم بھا وصل علیھم ان صلوٰتک سکن لھم واللہ سمیع علیم ؏ | تم ان کو (ظاہر میں) پاک، اور (باطن میں) پاکیزہ کرتے ہو، اور ان کے حق میں دعائے

خیر کرو، کہ تمھاری دعا ان کے لیے موجب تسکین ہے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔

دوسری جگہ زکوٰۃ کے مصارف بیان کیے گئے ہیں، فرمایا گیا ہے:۔

انما الصدقٰت للفقراء والمساکین والعاملین علیھا والمؤلفۃ قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم ؏ | صدقات (یعنی زکوٰۃ وخیرات) تو مفلسوں محتاجوں اور کارکنان صدقات کا حق ہے اور ان لوگوں کا جن کی تالیف قلوب منظور ہے اور غلاموں کے آزاد کرانے میں اور قرض داروں (کے قرض ادا کرنے) میں، اور خدا

کی راہ میں اور مسافروں کی مدد) میں (بھی یہ مال خرچ کرنا چاہیے) یہ حقوق خدا کی طرف سے مقرر کردیے گئے ہیں، اور خدا جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اس طرح زکوٰۃ کی تشریعی حکمت، اموال ونفوس کا تزکیہ وتطہیر، رضائے خداوندی کا حصول، رحمت الٰہی کا نزول، مساکین وفقراء کے ساتھ مواساۃ وغمخواری، ضرورت مندوں کی حاجت براری، اور مرض حرص وبخل اور اکتناز (دولت کی ذخیرہ اندوزی) سے حفاظت ہے۔

صوم کا محور ہے تقویٰ (احتیاط ولحاظ کی عادت، پرہیز گاری)

یاایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون ؏ | مومنو! تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے، تاکہ تم پرہیزگار بنو۔

تم سے روزے اس لیے رکھوائے جاتے ہیں کہ تم میں تقویٰ کا ملکہ پیدا ہوجائے، تمھیں لحاظ کرنا آجائے، بندہ خدا کا لحاظ کرنا سیکھ جائے، اس کو دانا وبینا اور ہر وقت کا نگراں سمجھے، اور یہ اس کا مزاج بن جائے، جب اس نے خدا کے حکم اور اس کے خوف سے ایک خاص وقت میں مباحات وطیبات سے پرہیز کیا، اور ان سے باز رہا، تو بدرجۂ اولیٰ محرمات ومکروہات سے ہمیشہ پرہیز کرے

؎ سورۃ التوبۃ، آیت ۱۰۳ ؎ سورۃ التوبۃ، آیت ۶۰ ؎ البقرہ، آیت ۱۸۳

اور ان سے باز رہے۔

حج کا محور کیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ثم لیقضوا تفثهم و لیوفوا نذورهم ولیطوفوا بالبیت العتیق ذالك ومن یعظم حرمات الله فهو خیر له عند ربه[1]

پھر چاہیے کہ لوگ اپنا میل کچیل دور کریں اور نذریں پوری کریں اور خانہ قدیم (یعنی بیت اللہ) کا طواف کریں، یہ (ہمارا) حکم ہے، اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو خدا نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے، تو یہ پروردگار کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے۔

سارا حج اصل میں اس عشق و بے خودی کے اظہار کا ذریعہ ہے، جو انسان کے اندر فطری طور پر موجود، اور شرعاً و عقلاً مطلوب ہے:۔

والذین آمنوا أشد حبا لله[2]

اور ایمان والوں کو تو اللہ ہی سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔

یحبهم و یحبونه[3]

اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔

میں نے کہا کہ حج کا ایک بڑا مقصد اپنے خالق اور محبوب حقیقی سے والہانہ محبت کا اظہار ہے، جس طرح پروانہ شمع پر گرتا ہے، دوسرے طاعت مطلقہ اور امتثال امر ہے، مناسک اور ارکان حج کو ادا کرو، اور اس کے عاشق و محبوب خلیل الرحمٰن کے عمل کی نقل کرو، اور یہ نہ پوچھو کہ کیوں؟ اس حج کے پورے ڈھانچہ میں روح ابراہیمی سرایت کیے ہوئے ہے، یہ حج حضرت ابراہیمؑ کے عشق، اور حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کی یادگار اور تمثیل ہے، اللہ تعالیٰ کو حضرت ہاجرہ کی پریشانی اور والہانہ کیفیت کے ساتھ دوڑنے پر پیار آیا، اس نے اس کو قیامت تک کے لیے پسند فرما لیا، اور ہمیشہ کے لیے اس کو محفوظ کر دیا، اب دنیا کے بڑے سے بڑے دانشور آئیں، اپنے وقت کے غزالیؒ اور رازیؒ اور ابن سینا و فارابی بھی آئیں، تو وہ بھی صفا و مروہ کے درمیان اسی طرح چلیں گے جیسے حضرت ہاجرہؓ چلی تھیں اور جہاں حضرت ہاجرہؓ پریشان ہو کر دوڑنے لگی تھیں، وہاں وہ بھی دوڑیں، آج کوئی پوچھے کہ اب دوڑنے کی کیا ضرورت ہے، اس مقام پر حضرت اسماعیلؑ حضرت ہاجرہؓ کی نظر سے اوجھل ہو جاتے تھے، تو جلدی دوڑ کر اس جگہ پہونچنا چاہتی تھیں جہاں

---

[1] سورۃ الحج، آیت ۲۹-۳۰ [2] سورۃ البقرۃ، آیت ۱۰۵ [3] سورۃ المائدۃ، آیت ۵۴

سے اسماعیلؑ نظر آتے تھے، کہ شیر خوار بچہ محفوظ ہے یا نہیں، کوئی جانور تو اُسے نہیں لے گیا اب ہمیں اور اس زمانہ کے بڑے سے بڑے شیخ الاسلام، شیخ الازہر اور شیخ الحدیث کو دوڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ وہاں سے جواب ملے گا کہ ہمیں ان کا دوڑنا پسند آگیا ہے، اب اس عمل میں محبوبیت پیدا ہو گئی ہے، طواف میں شروع کے تین شوط میں پاؤں اٹھا اٹھا کر اور سینہ نکال کر چلتے ہیں جس کو "رَمل" کہتے ہیں، اب بھی اسی طرح پہلے طواف میں کرنا ہوتا ہے، یہ کیوں؟ اس لیے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ عمرۃ القضاء میں آئے تو قریش جبل قعیقعان پر چلے گئے[1] کہ ہم مسلمانوں کے اس طرح آزادانہ مکہ میں آنے اور طواف کرنے کا منظر دیکھ نہیں سکتے، انھوں نے یہ بھی کہا کہ مسلمان مدینہ جاکر کمزور ہو گئے ہیں، اب ان سے چلا نہیں جاتا، حکم ہوا کہ یہاں پر اٹھ اٹھ کر، سینہ نکال کر چلو یہ ادا اللہ کو پسند آئی اور یہ عمل سنت قرار پایا۔

حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ کو ذبح کرنے کے لیے جا رہے تھے، شیطان نے بہکایا، اور اس عمل سے باز رکھنے کی کوشش کی، تو حضرت ابراہیمؑ نے غصہ میں آکر شیطان کو کنکریاں ماریں اللہ کو یہ ادا بھی پسند آئی اور اس کو زندہ جاوید بنا دیا، اب سب کو یہ کرنا ہے، اگر کوئی رمی نہیں کر سکا تو قربانی کرنی پڑے گی۔

میں نے کہا کہ امتثال امر کی سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ عرفات میں مغرب کی نماز سب ترک کر دیتے ہیں، اور مزدلفہ جاکر عشاء کے وقت میں مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھتے ہیں، مجھے تو یاد نہیں ہے کہ مجھ جیسے گنہگار اور تمام امت نے بھی برسوں میں کبھی مغرب کی نماز بغیر عذر کے بے وقت پڑھی ہو۔ قرب الٰہی کا عرفہ جیسا میدان، جس کے متعلق حدیث میں آتا ہے کہ شیطان کو اتنا ذلیل اور مغموم کسی دن نہیں دیکھا گیا، جتنا کہ عرفہ کے دن، شیطان کہتا ہے کہ میری ساری محنت برباد ہوئی، آج کتنے آدمیوں کی مغفرت ہو گئی، ایسے مقام قرب و رحمت میں حکم ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز یہاں نہ پڑھو، نماز نہ پڑھیں؟ بازاروں میں نماز پڑھی، امریکہ، یورپ کے پارکوں، ہوٹلوں اور ٹرینوں، ہوائی جہاز پر نماز پڑھی اور آج میدان عرفات میں

---

[1] تفصیل کے لیے سیرت کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔

نماز نہ پڑھیں، قضا کر دیں؟ ہاں قضا کر دو، اس لیے کہ تم ہمارے بندے ہو، نماز کے بندے نہیں ہو، ہماری بات ماننی ہوگی، عادت پر چلنا نہیں ہوگا، خود منیٰ سے عرفات، عرفات سے مزدلفہ اور مزدلفہ سے پھر منیٰ منتقل ہونا تعمیل حکم اور امتثال امر کی واضح مثال ہے۔ کہ کہیں کتنا ہی جی لگ جائے، اور کیسا مزا آ رہا ہو، اپنی خواہش اور ذوق کے مطابق قیام کی اجازت نہیں، ہم جہاں کہیں جاؤ، اور جتنا کہیں اتنا ٹھہرو۔

میرے محدود علم و مطالعہ میں حج کے مقاصد و فوائد پر حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے زیادہ جامع اور بہتر کسی نے نہیں لکھا، وہ فرماتے ہیں کہ حج کا ایک بڑا مقصد ملت ابراہیمی کو حضرت ابراہیمؑ کے مزاج سے مربوط کرنا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ قیامت تک یہ ملت حضرت ابراہیمؑ سے مربوط رہے جو اس دین کے بانی ہیں۔

ملة ابیکم ابراھیم ھو سماکم المسلمین[1]　　تمہارے باپ ابراہیم کا دین، اسی نے پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا تھا۔

اور ان سے مربوط ہونے کا مقام مکہ اور اس کے نواحی و اطراف ہیں، وہاں جا کر دیکھو آؤ کہ وہ کیسا کرتے تھے، وہاں ان کا بنایا ہوا اللہ کا گھر (کعبہ) موجود ہے، وہ مسعیٰ ہے، یہ صفا و مروہ ہے، یہ عرفات و مزدلفہ و منیٰ ہیں، جہاں انھوں نے اپنے عشق اور جذبۂ قربانی، اور ایثار و فدائیت کا اظہار کیا تھا، اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ ملت جہاں بھی رہے ہمیشہ حضرت ابراہیمؑ سے مربوط و وابستہ رہے، اسی میں اس ملت کے ابراہیمی و محمدی مزاج اور خمیر کی حفاظت اور ملتوں اور قوموں میں اس کا تشخص و امتیاز ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے دوسری بات یہ لکھی ہے، اور یہ کیسا قیمتی نکتہ، اور کتنا عمیق فہم دین ہے، کہ حج کا دوسرا مقصد، امت کو تحریف سے بچانا ہے، محلہ کی سطح پر تحریف سے بچانے کا ذریعہ مسجد میں نماز با جماعت ہے، اگر کسی کی نماز میں کوئی بدعت شامل ہو گئی ہے، یا وہ کوئی غلطی کر رہا ہے، تو اس کی تفہیم مسجد میں جماعت سے نماز پڑھنے سے ہو جائے گی۔ اور صحیح و غلط کا تقابل ہو جائے گا۔ شہر اور بستی کی سطح پر اگر تحریف ہو تو اس کی اصلاح اور ناواقفیت یا مغالطہ کے ازالہ کی جگہ

---

[1] سورۃ الحج، آیت ۷۸

جامع مسجد ہے، اس سے بڑے پیمانہ پر ہو تو عیدگاہ، اور اگر اس سے بھی بڑے پیمانہ پر عالم اسلام کے کسی حصہ یا ملک میں تحریف رونما ہو تو اس تحریف کا علاج حج کے موقعہ پر حرمین شریفین کی حاضری ہے، وہاں آ کر دیکھے کہ ہم کیا نماز پڑھتے تھے، کیا غلط عمل کر رہے تھے، کیسا غلط عقیدہ رکھتے تھے، کونسا غیر اسلامی شعار اختیار کیے ہوئے تھے۔[1] شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک حج مرکز اسلام میں امت اسلامیہ کی سالانہ پیشی (عرضۃ[2]) اور حاضری ہے، تاکہ اس کا عمومی جائزہ لے لیا جائے۔ اور اس کے متعلق اطمینان حاصل کیا جائے، کہ وہ مسلک ابراہیمی و محمدی پر چل رہی ہے یا نہیں۔

میں نے کہا کہ اگر حج نہ ہوتا تو ایک امریکن اسلام ہوتا اور ایک یورپین اسلام، ایک ہندوستانی اسلام ہوتا، اور ایک پاکستانی اسلام، اگر کوئی ٹوکتا کہ تم یہ کیا کر رہے ہو تو کہا جاتا کہ ہمارے یہاں تو پشتیں اسی پر عمل کرتے ہوئے گذری ہیں، لیکن حج کے اجتماع عام میں جا کر جہاں عوام و خواص، علما و فقہا، جمع ہوتے ہیں سب قلعی کھل جاتی ہے، جس طرح کھیت میں کسان کے ارادے اور مرضی کے بغیر گھاس پھوس اُگ آتی ہے، اور بعض مرتبہ ایسے جھاڑ جھنکاڑ پیدا ہو جاتے ہیں، جو اصل زراعت کے لیے مضر ہوتے ہیں، (ان کو مصر میں "الحشائش الشیطانیہ" کہتے ہیں) اسی طرح اسلام کی کھیتی میں، عالم اسلام کے دور دراز گوشوں میں ایسے جھاڑ جھنکاڑ پیدا ہو سکتے ہیں جو "تحریف" "بدعات" اور "اعمال محدثہ" کہلاتے ہیں، ان جاہلی رسم و رواج، خود ساختہ عبادات، اور اوہام و خرافات کی حج میں بیخ کنی ہو جاتی ہے، شاہ ولی اللہ صاحب نے یہ بے نظیر بات لکھی ہے کہ امت کو تحریف سے بچانے کے لیے حج بہترین انتظام ہے۔ اگر امت میں تحریف ہو جائے تو رہنے نہ پائے، اس ملک کا (جہاں تحریف ہوئی ہے) کوئی نہ کوئی آدمی آئے گا اور دیکھ کر جائیگا، اور واپس جا کر کہے گا کہ تم کیا کر رہے ہو، ہم تو مکہ میں اس طرح دیکھ کر آئے ہیں۔

میں نے کہا کہ ہر لفظ اپنے ساتھ کچھ خصوصیات لے کر آتا ہے، اس کی ایک تاریخ، پس منظر (خلفیات) ہوتے ہیں، لفظ "مؤتمر" کا بھی ایک پس منظر ہے، اس کے ساتھ بہت سے تاثرات اور تجربات وابستہ ہیں، ان سے اس کو منقطع اور مجرد کرنا مشکل ہے، بیشک ملاقات و تعارف، اور موقعہ ملے تو مسلمانوں کے مسائل پر مشورہ اور تبادلۂ خیال ممنوع و مکروہ نہیں، بلکہ مستحسن ہے۔ مگر یہ حج کے بالکل ضمنی اور ثانوی فوائد ہیں، اگر مشورہ اور تبادلۂ خیال، بحث و مذاکرہ، اور غور و فکر ہی حج کا اصل مقصد ہوتا، تو صرف اہل

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ ج۲ ص۱۲۳ یا مصنف کی کتاب "ارکان اربعہ" رکن "حج" [2] حجۃ اللہ البالغہ ج۱ ص ۵۹-۶۰

حل و عقد دانشوروں، اور عالم اسلام کے ماہرین اقتصادیات و سیاسیات اور وہاں کے زعماء و قائدین ہی کو حج کی دعوت دی جاتی ہے، جیسا کہ مؤتمرات و ندوات کانفرنسوں اور سیمیناروں میں دستور ہے، اور دعوت میں اس تعمیم و اطلاق سے کام نہ لیا جاتا کہ "من استطاع الیہ سبیلا" (جس کو زاد و راحلہ کی قدرت ہو وہ حج کو ضرور آئے) پھر کہیں اطمینان سے چند روز رہنے کا نظام بنایا جاتا، حج کے اصل دن (۸ ذی الحجہ سے ۱۱-۱۲ ذی الحجہ تک) نقل و حرکت، اور مناسک حج کی مشغولیت کا زمانہ ہے، وقوف عرفات، مزدلفہ میں شب گذاری، منیٰ میں رمی، قربانی، اور طواف زیارت وغیرہ کی مشغولیت، مؤتمر اور مجلس مذاکرہ کے ماحول سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔

اسلام کے ہر رکن اور ہر حکم کے مادی، سیاسی اور تمدنی فوائد بیان کیے جائیں، یہ بات بقدر ضرورت اور بوقت ضرورت ٹھیک ہے، اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا، اور علمائے اسلام نے تناسب اور توازن کے ساتھ یہ خدمت ہر دور میں انجام دی ہے۔ لیکن اس کو اصل مقاصد اور فوائد کا درجہ دینا صحیح نہیں، اس سے خطرہ ہے کہ ذہن مادی بن جائے گا، رضائے الٰہی کے حصول کا شوق، اجر و ثواب کی لالچ، آخرت میں اس کے فائدے کا یقین، اور "ایمان و احتساب" (جو ہر عمل کی روح، اور اس میں وزن و قیمت پیدا کرنے کی شرط ہے) کا پہلو نہ صرف مغلوب، بلکہ منفی اور معدوم ہو کر رہ جائے گا، اور یہ فرد و جماعت کے لیے بڑا خسارہ، اور دین کے لیے ایک بڑے تغیر و تحریف کا سرچشمہ ہے، اس وقت کا بڑا عظیم الشان کام یہ ہے کہ دین کو اسی رنگ میں پیش کیا جائے، جس رنگ میں انبیاء علیہم السلام نے پیش کیا، البتہ اس کے لیے بہتر سے بہتر زبان اور بہتر سے بہتر اسلوب اختیار کیا جا سکتا ہے تاکہ وہ بات ذہن نشین ہو، اور قلب و دماغ اس کو قبول کر لیں، یہ اہل دعوت، مسلمان اہل فکر و اہل قلم کے کام کرنے کا اصل میدان، اور وقت کا اہم ترین تقاضہ ہے۔ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے علم صحیح کی دولت، فہم قرآن، دعوت و علوم انبیاء سے مناسبت، اور دین کی صحیح حمیت و غیرت عطا فرمائی ہے، پھر عصر حاضر کے ذہن پر اثر ڈالنے والے اسالیب بیان پر بھی قدرت رکھتے ہیں، ان کے لیے اس وقت حصول سعادت کا زریں موقعہ ہے اور یہ ہمارے مدارس عربیہ کے ان فضلاء خصوصاً ان فضلاء کی، جو تقریر و تحریر اور تفہیم و تشریح کی اہل زبان اور ادیبوں اور مشکلوں کی طرح صلاحیت و قدرت پیدا کرنے کی سعی و جدوجہد میں مشغول ہیں خاص ذمہ داری ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ سروش غیب کی آواز کانوں میں آئے۔ ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند
کس بمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد؟

احکام الجنائز

مولانا سید جلال الدین عمری

آخری سفر سے پہلے

یہ دنیا فانی ہے، یہاں کی راحتیں اور کلفتیں سب فانی ہیں۔ اس کے بعد ایک اور دنیا ہے جو ابدی ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ یہ آخرت کی دنیا ہے۔ یہاں جنت ہے اور اس کی بے پایاں نعمتیں ہیں۔ دوزخ ہے اور اس کی ہولناک اور ناقابل تصور سزائیں ہیں۔ اس دنیا کی فانی زندگی کے ختم ہونے کے بعد انسان کو اسی ابدی زندگی میں داخل ہونا ہے۔ وہاں اس کے لیے یا تو ابدی سکون اور راحت ہے یا ہمیشہ کی تکلیف اور عذاب۔ ایک مومن کی پوری زندگی اسی آخرت کی تیاری میں بسر ہوتی ہے، اور جب اس کا سفر آخرت قریب آ جاتا ہے تو اس کا اہتمام کبھی بڑھ جاتا ہے۔ جو شخص اس لمبے سفر پر جا رہا ہو اسلام نے اسے کبھی بعض اہم ہدایات دی ہیں اور اس کے جو خویش واقارب اور دوست احباب پیچھے رہ جائیں، جو درحقیقت اسے رخصت کرنے والے ہوتے ہیں، انھیں کبھی کچھ نصیحتیں کی ہیں۔ ذیل میں اسلام کی ان تعلیمات کو کسی قدر تفصیل سے پیش کیا جا رہا ہے۔

خوف ورجا کی کیفیت

انسان کی نظر جب اپنی کوتاہیوں اور غفلت پر پڑتی ہے تو وہ کانپنے لگتا ہے، اور ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ اللہ کے عذاب کی زد میں ہے، لیکن جب وہ اللہ کی وسیع رحمت اور اس کے بے پایاں کرم کو دیکھتا ہے تو خوف کے بادل چھٹنے لگتے ہیں اور مغفرت

اور رحمت کی توقع ہونے لگتی ہے۔ امید و بیم کی یہ کیفیت ایمان کی علامت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو نہ تو اپنی عبادت اور اطاعت پر گھمنڈ ہے اور نہ اپنی غفلتوں کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے۔ وہ ایک بندۂ عاجز ہے جو اپنی سعی کوشش کے باوجود اس سے آس لگائے اس کے در پر بیٹھا ہے۔ جو شخص اس کیفیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں پہونچے، حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی مغفرت سے نوازے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، ایک جوان آدمی موت وزلیست کی کشمکش میں تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے۔ دریافت فرمایا "کیا محسوس کرتے ہو؟ مطلب یہ کہ اپنے انجام کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے" تو جوان نے عرض کیا

ارجو الله یا رسول الله واخاف ذنوبی — اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ سے رحمت کی امید ہے لیکن اپنے گناہوں سے ڈر بھی لگ رہا ہے۔

آپؐ نے فرمایا۔

لا یجتمعان فی قلب عبدٍ فی مثل هذا الموطن الا اعطاہ الله ما یرجوا وآمنه مما یخاف — جس کسی بندہ کے دل میں اس موقع پر یہ دو کیفیات جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی امید پوری کرتا ہے اور جس بات سے وہ ڈرتا ہے اسے اس سے محفوظ رکھتا ہے۔[1]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم چاہو تو میں تمہیں بتاؤں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی اہل ایمان سے پہلی بات چیت کیا ہوگی؟ ہم نے عرض کیا ضرور بتائیے۔ آپ نے فرمایا وہ سب سے پہلے ان سے پوچھے گا کہ کیا مجھ سے ملاقات کرنے کو تمہارا جی چاہ رہا تھا؟ وہ عرض کرینگے خدایا یقیناً ہمارا جی چاہ رہا تھا۔ وہ دریافت فرمائے گا کہ ایسا کیوں تھا؟ وہ کہیں گے اس لیے کہ تیرے عفو و مغفرت کی ہمیں امید تھی۔ ارشاد ہوگا پھر تو میری مغفرت یقیناً تمہیں حاصل ہوگی اور تم معاف کیے جاؤگے[2]

---

[1] ترمذی ابواب الجنائز باب۔ ابن ماجہ ابواب الزہد، باب ذکر الموت والاستعداد لہ
[2] رواہ فی شرح السنہ وابو نعیم فی الحلیہ (مشکوٰۃ کتاب الجنائز)

حقیقت یہ ہے کہ ایک مسلمان جہاں خدا کے عذاب کے خوف سے لرزہ بر اندام رہتا وہیں اس کی رحمت کی توقع بھی رکھتا ہے۔ یہ حدیث بتاتی ہے کہ اس کی یہ توقع پوری ہو اور اللہ تعالیٰ اسے اپنے دامن مغفرت میں جگہ دے گا۔

اللہ تعالیٰ سے حسن ظن

بیم ورجا کی اس کیفیت کے ساتھ مرتے وقت اللہ تعالیٰ سے حسن ظن کا پہلو غالب ہ چاہیے۔ حدیث میں آتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ سے جو توقع رکھتا ہے اسے وہ پوری کرتا آدمی کو اپنی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے باوجود یہ خیال کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات رح ورحیم اور غفار وستار ہے وہ ہماری غلطیوں پر پردہ ڈالے گا اور اپنے انعامات سے نوازے

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے۔

انا عند ظن عبدی بی وانا معہ حیث یذکرنی[1] — میرا بندہ میرے بارے میں جیسا گمان کرتا ہے میں اسی کے قریب ہوتا ہوں۔ میں اس کے پاس ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وفات سے دن پہلے یہ ارشاد فرماتے سنا کہ

لا یموتن احدکم الا وھو یحسن باللہ الظن[2] — تم میں سے کسی بھی شخص کو موت آئے تو اس حال میں آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حسن ظن رکھتا ہو

حیان ابو النضر کہتے ہیں کہ میں حضرت یزید بن الاسودؓ کی عیادت کے لیے چلا تو حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے ملاقات ہو گئی۔ وہ بھی ان کی عیادت کے لیے تشریف لے جا رہے تھے۔ انھوں نے حضرت واثلہ کو دیکھا تو اپنا ہاتھ بڑھایا اور اشارہ کیا حضرت واثلہ آگے بڑھے ا

---

[1] بخاری کتاب التوحید باب قول اللہ تعالیٰ و یحذرکم اللہ نفسہ، مسلم کتاب الذکر

[2] مسلم کتاب الجنۃ باب الامر بحسن الظن باللہ تعالیٰ عند الموت

بیٹھ گئے۔ حضرت یزید بن الاسود نے حضرت واثلہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر اپنے چہرے پر رکھ لیے حضرت واثلہؓ نے ان سے پوچھا کہ آپ کا کیا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ کیا معاملہ کرے گا؟ انھوں نے جواب دیا اللہ کی قسم اللہ کے بارے میں مجھے حسن ظن ہے۔ حضرت واثلہ نے کہا تب تو آپ کے لیے بشارت ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے سنا ہے۔

قال اللہ جل وعلیٰ انا عند ظن عبدی بی ان ظن خیرا فلہ وان ظن شرا فلہ[1]

میں اپنے بندے کے اس گمان کے پاس ہوتا ہوں جو وہ میرے بارے میں کرتا ہے اگر وہ اچھا خیال کرے تو بھی اسکے لیے ہے اور برا خیال کرے تو بھی اسکے لیے۔

اللہ تعالیٰ سے حسن ظن کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آدمی زندگی بھر من مانی کرتا پھرے اور خدا کے خوف سے بے نیاز ہو کر سارے کام انجام دے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ سے یہ توقع لگا بیٹھے کہ وہ اس کے گناہوں کو معاف کر کے اسے جنت الفردوس میں پہونچا دے گا۔ یہ نادانی اور جہالت ہی نہیں بلکہ اللہ کی جناب میں جسارت اور گستاخی بھی ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ انسان کا دل اللہ کی خشیت سے بھرا ہوا ہو اور وہ اس سے ڈر کر ہر کام انجام دے۔ جب مہلت حیات ختم ہو رہی ہو تو یہ سمجھے کہ وہ جابر و ظالم بادشاہ کے دربار میں نہیں بلکہ رحیم و کریم آقا کی خدمت میں حاضر ہو رہا ہے اور اس کے بارے میں یہ حسن ظن رکھے کہ وہ اسکے ساتھ درشتی اور سختی کا نہیں بلکہ لطف و محبت کا معاملہ کرے گا۔

حقوق کی ادائیگی اور ظلم و زیادتی کی تلافی

انسان اس دنیا میں تنہا زندگی نہیں گزارتا۔ ہر شخص کے بہت سے انسانوں سے تعلقات ہوتے ہیں۔ جو شخص جتنا بڑا ہوتا ہے اس کے تعلقات کا دائرہ بھی اتنا ہی وسیع ہوتا ہے۔ ان تعلقات میں اس بات کا امکان ہے کہ آدمی سے کسی نہ کسی کے ساتھ، کبھی نہ کبھی، کسی قسم کی حق تلفی اور زیادتی ہوئی ہو۔ مرنے سے پہلے انسان کو اس کی تلافی کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ دنیا سے اس طرح جائے کہ نہ تو اس کی گردن پر کسی کا کوئی حق ہو اور نہ کوئی شخص اسکے

---

[1] رواہ احمد وابن حبان فی صحیحہ والبیہقی (الترغیب والترہیب صفحہ ۶۰۵ - ۶۰۶)

ظلم و زیادتی کی فریاد کر رہا ہو۔

احادیث میں آتا ہے کہ اگر آدمی نے کسی کے ساتھ زبان درازی کی ہو، سب وشتم اور گالم گلوج کیا ہو، یا اسے رسوا اور شرمندہ کیا ہو، اس کی خودداری اور عزتِ نفس کو ٹھیس لگائی ہو، یا اسے جسمانی اذیت پہونچائی ہو، زدوکوب کیا اور مارا پیٹا ہو، یا اس کے مال وجائداد پر ناجائز قبضہ کر لیا ہو، یا کسی کا حق ادا کرنے میں غفلت اور کوتاہی ہو گئی ہو یا کسی کی امانت میں خیانت کی ہو تو فوراً اس کی تلافی کی کوشش کرے اور اس سے معافی مانگے ورنہ اس کی نیکیاں قیامت کے روز مظلوم کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے اور اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ اس سلسلے کی صرف ایک حدیث یہاں پیش کی جا رہی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من كانت له مظلمة لاخيه من	جس نے اپنے کسی بھائی پر ظلم کیا ہو۔ اس کا مال
عرضه او شيئ فليتحلله منه قبل	لے کر یا اور کسی معاملہ میں، تو اس کی طرف سے
ان لا يكون دينار ولا درهم	اسے اپنے لیے حلال کر لے (اس کے ساتھ صلح
ان كان له عمل صالح اخذ	صفائی اور معافی تلافی کی کوئی صورت نکالے
منه بقدر مظلمته وان لم يكن له	تاکہ وہ اس کے لیے حلال ہو جائے) اس وقت
حسنات اخذ من سيئات صاحبه	کے آنے سے پہلے جب کہ (اس کے پاس) کوئی دینار
فحمل عليه[1]	ہوگا نہ درہم اگر اس کے پاس نیک اعمال ہوں گے

تو اس کے ظلم کے بقدر وہ اس سے لے لیے جائیں گے اور مظلوم کو دے دیے جائیں گے اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کی برائیاں لے کر اس پر لاد دی جائیں گی۔

حقوق العباد کی شریعت میں بڑی اہمیت ہے۔ ظلم و زیادتی سے یا دھوکہ اور فریب سے ان حقوق کو غصب کرنا سنگین جرم ہے۔ ہو سکتا ہے آج مظلوم کی کہیں شنوائی نہ ہو اور حق و انصاف سے محروم رہ جائے لیکن کل قیامت کے روز جب وہ ظالم کے خلاف فریاد کرتے ہوئے اٹھے گا تو خدائے ذوالجلال اس کی دادرسی کے لیے موجود ہوگا۔ پھر ظالم سے اسی طرح بدلہ لیا جائے گا کہ اس کی بے کسی اور بے بسی پر رحم

[1] بخاری کتاب المظالم، باب من كانت له مظلمة عند الرجل

کھانے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔

ضروری امور کی وصیت

جس شخص کو کوئی وصیت کرنی ہو اسے اس میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ماحق امرأ مسلم له شیئ یوصی فیه یبیت لیلتین الا و وصیته مکتوبة عندہٗ[1]

کسی مسلمان کے لیے صحیح نہیں ہے کہ اس کے پاس کوئی ایسی چیز ہو جس کے بارے میں وہ وصیت کرنا چاہتا ہو اور وہ اپنے پاس وصیت لکھ کر رکھے بغیر دو راتیں بھی گزارے۔

وصیت فرض اور واجب تو نہیں ہے لیکن بعض اوقات وہ ضروری ہو جاتی ہے۔ اگر انسان پر کسی کا حق ہو یا اس کے پاس کوئی امانت ہو یا اس کے کسی وعدہ کی تعمیل نہ ہو سکی ہو یا کوئی قرض ادا ہونے سے رہ گیا ہو یا کسی کا وہ تعاون کرنا چاہتا ہو یا امور خیر میں صدقہ و خیرات کا ارادہ رکھتا ہو اور اسے اس کا موقع نہ ملا ہو تو اسے وصیت کرنی چاہیے تاکہ اس کے بعد اس پر عمل ہو سکے اور کسی کا حق اس کی غفلت کی وجہ سے ضائع ہونے نہ پائے۔

وصیت ایک طرح کی پسماندگان کے لیے نصیحت بھی ہے۔ آدمی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو، عزیزوں اور چاہنے والوں کو اللہ اور رسول کے احکام کی اتباع کی تلقین کرے، ان کی معصیت اور نافرمانی سے منع کرے، انھیں بہتر اور مفید مشورے دے اور ان کے اندر کوئی خامی پائی جائے تو اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلائے۔ یہ درحقیقت ان کے ساتھ نصیحت اور خیر خواہی ہے۔ آدمی جب اپنے آخری سفر پر روانہ ہونے سے پہلے یہی فرض انجام دیتا ہے تو اسے وصیت کہا جاتا ہے۔

وصیت کی اہمیت اس وقت بڑھ جاتی ہے جب کہ متعلقین کے بارے میں کسی غیر شرعی اور غیر اخلاقی اقدام کا اندیشہ ہو اور آدمی یہ محسوس کرے کہ اس کے بغیر وہ دین پر قائم نہ رہ سکیں گے یا اس کے مال و جائداد میں تجہیز و تکفین میں اور حقوق کی ادائیگی میں کتاب و سنت کی پابندی نہیں کریں گے بلکہ ان کے خلاف ان کا عمل ہوگا۔ جہاں اس طرح کا اندیشہ ہو ایک سچے مومن کو لازماً تشویش ہوگی۔ اس تشویش کی بنا پر وہ جو وصیت کرے گا اس میں اس کا اخلاص اور سوز ہوگا، محبت اور ہمدردی ہوگی۔ اور صلاح و فلاح کا جذبہ ہوگا اس لیے امید ہے کہ اس کا اثر بھی ہوگا۔ (جاری)

---

[1] بخاری، کتاب الوصایا۔ مسلم، کتاب الوصیۃ

ضیاء الدین ایم۔ اے لاہوری

عالم اسلام میں رویت ہلال پر مکمل اتفاق کا مسئلہ

عالم اسلام میں مذہبی تہواروں اور عبادات کے انعقاد کی تاریخوں میں اختلاف کے باعث بعض حلقوں میں بڑی بدمزگی کی کیفیت محسوس کی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں یہ شکایت زبان زد خاص و عام ہے کہ ہمارے علما کرام جدید فلکیاتی تحقیقات سے پہلوتہی کرکے دقیانوسی ذرائع اختیار کرنے پر بضد ہیں۔ ایک اعتراض یہ ہے کہ جب نمازوں کے اوقات کے لیے جدید علوم سے استفادہ جائز سمجھا گیا ہے تو رویت ہلال کے سلسلے میں ایسا کرنا کیوں ناجائز تصور کیا جاتا ہے۔ علما کرام یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اوقات الصلوٰۃ کے لیے فقہ میں جو شرائط مقرر کی گئی ہیں جدید علوم میں گھڑی کی ایجاد اس معیار پر پورا اترتی ہے کیونکہ شمسی تقویم میں ایک سال کے بارہ مہینوں کے ایام کی شمسی کیفیات (طلوع و غروب شمس وغیرہ) دیگر تمام سالوں کے بالترتیب ان مہینوں کی ان ہی تاریخوں کی شمسی کیفیات کے مطابق ہوتی ہیں لہذا نمازوں کے اوقات کا تعین ایسا مسئلہ نہیں جس میں اختلاف کی گنجائش ہو البتہ رویت ہلال کے بارے میں ایسا کوئی معیار قائم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قمری کیفیات سالہا سال تک ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ اس مسئلے پر بعض جدت پسند علماء اور دانشوروں نے متعدد مضامین اور کتابچے تحریر کیے ہیں جن میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ محکمہ موسمیات قبل از وقت ہی نئے چاند کے دکھائی دینے یا نہ دینے کے بارے میں یقینی معلومات بہم پہنچا سکتا ہے۔

میرے استفسار کے جواب میں مسٹر ڈی۔ میکنالی اسسٹنٹ ڈائریکٹر شعبہ علوم فلکیات و طبیعیات یونیورسٹی آف لندن آبزرویٹری کی اس مسئلہ پر ماہرانہ رائے محررہ ۱۱ر جولائی ۱۹۸۰ء کا لب لباب ان ہی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے :۔

"آپ کے استفسار کے متعلق کہ آیا آبزرویٹری سائنسدان کوئی ایسا معیار قائم کرتے

کے قابل ہو چکے ہیں جس سے آپ نیا چاند نمودار ہونے والی شام کی یقینی پیشین گوئی کر سکیں۔ مجھے افسوس ہے کہ اس کا جواب نفی میں ہے...... درحقیقت رویت ہلال کے متعلق کوئی بھی مفروضہ قائم نہیں کیا جا سکتا۔"

اسی مسئلہ پر رائل گرین وچ آبزرویٹری انگلستان کی سائنس ریسرچ کونسل کی جدید ترین تحقیق کا نچوڑ ان کی تیار کردہ فلکیاتی معلومات شیٹ نمبر ۶ میں یوں درج ہے:-

"ہر ماہ نئے چاند کے پہلی مرتبہ دکھائی دی جانے والی تاریخوں کے متعلق پیشین گوئی کرنا ممکن نہیں کیونکہ ایسے کوئی قابلِ اعتماد اور مکمل طور پر مستند مشاہدات موجود نہیں ہیں جنھیں ان شرائط کے متعین کرنے میں استعمال کیا جا سکے جو چاند کے اول بار دکھائی دیے جانے کے لیے کافی ہوں .... رویت ہلال کے متعلق کوئی بھی پیشین گوئی غیر یقینی ہوتی ہے۔"

یہ تھی رویت ہلال کے پیشگی تعین کے بارے میں مسلّمہ عالمی ماہرین کی رائے جو علماء کرام کو مذکورہ بالا الزام سے بری قرار دیتی ہے البتہ ہمارے نظامِ رویتِ ہلال پر ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ سعودی عرب اور ہمارے ہاں رویت ہلال میں زیادہ سے زیادہ ایک روز کا فرق ممکن ہے، دو روز کا نہیں جیسا کہ متعدد بار دیکھا جاتا ہے لہٰذا ہمارے ہاں رویت ہلال کا اعلان ہمیشہ درست نہیں ہوتا کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ چاند ایک شام سعودی عرب میں دکھائی دے جائے مگر ہمیں دوسری شام بھی نظر نہ آسکے۔ یہ اعتراض غلط فہمی پر مبنی ہے۔ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ سعودی عرب میں رویت ہلال کا نظام ہمارے نظام سے مختلف ہے۔ وہاں چاند ہونے کا اعلان چاند دکھائی دے جانے کے مطابق نہیں کیا جاتا بلکہ ان کی رویتِ ہلال کا اعلان فلکیاتی طور پر قِران شمس و قمر کے تابع ہوتا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب سورج اور چاند کا کسی نقطۂ فلک پر اجتماع ہوتا ہے۔ اسے فلکیاتی نیا چاند کہتے ہیں۔ چاند کی طبعی عمر اسی وقت سے شروع ہوتی ہے۔ ابتدائی گھنٹوں میں چاند بال سے بھی زیادہ باریک، سورج سے بالکل قریب اور اس کی براہ راست شعاعوں کی زد میں ہوتا ہے لہٰذا اس کا دیکھا جانا بالکل ممکن نہیں ہوتا۔ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے عمر میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی جسامت بڑھتی جاتی ہے اور وہ سورج سے دور ہوتے ہوئے اس کی براہ راست

شعاعوں کی زد سے نکلتا جاتا ہے، یوں ایک ایسا وقت آتا ہے جب انسانی آنکھیں اسے دیکھنے کے قابل ہو جاتی ہیں۔ اسے بصری نیا چاند کہا جاتا ہے۔ یہ ہے رویت ہلال کا وہ معیار جسے ہم اختیار کیے ہوئے ہیں۔ گرین وچ آبزرویٹری کی مذکرہ تحقیق کے مطابق :

" چاند پہلی مرتبہ اس وقت تک دکھائی نہیں دیتا جب تک کہ اس کی عمر تیس گھنٹوں سے زائد نہ ہو جائے۔"

پس دونوں اقسام کی رویت ہلال میں تیس گھنٹے کا فرق ہونے کے باعث کم از کم ایک روز کا اختلاف تو یقینی ہو جاتا ہے لیکن اگر قرانِ شمس و قمر بوقتِ شام وقوع پذیر ہو تو اس سے اگلی شام بھی چاند کی عمر تیس گھنٹے نہ ہونے کی بنا پر اس کا نظر آنا ممکن نہیں ہوتا اس لیے دو روز کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں جناب محمد حمزہ نعیم صاحب کے ذاتی مشاہدات ملاحظہ فرمائیے جو انھوں نے اپنے قیام سعودی عرب کے دوران میں وہاں رویت ہلال کے نظام کی بابت ماہ نامہ "روحانی دنیا" کراچی کے شمارہ جنوری ۱۹۸۱ء میں اپنے مقالہ بعنوان "پاکستان، عالمِ اسلام اور اسلامی کیلنڈر" میں بیان کیے ہیں مقالہ نگار موصوف لکھتے ہیں :۔

" اکتوبر ۱۹۸۰ء میں مجھے مدینہ منورہ جانے اور مسلسل ایک مہینہ وہاں حاضر رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں سعودی حکومت کے وظیفے پر حکومتِ پاکستان کی طرف سے دیگر چوبیس ۲۴ فاضل پروفیسرز کے ہمراہ ریاض یونیورسٹی میں ایک علمی و تربیتی کورس کرنے گیا تھا۔ اس طرح مجھے عملی طور پر موقع ملا کہ ہلالِ عید دیکھوں چنانچہ میں بذاتِ خود مدینہ منورہ کے مشہور پہاڑ " جبل احد " پر ذی القعدہ کی آخری تاریخوں میں چلا گیا اور تین دن مسلسل چاند دیکھنے کی کوشش کرتا رہا۔ پہاڑ کی تھوڑی بلندی پر شرقی جنوبی سمت میں ایک بڑی آبادی تھی، میں وہاں ٹھہرا رہا۔ اُدھر مکہ مکرمہ میں اُن ہی دنوں میرے ایک فاضل دوست، جو علم جغرافیہ کا خاصا درک رکھتے ہیں اور پانی اور آئینے کے ذریعہ چاند / ہلال والی مغرب سے دس بارہ گھنٹے قبل چاند دکھا دیتے ہیں، پروفیسر غلام نبی طارق اسی رویت ہلال کے لیے " جبل ابی قبیس " نامی معروف پہاڑ کی چوٹی پر مسجد بلال کے پاس چاند دیکھنے کی کوشش کرتے رہے، مگر یقین کیجیے کہ جس روز سے وہاں پہلی ذی الحجہ شمار کی گئی اس روز تو کیا، اس سے اگلے روز بھی ہمیں چاند کہیں نظر نہیں آیا۔ ہم نے پورا

مطلع صاف تھا البتہ تیسری شب چاند ذرا اونچا تھا، زیادہ سے زیادہ اس دن ہم دوسری کہہ سکتے تھے اور علم ہیئۃ الافلاک کی رو سے ۳۱ اکتوبر ۱۹۷۸ء اور یکم نومبر ۱۹۷۸ء کی درمیانی شب ایک بجے رات شمس وقمر کا اجتماع ہو چکا تھا لہٰذا اسی رات کو پہلی رات اور یکم نومبر کو ذی الحجہ کا پہلا دن ہونے کا اعلان کیا گیا۔ اگر پاکستان کے انداز میں رویت ہلال ہوتی تو یوم عرفہ یعنی حج کا دن ہفتہ یا جمعہ کا دن ہوتا لیکن عملاً وہاں خمیس (جمعرات) کو وقوف عرفہ ہو کر جمعہ کو عید الاضحیٰ دس ذی الحجہ تھی۔ اسی طرح ۲۹-۳۰ دسمبر ۱۹۷۸ء کی درمیانی شب اجتماع شمس وقمر تھا لہٰذا اسے پہلی تاریخ شمار کر لیا گیا۔ قِران سے کئی گھنٹے پہلے چاند رات کا شمار کر لیا جانا واقعۃً عجیب ہے! اس کے بالمقابل پاکستان میں دو دن بعد رویت ہلال کمیٹی نے چاند ہونے کا اعلان کیا جو نظری رویت کے حساب سے درست بات تھی:"

یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ فاضل مقالہ نگار نے اپنے مقالہ میں فلکیاتی رویت ہلال کی حمایت میں اپنی طرف سے بہت سے دلائل پیش کیے ہیں اور سعودی عرب کا نظام رویت ہلال اپنانے کا مشورہ دیا ہے لہٰذا یہ خیال نہیں کیا جا سکتا کہ ان کے مندرجہ بالا مشاہدات مبالغہ آمیز ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ رویت ہلال کی فلکیاتی اور بصری توضیحات کے معاملے میں کون درست ہے اور کون غلط فقہی طور پر اس پر بحث کرنے کے مجاز علمائے دین ہیں۔ میں صرف اس قدر عرض کروں گا کہ حدیث شریف میں رویت ہلال کی بصری توضیح کی موجودگی اور بعد میں فقہ کی تدوین کے دوران میں اسی بنیاد کے تحت بصری شہادت کی مختلف صورتوں پر اجتہاد ثابت کرتے ہیں کہ ابتدائے اسلام سے چاند دیکھے جانے کا معیار وہی رہا ہے جو ہمارے ہاں رائج ہے۔ اسلام شرعی مسائل میں سائنسی علوم کے استفادے سے منع نہیں کرتا بشرطیکہ نتائج قرآن وحدیث کے بنیادی تقاضوں سے متصادم نہ ہوں۔ گھڑی کی ایجاد اور اوقاتِ طلوع وغروب وغیرہ کے تعین نے نماز کے اوقات معلوم کرنے میں آسانی پیدا کر دی لیکن سائنس دان ابھی تک بصری رویت ہلال کی یقینی پیشین گوئی کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ مذکورہ بالا حقائق کے باوجود اگر ہم فلکیاتی رویت ہلال کے اصول کو درست تسلیم کریں تو اس حقیقت کے پیش نظر کہ فلکیاتی نئے چاند اور بصری نئے چاند میں تقریباً تیس گھنٹوں کا فرق ہونے کے باعث وہ کبھی ایک روز شروع نہیں ہو سکتے، ہمیں لامحالہ یہ بھی کہنا پڑے گا کہ چودہ سو سال تک جس قدر عید یا

اور رمضان پر واقع ہوئے سب غلط تاریخوں پر منعقد ہوئے۔ گھڑی کی ایجاد سے پہلے نمازیں ان ہی اوقات میں پڑھی جاتی تھیں جن اوقات میں اب پڑھی جاتی ہیں، مگر رویت ہلال کی فلکیاتی بنیاد پر ادا کی جانے والی مذہبی عبادات اپنے مخصوص ایام کے مطابق کبھی نہیں ہو سکتیں۔ جس طرح وقت سے پہلے نماز کی ادائیگی باطل ہے اسی طرح اصل یوم سے پہلے عیدین کا انعقاد بے حیثیت ہے۔

یہ بات قابل غور ہے کہ سائنسدانوں کی جدید ترین تحقیق کی روشنی میں رویت ہلال کو آسان بنایا جاسکتا ہے مگر اس سلسلے میں وثوق کے ساتھ کوئی پیشین گوئی نہیں کی جاسکتی۔ مثال کے طور پر نئے چاند کے نظر آنے کے لیے اس کی عمر تیس گھنٹے سے زیادہ ہونے کا معیار بھی کوئی حرف آخر نہیں جیسا کہ گرین وچ آبزرویٹری کی متذکرہ فلکیاتی تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ

"چند ایسی معتبر اطلاعات بھی موجود ہیں جہاں بہت اچھی کیفیتوں میں چاند اس وقت دیکھا گیا جب اس کی عمر صرف بیس گھنٹے تھی۔"

چونکہ قرآن شمس و قمر کے اوقات حسابی طور پر بالکل درست تسلیم کیے جاتے ہیں اس لیے بعض حالات میں نئے چاند کے نظر آنے یا نہ آنے کے امکانات سے ضرور فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے مثال کے طور پر ایک شام نئے چاند کی عمر صرف پندرہ گھنٹے یا اس سے کم ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ اس روز چاند نظر آنے کا بالکل امکان نہیں۔ اسی طرح اگر اس کی عمر پینتیس ۳۵ گھنٹوں سے تجاوز کر جائے تو رویت ہلال کے امکانات انتہائی زیادہ ہوں گے لہذا کم از کم ان مہینوں کے لیے ہم روزمرہ زندگی میں اپنے انتظامات کو آخری شکل دے سکتے ہیں۔ ماہرین ہر ماہ آسمان پر ہلال کی موجودگی کے صحیح رُخ کی نشان دہی کر سکتے ہیں تاکہ اسے درست سمت تلاش کرنے میں آسانی ہو۔

یہ خواہش اپنی جگہ بڑی حسین معلوم ہوتی ہے کہ کل عالم اسلام میں تمام مذہبی تہوار ایک ہی روز منعقد ہوں مگر اس مقصد کے لیے شرعی قیود کو پس پُشت نہیں ڈالا جاسکتا۔ ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو کسی ملک کا ایک روز کرہ ارض کے کسی نہ کسی دوسرے حصہ کے دن سے ہمیشہ مختلف ہوتا ہے کیونکہ زمین کے ہر درجہ طول بلد پر مقامی وقت میں فرق ہوتا ہے جو سارے خطہ پر دن اور رات کے چوبیس گھنٹوں تک پھیلا ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر دنیا کے دو مشہور ممالک نیوزی لینڈ اور کینیڈا میں وقت کا انتہائی فرق ۲۱ گھنٹے ہے، گویا نیوزی لینڈ میں شام تک ہر وہ جس یوم یا تاریخ کے تحت گزارا جاتا ہے اس وقت کینیڈا میں وہ یوم یا تاریخ نہیں ہوتی بلکہ وہ ایک دن پیچھے جارہے ہوتے ہیں۔ ان کے سب سے بڑے تہوار کرسمس کی بھی یہی حیثیت ہوتی ہے

یعنی جب نیوزی لینڈ میں لوگ کرسمس منا کر سو جاتے ہیں اس وقت کینیڈا کے لوگ کرسمس کی صبح کے انتظار میں خواب خرگوش کے مزے لے رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح امریکہ کے انتہائی مغربی زون میں کرسمس کی تقریبات روس کے انتہائی مشرقی زون سے ۱۰ گھنٹے بعد شروع ہوتی ہیں یعنی جب اول الذکر ملک میں کرسمس کا دن گزر جانے کے بعد نصف شب ہوتی ہے تو موخر الذکر ملک میں ابھی کرسمس کی صبح کے آثار نمودار ہو رہے ہوتے ہیں۔ ایک ہی تاریخ ہونے کے باوجود ان لوگوں کی تقریبات کا تقریباً ایک دن کے فرق سے منایا جانا ان کے لیے کوئی مسئلہ نہیں۔

کرسمس کا تہوار صدیوں سے ہر سال ۲۵ دسمبر کو منایا جاتا ہے مگر ۱۵۸۲ء سے پاپائے روم کے مرتب کردہ عیسوی کیلنڈر میں جاری کیلنڈر سے دس دن حذف کر دیے جانے کے باعث یورپ کے بعض ممالک میں یہ جس تاریخ کو منایا جانا شروع ہوا وہ دوسرے ممالک میں حقیقتاً ۱۵ دسمبر تھی۔ ۱۷۰۰ء میں یہ فرق گیارہ دن ہو گیا۔ برطانیہ میں ڈیڑھ سو سال سے زیادہ عرصے تک جب تک کہ وہاں پاپائے روم کی تقویمی ترامیم کو قبول نہ کیا گیا، یہ اختلاف برقرار رہا جو یورپ کے بعض ممالک میں مزید فرق کے ساتھ بیسویں صدی کے ربع اول تک جاری رہا۔ یہ مثال ان ترقی یافتہ ممالک کی ہے جن کی تعریف میں ہم زمین آسمان کے قلابے ملا ڈالتے ہیں، وہاں تین ساڑھے تین سو سال تک کرسمس کی مذہبی عبادات ڈیڑھ ہفتے کے فرق سے منعقد کی جاتی رہیں، اگر رویت ہلال کے اختلاف کے باعث ہم دو ملکوں میں عید ایک یوم کے فرق کے ساتھ منا لیتے ہیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، دیگر مذاہب کے پیشواؤں نے وقت کے تقاضوں کے مطابق مذہبی اصولوں میں تبدیلیاں کر لیں لیکن اسلام دین فطرت ہے، اس میں عبادات کا انعقاد سائنسی آلات اور جدید علوم کا مرہون منت نہیں (اگرچہ ان سے استفادہ کیا جا سکتا ہے) کوئی فرد عبادات کے اوقات یا دنوں میں ترمیم کا مجاز نہیں، مختلف ادوار میں ماہرین علم ہیئت کے نظریات میں تبدیلی کے باعث شمسی تقویم میں اختلاف ہوتا رہا اور ہو سکتا ہے کہ مزید تحقیقات کے بعد اس میں مزید ترامیم کی جائیں لیکن بصری رویت ہلال ان پیچیدگیوں سے مبرا ہے، میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم اس معاملے میں گو مگو کی کیفیت سے ہر دم دوچار رہیں، اگر باقاعدہ تحقیق سے شرعی اصولوں کے مطابق رویت ہلال کا کوئی متفقہ معیار مقرر کیا جا سکتا ہے تو اس میں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہیے، البتہ یہ تحقیق اس قسم کی نہ ہو جیسا کہ ہم نے رویت ہلال کو فلکیاتی نظریے کے تابع کر کے زیادہ سے زیادہ ایک روز کے اختلاف کو دو روز تک بڑھا دیا ہے۔

سٹلائٹ کی ایجاد سے دنیا کے دور دراز ممالک کے فاصلے سمٹ گئے ہیں۔ یہ تجویز کہ جس ملک میں رویت ہلال پہلے ہو جائے وہاں کی شہادت کی بنیاد پر سٹلائٹ کے ذریعہ کسی عالمی مرکزی رویت ہلال کمیٹی کے اختیارات کے تحت تمام عالم اسلام میں ایک ہی روز آغاز ماہ کا اعلان کر دیا جائے، قطع نظر اس مسئلہ کے کہ اختلاف مطلع کے سبب ایک ملک کی رویت دوسرے ملک کے لیے حجت ہے یا نہیں میری رائے میں ناقابل عمل ہے۔ رویت ہلال مغربی ممالک میں اکثر پہلے ہوتی ہے، اس فیصلہ کو مشرقی ممالک میں نافذ کرنا اس لیے ممکن نہیں کہ وہاں اگلی صبح کے بعد دن کا ایک حصہ ختم ہو چکا ہوگا۔ وسطی ممالک میں بھی رات کے ایک حصے تک بے یقینی کی کیفیت سے دوچار نہیں رہا جاسکتا کیونکہ رویت ہلال کا تعلق بعض اوقات مغرب کے فوراً بعد عبادات کی ادائیگی سے بھی ہوتا ہے اور اگلے روز (مثلاً عید) کی تیاری کے لیے بھی مختلف ممالک میں اس قسم کا اختلاف تو عمومی بات ہے صرف ایک ملک کے اندر جو شرقاً غرباً وسیع رقبے پر محیط ہو یہ کیفیت پائی جاسکے گی۔ مثال کے طور پر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے انتہائی مشرقی اور مغربی زونوں کے معیاری اوقات میں چھ گھنٹوں کا فرق ہے۔ اگر وہاں مغربی زون میں چاند سب سے پہلے نظر آجائے تو اس وقت مشرقی زون میں نصف شب کا عالم ہوگا۔ روس کے اندر یہی فرق سات گھنٹے تک ہے۔ عام طور پر بھی دیکھا جائے ان ممالک کے مغربی حصوں میں مشرقی حصوں کی نسبت دن اور تاریخیں چھ سات گھنٹوں بعد شروع ہوتے ہیں، وہاں ایک ہی ملک میں اس قدر فرق ہونے کے باوجود ان کا کاروبار بطریق احسن چلتا رہتا ہے۔ ہمارے ہاں بصری رویت ہلال کے بعض دوسرے ملکوں سے اختلاف کے باعث کوئی خصوصی مسئلہ پیدا نہیں ہو جاتا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ماہرین علوم فلکیات اور ماہرین علوم دینیہ کے باہمی اشتراک سے اس مسئلہ میں سہولتیں پیدا کی جاسکتی ہیں۔ دونوں اطراف ایک دوسرے کو اپنے علوم کے بنیادی اصولوں سے مفصل طور پر آگاہ کریں اور پھر مشترکہ طور پر بصری رویت ہلال سے متعلق ایک خاص نقطہ نگاہ تک ارشادات کی روشنی میں اس مسئلے کا باقاعدہ حل تلاش کریں۔

Monthly ALFURQAN 31, Naya Gaon West Lucknow (U.P.)

VOL. 49 NO. 12 ~~JULY 1981~~ DEC. 81 Phone: 45547